بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

لَنْ تَنَالُوا

مولانا
محمد اکرم اعوان

4

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اکرم التفاسیر

لَنْ تَنَالُوا

مولانا
محمد اکرم اعوان

4

اکرم التفاسیر

مولانا محمد اکرم اعوان

پارہ.....................چہارم
باردوم.....................مارچ 2013ء
تعداد.....................ایک ہزار
قیمت.....................-/470روپے

ناشر عبدالقدیر اعوان
ناظم نشرواشاعت ادارہ نقشبندیہ اویسیہ
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

نے انتخاب جدید پریس لاہور سے طبع کروایا

اویسیہ کتب خانہ
اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ۔ ٹاؤن شپ لاہور

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی سمجھنے میں انتہائی آسان، فرقہ پرستی سے پاک اور موجودہ زمانہ کے مطابق لکھی ہوئی قرآن اردو تفسیر وٹس ایپ پر فری حاصل کریں۔

یاد رکھیں گناہ جہالت کا پھل ہوتا ہے اور یہ بڑی شرم اور بدبختی کی بات ہے اگر ہم ساری زندگی میں اتنا بھی نہ جان سکیں کہ قرآن میں لکھا کیا ہے۔ لیکن اب آپ کے پاس آسان طریقہ موجود ہے۔ قرآن کی تفسیر ہر وقت آپ کی جیب میں ہوگی اور آپ کو جب بھی دن میں فارغ وقت جہاں بھی حاصل ہو آپ کچھ صفحے روزانہ پڑھتے رہیں اس طرح کچھ ہی وقت میں آپ پورے قرآن کی تفسیر سمجھ سکتے ہیں جس سے آپ کے ہزاروں عقائد و اعمال کی اصلاح ہوکر شریعت کے مطابق ہو جائیں گے اور آپ کی دنیا اور آخرت دونوں جہاں بہترین ہو جائیں گے۔ ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر موجود ہے۔



www.QuranTafseer.net

0092 323 520 5255

اپنے وٹس ایپ سے اوپر دیئے گے نمبر پر میسج کریں کہ آپ کو لکھی ہوئی تفسیر چاہیے۔ جبکہ ویب سائیٹ سے بھی آپ یہی تفسیر آڈیو، وڈیو اور تحریر کردہ حاصل کرسکتے ہیں۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں سے یہ پوسٹ شئیر کرکے ڈھیروں ثواب حاصل کریں

تعارف

سِیۡمَاهُمۡ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ مِّنۡ اَثَرِ السُّجُوۡدِ: کیا اس آیت کریمہ کے مصداق لوگ اب بھی موجود ہیں؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنا ہو تو کسی تحقیق کی ضرورت نہیں بلکہ اس رخ روشن کی زیارت کی ضرورت ہے جس کی پیشانی سجدوں کے اثر سے روشن ہے۔ ان سجدوں کے اثر سے جو مومن کو باتباع نبی کریم ﷺ اللہ کا وہ قرب نصیب کرتی ہیں جو نبی کریم ﷺ کو معراج کے سفر میں حاصل ہوا۔ یہ روشن پیشانی ہے امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کی جو سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے شیخ المکرم ہیں اور نبی کریم ﷺ کے سچے جانشین ہیں۔ جن کا قلب نورِ نبوت سے نہ صرف خود روشن ہے بلکہ یہ روشنی وہ قلب اطہر رسول ﷺ سے لے کر تقسیم فرما رہے ہیں۔ یہ وہ روشنی ہے کہ جب قلب میں ذکر الٰہی سے در آتی ہے تو کفر کی ظلمت کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں اور آن کی آن میں روشنیاں وجود کا حصہ بن جاتی ہیں۔ وہ روشنیاں جو کردار وعمل کے لئے راستوں کو روشن کرتی ہیں جن میں صحیح وغلط، حق و باطل واضح ہو کر قلب پر مترشح ہوتا ہے۔ منزل کا نشان ملتا ہے اور عمل کی قوت بھی۔ انسان مضبوط قدموں، ہمت وحوصلے سے اور خلوصِ قلب کے ساتھ اس روشن راستے پر چل پڑتا ہے جن پر چلنے والوں کیلئے اللہ کے انعام کا وعدہ ہے اور جن سے دنیا وآخرت دونوں سنور جاتی ہیں۔ محبتِ الٰہی میں دل وروح، جسم کا ذرہ ذرہ سربسجود ہو جاتا ہے۔ اطاعت الٰہی اور اتباع رسول ﷺ، حسن اخلاص کے ساتھ نصیب ہوتا ہے۔ اپنے علاوہ انسان دوسروں کے لئے بھی فائدہ مند بن جاتا ہے۔ ہاں یہی وہ نورِ نبوت ہے جس سے اس مردِ مومن کی سجدوں سے آراستہ پیشانی چمک رہی ہے۔ دل میں نبی کریم ﷺ کی اس امت کا درد لئے جو کبھی انسانیت کے درد کا درماں تھی اور آج کفار کے مشقِ ستم کا شکار ہے، وہ اس کی راہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ہاں اس امت کی راہنمائی کا فریضہ جو بعثت سے پہلے جہالت کے اس درجے میں تھی کہ کوئی ان کو اپنی رعایا بنانے کو تیار نہ تھا۔ جس میں سب ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ کسی کا حق، عزت، آبرو محفوظ نہ تھی۔ عدل وانصاف ناپید تھا۔ بداخلاقی، برائی، بے حیائی، حق تلفی، گالی گلوچ کو تہذیب سمجھ کر اس پر فخر کیا جاتا تھا۔ آقائے نامدار ﷺ کی بعثت نے ان اندھیروں کے باسیوں کو عشق الٰہی، عشقِ مصطفی ﷺ اور کردار وعمل کی وہ روشنی اور مضبوطی عطا کی کہ وہ عشقِ مصطفی ﷺ ودین حق کی مشعلیں روشن کر کے 23 برس کے عرصے میں تین چوتھائی دنیا کے لوگوں کی دنیا سے اندھیرے دور کر گئے۔ آج پھر وہی عالم ہے، وہی اندھیرا، وہی ظلم، وہی بداخلاقی، وہی بے حیائی ہے جو بعثت عالم سے پہلے تھی، مگر اللہ کریم اپنے مخلوق پر حد درجہ مہربان ہے، وہ ہر زمانے میں نور کی شمعیں اپنے بندوں کی راہنمائی کے لئے روشن رکھتا ہے جس کی روشنی میں

1B

اپنے کردار وعمل کی خامیاں دیکھے اور اسے دور کر کے نہ صرف اپنی بلکہ دوسروں کی دنیا وآخرت کی فلاح وکامیابی کا باعث بن جائے۔ اہل اللہ وہ ہستیاں ہیں جو تعلیماتِ نبی کریم ﷺ کو ان میں موجزن کیفیات کے ساتھ حاصل کرتی اور دوسروں تک پہنچاتی ہیں۔ ان کا لمحہ لمحہ قربِ الٰہی کے حصول اور اللہ کی مخلوق کی بہتری میں گزرتا ہے۔ وہ لوگوں کو مخلوق کی غلامی سے نکال کر اسے اس کے خالق کے روبرو کھڑا کر دیتے ہیں۔ مختلف ادوار میں اہل اللہ نے یہ کاوشیں جاری رکھی ہیں۔ آج امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ مختلف طریقوں سے امت کو جگانے کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ ذکرِ الٰہی کی ترویج کے ساتھ ساتھ وہ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ اسرار التنزیل جو دورِ حاضر کے حالات کے تناظر میں لکھی گئی ہے، کے بعد اکرم التفاسیر ان کے بیانات پر مشتمل تفسیر ہے۔ یہ تفسیر اپنی نوعیت کی انوکھی تفسیر ہے جو ایک عام شخص سے لے کر علماء وفضلاء تک کے لئے یکساں مفید ہے۔ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق اس میں سے اپنی زندگی کے راستے کے لئے راہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔ یہ تفسیر صاحب تفسیر کے تصوف کے میدان میں پچاس (50) سالہ تجربے کا نچوڑ ہے۔ اپنے شیخ کامل حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ سے سلوک کی تربیت حاصل کرنے کے بعد تمام دنیا میں ذکر الٰہی کی ترویج کرنے کیلئے سفر کئے۔ اس سفر کے تجربات ان کے سفر نامے ''غبارِ راہ'' میں شامل ہوئے۔ اس کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ صاحبِ تفسیر کی تمام دنیا کے مذاہب، تہذیب اور تمدن پر گہری نظر ہے وہ سمجھتے ہیں کہ پوری دنیا کے انسانوں کی جسمانی وروحانی ضروریات ایک جیسی ہیں۔ انسان چاہے جدید شہروں کا باسی ہو یا افریقہ کے جنگلات کا، اپنے خالق کا متلاشی رہتا ہے اور اس سے آشنائی کے بغیر بے چین رہتا ہے۔ اللہ سے تعلق انسان کو انسان بناتا ہے جبکہ خالق کائنات سے دور لوگ اندھیروں کے باسی ہیں، جن کی اخلاقیات کا جنازہ نکل چکا ہے اور شیطان حیران ہے کہ یہ مخلوق اس کو بھی شیطنت میں پیچھے چھوڑ گئی۔ مگر صاحبِ تفسیر انسان کے انسانیت سے گر جانے پر ان کا درد محسوس کرتے ہیں اور نبی کریم، رحمۃ اللعالمین ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے لوگوں کو کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ میں گرنے سے بچانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ یورپ میں عورت کو برہنہ، اخلاق باختہ اور پریشان دیکھ کر اس کا دکھ محسوس کرتے ہیں اور اس احساس ذمہ داری کو اجاگر کرتے ہیں کہ اس اللہ کی مخلوق کو اس کے خالق سے آشنا کرانے کی ذمہ داری جن کی تھی وہ بھی اسی معاشرے میں اپنی راہ گم کر رہے ہیں۔ وہ مسلمانوں کیلئے دین ودنیا میں توازن رکھتے ہوئے اپنی بہترین صلاحیتوں کو استعمال کرنے کے حامی ہیں اور جدید ٹیکنالوجی کو مثبت طریقے پر نیکی کے احیاء اور برائی کو مٹانے کی کوشش میں استعمال کرنے پر زور دیتے ہیں۔ اکرم التفاسیر اس دور کے حالات پر گہری نظر رکھتے ہوئے اور اس میں درپیش مسائل کے پیشِ نظر لوگوں میں یہ شعور پیدا کرنے کی کاوش ہے کہ انسان کس لئے پیدا ہوا، اس کا مقصدِ حیات کیا ہے، اس

کی ابدی فلاح کس چیز میں ہے اور وہ کون سے عوامل ہیں جن سے وہ فلاح سے محروم ہے اور اسے پانے کا طریقہ کیا ہے۔ اللہ سے انسان کا رشتہ کیا ہے، محسنِ انسانیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانیت کو معراج پر پہنچنے کی کیا راہ بتائی۔ اپنی علمی وعملی زندگی کے تجربات اور اللہ کریم کے قلبی انعام یعنی فہم قرآن کے نتیجے میں یہ تفسیر منظرِ عام پر آ رہی ہے جو انتہائی آسان زبان میں ہے۔ اس کا قاری چاہے عام خواندہ دیہاتی شخص ہو یا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ، قانون دان ہو یا سیاست دان، حکمران ہو یا عام آدمی، عورت ہو یا مرد، انجینئر وڈاکٹر ہو اس سے یکساں مستفید ہو سکتا ہے۔ اکرم التفاسیر چونکہ بیانیہ تفسیر ہے اس لئے یہ عام اور جدید حالات کے تناظر میں انسان کو درپیش مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں بتاتی ہے۔ جہاں قانون دان، عدالتوں میں اس کے حوالے دے کر عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرتے ہیں، وہاں نفسیات دان انسانی زندگی کے نفسیاتی مسائل کی وجہ، پراسس اور حل اس قرآن وسنت کی روشنی سے حاصل کر کے انسان کی مشکل زندگی کو آسان بناتے نظر آتے ہیں۔ جہاں اہل معاشیات پیچیدہ مسائل کا سادہ اور عملی حل پاتے ہیں وہیں گھریلو اور خاندانی زندگی میں اخلاص ومحبت درگزر اور اعلیٰ حوصلگی کے ذریعے تمام روابط کو فطری آسودگی مہیا کرنے کے عملی راستے واضح ہوتے ہیں۔ صاحبِ تفسیر نے حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں جس طرح امتِ مسلمہ کی زندگی کے ہر پہلو کا حل قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ سے پیش کیا ہے، وہ انہیں کا خاصہ ہے۔ اس تفسیر میں شیخ المکرم سنتِ نبی اکرم ﷺ کی روشنی میں لوگوں کے کندھوں کے بوجھ ہلکے کرتے اور لوگوں کی گردنوں سے رسومات اور غلامی کے طوق اتارتے نظر آتے ہیں۔ اکرم التفاسیر کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اسے پڑھ کر آپ ﷺ کی غلامی اختیار کرنے کو جی چاہتا ہے اور جب انسان کا دل کسی کام میں شامل ہو جائے تو اسے بدلنے اور اشرف المخلوقات بننے سے کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ اللہ کریم ہم سب کو اس تفسیر کی روشنی میں ایک مسلمان اور انسان کی حیثیت سے اپنا جائزہ لینے اور اپنی اصلاح اللہ اور اس کے حبیب اور کریم رسول ﷺ کی پسند کے مطابق کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور امتِ مسلمہ کو اس کا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل ہو اور صاحبِ تفسیر کو اس کاوش کا بے حساب اجر دین ودنیا دونوں میں عطا فرمائے۔ آمین

بنتِ سیماب

فہرست مندرجات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ مَنْ زَانَتْ بِهِ الْعُصُرُوْا

پارہ 4 لَنْ تَنَالُوْا

سورۃ آل عمران رکوع 10 آیات 92 تا 101

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ
بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ
عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا
كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا
وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۬ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ
اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ
كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ
عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝١٠٠ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ
تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝١٠١

جب تک تم اپنی محبوب چیز کو (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو تم ہرگز بھلائی نہ پا سکو گے
اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو تو یقینا اللہ اس کو جانتے ہیں ﴿۹۲﴾ بنی اسرائیل کے لئے
تمام طرح کے کھانے حلال تھے سوائے ان کے جو یعقوب (علیہ السلام) نے
تورات نازل ہونے سے پہلے اپنے پر حرام کر لئے (ان سے) کہیے اگر تم سچے ہو تو
تورات لے آؤ سو اس کو پڑھو ﴿۹۳﴾ پھر جو کوئی اس کے بعد اللہ پر جھوٹ باندھے
تو ایسے ہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں ﴿۹۴﴾ کہہ دیجئے کہ اللہ نے سچ فرمایا تو دین
ابراھیم (علیہ السلام) حنیف کی پیروی کرو اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں
تھے ﴿۹۵﴾ یقینا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے
برکت والا اور (باعث) ہدایت ہے جہانوں کے لئے ﴿۹۶﴾ اس میں واضح
نشانیاں ہیں جیسے ابراھیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو اس
(مبارک گھر) میں داخل ہوا امن پا گیا اور اللہ کا لوگوں پر حق ہے کہ جو اس (گھر)
تک جانے کی استطاعت رکھے اس گھر کا حج کرے اور جو کفر (انکار) کرے تو یقینا
اللہ جہانوں سے بے نیاز ہے ﴿۹۷﴾ کہیے اے اہلِ کتاب! تم اللہ کی آیات کے
ساتھ کفر کیوں کرتے ہو اور اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہیں ﴿۹۸﴾ کہہ
دیجئے اے اہلِ کتاب! تم اس کو جو ایمان لا چکا اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو تم اس
راہ کے لئے کجی تلاش کرتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر
نہیں ﴿۹۹﴾ اے ایمان والو! جن لوگوں کو (پہلے) کتاب دی گئی اگر تم ان کے کچھ
لوگوں کا کہا مانو گے تو وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں گے ﴿۱۰۰﴾ اور تم
کس طرح کفر کر سکتے ہو جبکہ تم تو وہ ہو کہ تم پر (تمہارے سامنے) اللہ کی آیات پڑھی

جاتی ہیں اور تمہارے درمیان اس کے رسول موجود ہیں اور جس نے اللہ کو مضبوط پکڑا تو
یقیناوہ سیدھے راستے پر لگادیا گیا﴿۱۰۱﴾

تفسیر ومعارف

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ الۡبِرَّ سے مراد ایسا عمل ہے جو اللہ کریم کو پسند آئے۔ مترجمین نے بِرّ کا ترجمہ نیکی لکھا ہے اور کہیں اس کا ترجمہ خیر کامل کیا ہے۔ قرآن حکیم میں بھی دوسری جگہوں پر نیکی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً البقرہ آیت 189 میں یوں ہے۔ وَلَيۡسَ الۡبِرُّ بِاَنۡ تَاۡتُوا الۡبُيُوۡتَ مِنۡ ظُهُوۡرِهَا کہ نیکی یہ نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے داخل ہوا۔ لہٰذا بِرّ کا سادہ اور سلیس ترجمہ یہ ہوگا کہ بِرّ وہ عمل ہے جو اللہ کریم کو پسند آئے اور اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہو جائے۔ فرمایا جب تک اپنی محبوب چیز اللہ کی راہ میں نہ دو تب تک وہ مقبول بارگاہ نہیں ہوتی۔

انفاق کیا ہے؟

اللہ کریم کی رضا کو پانے کیلئے، اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے، اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے تو اسے انفاق کہتے ہیں لیکن انفاق صرف مال و دولت خرچ کرنے تک محدود نہیں بلکہ عملی زندگی کے ہر کام اور عمل پر محیط ہے، لہٰذا تعلیم و تعلم ہو یا تحریر وتقریر، ہنر ہو یا صلاحیت ان سب چیزوں کو اللہ کے لئے استعمال کرنا انفاق ہی ہے۔ لیکن یہ تب تک مقبول بارگاہ الٰہی نہیں ہوتا جب تک ہم اسے اپنی طرف سے خوب اچھی طرح بنا سنوار کر اللہ کریم کو پیش نہیں کرتے۔ سادہ سا اصول دیا کہ کوئی ایسی چیز جو تم خود پسند نہیں کرتے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو قبول نہیں ہو سکتی۔ خرچ کرنا تب ہی مقبول ہوگا جب انسان اپنی محبوب چیز کی قربانی کرے۔ اپنی ضرورت یا خواہش کو قربان کر کے اللہ کو راضی کرنے کیلئے اپنی پسندیدہ اور محبوب چیز دے۔ اس لئے کہ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَيۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۹۲﴾ بندہ اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی دیتا ہے وہ ضائع نہیں جاتا نہ ہی اسے کسی رسید کی ضرورت ہے نہ اس کا حساب رکھنے کی کہ اللہ کریم اس کے عمل کو ذاتی طور پر جانتے ہیں اور بندے کی یہ قربانی اللہ کے ذاتی علم میں ہوتی ہے۔ بندے کو سب سے محبوب اپنی خواہشات ہوتی ہیں۔ ان خواہشات کی تکمیل میں اگر وہ مرضیاتِ باری اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہمیت دیتا ہے، اپنی خواہشات سے صرفِ نظر کر کے اطاعت الٰہی کرتا ہے، اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوشاں رہتا ہے تو

یہ اللہ کے نزدیک بہت پسندیدہ بات ہے اور غریب بھی اس انفاق سے محروم نہیں رہ سکتا۔ آپ ﷺ کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا گیا کہ سرمایہ رکھنے والے انفاق فی سبیل اللہ میں بازی لے جاتے ہیں اور غرباء کا انفاق جس قدر بھی ہو اس کی امراء کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا، اس کا مفہوم ہے کہ اللہ کے ہاں زیادہ یا کم کی کوئی شرط نہیں بلکہ صرف اس خلوص کی اہمیت ہے جس خلوص کے ساتھ عمل کیا جائے، خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ اگر کروڑ پتی شخص لاکھوں اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور ایک مزدور جس کی یومیہ مزدوری چند سو روپے ہے وہ اس میں سے چند روپے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اس مزدور کا انفاق زیادہ پسندیدہ ہے کہ اس کی قربانی اور خلوص کروڑ پتی سے بڑھا ہوا ہے۔

انفاق کا سلیقہ:

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا سلیقہ یہ ہے کہ عمل خلوص سے کیا جائے۔ ایسی چیزیں دی جائیں جو بندے کو خود بھی پسند ہوں۔ ہمارے ہاں رواج یہ ہے کہ جو چیز ناقابل استعمال سمجھی جائے وہ اللہ کی راہ میں دی جاتی ہے۔ ضائع کرنے سے تو بہتر ہے کہ کسی کے کام آجائے، لیکن سلیقہ یہ ہے کہ بہتر چیز اللہ کی راہ میں دی جائے۔ آدمی جب دینے پر آتا ہے تو مال و دولت دے دیتا ہے لیکن اس کے لئے سب سے مشکل کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی خواہشاتِ نفس کو قربان کر کے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت پر کاربند ہو۔ اسی طرح ہر ایک کو جان بڑی پیاری ہوتی ہے اور جان بچانے کے لئے بڑے حیلے کئے جاتے ہیں لیکن جب اللہ کی راہ میں جان دینے کا وقت آئے تو جو خلوص سے رضائے باری تعالیٰ کیلئے جان دے اللہ اس کے اس عمل کو بہت پسند فرماتا ہے۔ سو نیکی اور بھلائی یہ ہے اور عنداللہ یہی سلیقہ عمل کے مقبول ہونے کی علامت ہے جس میں بندہ اپنی خواہشات اور اپنی تمناؤں کو قربان کر کے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرے۔

یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ نیکی کر کے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں کہ نیکی کی تو اس کا حاصل کیا ہوا؟ یہ ایک عجیب رویہ ہے کہ ہم نیکی کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے دین پر بڑا احسان کیا اور جب ہم پر کوئی مصیبت آجائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے دین کا فلاں کام کیا تھا اس کیلئے جو قربانی دی تھی اس کے نتیجے میں ہم پر یہ مصیبت آئی، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم پر جو مصیبت یا تکلیفیں آتی ہیں وہ ہماری اپنی کوتاہیوں کا ثمر ہوتی ہیں۔ ہمارے غلط فیصلوں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

ہم دین کا کوئی بھی کام کرتے ہیں، اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں یا اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو یہ ہمارا اللہ پر اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور دین اسلام پر احسان نہیں بلکہ یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ وہ کسی کو ان کاموں کی توفیق بخش دے۔ بعض احباب کو یہ خیال ہوتا ہے کہ جب سے صلوٰۃ کی ادائیگی کرنا شروع کی ہے، ذکر کیا ہے تو پریشانی آ گئی یا فلاں مصیبت پیش آ گئی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ صلوٰۃ، ذکر اور نیکی تو پریشانیوں کا حل ہے اگر ذکر کرنے کے بعد بھی، صلوٰۃ پنجگانہ ادا کرنے کے بعد بھی، حلال کھانے کے بعد بھی یہ تکلیف آ رہی ہے تو دیکھنا ہوگا کہ بندے کے کردار میں کہاں کوئی کوتاہی ہو رہی ہے جس کی وجہ سے تکلیف آ رہی ہے۔ اور یہ کہ اتنی غلطیوں، کوتاہیوں کے بعد بھی ذکر کی توفیق نصیب ہے تو یہ بندے کا احسان نہیں، اللہ کا احسان ہے۔ کچھ بدوی لوگ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض گزار ہوئے کہ انہوں نے کلمہ پڑھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا تو اللہ کریم نے ان لوگوں کو قرآن حکیم میں یہ جواب دیا کہ اپنے اسلام کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر احسان نہ دھریں فرمایا بلکہ انہیں فرما دیجئے کہ یہ تو ان پر اللہ کا احسان ہے کہ انہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق بخشی۔

ہم بھی اگر عبادات کرتے ہیں، تبلیغ و ذکر کرتے ہیں، اس میں محنت و مجاہدہ کرتے ہیں تو یہ بھی اللہ کریم کی عطا ہے، اس کی توفیق سے ہے۔ دنیوی امور میں تو ہم دوسرا رویہ رکھتے ہیں۔ اگر کوئی ہمیں ملازمت دیتا ہے تو ہم اس کا احسان مانتے ہیں کہ اس نے ہمیں ملازمت دے دی ورنہ وہ کسی اور کو بھی دے سکتا تھا۔ تب تو ہم نہیں سمجھتے کہ ہم اس کی خدمت کر رہے ہیں ہمارا اس پر احسان ہے لیکن جب ہم اللہ کی بارگاہ میں جاتے ہیں تو وہاں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم عبادت کر رہے ہیں، تبلیغ کر رہے ہیں، روزے رکھ رہے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ توفیق دے رہا ہے۔ یہ اس کا احسان ہے کہ وہ توفیق عمل عطا کر رہا ہے۔ کسی شاعر نے کہا تھا۔

منتِ منے کہ خدمت سلطان می کنی
منتِ زا او بداں کہ بخدمت گزاشتیم

یہ احسان نہ دھرو کہ تم بادشاہ کی خدمت کر رہے ہو، یہ احسان بادشاہ کا ہے کہ وہ تمہیں اپنی خدمت پر رکھے ہوئے ہے۔ لہٰذا نیکی کے اجر و ثواب کے لئے پریشان ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ اللہ ذاتی طور

پر جانتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بندہ جو نیکی بھی کرتا ہے اپنی حیثیت کے مطابق ہی کرتا ہے اور اللہ کریم جب اجر سے نوازتے ہیں تو اپنی شان کے مطابق عطا کرتے ہیں۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ رہ گئے یہود و نصاریٰ تو یہ سب بنی اسرائیل سے ہیں جن پر اللہ کے اتنے احسانات تھے کہ اللہ نے ان پر کوئی خاص پابندی تک عائد نہیں کی تھی اور ان کے لیے ہر چیز حلال کر دی گئی تھی۔ سوائے اس کے کہ حضرت یعقوبؑ نے خود کچھ چیزیں ترک کر دی تھیں۔ حضرت یعقوبؑ کو کوئی مرض لاحق ہو گیا تو انہوں نے نذر مانی کہ اللہ کریم انہیں شفا عطا فرمائیں تو وہ اپنی سب سے پسندیدہ غذا ترک کرنے کی قربانی دیں گے۔ اللہ نے انہیں صحت دی اور انہوں نے اپنی پسندیدہ غذا اونٹ کا کھانا ترک کر دیا۔ چنانچہ جب تک تورات نازل نہ ہوئی تھی بنی اسرائیل پر سب کچھ حلال تھا پھر جب تورات نازل ہوئی تو اس میں حلت و حرمت کے نئے احکام آئے۔ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾ اے بنی اسرائیل! تم یہ جو دعوے کرتے ہو کہ تم نے دین کے لئے بڑی قربانیاں دیں تو بتاؤ کہ ایسی کون سی قربانی دی؟ حقیقت تو یہ ہے کہ تمہیں تو دین میں بہت سی رعایتیں ملتی رہیں اور تم نے تو بہت سہولت کے ساتھ زندگی گزاری۔ اگر تمہیں اس بات میں تردد ہے تو اپنی کتاب تورات لے آؤ اور ہمارے سامنے پڑھو تا کہ بات واضح ہو جائے لیکن تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ جو چیز اللہ نے فرض قرار نہیں دی اسے لازم قرار دینا جو چیز اللہ نے حرام قرار نہیں دی اسے حرام کہنا یا جو چیز اللہ نے حلال نہیں کی اسے حلال کہنا یہ تمام وہ باتیں ہیں جو آدمی کو دین سے خارج کر دیتی ہیں۔ اس لئے کہ اللہ کے حلال کو حرام کہنا اور حرام کو حلال کہنا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے اور اللہ پر جھوٹ باندھنا کفر ہے۔

فقہا کا اُمت پر احسان:

فقہا نے اعمال کو کھرا رکھنے کے لئے گہرائی تک احکام کی چھان پھٹک کر کے معاملات کی جزئیات تک واضح کر دی ہیں، مثلاً یہ کہ اگر کوئی چوری کی مرغی پکڑتا ہے تو اسے چاہیے کہ اسے مار کر کھا جائے کہ چوری کی مرغی حرام ہے۔ اگر وہ اسے ذبح کرے گا تو وہ اللہ کے حرام کو حلال کرے گا جو کفر ہے۔ حرام کو حرام سمجھ کر کھانا گناہ ہے اور حرام کو حلال کہنا کفر ہے۔ فقہا پر اللہ کریم اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے جنہوں نے

2A

لطیف سے لطیف معاملات صاف کر دیئے۔

سود کو اللہ نے حرام قرار دیا ہم نے اس کا نام بدل کر مارک اپ اور منافع رکھ دیا۔ کیا نام بدلنے سے حقیقت بدلی جاسکتی ہے؟ اگر اونٹ کا نام بھیڑ رکھ دیں تو کیا اونٹ بھیڑ بن جائے گا یا کتے کا نام بکری رکھ دیں تو کیا وہ حلال ہو جائے گا؟ اس قسم کے حیلے اہل کتاب کا وطیرہ تھا۔ یہود و نصاریٰ اس طرح کیا کرتے تھے۔ اللہ پاک نے فرمایا جو اللہ کریم پر جھوٹ بولتا ہے وہ بہت بڑا ظالم اور بے دین ہے۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ فرما دیجئے جو اللہ نے فرمایا وہ سچ ہے اس میں رائی برابر شبے کی گنجائش نہیں اور یہود و نصاریٰ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ وہ ابراہیمؑ کے پیروکار ہیں اس لئے کہ ابراہیم تو بڑے کھرے، سیدھے، توحید پرست، موحد اور کھرے مسلمان تھے۔ شرک کا شائبہ تک بھی ان کی راہ گزر میں نہیں تھا اور یہود و نصاریٰ تو اللہ کے لئے بیٹے اور بیویاں تجویز کرتے ہیں۔ اے اہل کتاب! تم نے اللہ کی ذات وصفات میں دوسروں کو شریک کیا اور عقیدے سے عمل تک تمہارا ہر عمل مشرکانہ ہے اور ابراہیمؑ کے ساتھ شرک کا شائبہ تک نہیں لہٰذا تم کیسے ان کی ملت بن سکتے ہو؟ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۗ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ فرمایا ابراہیم تو اللہ کا وہ اولوالعزم رسول تھے جنہیں اللہ نے دوبارہ تعمیر بیت اللہ کی سعادت بخشی۔ دنیا میں سب سے پہلا تعمیر ہونے والا گھر بیت اللہ شریف ہے:

بیت اللہ کوئی عام مقام نہیں۔ روئے زمین پر جو سب سے پہلا گھر بنا وہ بیت اللہ شریف ہے۔ حضرت آدمؑ نے سب سے پہلے جو مکان تعمیر فرمایا وہ بیت اللہ ہے۔ دنیا میں پہلے صرف پانی ہی تھا اس پر بیت اللہ شریف کی جگہ پر اللہ نے پانی کی جھاگ کی صورت میں ایک نقطہ رکھا، یہ دنیا کا مرکز ہے، پھر ساری زمین یہیں سے پھیلائی گئی۔ پہاڑ اور وادیاں بنائی گئیں، میدان بنائے گئے، چشمے جاری کئے گئے، دریا اور سمندر ظہور پذیر ہوئے۔

برسوں بعد حضرت آدمؑ دنیا پر تشریف لائے، مقام عرفات پر اماں حوا سے ملاقات ہوئی، پھر چل کر بیت اللہ کے مقام پر باذن اللہ تشریف لائے اور اللہ کے حکم سے اس گھر کی تعمیر فرمائی۔ تب سے لے کر اب

تک اور جب تک دنیا قائم ہے یہ واحد گھر ہے جہاں صرف اللہ کو پکارا جاتا ہے۔ یہ تجلیات ذاتی کا مہبط ہے، اس کے انوارات وتجلیات عالم امر سے آتے ہیں اور عرشوں سے گزرتے ہوئے آسمانوں سے گزرتے ہوئے بیت اللہ شریف پر آتے ہیں۔ بیت اللہ شریف سے گزرتے ہوئے دوسری طرف سے زمین کو عبور کرتے ہوئے، آسمانوں کو عبور کرتے ہوئے، عرشوں کو عبور کرتے ہوئے عالم امر میں جا ملتے ہیں اور صرف زمین ہی نہیں بیت اللہ شریف کے اوپر اتنی بلندیوں تک ہمہ وقت، مسلسل اللہ کریم کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی رہتی ہیں۔ اللہ کریم کے انوارات یہاں اس قدر قوی اور مضبوط ہیں کہ کوئی چیز بیت اللہ شریف کے عین اوپر سے گزرنے کی جرات نہیں کرتی۔ پرندے فضا میں اڑتے پھرتے ہیں لیکن عین بیت اللہ پر سے گزرنے کی جرات نہیں کرتے۔ ہوائی جہازوں کو عین بیت اللہ کے اوپر پرواز کرنے سے روکا جاتا ہے کہ ان کا Navigation System خراب نہ ہو جائے۔ مصر کے رہنے والے ایک فائٹر پائلٹ سے امریکہ میں ملاقات ہوئی۔ اس نے بتایا کہ مصر کی اسرائیل سے لڑی جانے والی ایک بڑی جنگ میں وہ شامل تھا جس میں اسرائیل سے نہرِ سویز کا ایک کنارہ خالی کروالیا گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ پریکٹس کے دوران پائلٹوں کو بتایا جاتا تھا کہ غلطی سے بھول کر بھی بیت اللہ کے اوپر جہاز کو نہ لے جانا۔ میں نے اس سے کہا کہ مصر تو مسلمان ملک ہے اس لئے ادب اور عزت کے لئے وہاں جانے سے روکتے ہوں گے۔ اس نے کہا عزت اور ادب کرنا ایک الگ بات ہے وہاں سے تو کافروں کے جہاز بھی نہیں گزرتے اس لئے کہ اگر جہاز عین بیت اللہ کے اوپر آ جائے تو اس کے وہ سسٹم خراب ہو جاتے ہیں جو پائلٹ کو مختلف قسم کی نہایت اہم معلومات فراہم کرتے ہیں۔ اگر یہ سسٹم خراب ہو جائے تو سوائے تباہی کے جہاز کا کوئی اور انجام نہیں ہوتا۔ تو بیت اللہ شریف پر نازل ہونے والی تجلیات باری سے جاندار تو جاندار مشینیں بھی متاثر ہوتی ہیں۔

مکہ مکرمہ میں تعمیر کیا گیا یہ گھر تمام انسانیت کے لئے بہت ہی بابرکت ہے۔ تمام جہانوں کے لئے ہدایت کا سبب ہے۔ اللہ جل شانہ نے اس کی برکات میں یہ بات رکھی ہے کہ ایمان کے ساتھ جس کا اس گھر سے تعلق ہو جائے، اسے ہدایت نصیب ہو جاتی ہے۔ ہدایت سے مراد ہے کہ زندگی کے تمام امور میں اللہ جلّ شانہٗ کی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی توفیق ارزاں ہو جائے۔

حجرِ اسود:

حجرِ اسود جنت کا پتھر ہے جو حضرت آدمؑ کے ساتھ جنت سے نازل ہوا تھا جسے حضرت آدمؑ نے بحکم الٰہی بیت اللہ شریف کے کونے میں نصب کیا۔ یہ بالکل شفاف اور سفید تھا۔ علماء لکھتے ہیں کہ انسانوں کے باعث اس کا رنگ بدل کر سیاہ ہوگیا۔ علماءِ حق کے مطابق حجرِ اسود ایک گواہ بھی ہے۔ قیامت تک کے لوگوں کا یہ ریکارڈ بھی رکھے گا کہ کون وہاں گیا، کس نیت سے گیا، اس کا کردار کیسا تھا؟ اس کے اعمال کیسے تھے؟ اس میں کتنا خلوص تھا۔ میدانِ حشر میں یہ تمام چیزیں بھی پیش ہوں گی۔

حضرت آدمؑ سے لے کر نوحؑ تک یہ سلامت رہا۔ طوفانِ نوحؑ میں بیت اللہ شریف بھی گر گیا لیکن اس کے پتھر اور حجرِ اسود کو اللہ کریم نے محفوظ رکھا لیکن ابراہیمؑ تک یہ نابود رہا البتہ بیت اللہ کا مقام موجود رہا۔ اکثر انبیائے کرام کی امتیں جب نافرمانی کی وجہ سے تباہ ہو جاتیں اور ان کے ساتھ چند لوگ ہی رہ جاتے وہ انہیں لے کر اس مبارک وادی میں آجاتے۔ اللہ کریم انبیائے کرام کو اس مقامِ عظیم کی نشاندہی فرما دیتے اور انبیاءؑ اس مقام پر قیام پذیر ہو جاتے اور وہیں ان کا وصال ہو جاتا۔ مکہ مکرمہ کی ساری وادیاں اسی مقام پر جمع ہوتی ہیں۔ یہاں سے ایک سمت کو ڈھلان ہے، اب بھی جب بارش ہوتی ہے تو مکہ مکرمہ کے مبارک شہر کی تمام وادیوں کا سارا پانی جمع ہو کر وہاں سے ایک سمت کو نکلتا ہے۔ یوں بلند پہاڑوں اور وادیوں کے درمیان میں یہ ایک بلند مقام تھا۔ چاہِ زمزم کی موجودہ سطحِ آب سے بھی اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

بیت اللہ شریف کے انوارات و برکات میں اکثر انبیائے کرام کا قیام رہا، یہیں ان کا وصال ہوا اور یہیں ان کے وجود ہائے مبارک کو گرد نے اُڑ اُڑ کر ڈھانپ دیا۔ مطاف میں بہت نیچے ایسے اکثر انبیائے اکرام مدفون ہیں جو وصال سے پہلے یہاں اقامت پذیر ہوئے۔

مقامِ ابراہیمؑ :

حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کو کعبہ کی تعمیرِ نو کا حکم ہوا تو دونوں اولوالعزم رسولوں نے تعمیلِ حکم کی۔ مقامِ ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیمؑ تعمیر فرماتے رہے۔ وہ سفید رنگ کا سخت اور خوبصورت پتھر تھا۔ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ اللہ پاک فرماتے ہیں بیت اللہ سارے جہانوں کیلئے مرکزِ ہدایت رہا ہے اور رہے گا۔ اس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں اور مقامِ ابراہیمؑ ہے۔ اللہ کی شان ہے کہ یہ پتھر آج تک وہاں موجود ہے۔ یہ اللہ کریم کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ اس میں اللہ پاک نے ایک

خاص معجزہ رکھ دیا کہ حضرت ابراہیمؑ کو تعمیر کعبہ کے لئے جب کوئی چیز نیچے سے اٹھانا ہوتی تو یہ پتھر نیچے آ جاتا۔ حضرت اسماعیلؑ وہ شئے پکڑا دیتے تو یہ پتھر واپس اپنی جگہ پر چلا جاتا پھر جس طرف کی دیوار تعمیر کرنا ہوتی یہ پتھر انہیں اس طرف لے جاتا۔ یوں یہ چاروں اطراف گھومتا رہتا۔ اس سخت پتھر نے نرم ہو کر سیدنا ابراہیمؑ کے قدم مبارک کے لئے آرام دہ جگہ مہیا کر دی اور اللہ کریم نے اسے ایسا محفوظ کیا کہ وہ اب تک بیت اللہ شریف کے قریب موجود ہے۔ جنہیں اللہ کریم حج اور عمرے کی سعادت بخشتا ہے وہ اس کی زیارت کرتے ہیں اور طواف کی تکمیل کے بعد مقامِ ابراہیمؑ پر نوافل ادا کرتے ہیں جو ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

بیت اللہ کی فضیلت :

جو اس میں داخل ہو گیا وہ امن پا گیا۔ گنہگار اس میں داخل ہوا اس نے توبہ کی تو عذاب الٰہی سے امن میں آ گیا اور دنیوی طور پر بھی جو حدحرم میں داخل ہو جاتا ہے اسے دنیوی امن نصیب ہو جاتا ہے حتیٰ کہ کوئی دشمن بھی حدحرم میں داخل ہو جائے تو حرم کی حرمت ملحوظ رکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔

حرم کی حرمت:

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ حدودِحرم میں فساد ممنوع ہے۔ کوئی مجرم بھی حدحرم میں داخل ہو جائے تو اسے وہاں گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی ضروریات زندگی روک کر اسے حدحرم سے باہر آنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اس پر ایسی پابندیاں لگائی جائیں اس کا راشن پانی بند کر کے اسے حدحرم سے باہر آنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے تا کہ وہ باہر آئے تو اسے گرفتار کیا جا سکے لیکن حرم کی حد کے اندر اسے کوئی چھیڑ نہیں سکتا۔ حرم کی حدود میں جنگ کی اجازت کچھ وقت کے لئے صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائی گئی تھی جب کفار نے حضور ﷺ کے عہد مبارک میں فساد کی کوشش کی تھی۔ اس کے علاوہ حرم کی حرمت ہمیشہ کے لئے ہے اور حرمت حرم حدودحرم تک ہے۔ بیت اللہ شریف سے باہر دور دور تک حدودِحرم ہیں۔ ان میں ویرانے بھی ہیں ان ویرانوں میں اگر کوئی جانور بھاگ کر حدحرم میں چلا جائے تو اس کا پیچھا کرنے والا درندہ بھی اس کا شکار نہیں کرتا اور اس کا پیچھا چھوڑ دیتا ہے۔ یہ اس کا احترام ہے۔

بیت اللہ کی برکات:

بیت اللہ کی زمین کا ٹکڑا بہت ہی بابرکت ہے اور بیت اللہ شریف برکات الٰہی کا مرکز ہے اور تمام

کائنات کیلئے باعث ہدایت ہے۔ جو وہاں جاتا ہے اس کے لئے بھی باعث ہدایت ہے اور جو کسی عذرِ شرعی کے باعث وہاں نہیں پہنچ سکتا اس تک بھی اس کی برکات پہنچتی ہیں کہ روئے زمین پر تمام عالم اسلام کا قبلہ بیت اللہ ہی ہے اور ہر صلوٰۃ میں ہر مسلمان اس کی طرف رخ کر کے اپنا تعلق کعبہ سے جوڑ لیتا ہے یوں بیت اللہ کے انوارات و برکات ہر مسلمان تک ادائیگی صلوٰۃ کے سبب پہنچتے ہیں۔ جس بندے کا تعلق بیت اللہ شریف سے ہو جاتا ہے اسے راہ ہدایت نصیب ہو جاتی ہے۔ تو دنیا میں سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ عقیدہ درست ہو جائے اور بندے کا عمل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق ہو جائے۔ یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اگر کسی کو ساری دنیا کی نعمت مل جائے اور ایمان نہ ملے تو وہ دولت کسی کام کی نہیں۔ نورِ ایمان اور توفیق عمل، بیت اللہ شریف کی برکات میں سے ہے اور یہ نقد ملتا ہے جسے ثواب کہتے ہیں۔ جیسے صلوٰۃ کا ثواب اللہ کریم نے یوں بتایا ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ؕ (العنکبوت 45) کہ ادائیگی صلوٰۃ برائی اور بے حیائی سے روک دیتی ہے یعنی ثواب کا یہ حصہ دنیا میں ہی مل جاتا ہے اور آخرت میں ہر نیکی کو کئی گنا بڑھا کر اجر وثواب دیا جائے گا اور یہ اس کا کرم اور انعام ہوگا لیکن جو ثواب نقد اور فوراً ملتا ہے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی غلامی نصیب ہو جاتی ہے۔ عبادت کے اس نتیجے کو ثواب کہتے ہیں۔

حطیم:

جب حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ تعمیر فرمایا تو یہ ایک مستطیل عمارت تھی اور زمین کے برابر تھی۔ اس کے دو دروازے تھے۔ داخل ہونے کے لئے، ملتزم کی جانب والا دروازہ جو آج بھی دروازہ ہے یہ تھا اور دوسرا دروازہ پچھلی طرف تھا۔ طواف کے بعد لوگوں کو اندر جانے کی سعادت بھی نصیب تھی وہ پہلے دروازے سے داخل ہوتے اور پچھلے دروازے سے باہر نکل جاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن میں یہ عمارت بہت مخدوش ہو گئی اور اہل مکہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے شہید کر کے پھر سے تعمیر کیا جائے چنانچہ قریش مکہ نے اسے شہید کر دیا اور دوبارہ تعمیر کا کام شروع کیا۔ جدہ سے ایک بحری جہاز خریدا گیا جس کی لکڑی سے اندر کی چھت، ستون اور دروازے بنائے گئے۔ اس کی تعمیر میں قریش مکہ نے ایک شرط رکھی کہ بیت اللہ کی تعمیر کے لئے جو رقم عطیہ دی جائے گی وہ یقینی طور پر خالص حلال ہوگی۔ اس میں چوری، ڈاکے، زور زبردستی کے چندے یا دھوکہ دہی سے لیا ہوا مال نہیں لگایا جائے گا۔ بلکہ کسی مشتبہ مال کو بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ یہ شرط لگانے والوں میں چند لوگ ایسے تھے جن کا اللہ کی توحید پر ایمان تھا باقی سب مشرک تھے۔ اہل کتاب بھی

انبیاءؑ کو اللہ کا بیٹا مان کر مشرک ہو چکے تھے۔ ان میں بت پرست، سورج، چاند، ستاروں کی پرستش کرنے والے، فرشتوں اور جنات کو پوجنے والے، عاملوں اور نجومیوں کے پجاری سب ہی تھے۔ عہد فترت تھا کوئی رہنمائی کرنے والا نہ تھا۔ آپ ﷺ ابھی مبعوث نہیں ہوئے تھے تب بھی بیت اللہ کی حرمت کو یوں مان رکھا تھا کہ یہ خالصتاً اللہ کا گھر ہے اس میں مشتبہ رقم نہیں لگائی جائے گی تو جب خالص مال جمع ہوا تو وہ اتنا نہیں تھا کہ مستطیل عمارت کی تعمیر ہو سکے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ عمارت کا ایک حصہ چھوڑ دیا جائے اور چھوڑے ہوئے حصے کے اردگرد دیوار بنا دی جائے تا کہ نشاندہی رہے کہ یہ بیت اللہ کا حصہ ہے۔ تب بیت اللہ مستطیل کے بجائے مربع بن گیا اور ساتھ میں چھوڑا گیا حصہ حطیم کہلایا۔ حطیم بھی بیت اللہ شریف کا حصہ ہے۔

مسئلہ:

اسی لئے فقہا لکھتے ہیں کہ طواف کرتے وقت اگر آدمی حطیم کے باہر سے گزر رہا ہے تو اس کے اوپر ہاتھ نہ رکھے۔ اگر اس کے اوپر ہاتھ رکھ کر طواف کرے گا تو اس کا مطلب ہے کہ اس کا ہاتھ بیت اللہ شریف کے اندر چلا گیا، اس طرح اس کا طواف باطل ہو جائے گا کہ طواف بیت اللہ کے گردا گرد کرنا ضروری ہے اندر جا کر نہیں۔

جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ دل تو یہ چاہتا ہے کہ اسے شہید کر کے اس کی اصل حالت پر تعمیر کیا جائے لیکن لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں وہ یہ سمجھیں گے کہ بیت اللہ کو تبدیل کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بات کو حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے یاد رکھا اور مکہ مکرمہ میں جب انہوں نے اپنی ریاست قائم کر لی تو بیت اللہ کو شہید کر کے حطیم کو اندر شامل کر کے ویسے ہی مستطیل عمارت بنا دی جیسا کہ وہ پہلے سے تھی جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسند فرما رہے تھے اور انؓ کی دلیل یہی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس چیز کا ارادہ فرماتے ہیں وہ بھی سنت ہے اس وقت نومسلموں کا خیال مانع تھا۔ اب کوئی مانع نہیں ہے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارادے پر عمل درآمد کیا جائے۔

بہت سے حکمران آئے اور گئے۔ ولید بن عبدالملک جب حکمران بنا تو اس نے حجاج بن یوسف کو حضرت ابن زبیر کی مکہ پر حکومت ختم کرنے کا حکم دیا تا کہ مکہ مکرمہ کو اپنی سلطنت میں شامل کر لے چنانچہ حجاج بن یوسف نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ لڑتے ہوتے شہید ہوئے۔ بیت اللہ کے پردے بھی جل گئے۔ عمارت کو بھی نقصان پہنچا اور حجاج بن یوسف نے بیت اللہ کو شہید کر کے واپس عمارت

مربع بنادی اور حطیم کو باہر ہی رہنے دیا۔ بعد میں ولید کو علماء نے بتایا کہ ابن زبیرؓ نے جو کیا تھا صحیح کیا تھا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی منشاء تھا۔ تب ولید نے چاہا کہ اب اسے گرا کر دوبارہ مستطیل بنا دیا جائے تو علماء نے منع فرمادیا کہ اس طرح ہر آنے والا حکمران یہی کرے گا کوئی مربع بنائے گا تو کوئی مستطیل لہٰذا اس کی حرمت کا یہی تقاضا ہے کہ اسے اب نہ چھیڑا جائے چنانچہ تب سے یہ عمارت اسی طرح مربع ہے اور اس کے ساتھ حطیم ہے جو بیت اللہ شریف کا حصہ ہے۔

آج مساجد کا تقدس قائم نہ رہنے کا ایک سبب:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے مشرکین و کفار کے ہاں عبادت گاہوں کا بنیادی تصور یہ تھا کہ اس عمارت میں مشتبہ مال کی ایک پائی بھی نہ لگے حالانکہ انہوں نے وہاں بت ہی رکھنے تھے، اللہ کو سجدہ کرنے کا تو ان کے ہاں کوئی تصور نہیں تھا۔ آج الحمد للہ ہم مسلمان ہیں۔ آج جب ہم اللہ کا گھر بناتے ہیں، مسجد بناتے ہیں تو کیا یہ تمیز کرتے ہیں کہ اس پر صرف حلال رقم لگائی جائے۔ ہر کسی سے بلکہ پیشہ ور بازاری عورتوں سے چوروں، ڈاکوؤں سے رقم لے لی جاتی ہے اور پھر ہمیں یہ شکوہ بھی ہے کہ مساجد سے ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگائے جاتے ہیں۔ پیار و محبت کے بجائے نفرتیں بانٹی جاتی ہیں۔ ہر مسجد پر مخصوص لوگ قابض ہوتے ہیں۔ مختلف ذہن کا فرد آجائے تو اسے مسجد میں گھسنے نہیں دیا جاتا، مساجد میں فساد ہوتے ہیں، مساجد پر مقدمہ بازی ہوتی ہے، مساجد میں بم چلائے جاتے ہیں اور عبادت گاہوں کا تقدس نہیں رہا، لیکن اس تقدس کے نہ رہنے کا کوئی تو سبب ہوگا وہ ہم تلاش نہیں کرتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ ہم یہ اہتمام نہیں کرتے کہ مساجد پر خالص حلال سرمایہ خرچ ہو۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ جہاں حرام سرمایہ خرچ ہو گا وہاں برکات نہیں عذاب الٰہی ہوگا۔ اللہ کی رحمت سے محرومی ہوگی۔

ان المساجد للہ مسجد صرف اللہ کی ہے:

مساجد خالصتاً اللہ کی ملکیت ہیں۔ ان پر یہ لیبل لگانا غلط ہے کہ یہ دیوبندیوں کی ہے، یہ بریلویوں کی ہے، یہ سنیوں کی، یہ شیعوں کی ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ مسجد ہے تو وہ صرف اللہ کی ہے اور کسی کی نہیں، کسی اور کو اللہ کے گھر کی ملکیت کا حق نہیں پہنچتا۔ لیکن آج ہمیں اللہ کی مسجد کہاں نظر آتی ہے۔ ہر مسجد پر کوئی نہ کوئی دعویدار متولی بنا بیٹھا ہے اور دوسروں کو اندر آنے نہیں دیتا۔ یہ سب کیوں ہے؟ اس کا سبب جہاں ہمارا کردار ہے وہیں اس کا سبب یہ بھی ہے کہ اب یہ تفریق روا نہیں رکھی جاتی کہ کون سا مال جائز اور حلال ہے اور کون سا ناجائز اور

حرام۔ اس لئے کہ چندہ جمع کرنے والے اس مقصد سے جمع کرتے ہیں کہ مسجد کے نام پر چندہ جمع کر کے زیادہ خود کھا جائیں اور کم مسجد پر خرچ کریں۔

فرضیت حج کی شرائط:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۔ اللہ کی طرف سے لوگوں پر حج فرض ہے۔ حج مسلمان، آزاد، بالغ، ذہنی طور پر صحت مند مرد و عورت پر فرض ہے۔ حج اس پر فرض ہے جسے بیت اللہ شریف تک آنے جانے کی استطاعت ہو۔ استطاعت کے زمرے میں بہت سی چیزیں آ جاتی ہیں۔ اول وسائل حج۔ یعنی آدمی کے پاس اتنے اخراجات کا ہونا ضروری ہے کہ اپنی رہائش گاہ سے سفر شروع کر کے مکہ مکرمہ تک، ایام حج کے گزارنے وہاں سے واپس آنے تک وہ خود کفیل ہو۔ دوم والدین، اولاد اور بیوی کے نان ونفقہ کی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے جتنے دن اس نے باہر رہنا ہے اتنے دن کے اخراجات بہم پہنچا کر جائے۔ سوم صحت درست ہو۔ چہارم راستہ بے خطر ہو۔ پنجم سفر حج میں عورت اپنے محرم کے ساتھ سفر کرے اور حالت عدت میں نہ ہو۔ گویا حج کے لئے بنیاد یہ ہے کہ عقیدہ درست ہو، عمل درست ہو اور رزق حلال ہو۔ آنے جانے کے اخراجات ذاتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کا مفہوم ہے کہ ایک شخص دور سے آئے، سفر کی تھکان اس کے چہرے اور لباس سے نظر آئے گی وہ لبیك اللھم لبیك کہتا ہوا آ رہا ہو گا لیکن اس کی پکار کا جواب نہیں دیا جائے گا۔ اسے رحمت الٰہی سے محرومی اس لئے نصیب ہوئی کہ اس کا لباس حرام سرمائے کا ہوگا۔ اس کا کھانا اور اس کے وسائل سفر سب حرام مال ہوگا۔

آج کے مسلمان کا طرز عمل:

حج تو زندگی میں ایک بار فرض ہے لیکن لوگوں نے حج کو پکنک بنا لیا ہے۔ ایک رواج بن چکا ہے۔ سارا سال رشوت لیتے ہیں، دھوکہ اور فریب کر کے لوگوں کا حق مار کر پیسہ اکٹھا کرتے ہیں پھر حج اور عمرے پر چلے جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ گناہ بخشوا آئیں گے۔ لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ حرام مال سے حج عمرہ کرنا گستاخی ہے، گناہ تو کیا معاف ہونگے حج و عمرہ ہی قبول نہیں ہوگا، الٹا اس عمل پر گرفت ہوگی۔

کچھ احباب کو حج کرنے کا شوق ہے۔ زندگی کے دیگر فرائض چھوڑ کر حج کی فکر میں رہتے ہیں اور حج کا شوق بھی انہیں ہی زیادہ ہوتا ہے جن پر حج فرض ہی نہیں ہوتا۔ کیا انہوں نے اپنے ذمے باقی فرائض ادا کر لئے ہیں؟ کچھ لوگ اس شوق کو پورا کرنے کیلئے چندہ کرتے ہیں۔ مدد مانگتے ہیں۔ جب ان پر حج فرض ہی نہیں

تو انہیں چندہ دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ صرف حج ہی تو فرض نہیں اور بھی فرض ہیں صرف حج ہی تو عبادت نہیں۔ مومن کی تو پوری زندگی عبادت ہے۔ جس پر حج فرض نہیں وہ اپنے باقی فرائض پورے خلوص سے ادا کرے تو اجر ثواب اللہ نے دینا ہے۔ کسی صحابیؓ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ صاحب استطاعت تو حج کرلیں گے جن کے پاس وسائل نہیں ہوں گے اور وہ دور دراز علاقوں کے مسلمان ہوں گے تو ان کا بھی دل چاہے گا کہ وہ حج کی سعادت حاصل کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کچھ فرمایا اس کا مفہوم ہے کہ جس کے پاس وسائل حج نہیں وہ اہتمام کر کے جامع مسجد میں جا کر باجماعت جمعہ ادا کرتا ہے تو اللہ اسے حج کا ثواب دے دیتا ہے۔ جب اجر اللہ کریم نے دینا ہے تو وہ اس چیز کا پابند نہیں ہے کہ صرف مکہ پہنچنے پر ہی ثواب دے گا۔ ثواب اللہ کی فرمانبرداری پر ملتا ہے جس طرح کے حالات ہوں ان میں اللہ کی فرمانبرداری کرتا رہے۔

حصول ثواب کی لازمی شرط:

اللہ کریم اپنی مرضی سے اجر وثواب عطا کرتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع پر عنایت کرتا ہے۔ اس اطاعت میں جتنا خلوص ہو جتنی گہرائی ہو اس کے مطابق عطا کرتا ہے۔ ایسے ہی حج کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ جو شخص بے حیائی اور شہوانی باتوں سے بچا رہا اور فسق وفجور میں مبتلا نہ ہوا تو وہ حج سے اس طرح گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے جیسے وہ آج دنیا میں پیدا ہوا ہو۔ سو قبولیت کی شرط یہ ہے کہ حج اس طرح کیا جائے جیسا نبی کریم ﷺ نے سکھایا ہے جس کی بنیاد درست عقیدہ، رزق حلال اور مناسک حج کو پورے خلوص کے ساتھ خالص اللہ کے لئے ادا کرنا ہے۔

وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ﴿۹۷﴾ اگر کوئی اللہ کے احکام سے روگردانی کرتا ہے تو اللہ کو کسی کی عبادت کی پروا نہیں۔ وہ غنی ہے، انسانوں کی عبادت سے اسکی عظمت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ وہ اس بات کا محتاج نہیں کہ کوئی اس کی عبادت کرے تو اسکی عظمت قائم رہے گی اور نہ کرنے سے اس کی عظمت کو کوئی خطرہ نہیں۔ انسانوں کے کسی عمل سے اس کی ذات وصفات میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ بندہ محتاج ہے کہ اللہ کی عبادت کرے تاکہ اپنی دنیا اور آخرت پر سکون رکھ سکے۔ عبادت کی توفیق دینا بھی اللہ کا بندوں پر احسان ہے۔ اللہ بے نیاز ہے وہ اپنی شان کے ساتھ قائم ہے، کسی کے ماننے یا نہ ماننے کا محتاج نہیں بلکہ ماننے والے پر اس کا احسان ہے اور جو نہیں مانتا وہ خود کو رحمت الٰہی سے محروم کر دیتا ہے۔

قُلۡ یٰۤاَهۡلَ الۡکِتٰبِ لِمَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِیۡدٌ عَلٰی مَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۸﴾ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں کہہ دیجئے کہ تم تو کہتے ہو کہ تم حق پر ہو، اللہ کو ماننے والے ہو، اللہ کے دین کو ماننے والے ہو تو پھر اللہ کے احکام سے کفر کیوں کرتے ہو؟ تم نے تو اپنی کتابوں کے احکام پس پشت ڈال دیئے، جو کتاب بھی اللہ کریم کی طرف سے نازل ہوئی خواہ وہ تورات تھی یا انجیل اس کی بنیاد ہی توحید باری پر تھی اور تم نے توحید باری ہی کو چھوڑ دیا۔ یہود نے حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا (معاذ اللہ) تسلیم کیا اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا (معاذ اللہ) تصور کر لیا۔ جب تمہاری بنیاد ہی اللہ کے احکام کی مخالفت پر ہے تو تم کیسے حق پر ہو سکتے ہو؟ اور یہ مت سوچو کہ یہ سب کچھ بلا نتیجہ ہے بلکہ اللہ تمہارے کردار سے ذاتی طور پر واقف ہے جو برائی کرے گا اسے اس کا نتیجہ بھی بھگتنا پڑے گا۔ وَاللّٰهُ شَهِیۡدٌ عَلٰی مَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۸﴾

بعثت عالی کے بعد یہود ونصاریٰ کا طرز عمل:

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت عالی سے پہلے جن قوموں کے پاس اللہ کی کتابیں تھیں اور جو اہل کتاب کہلائے جاتے تھے وہ دوسروں سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاتے۔ اللہ کے دین کے مددگار بنتے اور اللہ کی رضا کو پاتے مگر ہوا اس کے بالکل برعکس۔ حضور ﷺ کی بعثت پر دو قومیں پہلے سے موجود تھیں۔ ایک یہود جو حضرت موسیٰؑ کی قوم تھی اور دوسرے عیسائی جو حضرت عیسیٰؑ کی قوم تھے۔ یہود کی بدبختی یہ تھی کہ حضرت عیسیٰؑ کی بعثت پر یہود نے ان کی نبوت کا انکار کر دیا۔ صرف انکار ہی نہیں کیا ان کے قتل کی سازش کی۔ بادشاہ وقت کو ان کے خلاف اکسایا۔ ان کی سازش سے وہ قتل تو نہ ہوئے بلکہ اللہ نے اپنے نبی علیہ السلام کو آسمانوں پر زندہ اٹھا لیا۔ اس کے بعد بھی یہود کی دشمنی ختم نہ ہوئی۔ انہوں نے اللہ کے دین کو دین نہ رہنے دیا۔ پیشہ بنا لیا۔

دین کو پیشہ بنالیا جائے تو بندہ دین کے ساتھ مخلص نہیں رہتا:

دین پیشہ نہیں ہے دین صرف دین ہے، جب بھی دین کو پیشہ بنایا گیا خرابیاں پیدا ہوئیں۔ اس لئے کہ پیشہ بنانے سے اس میں دنیا داری آجاتی ہے ہر کوئی پیشے میں سبقت لے جانا چاہتا ہے جبکہ دین صرف اللہ کی رضا میں ڈھل جانے کا نام ہے۔ یہود نے جب پیشہ بنا لیا تو اس کی اہمیت بڑھانے کے لئے حضرت عزیرؑ کے اللہ کا بیٹا ہونے کا اعلان کر دیا کہ یہود تو اللہ کے بیٹے کے ساتھ ہیں (معاذ اللہ) لہٰذا یہود کو تو کبھی عذاب

نہیں ہوگا خواہ کردار کچھ بھی ہو۔ بالفرض کچھ ہوا بھی تو چند روز کی سرزنش ہوگی اور یہودی یقیناً جنت میں جائیں گے اور یہودیوں کے علاوہ کوئی اور جنت میں نہیں جائے گا۔ یہ ساری کہانی دین پر اپنی اجارہ داری قائم کر کے اپنی بزرگی قائم کرنے اور مال و دولت حاصل کرنے کیلئے بنائی۔ جب حضرت عیسیٰ ؑ مبعوث ہو گئے تو انہوں نے حضرت عیسیٰ ؑ کا انکار کر دیا۔ اگر وہ عیسیٰ ؑ کو نبیؐ مان لیتے تو ان کی بنائی ہوئی کہانی ضائع ہو جاتی اور دین کو جو پیشہ بنا لیا تھا اس میں نقصان ہو جاتا۔ مال و دولت اور جھوٹ موٹ کی بزرگی دونوں ہاتھ سے چلے جاتے لہٰذا انہوں نے اپنا پیشہ بچا کر حضرت عیسیٰ ؑ کی نبوت کا انکار کر دیا اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے اگرچہ اللہ کریم نے حقیقت کھول کر رکھ دی۔ فرمایا وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وہ نہ تو حضرت عیسیٰ ؑ کو قتل کر سکے نہ صلیب پر چڑھا سکے بلکہ انہیں اشتباہ ہو گیا۔ (سورہ النساء: 157) اللہ کریم نے اپنی قدرت سے حضرت عیسیٰ ؑ کو آسمانوں پر اٹھا لیا۔ حضرت عیسیٰ ؑ جب دنیا میں تشریف فرما تھے تو آپ کے ساتھ چند لوگ تھے جنہیں حوارین کہتے ہیں۔ حوارین کی رحلت کے بعد عیسائیوں کے پاس اصل کتاب محفوظ نہ رہی بلکہ ان کے پاس حوارین کی کہی ہوئی باتیں رہ گئیں وہ بھی کسی نے ان سے براہ راست نہ سنی تھیں ان کے اقوال بہت بعد میں مدون ہوئے۔ اس لئے آج بھی جو انجیل ہے وہ ایک کتاب نہیں بلکہ مختلف حوارین کے نام پر اکٹھا کی گئیں اناجیل ہیں کہ یہ باتیں فلاں حواری نے بتائی اور دوسری انجیل میں دوسرے کسی حواری کے اقوال ہیں۔

عیسائیت میں شرک در آنے کا سبب:

انجیل تو دنیا پر مفقود ہو گئی عیسائیوں کے پاس اللہ کے نبیؐ کی کتاب ہی محفوظ نہ تھی پھر نبیؐ کے ارشادات کیسے محفوظ رہ سکتے تھے تو بعد کے آنے والے عیسائیوں نے دین میں اختراعات کیں۔ انہوں نے یہ دیکھا کہ یہود اپنی برتری حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا منوا کر قائم کرتے ہیں تو وہ یہودیوں کے مقابلے میں آ گئے انہوں نے حضرت عیسیٰ ؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دے دیا اور کہا کہ الوہیت تو تین میں ہے۔ (معاذ اللہ) اللہ، حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰ ؑ۔ تین میں ایک اور ایک میں تین کا عقیدہ گھڑ کر یہودیوں کے مقابل آ گئے۔ یہ دونوں قومیں اپنے اپنے رہبان اور ربی کے زیر تسلط ان مشرکانہ عقائد میں گرفتار تھیں۔ ان کے مذہبی پیشوا دین پر اجارہ داری قائم کر کے دولت کما رہے تھے۔ لوگوں پر ان کا تصرف تھا لوگ ان کے ہاتھ پاؤں

چومتے۔ انہیں جھک جھک کر ملتے۔ ان کے آگے سجدہ ریز ہوتے نذرانے دے کر اپنے گناہ بخشواتے، وہ فیس لے کر گناہ معاف کرتے وہ لوگ کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاتے!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لانے کا سبب:

اگر یہ قومیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آتیں تو اسلام میں بنیاد توحید باری تعالیٰ ہے۔ اسلام میں خالق ایک ہے، مالک ایک ہے، سر صرف اسی کی بارگاہ میں جھکایا جائے گا۔ سجدہ صرف اللہ کریم کو ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیاءؑ کے امام بھی ہیں۔ اللہ کی ساری کائنات میں ساری مخلوق سے افضل ترین بھی ہیں لیکن اللہ کا ادنیٰ سے ادنیٰ بندہ جب ایمان لے آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے برابر صف میں کھڑا کر دیا اور فرمایا ''میں بھی اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہوں تم بھی اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤ۔'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بندوں کو اللہ کریم سے براہ راست کر دیا۔

''کر دیا ہم سخن بندوں کو خدا سے تو نے''

یہود و نصاریٰ کے بڑے بڑے پادریوں اور پیر خانوں کے پیشواؤں کو یہ بات کیسے گوارا ہوتی۔ انہیں اسلام قبول کر لینے سے مال دولت سے ہاتھ دھونا پڑتا۔ لوگوں پر فوقیت نہ رہتی، انہیں عام آدمی کے ساتھ کھڑے ہو کر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونا پڑتا اور یہ انہیں قبول نہ تھا ایک تو ان کی انانیت کو دھچکا لگتا، دوسرا مذہب کے نام پر جھوٹ کا جو محل کھڑا کر رکھا تھا وہ زمین بوس ہو جاتا لہٰذا انہوں نے نبی کریم ﷺ کی نبوت کا انکار کر دیا۔

یہود و نصاریٰ کے چند خوش نصیب افراد:

یہود و نصاریٰ میں سے چند خوش نصیب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔ وہ ایسے پاک فطرت لوگ تھے کہ اپنی انسانی فطرت کو آلودہ نہ کیا، ہمیشہ حق پر قائم رہے۔ عہد موسوی میں بھی حق پر قائم رہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی بعثت کے بعد ان پر بھی ایمان لائے اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی ایمان لے آئے اور اکابر صحابہؓ میں شامل ہوئے وہ اللہ کے نہایت مقبول بندے تھے۔

اہل کتاب کی اکثریت نے صرف یہی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار کر دیا بلکہ انہوں نے لوگوں کو اسلام سے روکنا شروع کر دیا۔ لوگوں میں پھیل گئے اور بتانے لگے کہ وہ ہی اہل علم ہیں ان کی تو عمریں درس گاہوں میں گزری ہیں، انہوں نے خانقاہوں میں رہ کر دنیا جہاں کے علوم حاصل کئے ہیں اور تمام آسمانی کتابوں کا علم بھی انہی کے پاس ہے اور (معاذ اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعویٰ نبوت درست نہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات مان لو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے بھٹک جاؤ گے تو کیوں پوری دنیا کو اپنی مخالفت پر کمربستہ کرتے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے لگ کر نہ دنیا تمہارے ہاتھ آئے گی نہ آخرت۔

اس پر اللہ کریم نے فرمایا، قُلْ يَآأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٩﴾ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے آپ کو اہل کتاب کہتے ہو تو پھر اللہ کی راہ سے روکتے کیوں ہو؟ تم کس طرح اہل کتاب ہو کہ اللہ کی راہ سے روکتے ہو جو ایمان لے آئے اسے گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہو حالانکہ تم خود اس بات پر گواہ ہو کہ اللہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کرنے کا وعدہ فرمایا۔ جو تمہاری کتابوں میں بھی درج ہے۔ اللہ کی آخری کتاب کے نزول کا وعدہ بھی تمہاری کتابوں میں موجود تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والوں کی شان کے قصیدے بھی تمہاری کتابوں میں تھے اور تم خود اس پر گواہ بھی ہو لیکن تم اس سے مکر گئے اور جو دوسرا قبول کرتا ہے تو اسے روکنے کی کوشش کرتے ہو۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ فرمایا پھر یاد رکھو۔ یہ کہہ کر اللہ کریم نے بڑے دھیمے لہجے میں بات کی لیکن آخر میں بات کہہ دی، فرمایا: اگر اللہ تم سے درگزر کر رہا ہے تمہیں برداشت کر رہا ہے تو یہ نہ سمجھو کہ اللہ کو خبر نہیں ہے، اللہ تمہارے کردار کو دیکھ رہا ہے، اس نے تمہیں تھوڑی سی مہلت دے رکھی ہے، تمہیں لوٹ کر اسی کی بارگاہ میں جانا ہے، پھر تمہاری جواب طلبی ہوگی۔ ان کی گمراہی کا سبب بھی دین فروشی تھی اور آج بھی جو کوئی دین کو پیشہ بنائے گا گمراہی پھیلائے گا۔

جب بھی دین ذریعہ معاش بنے گا گمراہی پھیلے گی:

بدعات بڑھیں گی، دین چھپتا چلا جائے گا، رسومات ورواجات دین کی جگہ لے لیں گے، فرائض چھوٹ جائیں گے اور لوگ رسومات میں قید ہو کر رہ جائیں گے۔ آج ہمارا حال بھی ویسا ہی ہے جیسا یہود

ونصاریٰ کا ہوا تھا۔ ان کے علماء نے بڑے بڑے پیر خانے اور خانقاہیں بنا کر وہاں سے بدعات ورسومات جاری کر کے لوگوں کو اپنا اسیر بنالیا تھا وہاں سے دنیا وآخرت بانٹی جاتی تھی۔ لوگوں کو اپنے اعمال کی فکر نہیں تھی حرام کماتے یا حلال پیشواؤں کو دے آتے اور اپنے گناہ بخشواتے۔ آج مسلمانوں میں بھی یہ مصیبت در آئی ہے، پیشہ وروں نے دین کو پیشہ بنالیا ہے اور بنایا بھی ان لوگوں نے ہے جن کی روزی دین سے وابستہ ہے۔ آج مساجد میں کیا یہ شرط رکھی گئی ہے کہ چندہ صرف حلال پیسوں سے دیا جائے۔ آج کتنے خیراتی ادارے بن رہے ہیں جن میں پیشہ ور عورتوں کو بلا کر ناچ گانا کروا کر فنڈز جمع کئے جاتے ہیں۔ یہ کون سی نیکی ہے کہ غریبوں کے لئے حرام اکٹھا کیا جائے، کیا ہماری قیادت یہ سب کچھ نہیں کر رہی۔ ہندوستان سے فلمی ستارے آ کر ہسپتالوں کے لئے پیسے جمع کرتے ہیں، یہ کیوں ہو رہا ہے؟

بڑی بڑی خانقاہوں میں قوالیاں ہوتی ہیں، باجے گاجے ہوتے ہیں۔ سب کچھ ہوتا ہے صرف اذان نہیں ہوتی۔ ادائیگی صلوٰۃ نہیں ہوتی اور ایسا ایک جگہ نہیں ہزاروں درباروں میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ ہمارے ارد گرد دیکھ لیں کئی کئی دن میلہ لگتا ہے ہر طرح کے باجے گاجے تماشے ہوتے ہیں۔ دکانیں سجتی ہیں مٹھائیاں بکتی ہیں۔ عورتیں بے پردہ پھرتی ہیں محرم نامحرم کی کوئی تمیز نہیں۔ نہ دین کی بات ہوتی ہے نہ دین پر عمل نہ اذان نہ صلوٰۃ۔ اور پھر اس سب کو دین سمجھا جاتا ہے، باعث نجات مانا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعثت عالی کے ساتھ ہی ہر بندے کا اللہ سے تعلق بنا دیا تھا۔ بعد کے ادوار میں علمائے ربانین اسی فریضے کو نبھاتے چلے آ رہے ہیں۔ اللہ سے تعلق، اللہ سے آشنائی یہ کام مسلمان خانقاہوں میں صدیوں سے ہوتا آیا ہے لیکن جب اللہ کی طلب نہ رہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق نہ ہو، درد دل نصیب نہ ہو، لذت آشنائی نصیب نہ ہو تو پھر یہی دنیا بندے پر مسلط ہو جاتی ہے پھر بندہ مرنے لگتا ہے کہ دولت کہاں سے آئے اور آمدن رک نہ جائے پھر اس دولت کی ریل پیل کے لئے نئی نئی بدعات کو رواج دیا جاتا ہے۔ ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو گیارہویں شریف منائی جاتی ہے۔ اول تو گیارہویں کا ہی دین میں کوئی وجود نہیں ہے پھر اس میں چھوٹی اور بڑی گیارہویں کا کیا مقام؟ یہ سب حیلے لوگوں سے پیسے نکلوانے کے ہیں۔ لوگ بھی ایسے ہیں کہ بچے گھر میں بھوکے رہیں گے اور یہ گاڑیوں سے لٹک کر دھکے کھاتے وہاں پہنچیں گے، واپس آئیں گے تو تین دن کا روٹی کا باسی ٹکڑا اٹھایا ہو گا کہ یہ لنگر کا تبرک ہے۔ اس سے برکت ہو گی۔ بھلا

خاک برکت ہوگی جب بچے بھوکے مر رہے ہیں اور پیر صاحب عیش کر رہے ہیں۔ ایسے ایسے عجیب واقعات ہیں کہ سمجھ نہیں آتی۔

ہمارا ایک عزیز ٹیکسی چلاتا ہے اس نے بتایا کہ کسی مرید نے خانقاہ پر جانے سے پہلے مٹھائی کا ٹوکرا خریدا، پھر گاڑی میں بیٹھ کر ٹوکرا سر پر رکھ لیا پھر اتر کر سر پر رکھ کر خانقاہ تک لے گیا۔ اسے کوئی پوچھے کہ ٹیکسی کی ڈگی میں رکھ دے یا اپنے سر پر، بوجھ تو بہرحال ٹیکسی پر ہی آئے گا لیکن وہ کہتا ہے یہ بے ادبی ہے۔ یہ بھلا دین کی کون سی شق ہے۔ یہی حال یہود و نصاریٰ کا تھا جس پر آج مسلمان آنکھیں بند کر کے چل رہے ہیں اور یہی وہ بات تھی جس پر اسلام نے لا الله الا الله کی تیغ چلادی اور ایسی ضرب لگائی کہ اس عقیدے کو چور چور کر دیا۔

نبی کریم ﷺ کے اعلان نبوت کے ساتھ ہی ساری رسومات مٹتی چلی گئیں۔ ہر طالب الٰہی مفلس وقلاش ہر امیر وتونگر جو بھی اسلام قبول کرتا گیا وہ امیر وغریب کی تفریق کے بغیر ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اپنے اللہ سے اپنی بات اللہ کے روبرو شروع کر دیتا۔ اسے نہ کسی پیر کی محتاجی نہ کسی پادری کی ضرورت۔ بندہ ہے اور رب العالمین سے اپنے دکھ سکھ بیان کر رہا ہے، اپنے دل کا حال کہہ رہا ہے۔ پادریوں نے کہا کہ اگر یہ اسلام قبول کر لے گا تو انہیں پیسے دینے کون آئے گا، ان کے ہاتھ پاؤں کون چومے گا تو پھر انہوں نے اللہ کے بندوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے سے روکنے کی بھرپور مہم شروع کر دی۔

آج بھی جن کی معاش دین سے وابستہ ہے وہ اللہ کے بندوں کو اللہ کے نبی کریم ﷺ کے راستے پر چلنے سے اسی طرح روکتے ہیں جیسے یہود و نصاریٰ کے رہبان روکتے تھے یہ وہی لوگ ہیں جو خود کسب معاش کے لئے حلال ذرائع اختیار نہیں کرتے۔

کسبِ معاش کے معروف ذرائع چار ہیں:

معیشت کے معروف ذرائع چار ہیں جن میں اول نمبر پر کاشتکاری ہے۔ اللہ کی زمین پر محنت کر کے رزق کے وسائل پیدا کرنا۔ دوسرے نمبر پر تجارت ہے اور تجارت ضروری نہیں کہ کروڑوں میں ہی ہو۔ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک شخص اس عرض کے ساتھ حاضر ہوا کہ گھر میں فاقے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا گھر میں کچھ ایسی چیز ہے جسے فروخت کیا جا سکے اس نے عرض کی کہ چند بوسیدہ پرانے برتن ہیں جو استعمال میں ہیں، فرمایا وہ لے آؤ۔ وہ لے آیا آپ ﷺ نے ان اشیاء کو فروخت کروا کر ایک رسی اور ایک کلہاڑا

منگوا کر اسے دیا اور فرمایا یہ لے کر جنگل میں جاؤ اور لکڑیاں کاٹ کر شہر میں فروخت کرو۔ جو رقم ملے اس سے گھر والوں کے لئے غذا کا اہتمام کرو۔

تجارت اور مزدوری کرنے میں محنت لگتی ہے اور کاروبار کے لئے قطعاً ضروری نہیں کہ کروڑوں سے شروع کیا جائے، بسوں کے اڈوں پر تیس چالیس روپے کی مالیت کا سامان بھی لوگ بیچتے ہیں اور شام تک گزارے کی رقم گھر لے جاتے ہیں اسی میں محنت کرتے کرتے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ آدمی جب محنت کرتا ہے تو اللہ کریم اس میں برکت بھی عطا کر دیتے ہیں۔

ہمارے مشاہدے میں ایسے لوگ ہیں جو کبھی بسوں میں کنڈیکٹر تھے، آوازیں لگا کر سواریاں بٹھانے والے تھے محنت کر کے پیسہ پس انداز کر کے انہوں نے بسوں میں حصے ڈالے، محنت سے ٹرانسپورٹ کمپنی چلائی پھر وہ لوگ کارخانوں کے مالک بنے اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ اپنی ضرورت کے لئے پرائیویٹ جہاز میں ایک شہر سے دوسرے شہر جاتے تھے تو کاروبار کے لئے کثیر سرمایہ شرط نہیں محنت شرط ہے۔

تیسرا شعبہ ہے ملازمت۔ ہنر ہو تو ملازمت مل جاتی ہے اور ہنر نہ ہو تو مزدوری کی جاسکتی ہے اور پھر رقم جمع کر کے تجارت کر کے اپنی آمدن بڑھائی جاسکتی ہے۔ سو حصول رزق حلال کے یہ چار معروف ذرائع ہیں۔ اگر کوئی ان ذرائع میں سے کوئی ذریعہ بھی اختیار نہیں کرتا اور دین کا کام کر کے سمجھتا ہے کہ وہ دین کی خدمت کر رہا ہے تو وہ غلط سمجھتا ہے۔ دین ذریعہ معاش نہیں ہے اور حلال ذرائع سے کما کر اچھی چیزیں استعمال کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ ادائے شکر ہے۔

حلال ذرائع سے کمانا اور حیثیت کے مطابق رہنا ادائے شکر ہے:

جو لوگ خود محنت سے نہیں کماتے اور لوگوں کے مال نذرانے کے طور پر وصول کر کے عیش کرتے ہیں وہ لوگوں کو ہر وعظ میں بتاتے ہیں کہ دنیا بہت خراب ہے ان سے کوئی پوچھے کہ اگر یہ خراب ہے تو وہ خود کیوں بہترین رہائش، بہترین سواری، بہترین لباس اور اعلیٰ طرز زندگی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

میں نے خود محنت کر کے اپنی حیثیت کے مطابق وسائل زندگی اختیار کر رکھے ہیں۔ میرے پاس دنیا کی بہترین گاڑی ہے اس میں بیٹھ کر لطف آتا ہے تو پھر ہم کیوں کہیں کہ دنیا خراب چیز ہے۔ اللہ نے دنیا کی نعمتیں حلال رکھی ہیں لیکن شرط عائد کر دی ہے کہ حلال کماؤ، محنت سے کماؤ، دیانت داری سے کماؤ، پھر اچھا پہنو اچھا کھاؤ اچھی گاڑی استعمال کرو تو یہ بھی اللہ کا شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ اور قرآن حکیم میں آتا ہے وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ: 11) اللہ کی نعمتوں کو بیان کرو۔ بندے کے اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے،

آنے جانے سے پتہ چلے کہ اس پر اللہ کا اتنا احسان ہے۔ دنیا کی نعمتوں کو اللہ کا احسان سمجھ کر استعمال کرنا اور وقت مقررہ پر چھوڑ جانے کے لئے تیار رہنا دنیاداری نہیں ہے۔ ہمارے پاس الحمد اللہ تمام نعمتیں ہیں ہمیں نہ گاڑی کی فکر ہے نہ جائیداد کی اسی لمحے موت آجائے اسی لمحے تیار ہیں۔ الحمد اللہ اس لئے کہ اس نے یہ یقین بخشا ہے کہ مال اس کا ہے اس نے ہمیں عطا کیا ہے۔ اس کی مہربانی سے جب وقت پورا ہوگا وہ یہی سب کچھ کسی اور کو دے دے گا۔ ہماری یہ ملکیت ہی نہیں ہمیں تو مالک نے دنیا میں عارضی طور پر استعمال کے لئے دیا ہوا ہے۔

یہ احساس یہ یقین تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تعلق سے ملتا ہے اور یہ نہ ہو تو بندہ لذت کام ودہن میں ہی محو ہونا مقصد حیات بنا لیتا ہے اور اس راستے پر چلتے ہوئے اللہ اور اللہ کے دین سے دوسروں کو روکتا ہے۔ یہی کام یہود و نصاریٰ نے کیا جس پر اللہ کریم نے فرمایا کہ خود کو اہل کتاب کہلوا کر اپنے کردار و عمل سے لوگوں کو حق سے روکتے ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ۝۱۰۰ قرآن حکیم میں انسانوں کو چار مختلف طریقوں سے مخاطب کیا گیا ہے۔ ایک يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ! جو پچھلی آیات میں گزرا ایک عمومی خطاب ہے "يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اے اولاد آدم!" ایک خطاب براہ راست کفار سے ہے، يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ۔ اس خطاب کے ساتھ ہی قرآن حکیم میں غضب الٰہی کی بجلیاں کڑکتی ہیں اور چوتھا خطاب ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اے ایمان والو! یہ اس کا لفظی ترجمہ ہے۔ لیکن یہ بہت پر درد، گہری محبت، انتہائی شفقت اور انتہائی لذت سے لبریز خطاب ہے جیسے کسی کا کوئی محبوب ہو اور اتنا عزیز ہو کہ اس کے بغیر ایک پل نہ گزرے اسے دیکھے بغیر اس کے پاس زندگی کا کوئی تصور نہ ہو اور وہ محبوب اسے پیار سے پکارے تو اس پر کیا کیفیت ہوگی؟ یہ تو ایک دنیوی محبوب کی بات ہے لیکن جب کسی کا رشتہء ایمان اللہ سے ہو وہ مشت غبار ہو، عام آدمی ہو جس کی دنیا میں کوئی وقعت نہ ہو لوگ اسے کوئی اہمیت دینے کو تیار نہ ہوں، سارا دن دھکے کھا کر مزدوری میں وقت کاٹا ہو اور پھر خالق کائنات اسے پکارے، اللہ کریم کی ذات پکارے، اللہ اسے اپنا کہہ کر پکارے تو کتنی لذت کتنی کیفیت اس کے دل پر وارد ہوتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے دل میں اللہ کی عظمت ہو۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

آشنائی ہو اور رب العالمین کے ساتھ ہو تو اس لذت کا کیا کہنا۔ جب رب العالمین بندے سے کہے۔ میرے بندو! مجھ سے رشتہ ایمان استوار کرنے والو! میری رضا کے طالبو! میرے چاہنے والو! تو کیا لذتِ ایمان ہے، لہٰذا اگر یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا کا محاوراتی ترجمہ کیا جائے کہ اے میرے چاہنے والو تو یہ ترجمہ درست ہے اور یہی فرمایا اس آیت میں کہ اے میرے چاہنے والو! میرے نبی علیہ السلام کا کلمہ پڑھنے والو! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرنے والو! میری کتاب پر ایمان رکھنے والو! یوم آخرت کا انتظار کرنے والو! اے وہ لوگو! جنہیں یہ انتظار ہے کہ کب میدان حشر ہوگا اور کب وہ جمال باری کو دیکھیں گے۔

دنیا میں لوگ طرح طرح کے خوف میں مبتلا نظر آتے ہیں کسی کو موت سے ڈر آتا ہے کوئی حشر سے ڈر رہا ہے لیکن جن کے دل میں الفت پیغمبر ﷺ ہے جن کے دل میں محبت الٰہی ہے، عشقِ رسول ﷺ ہے وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ کب حشر قائم ہو اور وہ اللہ کے دیدار کی نعمت پائیں۔

اللہ کے چاہنے والوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے پیارے بندے اللہ کو میدان حشر میں یوں روبرو دیکھیں گے جس طرح دنیا میں چاند کو روبرو دیکھتے ہیں اور اس میں مرد و عورت کی تخصیص نہیں ہے۔ عورت اور مرد کی ذمہ داریوں میں فرق ہے جوابدہی میں حساب کتاب میں کوئی فرق نہیں۔ عذاب وثواب میں کوئی فرق نہیں۔ دیدار باری میں کوئی فرق نہیں جس طرح کلام الٰہی اور دیدار باری سے اللہ کے مقرب مرد سرفراز ہونگے اسی طرح خواتین بھی بہرہ مند ہوں گی۔ کیا خوش نصیب ہوں گے اہل ایمان کہ قبروں سے اٹھیں گے تو فرشتے ان کی ناز برداریاں کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لواء الحمد کے سائے تلے جگہ ملے گی۔ اللہ کریم خود عدل فرما رہے ہوں گے اور جمال باری نصیب ہو رہا ہوگا۔

یہ ہے تعریف اہل ایمان کی۔ اور خطاب ہو رہا ہے اہل ایمان سے کہ یہود و نصاریٰ کی بات پر مت جانا۔

یہود و نصاریٰ کا کہنا ماننا کفر میں جانا ہے:

یہود و نصاریٰ کی اطاعت مت کرنا یہ ہمیشہ دھوکہ دیں گے نہ صرف اہل ایمان کا دنیاوی نقصان کریں گے بلکہ ایمان لانے کے بعد پھر کفر میں لے جائیں گے۔ ان کی اطاعت میں آکر ان جیسا بننا پسند ہو جائے گا۔ کیا آج مسلمان کہلوانے والے یہود و نصاریٰ کی اطاعت میں پیش پیش نہیں ہیں۔ خاتون ہے تو نیم برہنہ ہے مرد ہے تو پتہ نہیں چلتا کہ نصرانی ہے یا یہودی۔ چلیئے ان دونوں اقوام جیسے ہیں کیا یہی مسلمانی ہے کہ اگر نصاریٰ کی عورتیں نیم برہنہ ہیں تو مسلمان بھی اپنی خواتین کو ویسا ہی بنا ڈالیں۔ شرعاً مسلمان عورت کا ستر سر سے پاؤں

تک سر کے بال چہرے سے لے کر سارا وجود ستر ہے۔ اگر کسی نے سر سے دوپٹہ اتار دیا ہے تو ایسا ہے جیسے اس نے سارے کپڑے اتار دیئے، اگر بازو ننگے ہیں درمیان میں قمیض ہے اور آدھی ٹانگیں ننگی ہیں تو یہ بھی ویسا ہی جرم ہے۔ بتایئے سکول سے کالج تک، ٹی وی سے اخبار تک، دفتروں سے گھروں سے لے کر قومی اسمبلی تک مسلمانوں کی عورتوں کو کس نے نیم برہنہ کر دیا۔ یہ تو کلمہ پڑھنے والے ہیں یہ تو اللہ کے طالب ہیں یہ تو اللہ کے دیدار کے منتظر ہیں۔

یہ تاثیر ہے یہود و نصاریٰ کے کہنا ماننے کی اور بزعم خود علماء ٹی وی پر فرماتے ہیں کہ لباس میں کیا رکھا ہے۔ بندے کا دل پاک ہونا چاہئے۔ انہیں پوچھنا چاہئے کہ وہ یہ تجربہ کریں کہ دفتر جاتے ہوئے زوجہ محترمہ کا پھولدار لباس پہن لیں پھر دیکھیں لباس سے کیا ہوتا ہے؟ اگر اپنی ہی بیوی کا لباس پہننا طبع نازک پر ناگوار ہے تو مشرکوں کا نیم برہنہ لباس پہننا کیوں پسند ہے۔ حالانکہ بیوی مسلمان بھی ہے اور میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں، لباس بدن کی زینت بھی ہے، گرمی سردی سے بھی بچاتا ہے۔ بدن کے عیب بھی ڈھانپتا ہے۔ ایک دوسرے کو دکھ تکلیف سے بھی بچانے کی کوشش ہوتی ہے تو اتنے قریبی رشتے کا بھی لباس کیوں نہیں پہنتے؟ اس لئے کہ اول تو یہ پہن کر لوگوں میں جاتے شرم آتی ہے اور اگر پہننا شروع کر دیا جائے اور مسلسل چھ ماہ پہنتے رہے تو نوے فیصد عادتیں عورتوں جیسی در آئیں گی۔ عورتوں کی طرح کے الفاظ اور لب ولہجہ اپنا لوگے اگر اپنی ہی بیوی کے لباس کو پہن کر یہ سب کچھ ہو جاتا ہے تو کافر کے لباس سے کیوں نہیں ہوتا؟ لباس میں یہ خاصیت ہے کہ جس قوم کا لباس اپنا لیا جائے سب سے پہلے اس قوم کی بہت سی برائیاں معمولی لگنے لگتی ہیں پھر رفتہ رفتہ بندہ اپنی اصل سے دور ہوتا جاتا ہے اور ان کے اثر میں ضم ہوتا جاتا ہے۔ اللہ کریم اسی بارے ارشاد فرماتے ہیں۔ الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ یہ تو تمہیں واپس کفر میں لے جائیں گے۔ لیکن کیا کیا جائے؟ ایسا وقت آ گیا ہے کہ جو لوگ دین کا کام کرتے ہیں انہوں نے دین کو پیشہ بنا لیا ہے۔ ایسے دیندار لوگ کم ہیں جو معروف طریقے سے جائز کمائی کرنے کے بعد دین پر خرچ کرتے ہیں اور انہی کے منہ سے سچی بات نکلتی ہے۔ ان کا کردار خالص اور کھرا رہتا ہے اور اگر دین ہی پیشہ بن جائے تو جس طرح یہود و نصاریٰ رسومات کے قیدی ہو گئے تھے اسی طرح ہم بھی رواجات میں پھنس کر رہ گئے ہیں اور پڑھا لکھا طبقہ جو اپنی روزی خود پیدا کرتا ہے وہ پیشہ ور مولویوں کی بات سننے کا روادار نہیں اور اسی پر بس نہیں برسر اقتدار طبقہ بدقسمتی سے صرف موروثی مسلمان ہے۔ انہوں نے دنیا کے مادی علوم پڑھ لئے لیکن دین کا مطالعہ نہیں کیا۔ انہوں نے زندگی گزارنے کیلئے دینی علم حاصل کرنا ضروری نہیں سمجھا اسے مولوی صاحب کے لئے چھوڑ دیا۔ دین

صرف مولوی صاحب اور پیر صاحب کا نہیں ہے دین ہم سب کا اپنا ہے ہم سب خود اس کے ذمہ دار ہیں۔ قرآن حکیم ہم سب کی طرف نازل ہوا ہے ہم سب سے بات کرتا ہے۔ اسی آیت کو لیجئے۔ اللہ کریم کتنی محبت سے بات کر رہے ہیں کل انسانیت سے بات کر رہے ہیں۔ یہود و نصاریٰ سے بھی کر رہے ہیں اور مسلمان سے کتنے پیار سے کہہ رہے ہیں اے میرے چاہنے والو! یہود و نصاریٰ پر اعتبار نہ کرنا ان کا کہنا نہ ماننا اور ہم کیسے اللہ کو چاہنے والے ہیں کہ ہم کہتے ہیں کہ اگر ہم یہود و نصاریٰ سے کٹ گئے تو ہم زندہ کیسے رہیں گے؟ یعنی ہم خود کو مسلمان بھی کہلوانا چاہتے ہیں اور یہود و نصاریٰ میں ضم ہو کر رہنے میں فخر بھی محسوس کرتے ہیں۔

اُمت خیر الانام اور چیز ہے اور ہم کچھ اور بن گئے ہیں ہم نہ تیتر ہیں نہ بٹیر بلکہ کچھ اور جنس بن چکے ہیں۔ دنیا میں صرف دو گروہ ہیں ایک ماننے والا ایک انکار کرنے والا۔ ہم نہ ماننے والے ہیں نہ منکر ہیں۔ تیسری قسم نفاق ہے یہ کفر کی سخت ترین قسم ہے اور اس پر بدترین عذاب ہے۔

جب سے ہم نے قومی سطح پر اہل کتاب کا اتباع کیا ہے امت مسلمہ کو اور وطن عزیز کو جتنا نقصان ان کی بات ماننے سے ہوا ہے اتنا نقصان کسی اور وجہ سے نہیں ہوا۔ قوموں کی زندگی ان کی تہذیب میں ہوا کرتی ہے کسی بھی قوم کی تہذیب یا اس کا رہن سہن اس کے معاملات اس قوم کی زندگی کے عروج و زوال کی بنیاد ہوتے ہیں۔ مسلمان وہ قوم ہے جس کا پورا نظام زندگی معاشی، معاشرتی، سیاسی، سماجی سارے کا سارا اللہ کریم کی طرف سے مرتب کردہ ہے اور اللہ کی کتاب میں موجود ہے لیکن اہل کتاب کے اتباع میں ہماری معاشرت اس درجہ قعر مذلت میں گر چکی ہے کہ عام انسانی معاشرے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بے حیائی وہ گناہ ہے جو مفضی الی الکفر ہے یعنی کفر میں لے جانے والا عمل۔ یوں تو ہر گناہ کفر کی طرف ایک قدم ہوتا ہے اور کفر کی طرف لے کر جاتا ہے لیکن یہود و نصاریٰ کا کہنا مان کر جو بہت بڑا قدم اٹھایا گیا ہے وہ ہے بے حیائی۔ جس قوم سے حیا اٹھ جاتی ہے اس کے پاس باقی کچھ بھی نہیں بچتا۔ ہمیں اہل کتاب کے کسی بھی گروہ کی اطاعت سے سوائے بے حیائی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوا اور قرآن حکیم نے بروقت متنبہ فرما دیا ہے کہ اگر تم ان اہل کتاب کی بات مانو گے، ان کی سنو گے یا ان کی اطاعت کرو گے تو یہ تمہیں ایمان کے بعد پھر واپس کفر میں لے جائیں گے۔ وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ ارشاد فرمایا کہ تم کس طرح کفر کر سکتے ہو؟ کوئی وجہ نہیں اس لئے کہ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ کہ تم ہی وہ لوگ ہو جنہیں اللہ کی آیات صبح و شام پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ مرور زمانہ اور صدیوں کی مسافت جس کا حسن گہنا نہیں سکی اس کی صداقتوں پر کوئی حرف نہیں

آیا جس کی آواز ہر قریئے ہر شہر ہر لمحے بلند ہوتی رہتی ہے۔ چھوٹے سے چھوٹے گاؤں میں قرآن حکیم کی تلاوت ہوتی ہے اس کے معنی ومفاہیم سمجھائے جاتے ہیں۔ کتابوں، رسالوں اور اخبارات میں اور ٹیلی وژن پر تمام خرافات کے باوجود ایسے پروگرام بھی رکھے جاتے ہیں جن میں کتاب الٰہی بیان ہوتی ہے۔ آیات وترجمہ، تفسیر وتشریح کیلئے وقت دیا جاتا ہے۔ اللہ کی آیات کا تلاوت کیا جانا کوئی معمولی بات نہیں۔ قرآن حکیم اللہ کا ذاتی کلام ہے، کلام متکلم کی ذات کا آئینہ ہوتا ہے اس کے اوصاف اور اس کے پرتو جمال کا امین ہوتا ہے۔ ہر کلام میں یہ اثر ضرور ہے کہ کچھ عرصہ سنتے رہنے سے رفتہ رفتہ بندے کی سوچ اور کردار بدل جاتا ہے۔ بٹیر لڑانے والوں کے ساتھ بیٹھنے والے ایک دن بٹیر بازی کے شوقین ہو جاتے ہیں۔ جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ رہنے والے ایک دن اسلحہ کی نمائش کرتے نظر آتے ہیں۔ کسی کو پڑھے لکھے لوگوں میں رہنے کا موقع ملے تو وہ کتابوں کا شوقین ہو جاتا ہے اور کسی کو باکردار لوگوں کی صحبت میں چھوڑ دیں تو کچھ عرصے میں اس پر نیکی کا اثر غالب آنا شروع ہو جائے گا اس کا کردار بدلنا شروع ہو جائے گا۔ اگر ایک انسان کے کلام اور اس کی صحبت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اس کا باطن اثرات قبول کر لیتا ہے اور ظاہر اس کے رنگ میں رنگا جاتا ہے تو پھر کلام الٰہی تو اللہ کا کلام ہے اس میں کتنی طاقت ہوگی۔ جو کلام الٰہی سنتا ہے، پڑھتا ہے، اس پر غور وفکر کرتا ہے اور اُسے اُس نظر سے دیکھتا ہے کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے یہ میرے خالق ومالک کا کلام ہے، میرے پروردگار کا کلام ہے اور میرے لئے ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ اللہ کریم اس سے بات کر رہے ہیں۔

اردو ادب میں غالب کے خطوط کا بہت شہرہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا انداز جداگانہ ہے۔ وہ ایسے لکھے گئے ہیں گویا وہ کسی کے روبرو بیٹھ کر بات کر رہا ہے۔ اس کا یہ انداز ادب میں اسے اعلیٰ مقام دے گیا۔ یہ تو انسانی کاوش ہے اور خطوط میں بھی انسانی پیغام ہی ہے لیکن جب اللہ کا قرآن پڑھا جاتا ہے تو اس کی یہ خصوصیت ہے کہ رب جلیل خود اپنے بندے سے بات کر رہا ہوتا ہے لیکن جب ہم کلام الٰہی کو بھی اس نظر سے نہ دیکھیں بلکہ یہ سمجھیں کہ کلام الٰہی کی تلاوت سے ثواب ملے گا اور ہمارے مرنے کے بعد ملے گا تو پھر دنیا میں تلاوت آیات ہمیں کیا دے گی؟

کلام الٰہی کا ثواب اس کی لذت ہے:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ سے باتیں کرے، **فلیقرآء القرآن**۔ اسے چاہئے کہ وہ قرآن پڑھے۔ اللہ کریم اس سے بات کرے گا۔ قرآن حکیم اللہ سے

ہمکلامی کی لذت دے گا۔ کسی شاعر نے بھی یہ بات یوں کہہ دی۔

بیک لفظے تواں گفتن تمنائے جہان را

من ذوق حضوری طول دادم داستان را

کہ دنیا بھر کی تمام باتوں کا جواب ایک ہاں یا ایک نہ میں دیا جا سکتا ہے اور یوں بات مکمل ہو جاتی ہے لیکن میں نے تو بات اس لئے طویل کر دی کہ مجھے بات کرنے کا جو مزہ آرہا تھا میں اسے جلد ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مجھے شرف حضوری میسر تھا۔ میرا محبوب روبرو تھا۔ میری بات سن رہا تھا اس کے کلام کی اس کے سامنے ہونے کی لذت نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں بات کو طول دیتا ہی چلا گیا۔

قرآن حکیم کو اگر اس طرح پڑھا جائے، سنا جائے تو یہ لذت عطا ہوتی ہے۔ بندہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا رب اس سے یہ کہہ رہا ہے کہ یہ کام نہ کرنا اس طرح تم مجھ سے دور ہو جاؤ گے۔ یہ جو خود کو اہل کتاب کہلواتے ہیں اور حقیقتاً مشرک ہو چکے ہیں اگر تم ان کی بات مانو گے تو یہ تمہیں کھینچ کر کفر میں لے جائیں گے۔ گویا یہ بات قرآن میں بطور دلیل ارشاد فرمائی گئی ہے کہ تم کیسے کفر میں جا سکتے ہو کہ تمہارے ساتھ تو اللہ بات کرتا ہے تم سے کلام فرماتا ہے تم پر کرم فرماتا ہے۔ بندہ خود کو دیکھے ماحول میں اپنی اہمیت دیکھے کہ لوگ اس سے کتنی راہ ورسم رکھتے ہیں جسے کام ہو بس وہی ملتا ہے جس اولاد کو محبت سے پال کر بڑا کرتے ہیں وہی کہہ دیتے ہیں بابا جی کو مسجد چھوڑ آؤ، گھر میں انہوں نے کھانس کھانس کر بے دم کر دیا ہے۔ جس شخص کی بات کوئی نہیں سنتا اولاد تک نہیں سنتی اس سے رب العالمین فرماتا ہے مجھ سے باتیں کرا ے میرے بندے، میں تیری باتیں سنوں گا اور تجھ سے کلام فرماؤں گا۔

یہی فرمایا جا رہا ہے اس آیت میں کہ تم وہ لوگ ہو جن سے اللہ کلام فرماتا ہے۔ تم پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں اور دوسری عظیم دلیل یہ ہے کہ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے درمیان موجود ہے۔ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہنے والے لوگ ہو۔

وَفِيكُمْ رَسُولُهُ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور نبوت آج بھی اسی طرح چمک رہا ہے فرمایا تم کیسے بھٹک سکتے ہو جبکہ تمہارے درمیان میرا رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہیں۔ اس آیت مبارکہ کے پیغام کو سمجھنے کیلئے حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقیدے پر ایمان لازم ہے۔

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

وَفِيكُمْ رَسُولُهٗ سے مراد ذات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے جو ہمیشہ اسی حال پر رہے گی خواہ وہ دنیا میں جلوہ افروز ہو یا برزخ میں۔ حیات انبیاءؑ مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے تمام انبیاء کرام کی ارواح مبارکہ مع انؑ کے اجساد مبارکہ کے برزخ میں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام الانبیاء ہیں آپ ﷺ کو اللہ کریم نے بے مثل و بے مثال بنایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیوی حیات مبارکہ اور آپ ﷺ کی برزخ میں حیات مبارکہ کا کماحقہ، علم صرف اللہ کریم کے پاس ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والوں کے لئے یہ ماننا کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دار دنیا سے وصال فرمایا۔ آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے جا چکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم برزخ میں روضہ اطہر کے اندر آرام فرما ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات عالی زندہ ہے لیکن عالم برزخ میں دن رات وہاں کے ہیں۔ موسم وہاں کا ہے، ضروریات برزخ کی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برزخ میں جلوہ افروز ہیں اور ہم دار دنیا میں وجود عالی بیشک دنیا سے پردہ فرما گیا لیکن نور نبوت اور برکات نبوت دلوں سے دلوں کو سفر کرتی رہیں گی۔ حیات النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سمجھنے کیلئے سادہ سی بات ہے کہ شہید کو مردہ کہنا جائز نہیں۔ اگر شہید کو جو نبیؐ کی نبوت پر گواہی دیتے ہوئے جان دے دیتا ہے اسے مردہ کہنا جائز نہیں اور یہ کہ شہید اللہ کے ہاں زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے لیکن انسانوں کو ان کی زندگی کا شعور نہیں۔ جب شہید کی حیات کا شعور نہیں تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات کا شعور کیسے ہو سکتا ہے!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد کوئی صحابیت کو نہیں پا سکتا چونکہ عالم ایک نہیں رہا۔ یہ وجہ نہیں کہ معاذ اللہ حیات نہیں رہی اگر ایسا ہوتا تو پھر کوئی ایمان نہ پا سکتا کہ وَفِيكُمْ رَسُولُهٗ سے محروم ہو جاتا۔ وَفِيكُمْ رَسُولُهٗ کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ فرماتے ہیں میرے نبی ﷺ کی برکات رہتی دنیا تک ختم نہیں ہوں گی۔ میرا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہارے اندر تمہارے دلوں میں آباد رہے گا۔ حیرت ہے کہ اسی آیت کو بنیاد بنا کر کسی نے اسے محض استعارہ قرار دے دیا اور کسی نے اس سے حاضر و ناظر کا عقیدہ گھڑ لیا۔ کلام باری میں کمی بیشی بہت ہی بڑی جرأت ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ اس کا کوئی جواز ہو سکتا ہے اور کس طرح ایسا کرنے والے اللہ کریم کو جواب دے سکیں گے۔

اس کا سیدھا معنی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تا قیامت رسول ہیں۔ دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد بھی ہر زمانے کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہی ہیں۔ بعد وصال برکات نبوت تمام ایمان والوں کو نصیب ہوتی ہیں۔ اس کا ذریعہ صحابہ رضوان اللہ علیھم اجمعین تھے پھر ان کی صحبت میں بیٹھنے والے تابعین تھے جنہوں نے ان برکات کو سمیٹا اور اگلی نسل کو پہنچایا اور تبع تابعین نے سمیٹا اور اگلوں کو پہنچایا۔ یوں دلوں میں انوار محمدی ﷺ کو بسایا۔ سینوں کو برکات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روشن کیا۔

یہی فرمایا جا رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی جملہ برکات نبوت ساری کی ساری موجود ہیں۔ جہاں کوئی کلمہ گو موجود ہے وہاں انوارات وتجلیات باری موجود ہیں اور فیوضات وبرکات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں۔

پھر یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اللہ کا کلام ہو، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کی روشنی ہو، برکات رسالت ہوں اور پھر تم کافروں کی تہذیب اپنالو۔ ایسا ہونا تب ہی ممکن ہے جب تم اللہ کی موجودگی سے منہ موڑلو۔ اگر تم برکات نبوت کا دامن تھامتے تو اللہ کو روبرو پاتے تو تم کفر کی طرف کیسے جاسکتے تھے۔ تم نے دل کے دروازے بند کر لئے کیفیات محسوس کرنا چھوڑ دیں جب تم میں یہ بات نہ رہی تو کافر تمہیں اچک کر لے گئے۔ جب تم نے قرآن کی اثر آفرینی سے خود کو محروم کرلیا۔ قیامت تک قائم رہنے والی رسالت رسول اللہ ﷺ سے کنارہ کشی کرلی تو کفر والحاد تم پر اپنا فسوں قائم کرگیا۔ اس کے رد کے لئے جو نسخہ اللہ کریم نے تجویز فرمایا ہے وہ یہی ہے کہ برکات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دلوں میں بساؤ۔ نبی علیہ السلام کے نور سے سینے روشن کرو تا کہ قرآن کی سمجھ آئے۔

ایمان کے ساتھ زندہ رہنے، ایمان کے ساتھ مرنے اور آخرت کی کامیابی کا واحد نسخہ:

واحد نسخہ ہے برکات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی وَفِيكُمْ رَسُولُهُ کو محسوس کرنا۔ اسی نسخے سے فہم قرآن نصیب ہوگی۔ اللہ کی آیات کو بے غبار سمجھنا نصیب ہوگا ان پر عمل کی قوت اور توفیق ملے گی۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومن کے دل میں موجود ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات موجود ہیں تو مسلمان میں شعور وآگہی اور جرات رندانہ بھی موجود رہے گی۔ غیرت ایمانی موجود رہے گی تو وہ کفر کی طرف کیسے جاسکے گا۔

آج کا مسلمان ان دو عظیم نعمتوں سے محروم ہو کر کفار و مشرکین کے پیچھے جا رہا ہے:

آج کے مسلمان نے اللہ کی آیات سے منہ موڑ لیا ہے برکات نبوت کو چھوڑ دیا ہے ان برکات سے قلوب خالی ہو گئے ہیں ورنہ کلمہ گو ہو اور کافر کے پیچھے چلے جبکہ کافر اللہ کا دشمن ہے، دین کا دشمن ہے، اللہ کا حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن ہے اور شیطان کا پیروکار ہے اگر بندہ واقعی مسلمان ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اپنی تہذیب کو چھوڑ کر کافر کی بات مان لے۔ علامہ مرحوم نے کہا تھا۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
اور کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

قافلہ لٹ گیا یہ بھی نقصان ہے لیکن اصل ناکامی یہ ہے کہ قافلے کے لٹ جانے کا جو احساس تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔ ہماری تہذیب ہم سے چھوٹ گئی اور پھر ہمیں اس پر ناز ہے کہ یہود و نصاریٰ کی تہذیب میں ہم غرق ہو کر مہذب ہو گئے ہیں۔ ہمیں یہ احساس ہی نہیں کہ ہمارا کتنا بڑا نقصان ہو گیا۔ ہم سے کیا کھو گیا؟ ہم سے کیا چھوٹ گیا؟ ہم سے تجلیات باری چھوٹیں ہم سے برکات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوٹ گئیں، ہم سے لذت آشنائی جاتی رہی وہ لذت آشنائی جو دو عالم کو ٹھکرا سکتی ہے در محبوب کو نہیں چھوڑ سکتی۔

بارگاہ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لذت:

مسلمان تو وہ لوگ بھی تھے جو مسجد نبوی میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو بیٹھتے تھے۔ مدینہ منورہ میں زندگی یوں بسر ہوتی تھی کہ صحابہ کرامؓ رات کو بھی زرہ پہن کر اور ہتھیار ساتھ رکھ کر سوتے تھے، ہمہ وقت حالت جنگ میں رہتے تھے، کم و بیش ساڑھے تین سال یہی حال رہا کہ پتہ نہیں کس وقت کہاں سے کوئی حملہ کر دے۔ معاشی فراوانی نہیں تھی لباس بھی بوسیدہ اور کھانے میں بھی فراخی نہ تھی۔ اس حال میں مسجد نبوی میں ایک صحابی حاضر خدمت تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت کی تعریف فرما رہے تھے۔ ان صحابی نے اپنے دل کی بات کہہ دی کہ جو مزا یہاں مسجد نبوی میں ہے کہ آپ جلوہ افروز ہیں جب موقع ملتا ہے حاضر خدمت ہو کر دنیا و آخرت کی خوشیاں ہم سمیٹ لیتے ہیں وہ مزا بھلا جنت میں کیا ہو گا۔ کہ وہاں تو حضور ﷺ کا مقام اتنا اعلیٰ ہو گا کہ ہماری رسائی سے باہر ہو گا تو ہمارے لئے جنت بے معنی ہے ہمارے لئے یہاں دیدار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جو جنت سے کروڑوں درجے بہتر ہے۔ کہنے والے کی بات میں اتنا

خلوص اور کھرا پن تھا کہ اس کا جواب رب العالمین نے یہ دیا جو آج بھی قرآن میں موجود ہے۔ وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَـٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَـٰئِكَ رَفِيقاً (النساء:69) جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرماں بردار ہو تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا وہ نبیؑ، صدیق، شہید اور صالح ہیں اور یہ کتنے اچھے رفیق ہیں یعنی اے اللہ کے اطاعت گزار بندو، تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں جانے سے کوئی نہیں روکے گا اور تمہاری ایسی مجلسیں وہاں بھی قائم رہیں گی۔ صحابیؓ کی یہ بات رسمی نہیں تھی، دل سے نکلی ہوتی تھی اس کا جواب رب العالمین نے بذریعہ وحی دیا اور یہی بات یہاں دہرائی جا رہی ہے۔ بارگاہ رسالت کی پُرکیف لذتوں کا احساس دلایا جا رہا ہے۔ یہ احساس نور نبوت کو سینے میں بسانے سے ملتا ہے اور ہمیشہ ملتا رہے گا جس تابانی سے نور نبوت روز اول چمک رہا تھا اسی طرح برکات کا سمندر آج بھی موجزن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عالم میں ہوں یا اس عالم میں ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوارات وفیوضات میں کوئی فرق نہیں۔ اللہ پاک فرماتے ہیں آج بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دلوں میں بستے ہیں اگر تم مسلمان ہو۔ آج بھی اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ایک حکم، ایک ایک ارشاد پاک تمہارے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ بہ ایں ہمہ تم کیسے کافر ہو سکتے ہو اس کا مطلب ہے اگر آج ہم کفار ومشرکین کے پیچھے چلے جا رہے ہیں تو پھر ان دو نعمتوں سے محروم ہو کر رہ رہے ہیں۔ ہم نے قیامت تک قائم رہنے والی برکات رسالت سے منہ موڑ لیا ہے ورنہ جسے اللہ نے نور ایمان عطا کیا ہو وہ کافر کے پیچھے چلے گا؟ کافر تو اندھا ہے جو ظلمت میں تاریکی میں بھٹک رہا ہے اور مومن کا دل تو بینا ہے ایک آنکھوں والا ایک اندھے کا ہاتھ پکڑ کر کیسے اس کے پیچھے چل سکتا ہے؟ لیکن اگر کوئی یہ جرم کرے گا تو اس سے کسی کا کچھ نہیں بگڑے گا اس کا وبال خود اسی پر آئے گا۔ وَمَن يَعْتَصِم بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٠١﴾ جس نے اللہ جل شانہ کی رسی کو مضبوطی سے تھاما وہی ہے جو منزل پر پہنچے گا۔ جس نے اللہ کے دین کو دین کے ضابطوں کو اختیار کر لیا اس کی ساری مشکلیں آسان ہو گئیں اور وہ سیدھے راستے پر پہنچ گیا۔ اس کے راستے میں کوئی خاردار جھاڑی نہیں آئے گی۔ کوئی گڑھا نہیں آئے گا، کوئی خندق نہیں آئے گی، اسے کوئی تکلیف نہیں آئے گی وہ سیدھے راستے پر رہے گا۔

اللہ ہمیں اس کا شعور بھی دے اور یہ نعمت بھی نصیب کرے۔ آمین

سورۃ آل عمران رکوع 11 آیات 102 تا 109

أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ
مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ
اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ
اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى
الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا
جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ
وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ
اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ
وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللهِ نَتْلُوْهَا
عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور سوائے اسلام کے کسی حالت میں تمہیں موت نہ آئے ﴿۱۰۲﴾ اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی)

رسی کو مضبوطی سے پکڑ و اور متفرق نہ ہو جاؤ اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے اسے یاد کرو
جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی
پس تم اس کی نعمت (فضل و کرم) سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے
(دوزخ) کے کنارے پر تھے پس اس نے تم کو اس سے بچا لیا اللہ اسی طرح
تمہارے لئے نشانیاں بیان کرتے ہیں تا کہ تم ہدایت پاؤ ﴿۱۰۳﴾ اور تم میں ایک
جماعت ایسی ہونی چاہیے جو نیکی کی طرف دعوت دے اور اچھے کاموں کا حکم کرے
اور برے کاموں سے منع کرے اور ایسے لوگ ہی کامیاب ہوں گے ﴿۱۰۴﴾ اور تم
ایسے لوگوں کی مانند نہ ہو جاؤ جنھوں نے (آپس میں) تفریق کر لی اور اپنے پاس
واضح احکام آجانے کے بعد اختلاف کیا اور ایسے ہی لوگوں کے لئے بہت بڑا
عذاب ہے ﴿۱۰۵﴾ جس دن کہ کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے کالے
ہوں گے پس وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم
اپنے ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے پس عذاب کا مزا چکھو کہ جو تم کفر کرتے
تھے ﴿۱۰۶﴾ اور وہ لوگ کہ جن کے چہرے سفید ہوں گے پس وہ اللہ کی رحمت میں
ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۱۰۷﴾ یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کو صحیح
طور پر پڑھ کر سناتے ہیں اور اللہ عالمین پر زیادتی نہیں کرنا چاہتے ﴿۱۰۸﴾ اور جو
کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (سب) اللہ ہی کا ہے اور سب کام
اللہ ہی کی طرف رجوع کیے جائیں گے ﴿۱۰۹﴾

خلاصہ تفسیر و معارف

تقاضائے ایمان:

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ایمان والوں کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ اللہ کریم سے ایسا تعلق رکھیں جیسا کہ اس کی ذات کو سزاوار ہے جیسا اس کی شان کو زیب دیتا ہے۔ اے میرے چاہنے والو! اے میری محبت

کے دعویدار و، محبت کا حق ادا کرو جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ تقویٰ ڈر کا نام نہیں بلکہ اس تعلق کے ٹوٹ جانے کے ڈر کا نام ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل بندے کو حاصل ہو اور یہ تعلق قائم کروانے والی ذات صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو کوئی فرد بھی اللہ کی ذات سے آشنا نہیں تھا اگر چہ معدودے چند ایسے بھی تھے جنہوں نے ایام جاہلیت میں بھی بت پرستی کبھی نہیں کی تھی جیسے خلفائے راشدین ؓ اور جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا اور والدین کریمین۔ بعثت عالی سے پہلے ایسے بھی تھے جو تلاش حق میں سرگرداں رہے۔ عیسائی راہبوں کے پاس گئے، یہودی علماء کے پاس گئے لیکن حق میں تحریف ہو جانے کے باعث کہیں سے خالص، کھرا، صحیح عقیدہ نہ ملا۔ مکہ کے زید بن عمرو بن نفیل تاریخ میں مشہور ہیں۔ انہوں نے حق کی تلاش میں سیاحت کی۔ یہود کے علماء اور نصاریٰ کے راہبوں کو ملے، کلیساؤں، حجروں اور عبادت خانوں میں گئے لیکن کہیں سے معرفتِ باری کی طرف رہنمائی نہ ملی۔ واپس مکہ مکرمہ آ گئے۔ بیت اللہ شریف میں حاضر ہوئے اور کہتے کہ میں جانتا ہوں کہ تُو ہے لیکن مجھے کوئی یہ نہیں بتاتا کہ تو کیسا ہے؟ کہاں ہے؟ یہ میں جانتا ہوں کہ اس کائنات کا مالک تو ہی ہے، تیری ہی عبادت کی جانی چاہیے لیکن مجھے نہیں پتہ کہ تیری عبادت کیسے کی جائے۔ پھر وہ زمین سے مٹی اٹھاتے اپنی پیشانی اس پر رکھ دیتے اور کہتے میری طرف سے یہ انداز عبادت قبول فرما لے۔

اس عہد کو عہد فترت کہتے ہیں۔ جس میں تعلیمات نبوت مفقود ہو گئیں، وحی منقطع ہو گئی، یہ عہد حضرت عیسٰیؑ کے بعد سے بعثت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے تک کا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے نبی کریم ﷺ نے جنت کی بشارت سنائی ہے جنہوں نے عہد فترت میں توحید باری پر یقین رکھا۔ عہد فترت میں بھی توحید باری پر یقین رکھنا ضروری تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا کے موحد ہونے پر ابرہہ کا واقعہ ہی بہت بڑی دلیل ہے۔ ابرہہ نے جب مکہ مکرمہ پر لشکر کشی کی اور حضرت عبدالمطلب نے مکہ والوں سے کہہ دیا کہ پہاڑوں میں پناہ لے کر اپنی جان کی حفاظت کرو اور جب ابرہہ حضرت عبدالمطلب کے اونٹ ہنکا کر لے گیا تو حضرت عبدالمطلب ابرہہ کے پاس گئے اور اپنے اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ وہ بہت حیران ہوا اس نے کہا کہ آپ قریش کے سردار ہیں اور میں آپ کے مرکز کعبہ کو ڈھانے آیا ہوں اور آپ مجھ سے صرف اونٹوں کی بات کر رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، اونٹ میرے ہیں یہ مجھے اللہ نے دیئے ہیں میں اپنی چیز کی بات کر رہا ہوں،

جس کعبہ کی تم بات کر رہے ہو اس گھر کا مالک اللہ ہے وہ اس بارے تم سے خود بات کر لے گا۔ یہ تھا ان کا عقیدہ توحید باری تعالیٰ۔ انہیں یقین تھا کہ اس گھر کا مالک اللہ ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ ابرہہ سے خود نپٹ لے گا اور وہی ہوا ابرہہ پر اللہ کا عذاب آیا۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اللہ کی ذات پر کتنا گہرا یقین اور اس کی توحید پر کتنا اعتماد تھا حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جس میں کوئی اللہ کو جانتا نہیں تھا۔

علوم نبوت کا کمال:

دنیاوی علوم زبانی بتائے جاتے ہیں۔ الفاظ وحروف کے ذریعے لکھ کر سمجھائے جاتے ہیں لیکن اللہ کے نبی ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کوئی بات تعلیم فرماتے ہیں تو ساتھ ہی سینہ نبوت سے قلب نبوت سے ایسی کیفیات بھی عطا کرتے ہیں جو بندے کو نہ صرف سمجھنے کی طاقت دیتی ہیں بلکہ ایسا حضورِ حق عطا کر دیتی ہیں کہ وہ ان چیزوں کو اس طرح محسوس کرتا ہے گویا آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ حضورِ حق کا احساس ہی توفیق عمل کا سبب بن جاتا ہے۔ ایسا بندہ جب تعلیمات کو قبول کرتا ہے تو اس کے دل میں ایسی کیفیات آتی ہیں کہ وہ ان پر عمل کرنا شروع کر دیتا ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معرفت الٰہی کی تعلیم دی تو صحابہ کرامؓ کو حضورِ حق بیک آن نصیب ہو گیا صرف یہی نہیں کہ صرف عقلی طور پر انہوں نے جان لیا کہ اللہ واحد ولاشریک ہے بلکہ ان کے قلوب نے حضورِ حق کا مشاہدہ کر لیا۔

حضورِ حق کیا ہے:

انبیائے کرام جب علوم نبوت بیان کرتے ہیں تو ان کی بات میں ان کے قلوب مطہرہ سے وہ کیفیات بھی ماننے والوں کو عطا ہوتی ہیں جو علم کو عمل میں ڈھال دیتی ہیں۔ یہی وہ برکات نبوت ہیں جنہوں نے صحابہ کرامؓ کو شرفِ صحابیت پر فائز کر دیا۔ کسی صحابیؓ کو چلہ کشی سے صحابیت عطا نہیں ہوئی نہ کسی خاص عمل سے کوئی صحابی بنا

جس جس طرف نگاہ مصطفی کے اشارے ہو گئے
ذرّے جتنے سامنے آئے ستارے ہو گئے

جس پر ایمان قبول کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ پاک پڑی اسی قدر برکات نبوت

سینہ اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے سینے میں منتقل ہوئیں جو اسے صحابی بنا گئیں۔ صحابیؓ کا لغوی معنی ہے صحبت یافتہ اور اصطلاحی معنی ہے کہ انسان جن عظمتوں کو پا سکتا ہے ان کی انتہا پر پہنچ گیا جو کمالات انسانی اللہ کی طرف سے عطا ہو سکتے ہیں وہ دیانت وامانت، علم ودانش، ورع وتقویٰ ان سب کی انتہا تک وہ پہنچ گیا جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی براہ راست صحبت نصیب ہوگئی اور جس بندے کو حضور ﷺ کی براہ راست صحبت نصیب نہیں ہوئی لیکن وہ ورع وتقویٰ علم ودانش میں بہت مجاہدے کر چکا ہو اہل درد ہو، ولایت کے اعلیٰ درجے پر ہو اور اگر ساری دنیا کی ولایت جمع کر لی جائے تو ایک عام صحابیؓ کی خاک پا کو نہیں پہنچ سکتی اس لئے کہ صحابیؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ مبارک نصیب ہوئی اور اس ایک نگاہ پاک نے اس کے دل میں اتنی برکات منتقل کر دیں کہ اسے اپنے ہر طرف اللہ کے حضور کا مشاہدہ، حضور حق کا مشاہدہ ہونے لگ گیا اور اس کا عمل یوں گواہ بنا کہ گویا وہ اللہ کے روبرو ہر کام کر رہا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو حضرت سمیہؓ نے ابوجہل کے سامنے کہی تھی۔ انہوں نے فرمایا تھا جسے میں روبرو دیکھتی ہوں جو میرے ہر طرف ہے، میرے دل دماغ، ذہن فکر میں ہے، میرے دل کی گہرائی میں ہے، میری نگاہوں میں ہے، میں اس کے روبرو کیسے کہہ دوں کہ وہ واحد نہیں ہے۔

صحابہؓ کی پوری سوانح پڑھی جائیے ان سے کوئی فضول اور بے مقصد گفتگو نہیں سنیں گے۔ ایک ایک لفظ وہ تول تول کر زبان مبارک سے نکالتے حتیٰ کہ ان کے اقوال دین کی بنیاد بن گئے۔ آخر وہ انسان تھے لیکن حضور حق کے شعور نے انہیں اتنا محتاط بنا دیا تھا کہ کبھی لاحاصل گفتگو نہیں کی تو فضول گفتگو کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہیں حضور حق کا مشاہدہ نصیب تھا، اللہ کے روبرو ہو کر کون فالتو بات منہ سے نکالے گا؟ کون فضول لفظ زبان سے نکالے گا؟

قرآن حکیم کا ہر مومن سے یہ مطالبہ ہے ہر مومن سے اسکی اپنی حیثیت کے مطابق مطالبہ ہے۔

ایمان لانا کیا ہے؟

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو جنہیں میری محبت کا دعویٰ ہے، ایمان لانا عشق الٰہی کا دعویٰ ہے، یہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعویٰ ہے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعویٰ ہے۔ یہ اعلان ہے کہ میں اللہ کے چاہنے والوں میں سے ہوں۔ میں محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عاشق ہوں، میں اللہ کا طالب ہوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا طالب ہوں۔ ان ایمان والوں سے

اللہ کریم مطالبہ کرتے ہیں کہ پھر میرے حضورِ حق کا حق ادا کرو۔ تمہاری زندگی سے، تمہارے افکار سے، تمہاری باتوں سے، تمہارے کردار سے میری حضوری کی خوشبو آئے۔ تمہاری زبان کھلے تو تمہیں ادراک ہو کہ تم اکیلے نہیں ہو کہ جو چاہو کہہ سکو تمہارے ساتھ رب العالمین موجود ہے، تم کام کرنے کا ارادہ کرو تو تمہیں احساس ہو کہ کوئی ہے جو تمہارے ارادے کو جانتا ہے تم کام کرنے لگو تو تمہیں یہ احساس ہو کہ تم یہ کام اللہ کے روبرو کرنے لگے ہو۔

دعویٰ ایمان کردار سے ثابت ہوتا ہے:

اگر ہم اپنی دنیاوی زندگی دیکھیں تو ہم جب کسی افسر کے سامنے ہوتے ہیں کہیں عدالت میں جانا ہوتا ہے تو جو وقت وہاں گزرتا ہے اس میں ہم کتنے محتاط ہو کر رہتے ہیں، بیٹھنے اٹھنے کا انداز بڑا باوقار ہوتا ہے، چھینک آجائے یا جمائی تو تہذیب سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں، ضروری بات بھی آہستگی سے کرتے ہیں۔ اگر ایک دنیوی افسر اور دنیوی عدالت میں ہمارا یہ عالم ہوتا ہے تو جب اللہ کریم کا حضور نصیب ہو حضورِ حق کا مشاہدہ ہو تو کیا عالم ہونا چاہئے۔ یہاں اسی بات کا مطالبہ کیا جارہا ہے کہ محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو اب اپنے عمل سے اپنے کردار سے ثابت بھی کرو۔ اور فرمایا وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝۱۰۲

موت قبول کر لو اللہ کی نافرمانی کا سوچو بھی نہیں، یہ ہے مسلمانی دنیا کی بڑی سے بڑی قربانی دے کر بھی حضورِ حق کا شعور بچانا۔ مال تو معمولی چیز ہے جو جان پر نچھاور کیا جاتا ہے لیکن جان بھی جائے تو چلی جائے لیکن اللہ سے تعلق قائم رکھنا۔ حضورِ حق کا جو اعزاز تمہیں بطفیل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عطا ہوا ہے اسے برقرار رکھنا۔

نبی علیہ السلام کا کمال:

یہ کمال ہوتا ہے انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام کا کہ جب نبی علیہ السلام ارشاد فرماتا ہے کسی کو کوئی کام کرنے کا حکم دیتا ہے تو بندے میں اس کام کے کرنے کی استعداد آجاتی ہے اور یہ استعداد دینی امور میں ہی نہیں بلکہ دنیاوی امور میں بھی نصیب ہوتی ہے۔ تاریخ اسلام ان مثالوں سے پُر ہے۔ ایک شام ایک صحت مند تنومند جوان چرواہا اپنا ریوڑ ٹھکانے لگا کر بارگاہ نبوی علیہ السلام میں پہنچا اور اسلام قبول کرنے کا خواہش مند ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مشرف بہ اسلام کیا اور صبح جو لشکر جہاد پر جانے کے لئے تیار تھا اس کا اسے امیر لشکر بنا دیا۔ اس شخص کی جسمانی قوت اور چستی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھا گئی آپ نے اسے فوج

کا جرنیل مقرر کر دیا۔ ان صحابیؓ نے کوئی فوجی کورس نہیں کیا کسی یونیورسٹی سے نہیں پڑھا کسی ادارے سے نہیں سیکھا، ریوڑ ہانک کر شام کو پہنچا اور رات کو جرنیل بنا کر مقرر کر دیا گیا صبح وہ لشکر لے کر نکل گیا فاتح و کامیاب بھی ہوا۔

ہماری فوج ایک جرنیل پر کتنا سرمایہ خرچ کرتی ہے کتنا وقت خرچ ہوتا ہے، دنیا بھر کے اداروں سے ٹریننگ دلوائی جاتی ہے۔ بین الاقوامی اداروں سے تعلیم و تربیت دلوائی جاتی ہے پھر عمر کا معتد بہ حصہ گزار کر جرنیل بنتے ہیں۔ اتنے جرنیلوں میں سے کتنوں کو تاریخ نے یاد رکھا ہے اور جو زندہ ہیں اور ملازمت کر رہے ہیں ان کی کتنی اہمیت ہے یہی کہ جب ریٹائر ہو جاتے ہیں تو لوگ بھول جاتے ہیں تو اس کو یہ قوت کار کس نے دی کہ شام کو آنے والا صبح جرنیل بنا اور اسے فن حرب میں بھی مہارت ہو گئی، اس نے اس کامیابی سے فوج لڑائی کہ تھوڑے سے فوجیوں سے بڑے بڑے لشکروں کو شکست دی۔ ایسے مقابلے بھی ہوئے کہ تین ہزار مجاہدین کے مقابل تین لاکھ رومیوں کا لشکر تھا لیکن مسلمانوں نے ایسی حکمت عملی اپنائی گئی کہ تین لاکھ فوج میں سے چند افراد جان بچا کر بھاگ سکے۔ رومیوں نے اپنی طرف سے یہ جنگی چال چلی کہ سپاہیوں کو لوہے کی زرہیں پہنا کر زنجیروں سے آپس میں جکڑ دیا کہ بھاگ نہ سکیں لیکن یہ تدبیر ان پر الٹی پڑی۔ مسلمان یوں جم کر لڑے کہ رومی فوجی بھاگنے کے قابل بھی نہ رہے اور اتنی کثیر تعداد میں قتل ہوئے کہ وادی لاشوں سے بھر گئی، انہیں دفن کرنا ممکن نہ رہا۔ ان کے اردگرد اونچی دیواریں کھڑی کر دی گئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیار کردہ جرنیل اتنے کم وقت میں اتنے کامیاب جرنیل کیسے بن گئے؟ اس طرح بنے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم جرنیل ہو تو اسی لمحے اس فرد میں وہ تمام صلاحیتیں اجاگر ہو گئیں جو ایک جرنیل کے لئے ضروری تھیں۔ اسے شعور بھی آ گیا، فن حرب وضرب کے تمام رموز سے آگاہی ہو گئی اور تمام طریقے وضابطے آ گئے۔ اسی طرح جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِتَّقُوا اللّٰهَ، اللہ سے حیا کرو، اللہ کی ناراضگی سے ڈرو، اللہ کی عظمت کا پاس کرو تو تقویٰ بھی اپنی کیفیت کے ساتھ ان کے دل میں منتقل ہو گیا۔ انہیں تقویٰ نصیب ہو گیا۔ قرآن حکیم میں آتا ہے۔ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (الزمر:23) نگاہ کرم کا یہ عالم تھا کہ ایک نگاہ میں جلد سے نہاں خانہ دل تک ہر ذرہ بدن ذاکر ہو گیا۔ جب ہر ذرہ بدن کو حضور حق نصیب ہو تو ان کا کردار کیا ہو گا؟ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جن کا دامن تھام لو گے، ہدایت پا جاؤ گے۔

حضورِ حق کا شعور ہی حصولِ تقویٰ کا سبب ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا جو بھی دعویٰ ایمان رکھتا ہے۔ اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ اللہ سے وہ اس طرح حیا کرے جیسا اس کی شان کے لائق ہے اور یہ تب تک نصیب نہیں ہوتا جب تک حضورِ حق نصیب نہ ہو اس کے حصول کا ذریعہ دلوں کی پاکیزگی حاصل کر کے انوارات نبوت کو دلوں میں لانا ہے، بصورت دیگر آدمی مسلمانوں والا حلیہ بنا لیتا ہے صلوٰۃ وزکوٰۃ، حج وعمرہ کی ادائیگی بھی کر لیتا ہے۔ یہ اعمال کر لینا آسان ہے حضورِ حق کو حال بنالینا اتنا آسان نہیں اس لئے کہ صلوٰۃ سن کر پڑھ کر یاد کی جاسکتی ہے مسائل زکوٰۃ پوچھ کر سیکھ کر ادائیگی زکوٰۃ ہوسکتی ہے، ارکان حج سیکھ کر حج ہوجاتا ہے حضورِ حق پوچھنے اور بتانے سے نہیں ہوتا یہ کیفیات قلب کا معاملہ ہے، یہ دلوں کی بات ہے اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے صحابہؓ نے صحبت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضورِ حق حاصل کیا۔ جو صحابہؓ کی صحبت میں بیٹھا وہ شعورِ حضورِ حق پا گیا جو تابعین کی صحبت میں بیٹھا اس میں وہ کیفیات منتقل ہوئیں اور پھر قیامت تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا۔ اللہ کے بندے عمریں صرف کر کے یہ کیفیات حاصل کرتے رہیں گے۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ جن کی عمریں تحصیل علم حق میں گزریں یا ان کیفیات کو بانٹنے میں گزریں۔ ایسے لوگ دیکھنے کے لائق ہوتے ہیں اللہ چاہے تو ان کی ایک نظر سے زندگی تبدیل کر کے رکھ دے، ایسے لوگ اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے پاس بیٹھا جائے ان کی بات سنی جائے کہ کچھ ذرہ اس کیفیت کا ہمیں بھی نصیب ہوجائے کہ ہمارا دل بھی اللہ کو حاضر ماننے لگ جائے۔

آج گھروں میں، معاشرے میں ہماری گفتگو سے لے کر کردار تک ہمارا جو حال ہے۔ عزتیں لٹ رہی ہیں، قتل وغارت ہو رہی ہے، مساجد، عدالتیں، قانون نافذ کرنے والے ادارے تک غیر محفوظ ہیں۔ رشوت لے کر غلط فیصلے دیئے جا رہے ہیں تو کیا یہ سب کچھ دیکھ کر سمجھا جا سکتا ہے کہ ان کے پاس اللہ کے آگے حاضر ہونے کا، اللہ کے حاضر وناظر ہونے کا کوئی تصور ہے؟ اگر انہیں عظمت الٰہی پر اللہ کے حضور پر یقین ہوتا، اگر یہ محسوس کرتے کہ اللہ دیکھ رہا ہے تو کیا یہ ایسا کرتے؟ یہاں تو عشق ومحبت کے دعوے ہوتے ہیں اور عشق نبی ﷺ کے دعوے کرنے والے بڑے ہیں، روز اس بات پر مناظرے ہوتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ حاضر وناظر ہیں، میں کہتا ہوں کوئی اللہ کو حاضر وناظر مان لے تو بڑی بات ہے۔ حضور ﷺ کی ذات والا صفات کی بات مت کیجئے، حضور ﷺ کی ذات پر بحث کرنا گستاخی ہے۔ بات اس پر ختم کر دی جائے کہ کل مخلوق کو جو کمالات عطا ہوئے ان سے کروڑوں گنا زیادہ اور کائنات بھر کے تمام کمالات مخلوق میں محمد رسول اللہ ﷺ کو

عطا ہوئے اور اتنے عطا ہوئے کہ اللہ جانتا ہے جس نے عطا کئے یا اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے ہیں جن کو عطا ہوئے۔ ہمارے علم کی حدود سے یہ بات ماورآ ہے۔

بارگاہِ نبوت کا ادب:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اللہ کی ساری مخلوق میں سب سے سربلند آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے اور آپ ﷺ کی شان ہے۔ یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر ناظر جاننے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کا تو اپنا کردار اس بات کی نفی کرتا ہے۔ ذرا سوچ کر بتایئے اگر کسی کو یہ یقین ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں جلوہ افروز ہیں تو کیا وہ مسجد میں لاؤڈ سپیکر پر صلوٰۃ وسلام پڑھے گا، ان کا تو یہ عمل خود اس بات پر دلیل ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں تشریف فرما ہیں لیکن یہ ایسا سمجھتے نہیں، اس لئے کہ بھلا حضور ﷺ سامنے ہوں تو لاؤڈ سپیکر پر سلام عرض کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تو اونچا سانس لینا منع ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴿۲﴾ (الحجرات :2) حضور ﷺ کے سامنے آواز بلند ہوگئی تو تمام نیکیاں ضبط ہو جائیں گی۔ تو کون ایسا بندہ ہے جو پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں یہ کام کرے۔ حاضر و ناظر پر مناظرے کرنے والوں نے ایک فرقہ بنا رکھا ہے اور لوگوں کو تقسیم کر رہے ہیں۔ اس عقیدے پر ایمان ان کا بھی نہیں اگر انہیں یہ یقین ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ افروز ہیں تو یہ یوں چیخ چیخ کر، پکار، پکار کر اور گا، گا کر صلوٰۃ وسلام پیش نہ کرتے۔

بارگاہ نبوت کا اپنا ایک ادب ہے، ایک احساس ہے اور مجھے اس کا ذاتی تجربہ ہے۔ مسجد نبوی کی توسیع ہو رہی تھی بہت بھاری مشینری کام کر رہی تھی، ستونوں کا کام ہو رہا تھا ستر فٹ نیچے تک بنیاد تھی، کرینوں کے ساتھ ستونوں کو باندھ کر اٹھایا جاتا اور اوپر لے جا کر خاص اندازے سے چھوڑتے تو وہ زمین میں دھنستا چلا جاتا، یوں ایک نہیں سینکڑوں ستون بن رہے تھے، پورا مدینہ منورہ مشینری اور تعمیر کے شور سے گونج رہا تھا لیکن جیسے ہی مسجد نبوی کے دروازے پر جاتے تو اندر قدم رکھتے ہی بھول جاتا کہ باہر کوئی شور بھی ہے، اللہ گواہ ہے میں منبر پر بیٹھا ہوں اور قرآن حکیم میرے سامنے کھلا ہے یہ خیال ہی نہیں آتا تھا کہ کہیں شور بھی ہے۔ سنائی دینا تو دور کی بات ہے خبر ہی نہیں ہوتی تھی۔ جب مسجد نبوی سے باہر آتے تو پھر اسی شور سے سابقہ پڑتا۔ یہ اللہ

رب العالمین کا اپنا نظام ہے یہ ادب ہے بارگاہ نبوی کا شور کو اندر آنے کی اجازت نہیں۔

اس کیفیت کو حاصل کرنا حضورِ حق کی کیفیت کو حاصل کرنا قلبی ذکر کی کیفیت کو حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے اور صاحب تفسیر مظہری نے اسے ہر مسلمان کے لئے واجب لکھا ہے۔ یہ کیفیات جن کے پاس ہوں ان سے یہ کیفیات حاصل کی جائیں اور حضورِ حق کی کیفیت نصیب ہو تو زندگی اللہ کے روبرو بسر کی جائے۔

فرمایا، اے ایمان والو! میرے چاہنے والو! میری محبت کے دعویدارو! محبت کا حق ادا کرو جیسا کہ میری شان کے لائق ہے اور موت بھی آجائے تو موت قبول کر لو لیکن حق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرو۔ مرو بھی تو مسلمان ہو کر اس یقین کے ساتھ دنیا سے جاؤ کہ اللہ حاضر و ناظر ہے حضورِ حق کے شعور کے ساتھ زندگی گزارو اور اس کے ساتھ دنیا سے جاؤ۔

ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ آج منبر و محراب سے اس نعمت کی تردید کی جارہی ہے اس پر اعتراضات کئے جارہے ہیں۔

ببیں تفاوت را از کجا است تا بہ کجا

اللہ کریم ہدایت نصیب کرے، اہل اللہ کی محافل نصیب کرے دردِ دل نصیب کرے حضورِ حق عطا کرے۔وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا۔ یہ اصول بتایا جارہا ہے کہ اتفاق قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک اپنی اپنی رائے سے دستبردار ہو کر صرف اللہ کی بات پر متفق ہو جائے جب سب کا محور اللہ کی ذات ہو گی، اللہ سے تعلق ہو گا تو ہر ایک اپنی ذاتی رائے پر اللہ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو ترجیح دے گا تو تفریق نہیں ہو گی۔ یہاں سے سمجھ لینا چاہئے کہ انسان مختلف طبیعتیں اور رجحانات رکھتے ہیں اس لئے رائے میں اختلاف ہوتا ہے۔

اختلاف رائے کی اجازت ہے تفرقہ بازی کی نہیں:

اختلاف رائے وہاں ہو سکتا ہے جہاں اصول میں سب متحد ہوں اور اصول کی فرع میں مختلف رائے

رکھتے ہوں اور تفرقہ کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی حق کو قبول نہ کرے اور اپنی بات منوانے پر اصرار کرے، ضروریات دین کو ماننا لازم ہے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ویسے نہ ماننا آخرت کو ویسے نہ ماننا جیسے اللہ نے حکم دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرنا یہ سب دین میں تفرقہ ڈالتا ہے اور تفرقہ کفر ہے۔ لیکن جو لوگ حق کو ویسے قبول کرتے ہیں جیسے حضور ﷺ نے سکھایا، ضروریات دین کا انکار نہیں کرتے، اصول میں متحد ہیں لیکن اصول کی فرع میں اختلاف ہے تو یہ اختلاف اور تفرقہ نہیں یہ اللہ کے تعمیل ارشاد کی مختلف صورتیں ہیں ایک ہی کام کو کرنے کے مختلف انداز ہیں۔ ہر شخص اپنی اپنی استعداد اور اپنی اپروچ کے مطابق خلوص کے ساتھ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منشاء کو مدنظر رکھ کر اطاعت کی جائے تو یہ تفرقہ نہیں۔ اگر اللہ کی بات ماننے میں اس نے ارشاد باری تعالیٰ کی وہ تعبیر کی جو منشاء نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ہے۔ دین کے اصولوں کے خلاف نہیں ہے تو اس کی تعبیر درست ہے لیکن یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ جس انداز میں ایک نے اس کی تعبیر کی دوسرا اس سے بہتر انداز میں تعبیر کر لے، بہتر انداز سے سمجھ لے تو یہ تفرقہ نہیں یہ ایسا اختلاف ہے جو امت کے لئے باعث رحمت ہے بشرطیکہ اس میں اللہ سے خلوص ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلوص ہو اور کوئی ایسی تعبیر نہ سمجھی جائے جو منشاء نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہو اور ان حدود کے خلاف ہو جو حدود قرآن وسنت کو سمجھنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعین فرما دی ہیں، لہٰذا اگر للّٰہیت ہو تو مختلف ذہن رکھنے والے دین پر عمل کرتے ہیں، دین میں جھگڑا نہیں کرتے اور یہ آیت ایمان کا ایک معیار ہے کہ اگر سب کو اللہ سے محبت ہوگی تو سب کا مقصد ایک ہوگا، اطاعت الٰہی اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خالص اللہ کے لئے لیکن اگر کوئی مخلص نہ ہو دین کی آڑ میں اپنی بات منوانا چاہتا ہو تو فرقہ بازی آئے گی، لوگ بٹ جائیں گے ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالیں گے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اسلام کی برکتوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ اسلام آیا اور دلوں کو محبتوں سے جوڑ دیا، اپنے ماننے والوں کو محبتوں کے خزانے عطا کر دیئے، فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کے انعامات کو یاد کرو اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً تم سب ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرما کر اپنے دین کو نافذ فرما کر تمہاری دشمنیاں دوستیوں میں تبدیل کروا دیں فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ اور تم دیکھتے ہی دیکھتے بھائی بھائی بن گئے۔ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ اور تم دوزخ کے کنارے کنارے پھرا کرتے تھے فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا پھر اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

ذریعے اللہ کے دین پر چلنے کے سبب تمہیں وہاں سے اچک لیا۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ اللہ اپنی آیات اپنے دلائل اور اپنی بات اس طرح کھول کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تمہیں ہدایت نصیب ہو اور سیدھے راستے پر چلنا نصیب ہو۔ یہ آیات معیار ہیں کہ کس کا کردار حق پر ہے۔ جب انسان ایک دوسرے پر مسلط نہ ہوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش نہ کریں، ایک دوسرے پر الزام لگانے کی کوشش نہ کریں بلکہ ہر انداز سے سب صرف اللہ کی اطاعت کریں تو یہ حق پر ہونے کی بڑی نشانی ہے۔

اہل اللہ کی صحبت میں دل میں یہ کیفیت آتی ہے کہ آدمی دوسرے مسلمان کو بحیثیت مسلمان برداشت کرتا ہے اور اتنا نرم بھی نہیں ہوتا کہ کفر کو کفر ہی نہ کہے۔

دعوت الی اللہ ایک فریضہ:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے یہ لوگ پورے پورے کامیاب ہوں گے، فلاح پانے والے ہوں گے۔ لفظ فلاح قرآن حکیم میں مکمل کامیابی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی دنیا میں کامیابی، زندگی میں، موت میں، مابعد الموت میں، برزخ میں آخرت میں اور ابدالآباد میں کامیابی۔

يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ بھلائی کی طرف دعوت دینے، نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کے لئے قوت اور طاقت کی ضرورت ہے اس کے لئے قوت نافذہ چاہئے یہ بنیادی طور پر حکومت اسلامیہ کے اداروں کا کام ہے۔ ظہور اسلام سے پہلے صرف حکمرانوں کی حفاظت کے لئے فوج ہوتی تھی پھر ان کے احکام پورے کروانے کے لئے افواج ہوتی تھیں اور ان کی بادشاہت قائم رکھنے کے لئے فوجیں ہوتی تھیں لیکن قرآن حکیم نے اسے اسلامی طاقت اور مسلمانوں کی قومی طاقت کی ذمہ داری قرار دیا ہے، فرمایا۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ یہ جماعت تمہاری طاقت ہو۔

دعوت الی اللہ کے بنیادی اصول:

دعوت کا کام کرنے والوں کے لئے پہلی شرط اخلاص ہے۔

اخلاص: لوگ مخلص، کھرے، دیانتدار ہوں اپنے فرائض کی بجا آوری کے لئے مستعد ہوں۔

علم: اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ تربیت یافتہ ہوں۔ خود خیر و شر سے واقف ہوں۔ علوم احکام

شریعت میں با قاعدہ تربیت حاصل کر چکے ہوں۔ جسے خود خیر کا علم نہ ہو اور شر سے واقف نہ ہو وہ کیسے خیر کا حکم دے سکتا ہے اور برائی سے روک سکتا ہے۔

قوت نافذہ: تیسری بات یہ ہے کہ ان کے پاس قوت نافذہ ہو۔ ایک طاقت ہو کہ وہ نیکی کا حکم کر سکیں۔

فرائض زندگی کی بجا آوری:

یوں تو دین کا پہنچانا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے اور افضل عبادات میں سے ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً (بخاری شریف) او کما قال رسول اللہ ﷺ کہ میری بات دوسروں تک پہنچاؤ خواہ وہ ایک مبارک جملہ ہی ہو۔ اس کے لئے عالم ہونا ضروری نہیں لیکن تبلیغ دین کے فریضے کے لئے لازم ہے کہ امور زندگی میں جو ترتیب و توازن ہے اسے قائم رکھا جائے مثلاً کچھ اعمال فرائض کے زمرے میں آتے ہیں ان سے اعراض ممکن نہیں اس کے بعد واجبات ہیں اس کے بعد سنن ہیں۔ ہر مرد کے ذمے اس کے اہل و عیال کا نان و نفقہ پورا کرنا فرض ہے اب اگر وہ سنت پوری کرنے کے لئے فرض چھوڑے گا تو یہ غلط ہو گا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنا فرض بجالاتے ہوئے جہاں تک ممکن ہو وہاں تک دین کی بات بھی کرے تا کہ فرض کی تکمیل بھی ہو اور سنت کی تکمیل بھی ہو۔

اسلامی حکومت کا ادارہ جو احکام الٰہی نافذ کروائے:

وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کے لئے صرف دعوت دینا کافی نہیں۔ دعوت تو میں بھی دے رہا ہوں، آپ بھی دے رہے ہیں ہر مبلغ دعوت تو دیتا ہے اس سے آگے وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کام کے لئے ایک ادارہ چاہئے جو دعوت پر بس نہ کرے بلکہ احکام الٰہیہ کو حکماً نافذ کرے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ ملک میں موجود غیر مسلموں کو حکماً مسلمان بننے پر مجبور کریں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ مسلم اور غیر مسلم ہر ایک کو اس کی اپنی ذمہ داریاں بتائی جائیں اور انہیں ان کا پابند کیا جائے۔ مسلمان ممالک میں رہنے والے غیر مسلم اپنا جزیہ دیتے ہیں اور مسلم حکومت غیر مسلموں کی حفاظت کرتی ہے۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایک قومی ادارہ ہو جو مسلمانوں میں سے ہو۔ وہ ذہنی جسمانی طور پر صحت مند ہوں، علمی طور پر پورے تربیت یافتہ ہوں یعنی مسلمانوں کی یہ جماعت صالح، نیک، صحت مند اور ذی شعور لوگوں پر مشتمل ہو اور ان میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ برائی سے روک سکیں اور نیکی کا حکم دے سکیں۔ نیکی کو حکماً نافذ کرنے کی استعداد رکھتے

ہوں اور برائی کو حکماً روکنے کی جرأت بھی رکھتے ہوں۔

ایک غلط فہمی:

نَہِیٌ عَنِ الْمُنْكَرِ کو قوت سے نافذ کرنے کے بارے ایک غلط فہمی کو رواج دے دیا گیا ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ:256) کا یہ معنی لیا جاتا ہے کہ دین میں زبردستی نہیں کھلی چھٹی ہے، ہر مسلمان کا جو جی چاہے کرے کوئی اسے کچھ نہیں کہہ سکتا۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ معنی یہ ہے کہ کسی کافر سے زبردستی اسلام قبول نہیں کروایا جائے گا، اسے آزادی ہے کہ وہ اپنی پسند سے جو عقیدہ چاہے اختیار کرے۔ اللہ کی نشانیاں اس کی قدرت سے عیاں ہیں۔ سورج کا طلوع وغروب، موسموں کا تغیر وتبدل۔ مخلوق کا ہر لمحہ پیدا ہونا اور فنا ہونا ایسا طویل اور تسلسل سے چلتا ہوا نظام دیکھ کر کوئی اللہ کی قدرت کاملہ پر ایمان لانا چاہتا ہے تو اسلام قبول کرلے۔ انبیاء کرام کی دعوت قبول کرنا چاہتا ہے تو کرلے اور جو قدرت کی اتنی واضح نشانیاں دیکھ کر انبیاء کرام کے معجزات کے باوجود دین اسلام قبول نہیں کرتا تو بھی اس کے انسانی حقوق محفوظ رہیں گے وہ اپنے مذہب پر قائم رہے اسے روزگار مہیا کیا جائے گا، اس کی جان مال وآبرو کا تحفظ ہوگا۔ اسے ملک کے شہری کے حقوق ملیں گے وہ مسلمانوں سے زیادہ سہولت سے مملکت اسلامیہ میں رہے گا کہ اس کا تحفظ خود اس کے ذمے نہیں مسلمانوں کے ذمے ہے۔

جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کو قبول کرلے گا اسے ڈسپلن کے اندر رکھنا حکومت کے اس ادارے کی ذمہ داری ہوگی جو احکام الٰہی کو نافذ کرنے کا ذمہ دار ہوگا جو مسلمان ہو کر احکام الٰہی پر عمل نہیں کرے گا اسے اسلامی ماحول خراب کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس پر زبردستی کی جائے گی تارک صلوٰۃ کی جواب طلبی ہوگی۔ بغیر عذر شرعی کے ارادتاً صلوٰۃ ترک کردینے پر باز پرس کی جائے گی۔ اسلامی فقہ کے چاروں فقہا میں سے تین فقہا امام شافعی، امام مالک، امام احمد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس بات پر متفق ہیں کہ جس بندے کو کم ازکم تین مرتبہ تنبیہ کی جائے کہ صلوٰۃ ادا کرے اور پھر وہ صلوٰۃ سے انکار کرے تو اسے مرتد جانا جائے گا اور وہ واجب القتل ہوگا۔ تین مرتبہ تنبیہہ کے بعد اس کی سزا قتل ہے اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔ چوتھے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اسے قتل نہ کیا جائے قید کر دیا جائے شاید زندگی میں اسے کبھی توبہ کا خیال آجائے جب تک تائب نہ ہو اسے جیل میں ہی رکھا جائے اگر بغیر توبہ واصلاح کئے مرجائے تو پھر اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے اور نہ ہی مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا

جائے۔فقہا کے اس فیصلے کے مطابق عملدرآمد پر لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ:256) کا اطلاق نہیں ہوگا۔ یہاں اِكْرَاهَ ہوگا فیصلہ قوت سے نافذ ہوگا۔جب موسیٰ کی قوم نے کہا کہ ہم کلمہ پڑھتے ہیں مسلمان ہیں لیکن عبادات میں اطاعت نہیں کرتے تو قرآن حکیم میں آتا ہے کہ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ کہ اللہ کریم نے پورا پہاڑ اٹھا کر ان پر مسلط کر دیا کہ عبادت کرو گے یا پہاڑ نیچے آئے تو سب نے اطاعت الٰہی پابندی شریعت کا وعدہ کیا تب ان سے پہاڑ ٹلا تو اکراہ فی الدین تو ہو گیا۔اصول یہ ہے کہ اکراہ فی الدین دین منوانے کے لئے یا غیر مسلم سے زبردستی کلمہ پڑھوانے کے لئے نہیں بلکہ دین میں داخل ہو جانے والوں کو ڈسپلن کی پابندی کروانے کے لئے زبردستی کرنے کے لئے ہے تا کہ اسلامی معاشرے کو پاکیزہ رکھا جائے۔لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ:256) کی مثال ایسی ہے جیسے الکلمہ الحق یرید بہ الباطل کہ آیت حق ہے اور اس سے جو مفہوم اخذ کیا جا رہا ہے وہ باطل ہے۔درحقیقت کلمہ پڑھ لینے کے بعد آدمی ایسے ہو جاتا ہے جیسے فوج میں بھرتی ہونا۔ایک فوجی اور غیر فوجی کے معمولات میں فرق ہوتا ہے۔فوجی کے لئے اوقات کی پابندی۔ یونیفارم پہننے کی پابندی مقررہ مشقیں کرنے کی پابندی ہوتی ہے، والدین کو ملنے کے لئے چھٹی پر آنا ہو تو بھی قواعد کی پابندی کرنی پڑتی ہے اور اگر کسی قاعدے پر عمل نہ کرے تو سزا لاگو ہوتی ہے۔اسی طرح جو شخص کلمہ پڑھ لیتا ہے وہ اللہ کی فوج میں حزب اللہ میں داخل ہو جاتا ہے۔لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے کے بعد اس کی اپنی پسند و ناپسند ختم ہو جاتی ہے اسے وہی ماننا پڑتا ہے وہی کرنا پڑتا ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے پھر کوئی کہنا نہ مانے تو سزا پائے گا۔اس ڈسپلن کو قائم رکھنے کے لئے اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ اسلامی حکومت میں مسلمانوں کا ایسا ادارہ ہونا چاہئے جو بھلائی کی دعوت دے، نیکی کا حکم دیں اور برائی کو روک دیں تا کہ معاشرے میں اسلامی قدریں پنپ سکیں۔یہ ادارہ اس بات کا ضامن ہو کہ کوئی بھی ناانصافی اور ظلم نہ کر سکے کسی کو چوری ڈاکے اور قتل کی چھوٹ نہ ملے۔بیک وقت وہ بھلائی کی طرف بلانے والے بھی ہوں اور برائی کو قوت سے روکنے والے بھی ہوں۔وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ یہ اللہ کے پیارے بندے ہوں گے، مجاہدین ہوں گے جو ہر قسم کے دفاع کی صلاحیت رکھتے ہوں گے اور یہ فلاح پانے والے ہوں گے۔

تفرقہ بازی کا سبب:

فرقے کیوں بنتے ہیں جبکہ اللہ واحد لاشریک ہے، دین ایک ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہیں، کتاب ایک ہے اور بیت اللہ ایک ہے۔تفرقہ بازی کی بنیادی وجہ ذاتی مفادات اور انا کی تسکین

ہے۔ ایسے لوگ دین کے نام پر لوگوں کو آپس میں لڑاتے ہیں، دینی اصطلاحات کے غلط مفہوم اخذ کرتے ہیں۔ مقصد محض خودستائی۔ دنیوی مفادات کا حصول اور اپنی بات منوانے کا خبط ہے۔ اس کے لئے دین کو پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جیسے تاریخ اسلام میں خارجی فرقے کی بنیاد پڑی تو اسی طرح کہ انہوں نے دینی احکام سے غلط معنی اخذ کئے۔ حضرت علیؓ نے اپنے اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان جب تحکیم کا فیصلہ کیا اور تین صحابہؓ کو ثالث مقرر کر دیا کہ آپ دونوں طرف کی بات سن کر فیصلہ کریں۔ حضرت امیر معاویہؓ کا اختلاف خلافت لینے کے لئے نہیں تھا انہیں حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کرنے والوں کو کیفر کردار پر پہنچانے کے لئے طریقہ کار پر اختلاف تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ کا مطالبہ تھا کہ جتنے لوگ اس بغاوت میں شریک تھے سب کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ جس سے قتل ثابت ہوگا اسے قتل کیا جائے گا اور باقی باغیوں کو بغاوت کی سزا دی جائے گی۔ دونوں طرف اکابر صحابہؓ تھے اور دونوں کی رائے میں وزن تھا جس وقت یہ معاملہ ہو رہا تھا وہی لوگ جو حضرت عثمانؓ کو شہید کرنا چاہتے تھے انہیں یہ پتہ چل گیا کہ تحکیم ہوگی تو ان کا کردار کھل کر سامنے آجائے گا اور انہیں سزا ملے گی تو انہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کر دی۔ تاریخ میں انہیں خارجی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے حضرت علیؓ پر کفر کا فتویٰ لگایا اور بنیاد اس آیت کو بنایا۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (الانعام: 57) کہ حکم صرف اللہ کا ہے حضرت علیؓ نے صحابہ کرامؓ کو حکم بنا دیا۔ جب حضرت علیؓ کو اس آیت کے حوالے سے خارجیوں کے فتوے کا علم ہوا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا الكلمة الحق یہ کلمہ، یہ آیت حق ہے یرید بہ الباطل۔ خوارج جو مفہوم اس سے اخذ کرنا چاہتے ہیں وہ باطل ہے۔ فرقہ وہیں بنتا ہے جہاں اسلام سے ہٹ کر بے دینی کو دین کے نام پر رائج کیا جاتا ہے جس کا مقصد معاشی دنیوی مفادات ہوتے ہیں اور خلاف اسلام طاقتوں کے ایماء پر بنتے ہیں۔

مشاجرات صحابہؓ :

اسلام کے اندر فروعات میں اختلاف کی گنجائش ہے جو امت کے حق میں باعث رحمت ہے۔ جہاں خلوص ہو، اطاعت الٰہی ہو وہاں فروعات میں تو اختلاف ہو سکتا ہے فرقہ بندی نہیں ہو سکتی اس فروعی اختلاف کی حقیقت جاننے کے لئے سیرۃ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ کرامؓ کے طرز عمل سے مثال لی جاسکتی ہے غزوہ خندق کے پر مشقت ایام تمام ہوئے، مسلمان فتح یاب ہوئے اور مشرکین بھاگ گئے آپ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ اس غزوہ سے فارغ ہوئے، صحابہ کرام تھکاوٹ سے چور چور تھے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زرہ پہن رکھی تھی صرف خود سر مبارک سے اتارا تھا اور پانی چلو میں لے کر سرِ اقدس پر ڈال رہے تھے کہ جبرئیل امین اللہ کا پیغام لے کر حاضر ہو گئے اور فرمایا کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ آپ زرہ مبارک نہ اتاریں اور

انہیں صحابہ کرامؓ کو لے کر بنو قریظہ پہنچیں۔ بنو قریظہ کے یہود نے پہلے بھی معاہدے کی خلاف ورزی کی اور اہل مکہ سے ساز باز کر کے غزوہ خندق کا سبب بھی بنے اور مشرکین کی مدد بھی کی۔ اللہ کا حکم آتے ہی آپ ﷺ نے سفر شروع کر دیا اور صحابہ کرامؓ کو فرمایا: لا يصلين احد كم العصر الا فی بنی قريظه۔ تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ پہنچ کر۔ تمام مجاہدین سفر پر روانہ ہو گئے راستے میں عصر کا وقت ضائع ہونے لگا صحابہ نے مشورہ کیا جس پر صحابہؓ میں دو رائے ہو گئیں ایک فریق کی رائے تھی کہ آپ ﷺ کے ارشاد میں صاف دیا گیا ہے کہ بنو قریظہ پہنچ کر ہی نماز پڑھنا ہے لہٰذا سفر روکنا نا مناسب ہے، دوسری رائے یہ تھی کہ جلد از جلد پہنچنا منشاء نبوی ہے، نماز قضا کرنا مناسب نہیں۔ الغرض پہلے فریق نے بنو قریظہ پہنچ کر نماز پڑھی اور تاخیر سے پڑھی اور دوسرے فریق نے راستے میں عصر ادا کر لی اور پھر بنو قریظہ پہنچے۔ وہاں پہنچ کر یہ معاملہ بارگاہ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پیش کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی فریق کو عتاب نہیں فرمایا بلکہ دونوں کی تصویب فرمائی اس لئے کہ دونوں ہی منشائے نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعمیل میں کوشاں تھے۔ اس اختلاف کو اجتہادی اختلاف کہا جاتا ہے یہ اختلاف فطری اور ناگزیر ہے اور باعث رحمت ہے۔ اس لئے اس اختلاف کے نتیجے میں دو فرقے نہیں بنے اس لئے کہ اصول پر دونوں متحد تھے دونوں کا مقصد تعمیل ارشاد تھا۔ اختلاف اس ارشاد پاک کی تشریح میں تھا فرع میں تھا اور دونوں پہلو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے ثابت ہوتے تھے۔ منشاء نبوی کی دونوں پہلوؤں سے تعمیل ہو گئی۔ اس لئے صحابہ کرام میں فروعات میں اختلاف ہوا ہے اسے جھگڑا نہیں کہتے بلکہ مشاجرات صحابہؓ کہتے ہیں۔ مشاجرہ شجر سے مشتق ہے یعنی جس درخت میں زیادہ شاخیں ہوں وہ آپس میں الجھ کر زیادہ گھنا سایہ فراہم کرتی ہیں۔

ذاتی مفادات کیلئے دین کو استعمال کرنے والا بالآخر ایمان سے محروم ہو جاتا ہے:

جتنے خلاف اسلام فرقے ہیں انہوں نے کسی ایک اختلاف کو بنیاد بنا کر فرقہ بنا لیا ہے، ان کا بنیادی مقصد نہ دین ہے نہ آخرت بلکہ حصول زر ہے۔ دنیوی مفادات ہیں، اپنی انا کی تسکین ہے جہاں کسی کو اپنے لئے علیحدہ چندہ جمع کرنا ہے، قربانی کی کھالیں صدقے وغیرہ جمع کر کے اربوں کی رقم جمع کرنی ہے اپنی چودھراہٹ قائم کرنی ہے اپنے ماننے والے جمع کرنے ہیں وہاں وہ فرقہ بنا لیتا ہے جہاں اسلام کی محبت اور ٹھنڈی چھاؤں کی بجائے نفرتوں کی آگ میں لوگوں کو دھکیل دیا جاتا ہے۔

دین صرف ایک ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین صحابہ کرامؓ کا دین۔ فرمایا جا رہا ہے تم پہلی اقوام کی طرح گمراہ نہ ہو جانا جنہوں نے ذاتی مفادات کے لئے فرقے بنا لئے تھے اور واضح ہدایات آنے کے بعد اختلاف کیا تھا۔ مسلمانو! تم ایسا نہ کرنا تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اور کتاب اللہ

کے آنے کے بعد اس طرح کے اختلافات نہ کرنا کہ الگ الگ فرقے بن جاؤ جو ایسا کرتے ہیں ان کے لئے بہت ہی بڑا عذاب ہے۔ یہ اتنا بڑا جرم ہے اتنی بڑی بددیانتی ہے۔ دین میں اتنی بڑی خیانت ہے کہ آدمی کو کفر کی طرف لے جاتی ہے خواہ بظاہر دعویٰ اسلام کا کرتا رہے۔ ذاتی مفادات کے لئے دین کو استعمال کرنا آدمی کو بالآخر ایمان سے محروم کر دیتا ہے۔

نتائج عمل پر مرتب ہوتے ہیں:

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿١٠٦﴾ یہ آیت دعویٰ اسلام رکھنے والے ایسے بددیانت افراد کو ظاہر کرتی ہے اور ان کے اعمال کے نتائج کو واضح کرتی ہے۔ یہاں کافروں کی بات نہیں ہو رہی یہاں بات مسلمانوں سے ہو رہی ہے کہ اگر مسلمانوں میں ایسے لوگ ہوں گے جو دین کو، ارشادات نبوی کو قرآنی آیات کو، اللہ کے دین کو حصول زر اور حصول اقتدار کا ذریعہ بنائیں گے ان کے چہرے اُس دن سیاہ ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ تم نے ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد پھر کفر کا کردار اپنا لیا تو کافر ہو گئے نتیجہ تو کردار پر مرتب ہوگا۔ اگر کوئی کھانا نہ کھائے لیکن دعویٰ کرتا رہے کہ وہ بھوکا نہیں تو وہ بچ نہیں سکے گا۔ غذا کی کمی سے بالآخر مر جائے گا اور اگر کھانا کھالے تو بھوک ختم ہوگی جسم کو قوت ملے گی یعنی نتائج عمل پر مرتب ہوتے ہیں۔ ہم کہتے رہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن ہمارا عمل خلاف اسلام ہے اور ہم اسلام کو اپنے ذاتی مفادات کے لئے استعمال کر رہے ہیں تو یہ جرم کفر سے شدید تر ہے، کافر اسلام قبول نہیں کرتا اس کا جرم یہ ہے کہ اس نے اللہ کی دی ہوئی نعمت کو قبول نہیں کیا اور کافر ہو گیا اور جو قبول کرنے کے بعد اسے بیچنے لگ گیا تو اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں۔

فرمایا اس دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے اور بہت سے سیاہ تو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے اللہ پوچھے گا کیا تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے؟ سو اب اس کفر کے بدلے عذاب بھگتو۔ اپنے کردار کا مزہ چکھو، دعویٰ اسلام کا کرتے رہے اور کام کافروں جیسے کرتے رہے تو نتیجہ کام پر مرتب ہوگا فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿١٠٦﴾ اب اپنے کفر کا مزہ چکھو اور وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ جن کے چہرے روشن ہوں گے فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ وہ اللہ کی رحمت کے زیر سایہ ہوں گے هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٧﴾ وہ اس رحمت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ یہ اللہ کی آیات ہیں جو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر حق کے ساتھ تلاوت کی جاتی ہیں۔

پورے دین کا مدار صرف ایک بات پر:

بنیادی بات یہ ہے کہ دین کا، آخرت کا، ایمان کا، معرفت الٰہی کا، کتاب اللہ کو سمجھنے کا اور کتاب اللہ پر توفیق عمل کا مدار صرف ایک بات پر ہے اور وہ بات ہے کہ بندے کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتبار ہو اور یہی سب سے مشکل کام ہے کہنے کو تو ہر مسلمان کا دعویٰ ہے کہ اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان ہے لیکن اپنے کردار سے یہ بات ثابت کرنا آسان نہیں۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الہ

میں جب کہتا ہوں کہ مسلمان ہوں تو کانپ اٹھتا ہوں اس لئے کہ لا الہ میں جو مشکلات ہیں میں ان سے واقف ہوں۔ اس عقیدے کو کہ اللہ کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں تب مانا جا سکتا ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مکمل اعتماد ہو۔ اس کلمہ طیبہ کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو مخلوق تک پہنچانا بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذات عالی کو زیبا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے اللہ کی مخلوق کو یہ کلمہ بتایا۔ پھر جب اللہ کا کلام ہو اللہ کی کتاب ہو اور نازل ہوئی ہو، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو نبیوں کے بھی نبیؑ اور رسولؑ ہوں جو امام الانبیاء ﷺ ہوں، تمام نبی جن کی امت شمار ہوتے ہوں ان آیات کو اس کلام الٰہی کو بندہ پڑھے، سنے معنی ومفاہیم سمجھے اور پھر اس پر عمل نہ کرے تو اس کے بارے کیا کہا جائے گا؟ (معاذ اللہ) اسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت پر شک ہے کتاب اللہ پر شک ہے، وجہ کیا ہے؟ جب اللہ کو مانتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول حق مانتا ہے تو اللہ کے احکام نہ ماننے کا اس کے پاس کیا جواز ہے؟ فرمایا یہی مشکل ہے کہ اس بات کو تسلیم کیا جائے کہ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ جو کتاب نازل ہوئی ہے اس کا ہر ہر لفظ اور ہر ہر حکم حق ہے اس میں رائی برابر شک کی گنجائش نہیں وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝١٠٨ اور اللہ مخلوق پر زیادتی نہیں کرنا چاہتا۔ اس نے تو نبیؑ مبعوث فرما کر، کتابیں نازل کر کے مخلوق کو آسانیاں بہم پہنچائی ہیں اور انہیں خیر کے راستے پر چلانے کی توفیق دے کر اپنے غضب سے بچایا ہے لیکن ہمارا تاثر یہ ہے کہ دین ہمارے لئے مصیبت بن گیا ہے۔ صلوٰۃ ہمیں بوجھ لگتی ہے، زکوٰۃ دینے سے ہم گھبراتے ہیں، کمانے میں حرام مل رہا ہو تو حلال حرام کی تمیز کرنا مشکل اور پابندی محسوس ہوتی ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ کلمہ پڑھ کر ہم بہت ساری پابندیوں میں جکڑ دیئے گئے ہیں۔ فرمایا یہ مصیبت نہیں ہے بلکہ ایک بہت بڑی مصیبت سے بچانے کا سبب ہے۔ دنیا کی زندگی میں مکلف ہونے سے لے کر مرنے تک جب تک بندے کے ہوش حواس درست رہیں، بندہ دورِ آزمائش میں ہے۔ اس دور میں صرف اس کے کردار ونیت سے جانچا جائے گا۔ اس کا عمل ثابت

کرے گا کہ وہ اللہ کو واحد و لاشریک مانتا ہے اور اسی کو معبود حقیقی مانتا ہے اور اسی کی عبادت کرتا ہے۔ عبادت صرف صلوٰۃ وصوم نہیں ہے۔ عبادت سے مراد غیر مشروط اطاعت ہے۔ صلوٰۃ وصوم عبادت کا قیمتی حصہ ہیں لیکن صرف یہی عبادت نہیں بلکہ زندگی کا ہر عمل عبادت ہے یا ترک عبادت ہے۔ زندگی کے وہ کام جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق انجام دیئے جائیں وہ عبادت ہیں۔ حلال کمانا، اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرنا اپنے اہل وعیال کا نفقہ پورا کرنا بھی عبادت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ مرد اپنے بیوی بچوں کو کھلاتا پلاتا ہے تو اس کی طرف سے صدقہ شمار ہوتا ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ یہ ذمہ داری ادا کرنا تو اس پر واجب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا واجب کی تعمیل پر ہی ثواب ملتا ہے۔ اللہ کے کرم کا تو یہ انداز ہے کہ فرض کی ادائیگی پر ثواب بڑھا دیتے ہیں پھر احکامات الٰہیہ کی تعمیل بوجھ کیوں لگتی ہے؟ اللہ نے فرائض عائد کر کے لوگوں پر زیادتی نہیں کی نہ ایسی پابندیاں لگائی ہیں کہ زندگی مشکل ہو جائے۔ آج بھی کوئی اگر دیانتداری سے موجودہ زمانے کی بے دینی اور مغرب کی روشن خیالی کے انداز و اطوار کو دیکھے ان کا موازنہ شریعت کے انداز زندگی سے کرے تو پتہ چلتا ہے کہ اتباع شریعت زندگی کو آسان اور پرسکون کر دیتا ہے۔ اللہ نے اپنی مخلوق کے لئے زیادتی کا کوئی ارادہ نہیں فرمایا کہ بندوں پر ایسا دین نازل کر دے جو ان کے لئے بوجھ اور مشکل ہو۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۱۰۹ احتساب صرف اس بات میں ہوگا کہ کام شریعت کے مطابق کیا یا شریعت کے خلاف کیا۔ اطاعت الٰہی سے روکنے والی باتوں میں ایک یہ ہے کہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ وقت، دولت، طاقت، اولاد ہر شے اس کی اپنی ہے لہٰذا وہ وقت اپنی مرضی سے خرچ کرے۔ تاش کھیلے یا کچھ بھی کرے دولت اس کی اپنی ہے جہاں چاہے اور جیسے چاہے خرچ کرے اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ کسی کا کچھ بھی نہیں ہے۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ کائنات کا ذرہ ذرہ زمینوں اور آسمانوں کی ہر شے وقت کا ہر لمحہ صرف اللہ کی ملکیت ہے جس دولت کو تم اپنا سمجھ کر یوں سمیٹتے ہو کہ اللہ کی نافرمانی کی پرواہ نہیں کرتے یہ اللہ کی امانت ہے۔ گھر بار، طاقت، قوت، دولت، اولاد خود تمہاری ذات یا جسے بھی تم اپنی ملکیت سمجھتے ہو وہ تمہاری نہیں ہے اللہ کی ہے۔ اس نے تمہیں استعمال کے لئے دی ہے۔ ایک وقت کے لئے تمہارے سپرد کر دی ہے اور وہ تمہاری آزمائش بن گئی ہے۔ جب موت آئے گی ہر چیز سے دستبردار ہو کر تم چل دو گے۔ تمہاری جائیداد تقسیم ہو جائے گی تمہاری دولت بھی تمہارا ساتھ نہیں دے گی، تمہارے ساتھ کچھ بھی نہیں جائے گا۔ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۱۰۹ اور بات یہاں ختم نہیں ہو جاتی ہر چیز کو ہر ایک کام کو واپس اس کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے اور ہر کام کو پرکھا جائے گا، اس کا جائزہ لیا جائے گا کہ کہاں حق ہے اور کتنا باطل ہے۔ ہر چیز کو پلٹ کر اللہ ہی کی طرف جانا ہے۔

سورۃ آل عمران رکوع 12 آیات 110 تا 120

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ
مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ
يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ
اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ
اللهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللهِ
وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾
لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ
وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ
الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللهُ عَلِيْمٌۢ
بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ
مِّنَ اللهِ شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا
يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ

ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ
خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِيْ
صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ
اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ
قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا
بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ
تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا
يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾

تم بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے واسطے ظاہر کی گئی ہے تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو اور اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا بعض ان میں ایمان والے ہیں اور ان میں بدکار (کافر) ہیں ﴿۱۱۰﴾ معمولی ایذا کے علاوہ وہ تمہیں ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو تم سے پیٹھ پھیر جائیں گے پھر ان کو (کہیں سے) مدد بھی نہیں ملے گی ﴿۱۱۱﴾ جہاں کہیں بھی پائے جائیں ان پر ذلت مسلط کر دی گئی سوائے اس کے کہ کچھ سبب اللہ کی طرف سے ہو اور کچھ سبب انسانوں کی طرف سے اور وہ لوگ اللہ کے غضب میں گرفتار ہوئے اور ان پر ناداری مسلط کر دی گئی یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے یہ سب اس لئے تھا کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے نکل جاتے تھے ﴿۱۱۲﴾ اہل کتاب میں سب ایک جیسے نہیں (ان میں) ایک جماعت ہے جو (اللہ کے احکام پر) قائم ہے رات کے

اوقات میں اللہ کی آیات پڑھتی ہے اور وہ (اللہ کو) سجدہ کرتی ہے ﴿۱۱۳﴾ وہ اللہ پر
ایمان لاتے ہیں اور آخرت کے دن پر اور نیکی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے منع
کرتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی نیک لوگوں میں سے
ہیں ﴿۱۱۴﴾ اور وہ جس طرح کی نیکی کریں گے تو اس کی ہرگز ناقدری نہ کی جائے گی
اور اللہ پرہیزگاروں کو جانتے ہیں ﴿۱۱۵﴾ بے شک جو لوگ کافر ہوئے اُن کے مال
اور ان کی اولادیں اللہ کے مقابلے میں ہرگز کچھ کام نہ آئیں گی اور یہی دوزخ کے
رہنے والے ہیں اس میں یہ ہمیشہ رہیں گے ﴿۱۱۶﴾ جو وہ اس دنیوی زندگی میں خرچ
کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے تیز ہوا جس میں سخت سردی ہو ایسے لوگوں کی
کھیتی کو لگ جائے جنھوں نے اپنے ساتھ ظلم کیا ہو پس اسے برباد کر دے اور اللہ نے
ان کے ساتھ زیادتی نہیں کی بلکہ خود انھوں نے اپنے آپ کے ساتھ زیادتی
کی ﴿۱۱۷﴾ اے ایمان والو! اپنوں کے علاوہ کسی سے دلی دوستی نہ کرو کہ وہ لوگ تمہارا
نقصان کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں ایذا دیں بے شک
ان کے مونہوں سے بُغض ظاہر ہو چکا اور جو کچھ ان کے دِلوں میں پوشیدہ ہے وہ (اس
سے) بہت زیادہ ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو بے شک ہم نے تمہارے لئے نشانیاں
کھول کر بیان کر دی ہیں ﴿۱۱۸﴾ ہاں تم ہی وہ لوگ ہو جو ان سے محبت رکھتے ہو اور وہ تم
سے محبت نہیں رکھتے اور تم (تو) ساری کتابوں پر ایمان لائے ہو اور جب وہ تم سے ملتے
ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر غصے سے انگلیاں کاٹتے
ہیں۔ (ان سے) کہو تم اپنے غصے سے مر جاؤ یقینا اللہ دلوں کی باتیں جانتے
ہیں ﴿۱۱۹﴾ اگر تمہیں بھلائی نصیب ہو تو ان کو بُری لگتی ہے اور اگر تمہیں تکلیف پہنچے تو اس
سے وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو ان کا فریب تمہیں کچھ
نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ بے شک اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہیں ﴿۱۲۰﴾

خلاصۂ تفسیر و معارف

بہترین امت:

فرمایا كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ مسلمانو! تم سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں، بہت سے انبیاء ورسل تشریف لا کر جا چکے ہیں، بے شمار قومیں منصۂ شہود پر آئیں اور اپنا وقت گزار کر چلی گئیں لیکن تم وہ لوگ ہو جنہیں امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ تم تمام امتوں میں سے بہترین امت ہو اور تمہاری خصوصیت یہ ہے کہ تمہاری زندگی اولاد آدمؑ کی بہتری کے لئے ہے تم صرف اپنے لئے نہیں جیتے، اپنی ملازمت، اپنے گھر بنانے، دولت کمانے، بچے پالنے کے لئے ہی زندہ نہیں رہتے بلکہ ایسی زندگی گزارتے ہو جس میں پوری انسانیت کے لئے کامیابی کی راہیں کھلتی ہیں اور اللہ نے یہ عظمت تمہیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامان رحمت سے وابستہ کر کے عطا کی ہے۔ اس شرف کے باعث تم اس قابل بنائے گئے ہو کہ ساری انسانیت کے کام آؤ۔

مولانا احمد علی لاہوریؒ اپنے وقت کے ممتاز عالم اور صاحب منصب ولی تھے اپنے زمانے میں قطب ارشاد کی مسند پر فائز تھے۔ ایک وقت پر روئے زمین پر چار اقطاب ہوتے ہیں، روئے زمین کی ساری انسانیت میں سے چار افراد میں سے ایک ہونا کوئی معمولی بات نہیں، چھ ارب کی آبادی میں چار بندے ممتاز ہوں اور ان چار میں سے ایک ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ اس منصب کے حامل تھے مولانا احمد علی لاہوریؒ۔ اپنی تقاریر میں فرماتے کہ اے اہل لاہور تم اپنے آرام دہ بستروں میں پر آسائش بالا خانوں میں مزے سے سوتے ہو تو تمہارے اس آرام و آسائش کا سبب وہ لوگ ہیں جو دن کو محنت کرتے ہیں راتوں کو بیدار رہتے ہیں، اللہ کو یاد کرتے ہیں اور تم ان کے طفیل مزے کرتے ہو۔ قرآن حکیم نے بتایا کہ کائنات کی بقاء اس امت پر ہے، اولاد آدم کی بقاء کا سبب امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ بقاء کے بھی کئی پہلو ہیں جیسے کسی نے بارگاہ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں عرض کی کہ قیامت کب ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حتی لا یقال اللہ، اللہ ۔ جب دنیا میں کوئی اللہ اللہ کرنے والا نہ رہے گا قیامت آ جائے گی۔ اس کا مطلب ہے اللہ اللہ کرنے والے تو وہی ہیں جو دامان رحمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ ہیں۔ یہی وہ امت ہے جو اللہ کی عبادت کرتی ہے جو حلال حرام کی تمیز کرتی ہے جو اللہ کو یاد کرتی ہے اور اس کا اللہ کو یاد کرنا

کائنات کے آباد ہونے کا سبب ہے۔ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ امتی ہونے کے مدعی تو بہت ہیں لیکن واقعی خیر امت کہلانے کے حقدار وہ ہیں جو نہ صرف خود اچھائی کرتے ہیں بلکہ اچھائی کا حکم بھی دیتے ہیں، صرف تبلیغ ہی نہیں کرتے کہ نیکی کی ترغیب دلائیں بلکہ حکم کرتے ہیں۔ حکم کرنے کے لئے تو قوت چاہئے حکم تو وہی کرسکتا ہے جس کے پاس کوئی اتھارٹی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ تم میں سے ہر ایک حکمران ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے پوچھا جائے گا۔ کسی کا اپنے خاندان پر حکم چلتا ہے کسی کا اہل محلہ پر، کسی کا اہل شہر پر، کسی کا کسی اور پر اور کسی کا کسی پر بھی حکم نہ چلے تو ایک اپنی ذات پر تو ضرور چلتا ہے اور جہاں تک کسی کا اختیار ہے وہاں تک وہ بھلائی نافذ کروانے کا مکلف ہے۔ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور برائی سے روک دیتا ہے۔ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ بنیادی طور پر ہر فرد کو کم از کم اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت پر قائم رکھنا چاہئے اور اپنے متعلقین و متوسلین میں جو لوگ اس کی بات سنتے ہیں انہیں اطاعت الٰہی پر قائم رہنے کا حکم دینا چاہئے اور حکومت اسلامی میں ایک ادارہ ایسا ہونا چاہئے مسلمانوں کے پاس ایسی قوت ہونی چاہئے جو روئے زمین کی ساری انسانیت کو یہ حکم دے سکے کہ کوئی ظلم و زیادتی نہیں کرے گا، ہر کوئی اپنے حقوق کے دائرے میں رہ کر زندگی گزارے گا اور دوسروں کے حقوق میں مداخلت نہیں کرے گا۔ اگر مسلمان یہ قوت نہیں رکھتے تو اس کا سبب ایک ہی ہے کہ خود انہوں نے بھلائی چھوڑ دی ہوگی جب وہ خود ہی اتباع رسالت چھوڑ دیں گے تو دوسروں کو حکم دینے کی طاقت کہاں سے آئے گی۔ اس وقت کم و بیش چھپن کے قریب اسلامی ریاستیں ہیں جن میں سے بحمد اللہ مشرق وسطیٰ کی ریاستوں میں کم از کم حدود اسلامی رائج ہیں باقی قوانین شرعی نہیں ہیں لیکن حدود شرعی رائج ہیں اس کے علاوہ دنیا بھر کی اسلامی ریاستوں میں قوانین اسلامی رائج نہیں ہیں۔ ان سب میں سب سے زیادہ طاقتور اسلامی ملک پاکستان ہے جو ایٹمی قوت ہے لیکن پاکستان کے حکمرانوں سے لے کر سیاسی جماعتوں کے سربراہان تک اور دانشوروں سے علماء تک سب نے جمہوریت کی رٹ لگا رکھی ہے۔ اسلام کو کوئی نہیں پوچھتا۔ جس جمہوریت کی رٹ حکمران، دانشور اور نام نہاد علماء نے لگا رکھی ہے وہ محض اکثریت کو جمہوریت کہتے ہیں خواہ اس اکثریت میں تمام غیر اخلاقی، غیر انسانی اعمال کرنے والے بدکردار بدعقیدہ لوگ ہوں اگر اس طرح اکثریت مان کر حکومت کرنی ہے تو پھر مکہ مکرمہ میں اکثریت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے پر کفار کے پاس تھی پھر حکومت ابوجہل کو سزاوار تھی۔ جزیرہ نمائے عرب میں جب اسلامی ریاست بن رہی تھی تو حضور ﷺ کے ساتھ تین ہزار لوگ تھے، تین ہزار لوگوں

کی اس آبادی کو مدینۃ الرسول کہتے ہیں۔ مدینہ منورہ کے ساتھ یہود و نصاریٰ کی بستیاں تھیں ان بستیوں کو شامل کر کے اکثریت دیکھیں تو اکثریت یہود و نصاریٰ کی تھی تو حکومت کس کی ہوئی؟ اسلام میں حکومت انسانوں کی اکثریت پر نہیں بنائی جاتی، اہلیت کی بنیاد پر بنائی جاتی ہے۔ اسلام نے ہی جمہور کا لفظ انسانوں کو دیا۔ اسلام سے پہلے یہ جمہور صرف اکثریت کو کہا جاتا تھا اور اکثریت غلامانہ زندگی پر مجبور تھی۔ اسلام نے سب سے پہلے یہ حق جمہور کو دیا کہ جس فیصلے پر جمہور متفق ہو جائیں وہ فیصلہ اللہ کا ہے۔ وہ دین کا فیصلہ ہے لیکن جمہور کون ہیں؟ جس شعبے کی بات ہوگی اس کے ماہرین کی اکثریت جس بات پر متفق ہوں گے وہ جمہور کی رائے ہوگی۔ اگر فقہ کا مسئلہ ہے تو فقہا کی اکثریت جس بات پر متفق ہو جائیں وہ جمہور کا اتفاق ہوگا۔ تفسیری نکتہ ہو تو مفسرین کی اکثریت جس بات پر متفق ہو جائے وہی جمہور کا فیصلہ ہوگا۔ سیاست کی بات ہو تو سیاست کے ماہرین جس بات پر متفق ہو جائیں وہ فیصلہ جمہور کا ہوگا بشرطیکہ تمام فیصلے قرآن و سنت کی حدود کے اندر اندر ہوں۔ جمہوریت یہ نہیں ہے کہ ہر کس و ناکس اخلاقی، دینی علمی لحاظ سے دیوالیہ ہو چکے لوگوں کی تعداد جمع کر کے جمہوریت کے نام پر اپنی حکومت بنائی اور چلائی جائے۔ ایسی جمہوریت دین کے خلاف ہے۔ اس بات پر کوئی راضی رہے یا ناراض کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ بات کہی جائے گی جس پر اللہ اور اللہ کا حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی رہیں۔ یہ منبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ سامنے اللہ کی کتاب ہے اور یہ اللہ کا گھر ہے یہاں بات کھری ہوگی۔ ملک میں جتنی دینی سیاسی جماعتیں جمہوریت کا راگ الاپ رہی ہیں یہ دین کے خلاف اپنے ذاتی مفادات کے لئے ایسا کر رہی ہیں۔ ان میں شامل علماء مجھ سے زیادہ پڑھے لکھے دینی علوم کو ماننے والے لوگ ہیں لیکن اقتدار کے لالچ نے عہدوں اور دولت کے لالچ نے ان کی نگاہیں بدل دی ہیں۔ چونکہ یہودی، عیسائی طاقتیں، امریکہ، برطانیہ اس جمہوریت کے حق میں ہیں تو یہ بھی انہی کے اقتداء میں جمہوریت، جمہوریت کہتے ہیں، کہ اگر یہ اسلام کا نام لیں تو وہ طاقتیں ان کے خلاف ہو جائیں اور انہیں ناراض کرنا ان دینی سیاسی جماعتوں کو روا نہیں۔ کوئی ان سے پوچھے یہودی عیسائی طاقتیں تو کلمہ پڑھنے کے خلاف ہیں، نماز روزے کے خلاف ہیں اور پھر انہیں راضی رکھنا ہے تو یہ سب کچھ بھی چھوڑ دو وہ تم سے راضی ہو جائیں گے تو فرمایا امتی تو وہی ہے کہ جس کا جہاں تک بس چلے وہ نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے اور یہ سارا کام بھی صرف اللہ کی رضا کیلئے کرے اس کی اجرت نہ لے۔ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ سارا مجاہدہ اس لئے کرے کہ اس کا اللہ پر یقین ہے۔ روزی معروف طریقے سے کمائے کسی لالچ میں وعظ نہ کرے یہ نہیں کہ میں بیان کر رہا ہوں

اوراس کے بدلے امریکہ سے کسی مادی فائدے کا لالچ ہے۔ اگر کوئی امریکہ سے پیسے لے کر بیان کرے گا تو پھر اسے امریکہ کی پسند کا لحاظ رکھنا ہوگا کہ اس کی تقریر میں کوئی ایسا لفظ نہ آ جائے کہ پیسے دینے والے روٹھ جائیں اور پیسے ہی نہ دیں ایسے ہی کوئی کتاب لکھتا ہے تو اگر اس سے ذاتی مفاد مطلوب ہے تو یہ لحاظ کرنا پڑے گا کہ اس میں جو بات کہی جائے وہ خریدار کی مرضی کی کہی جائے۔

میرے بیانات کی کیسٹیں بنتی ہیں ان سے مجھے ذاتی دولت ملتی ہو تو مجھے سوچنا پڑے گا کہ ایسی سی ڈی اور کیسٹ بنے جس سے خریدار راضی ہوں لیکن الحمد اللہ محنت مزدوری کر کے ہمیشہ اپنا اور بال بچوں کا خیال رکھا ہے۔ یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ دین بتانے، دین سکھانے پر اجرت لینے سے اللہ نے محفوظ رکھا ہے آج تک نہ کسی کتاب کی رائلٹی لی ہے نہ کسی تقریر کی قیمت یہ سب اللہ کا احسان ہے۔ دین کا کام صرف اسی طرح ہوسکتا ہے کہ جب اللہ پر ایمان ہو کہ رازق وہی ہے۔ روزی وہی دے گا۔ حصول رزق کے لئے محنت فرض ہے معروف ذرائع سے محنت کی جائے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہنا دین کے منافی ہے اور کوشش کر کے رزق حلال کمانا عبادت ہے۔ سو فرمایا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا تب ہی ممکن ہوگا جب اللہ پر یقین کامل ہوگا۔ جب تم اسے مالک حقیقی مان لو گے اسے ہی رازق و پروردگار سمجھو گے صحت و بیماری تنگی و راحت کو جب اللہ سے وابستہ کر لو گے اس کے کہنے پر اسباب ظاہری کو ضروری سمجھو گے اور امید مسبب الاسباب پر رکھو گے، تب نیکی کی بات کر سکو گے اور برائی سے روک سکو گے اور جب امیدیں لوگوں سے ہوں گی، اللہ کے سوا کسی اور سے وابستہ ہوں گی تو بات نہیں بنے گی۔ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١١٠﴾ اگر یہود و نصاریٰ تسلیم کر لیتے تو ان کا بھی بھلا ہو جاتا۔ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ ان میں سے بھی کچھ خوش نصیب تھے جنہیں بعثت عالی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نصیب ہوا۔ لیکن ان کی اکثریت برائی پر متفق رہی۔

یہود و نصاریٰ سے دلی دوستی ہرگز جائز نہیں:

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١١١﴾ اہل کتاب، یہود و نصاریٰ سے تعلقات کی صورتوں پر بات چل رہی ہے کہ ان سے دلی دوستی ہرگز جائز نہیں اور دنیوی امور مثلاً کاروبار لین دین وغیرہ میں اس حد تک تعلقات رکھنے جائز ہیں جس حد تک وہ دین پر اثر انداز نہ ہوں۔ اللہ کریم نے احکامات دینے کے ساتھ ساتھ اس کی حکمتیں بھی بیان فرمائی ہیں کہ یہود و نصاریٰ اللہ

کے منکر ہیں اور اللہ کے رسولوں کے دشمن لہٰذا وہ کبھی بھی مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے اور ان میں حق شناس بہت کم لوگ ہیں جنہیں ایمان نصیب ہوا ورنہ ان کی اکثریت بدکاروں کی ہے۔ آپ ﷺ کو تسلی بھی دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ مسلمانوں کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے سوائے معمولی پریشانی پیدا کرنے کے۔ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ۔ ان آیات میں ان لوگوں کا کردار بتایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! جب یہ تمہارے ساتھ جنگ کریں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ﴿۱۱۱﴾ اور پھر کوئی ان کی مدد کو نہیں آئے گا۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ اللہ کی طرف سے ان پر ذلت مسلط کر دی گئی ہے یہ جہاں بھی ہوں گے ذلیل ہی ہونگے۔ اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ اور اگر دنیا میں ان کا کوئی ٹھکانہ یا اقتدار ہوگا تو اس وجہ سے ہوگا کہ اللہ نے ہر بدکار کو ایک معین وقت تک مہلت دے رکھی ہے اور وہ اس مقررہ وقت تک جیتا رہتا ہے لہٰذا ایک تو انہیں اس رعایت کے باعث ٹھکانہ ملے گا دوسرے یہ کہ وہ کسی نہ کسی کے بھروسے پر جی رہے ہوں گے، لوگوں کے تعاون کے بغیر خودمختاری سے جینا انہیں نصیب نہ ہوگا۔ لوگوں کی طرف سے ہی انہیں کوئی ذریعہ حیات ملے گا۔ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ اللہ کے غضب کے مستحق بن چکے ہیں۔ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ اور ان پر مسکینی مسلط کر دی گئی ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے۔ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے۔ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ اور یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ یہ نافرمان حد سے گزر جانے والے باغی اور بغاوت کرنے والے تھے۔

ان آیات مبارکہ نے یہود کی تاریخ اور ان کا کردار بیان کر دیا ہے۔ آج دنیا میں یہود کا طوطی بول رہا ہے، فلسطین تو ان کے سامنے واقع ہے لیکن انہوں نے پوری دنیا میں فساد مچا رکھا ہے۔ ان کے منصوبے بڑے گہرے اور بڑے طویل المعیاد ہیں اور دنیا میں تباہی کا سبب ہیں۔ ہمارے سوچنے کا مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ وقتی طور پر پریشانی یا تکلیف تو پیدا کر سکتے ہیں لیکن مسلمانوں کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے تو پھر اس وقت یہود و نصاریٰ مسلمانوں پر سوار کیسے ہیں؟ جسے چاہتے ہیں قتل کر دیتے ہیں جسے چاہتے ہیں قیدی بنا لیتے ہیں۔ دنیا بھر میں سود کو رواج دے کر معیشت پر ان کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ مزدوری اور محنت مسلمان کرتے ہیں اس کا ثمر یہودی کھاتے ہیں۔ مسلمانوں کا سرمایہ ان کے پاس نہیں یہودی بینکوں میں ہے تو اس بات کا ان آیات سے تطابق کیسے ہو؟

کتاب الٰہی قیامت تک انسانیت کیلئے نازل ہوئی ہے:

سب سے پہلی بات یاد رکھنے کی یہ ہے کہ قرآن حکیم اللہ کریم کی اپنی کتاب ہے اور اپنے نزول سے لے کر قیامت تک کی تمام نسل انسانی کو مخاطب کرتی ہے لہٰذا یہ سب کے لئے ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے۔ قرآن حکیم کی کوئی آیت ایسی نہیں جو اس وقت کے لئے تھی اور اب اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ قرآن حکیم کسی خاص وقت کے لئے نازل نہیں ہوا یہ قیامت تک کے لئے نازل ہوا ہے لہٰذا قرآن حکیم کے تمام احکام کا اطلاق تمام زمانوں پر ہے۔ جب قرآن حکیم نے یہود ونصاریٰ سے دلی دوستی کو حرام قرار دیا اور مسلمانوں نے یہود ونصاریٰ سے دلی دوستی کی تو پھر اللہ کی نافرمانی مسلمانوں کو وہاں لے گئی جہاں یہود ونصاریٰ نے ان پر سواری شروع کر دی۔ قرآن حکیم نے تو فرمایا کہ یہ مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے سوائے معمولی پریشانی پیدا کرنے کے مگر وہ مسلمان کیسے ہوں گے جن کا یہود ونصاریٰ کچھ نہیں بگاڑ سکتے؟ وہ ایسے مسلمان ہوں گے جن کی قلبی دوستی یہود ونصاریٰ سے نہیں ہوگی۔ کتاب اللہ نے یہ ضمانت مومنین کو دی ہے کہ یہود ونصاریٰ مومن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے سوائے کچھ پریشانی دینے کے تو آج اگر ہم نے اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر اللہ کے رسول ﷺ کے احکام وفرامین کو چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ حیات کو چھوڑ کر پورا نظام زندگی یہودیوں اور نصرانیوں سے لے لیا ہے، بود وباش سے معیشت وسیاست تک سارا ڈھانچہ ہی ہم نے یہود سے ادھار لے لیا ہے تو پھر یہودی ہم پر مسلط ہیں تو اس میں قصور یہودیوں کا نہیں ہمارا اپنا ہے ہم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے اور کتاب اللہ نے یہ ضمانت نہیں دی کہ تم یہودیوں جیسے ہو جاؤ پھر بھی یہودی تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ آج ہم نے اپنے آپ کو خود اللہ کی حفاظت سے باہر نکال لیا ہے، ہمارا حال یہ ہے کہ یہود ہماری زندگی کے فیصلے کرتے ہیں ہمارے سیاسی امور میں اس حد تک دخیل ہیں کہ ہر چھوٹے بڑے فیصلے میں ہم پر ان کی رائے مسلط ہوتی ہے۔ معاشی نظام سودی ہے جو یہود کا بنایا ہوا ہے ہم اس نظام کو اس لئے بند نہیں کر سکتے کہ وہ ناراض ہو جائیں گے۔ آج ہم ان کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں اور اللہ نے کتاب اللہ میں سودی نظام اور سود کی سزا کے بارے فرمایا۔ فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (البقرہ:279) اس کے ساتھ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعلان جنگ ہے جس کے ساتھ جنگ کرنے کا اعلان ہو وہ دوست تو نہیں ہو سکتا جنگ تو دشمن سے ہی ہوتی ہے۔ سود کھانے والوں سے جب اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا اعلان جنگ ہو گیا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن ٹھہرے پھر

اللہ کے دشمنوں پر یہودی مسلط ہوں یا مشرک مسلط ہوں اس کی اللہ کو کیا پرواہ۔ اس ذلت کا بنیادی سبب یہ ہے کہ قرآن حکیم نے یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع فرمایا ہے اور مسلمانوں نے قرآن کے احکام کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

کافر و مشرک یہود و نصاریٰ سے تعلقات کی حدود:

قرآن حکیم نے کافر، مشرک، یہود و نصاریٰ سے تعلقات کی حدود متعین فرما دی ہیں۔ یہود و نصاریٰ سے دلی دوستی جائز نہیں اور دنیاوی امور میں تعلقات اسی حد تک رکھے جا سکتے ہیں جہاں تک وہ دین پر اثر انداز نہ ہوں۔ ان سے سودا خریدا جا سکتا ہے لین دین و کاروبار ہو سکتا ہے۔ ان میں سے کوئی بیمار ہو جائے تو اسکی مدد کی جا سکتی ہے۔ ان سے تجارت اور ملازمت کے تعلقات رکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن ان پر خرچ کیلئے رقم زکوٰۃ کی مد سے نہیں لی جائے گی۔ نفلی صدقات خرچ ہوں گے۔

تعلقات کی صورتیں:

اسی طرح تجارت، کاروبار اور ملازمت میں ایسی شرائط پر کام نہیں ہوگا جو مسلمانوں کے دین پر اثر انداز ہوں یوں تعلقات انسانی کی تین صورتیں نظر آتی ہیں۔ ایک واقفیت۔ جیسے کسی کے ساتھ سفر کر لینا، کسی سے سودا سلف خرید لینا، ایک جگہ کام کر لینا۔ دوسرا درجہ ہے کسی سے اتنا تعلق بڑھانا کہ دلی تعلق قائم ہو جائے اور بندہ دلی محبت کے ساتھ اس کی خوشی غمی کا ساتھی بن جائے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے اوپر مسلط کر لیا جائے، وہ اتنا عزیز ہو جائے کہ بندہ اس کا پیروکار بن جائے۔ اللہ کریم نے کافر سے تعلقات کی یہی حد مقرر کی ہے کہ اس کے ساتھ لین دین، تجارت، کاروبار، ملازمت ہو سکتی ہے دلی دوستی نہیں ہو سکتی اور آج کا مسلمان تو دلی دوستی سے بڑھ کر تیسرے درجے میں چلا گیا ہے اور انہیں اپنا پیشوا بنا لیا ہے۔ اس لئے آج کے مسلمان کے انداز زندگی میں کہیں اسلام نظر نہیں آتا، شہادت ہو یا جہاد ہر ایک کی الٹی تعبیر کر رکھی ہے۔

جہاد کیا ہے؟

قرآن حکیم اور اسوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق جہاد یہ ہے کہ جہاں اللہ کے حکم کے خلاف ظلم ہو رہا ہو اسے طاقت سے روکا جائے وہاں جان دینا شہادت ہے اور وہاں لڑنے والا اور زندہ بچ جانے والا غازی کہلاتا ہے لیکن جسے آج جہاد کہا جاتا ہے اسے گہرائی سے دیکھیں تو یہ جہاد ثابت ہی نہیں ہوتا۔ مثلاً فلسطینی بہت عرصے سے یہودیوں سے لڑ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلسطین میں جہاد ہو رہا ہے لیکن فلسطینیوں

اور یہودیوں کے طرز زندگی میں، معیشت میں، معاشرت میں کہیں کوئی فرق ہے۔ دونوں کا ایک نظام ہے یہ بھی سودی معیشت اپنائے ہوئے ہیں وہ بھی سودی کاروبار کرتے ہیں۔ سیاسی اور معاشرتی نظام ایک جیسا ہے تو پھر، لڑائی کی وجہ کیا ہے؟ فلسطینی ایک خطہ زمین کے لئے لڑ رہے ہیں اپنا ملک واپس لینا چاہتے ہیں اگر فلسطینیوں نے خطہ زمین واپس لے کر اس پر وہی نظام نافذ کرنا ہے جس میں سود ہے، برائی ہے، فاشی ہے تو پھر یہ جہاد کیسے ہوگیا۔ جہاد تو برائی کو مٹانے اور ختم کرنے کے لئے ہے۔ ہاں اگر خطہ زمین واپس لے کر اس پر اسلامی نظام کا نفاذ کرنا مقصد ہے تو پھر یہ جہاد ہے لیکن آج جہاد کے نام پر صرف چھینا جھپٹی ہو رہی ہے جیسے ہمارے ملک میں سیاسی جماعتیں لڑ رہی ہیں۔ کسی جماعت کے پاس اسلام نافذ کرنے کا کوئی پروگرام نہیں یہاں صرف اقتدار کے لئے جنگ جاری ہے۔ ایک آدمی جو ملک کا حکمران ہے اس نے کافرانہ نظام ملک پر مسلط کر رکھا ہے۔ سیاستدان اسے ہٹا کر خود اقتدار میں آنا چاہتے ہیں اور اقتدار میں آ کر وہی نظام قائم رکھنا چاہتے ہیں تو پھر اسے جہاد کیسے کہا جا سکتا ہے؟ جہاد صرف یہ ہے کہ ظلم ختم کر کے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے نظام عدل کو نظام معیشت کو نظام معاشرت کو نافذ کیا جائے اور اگر سیاستدانوں نے بھی آ کر وہی قانون وہی طرز سیاست اور وہی طرز حیات اپنانا ہے تو پھر جہاد کہاں ہوا؟ جو لوگ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا دامن چھوڑ کر خود کو یہودیوں سے وابستہ کر لیتے ہیں وہ اللہ پر شکوہ کرنے کا حق کیسے رکھتے ہیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ زندگی تو فرعون کی جینا چاہتے ہیں اور موت حضرت موسیٰؑ کی چاہتے ہیں اور یہ تو ممکن نہیں کہ بندہ زندگی تو فرعون کے طرز پر گزارے اور موت موسیٰؑ کی طرح کی ملے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس ڈھب پر زندگی گزرے گی موت بھی اسی طریقے پر آئے گی۔

قرآن کا فرمایا ہوا حق ہے۔ قرآن آج بھی اعلان کر رہا ہے کہ اگر تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عہد وفا باندھ لو تو آج بھی یہود و نصاریٰ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تمہارے لئے معمولی پریشانی پیدا کر سکتے ہیں تکلیف دے سکتے ہیں لیکن تمہارا بگاڑ کچھ نہیں سکتے تم پر غلبہ نہیں پا سکتے، تم پر مسلط نہیں ہو سکتے۔ یہ تو ایسے ہیں يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ کہ اے مسلمانو! اگر یہ تمہارے ساتھ لڑیں گے تو بھاگ جائیں گے۔ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ﴿١١١﴾ اور کوئی ان کی مدد کو بھی نہیں آئے گا۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ قرآن کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو عملاً مسلمان ہیں جن کا کاروبار حیات، دوستی دشمنی، سیاست وحکومت، اخلاق وعبادات اور جینا مرنا سب کچھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع واطاعت سے وابستہ ہے۔

باعمل مسلمان بھی انسان ہی ہوتا ہے فرشتہ نہیں ہوسکتا:

باعمل مسلمان بھی انسان ہوتا ہے اور انسان ہی رہتا ہے فرشتہ نہیں بن جاتا غلطی اور کوتاہی ہوتے رہنا انسانی کمزوری ہے اور اس سے بھی ایسی کوتاہیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ ایک مرتبہ بارگاہ رسالت پناہی میں بعض اصحاب کرامؓ نے عرض کی کہ پوری کوشش کے باوجود غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں دل یہ چاہتا ہے کہ کوئی ادنیٰ سا گناہ بھی صادر نہ ہوا کرے تو آپ دعا فرمایئے کہ کبھی کوئی غلطی ہم سے سرزد نہ ہو تو یہ سن کر حضور ﷺ کا رخ انور متغیر ہو گیا جیسا کہ عادت شریفہ تھی جب بھی کوئی بات پسند نہ آتی اس کی وجہ سے رخ انور پر سرخی آجاتی تھی۔ جب رخ انور کو بدلتا دیکھا تو صحابہ کرامؓ دہل گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر ایسا ہو جائے کہ تم سے کوئی ایسی غلطی نہ ہو اور تمہیں اللہ سے استغفار ہی نہ کرنا پڑے، اللہ سے معافی ہی نہ مانگنی پڑے تو پھر اللہ تمہیں اٹھالے گا اور ایک نئی مخلوق پیدا کرے گا جن سے پوری کوشش کے باوجود کوئی نہ کوئی غلطی ہو جائے گی وہ نادم ہو کر مغفرت طلب کریں گے، اصلاح احوال کریں گے۔ اس لئے کہ انسان کبھی بھی فرشتہ نہیں بن سکتا اور انسانوں میں معصوم عن الخطا صرف انبیاء کرام ہی ہوتے ہیں۔ اللہ کے مومن بندے محفوظ ضرور ہوتے ہیں اللہ ان کی حفاظت فرماتا ہے، وہ گناہوں سے بچتے رہتے ہیں، اللہ کریم انہیں بچائے رہتے ہیں لیکن اس سب کے باوجود کہیں ان کے خلوص میں کمی آجاتی ہے کہیں بات کرنے میں غلطی ہو جاتی ہے، کہیں لین دین میں نادانستہ طور پر غلطی لگ جاتی ہے تو یہ روزمرہ کی چھوٹی موٹی انسانی کمزوریاں ہیں یہ سب کے ساتھ ہوتی ہیں لیکن عملاً اور ارادتاً کافر کی گود میں گر جانا غلطی نہیں یہ تبدیلی ہے کہ اب یہ شخص مومن نہیں رہا یہ ایمان کے نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اگر بندہ زبانی کلمہ بھی پڑھے دعویٰ اسلام بھی کرے لیکن کردار میں محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع چھوڑ کر کافر کا اتباع اپنا شیوہ بنالے تو ایسے شخص کے بارے بندہ اپنے دل کے اندر نہایت دیانتداری سے سوچ کر فیصلہ کر سکتا ہے کہ کیا غلط ہے اور کیا صحیح۔ اللہ نے ہر انسان کے دل میں ایک مفتی بٹھایا ہوا ہے دل کی اس گہرائی سے سوچیں کہ جو بندہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کی بات پر عمل کرتا ہے اس کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہئے؟ ذرا سوچئے اگر ہمارا کردار حضور ﷺ کے خلاف ہے اور یہود و نصاریٰ کی مرضی کے تابع ہے تو گویا ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کر رہے ہیں اور یہود و نصاریٰ کی اطاعت کر رہے ہیں تو پھر کافر ہمارے ساتھ جو سلوک بھی کریں اسکی اللہ کو کیا پرواہ۔ جو دامان محمد رسول اللہ ﷺ سے ہی الگ ہو جائے اللہ

کریم کو اس کی کیا پرواہ ہے اور کیا ضرورت؟ وہ اس کی کیوں مدد کرے گا اور وہ اس پر کیوں رحم کھائے گا؟ اس نے تو اپنی رحمت کو مجسم کر کے رحمۃ العالمین بنا کر اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرما دیا اور قرآن میں فرما دیا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ عالمین اللہ کے علاوہ ہر چیز کو محیط ہے۔

جس نے دامان محمد رسول اللہ ﷺ کو چھوڑا اس نے اللہ کی رحمت کو چھوڑ دیا:۔

گویا جتنی محبت سارے جہانوں کو ملنی چاہئے اور ملنی ہے وہ ساری کی ساری محمد رسول اللہ ﷺ کی صورت میں مجسم ہوگئی پھر جس نے دامان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑا اس نے گویا اللہ کی رحمت کو چھوڑ دیا۔ اب اسے شکوہ کرنے کا کیا حق ہے کہ اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا۔ آج اگر ہم پر یہود ونصاریٰ مسلط ہیں ہماری معیشت پر غالب ہیں ہمارے مرنے جینے پر ان کی چھاپ لگی ہوئی ہے تو اس میں قصور کس کا ہے ہم نے رحمت الٰہی کو مسترد کر دیا اس لئے جو ہمارے ساتھ ہو رہا ہے وہی ہے جو ہم چاہتے ہیں ورنہ اللہ کا یہ فرمان قرآن حکیم میں ہمیشہ کے لئے آچکا ہے کہ اے مسلمانو، یہ تم سے لڑ نہیں سکیں گے تم پر فتح نہیں پاسکیں گے یہ تمہارے خلاف منصوبے بنائیں گے، پریشان کریں گے تمہارا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے کہ ان پر اللہ کا غضب آچکا ہے۔ اللہ کا فرمان سچ ہے اگر مسلمان واقعی مسلمان رہیں گے تو یہود ونصاریٰ ان پر کبھی غالب نہ آسکیں گے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہود ونصاریٰ غضب الٰہی کا شکار ہیں ایسی تباہ حال اقوام ہیں کہ ان کے ہاں سب اکیلے اکیلے جی رہے ہیں ان میں رشتوں کے تعلقات ختم ہو گئے ہیں نہ کوئی کسی کا بیٹا ہے نہ ماں نہ باپ نہ بہن اور نہ بھائی کوئی کسی کا کچھ نہیں۔ غضب الٰہی کی اس سے بڑی صورت کیا ہوگی۔ امریکہ میں ایک کتاب لکھی گئی The lonely crowd اور وہ سال دوراں میں چھپنے والی بہترین کتاب قرار دی گئی اس میں اسی تنہائی کا ذکر کیا گیا ہے کہ انبوہ کثیر ہے لیکن تنہا ہے۔ اتنے بڑے ملک میں رہنے والے کروڑوں لوگوں میں سے ہر فرد اکیلا اکیلا جی رہا ہے۔ امریکن سروے کی رپورٹ کے مطابق 13 فیصد ایسے لوگ امریکہ کی آبادی میں ہیں جنہوں نے اپنے سگے رشتوں سے زنا کیا ہے۔ 13 فیصد کا مطلب ہے کہ ہر تیرہواں شخص وہ ہے جس نے باپ، بیٹی، بہن، بھائی، ماں بیٹے کی تمیز کھو کر زنا کاری کی ہے۔ یہ تو خنزیروں سے زیادہ غلیظ زندگی ہے، اس سے زیادہ غضب الٰہی کیا ہوگا جہاں نسبی رشتوں کا یہ عالم ہے وہاں دوسرے انسانی تعلقات کی کیا صورت ہوگی؟ امریکہ میں پہلے بھی بغیر باپ کے ہونا برا نہیں سمجھا جاتا تھا اب امریکن بن باپ کے ہونا فخر کی بات سمجھتے ہیں اور ایسے لوگوں سے پوچھا جائے کہ تمہارا باپ کون ہے تو وہ بڑے فخر سے کہتا ہے۔ I am from the street

میں توگلیوں گزرگاہوں کی پیداوار ہوں۔ آج امریکی افواج میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی گئیں اور وہاں جو بدکاری ہوئی اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اولاد کو فخر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ Iraqi generation یعنی عراقی نسل ہے۔ آج سے دس بارہ سال پہلے جب میں امریکہ آتا جاتا تھا تب وہاں قانون بنا تھا کہ پاسپورٹ شناختی کارڈ، ڈرائیونگ لائسنس وغیرہ کے تمام فارم بغیر باپ کے نام کے ہوں گے، صرف ماں کا نام لکھا جائے گا۔ اب مزید اس میں کتنی ترقی ہو چکی ہوگی؟ آج امریکی آبادی کی اکثریت اب ان لوگوں پر مشتمل ہے جن کے باپ کا کوئی پتہ نہیں۔ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ یہ اللہ کے غضب کا شکار ہو گئے تو جہاں کردار اس پستی میں گر چکا ہے وہاں باقی آپس کے دیگر تعلقات کیا ہوں گے؟ یہ لوگ زندہ رہیں گے اس لئے کہ اللہ نے ہر ایک کو مہلت دی ہے اور موت کے خوف سے ایک دوسرے کے تعاون سے اکٹھے ہو کر ہی زندہ رہیں گے۔ ان میں یہ قوت نہیں ہوگی کہ مومنین کا کچھ بگاڑ سکیں ان پر یہ عذاب اس لئے مسلط کیا گیا کہ یہ کفر کرتے تھے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، اللہ کے نافرمان اور اللہ سے باغی تھے۔ ان میں بھی استثنا ہے جیسا کہ استثناء ہر جگہ موجود ہوتا ہے۔

اہل کتاب کے خوش نصیب افراد:

لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ سارے لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اہل کتاب میں بھی ایسے خوش نصیب تھے جنہیں حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت پر ایمان نصیب ہوا اور وہ ایسے اچھے مسلمان ثابت ہوئے کہ قرآن حکیم میں ان کے بارے ارشاد ہوتا۔ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وہ اپنی راتیں قرآن سے روشن رکھتے تھے۔ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ اور سجدہ ریز رہتے تھے۔ دن بھر کی نمازیں تو فرض ہیں وہ اس سے بڑھ کر راتوں کو کثرت سجود کرے اور اللہ کی بارگاہ میں حاضر رہتے تھے۔ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ انہیں اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان تھا۔ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وہ نیکی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے تھے۔ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ اور نیکیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور نیکی کرنے میں بہت تیزی دکھاتے تھے۔ وَاُولٰىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ اور وہ نیکوں میں سے تھے۔ یعنی ان بری اقوام میں اچھے لوگ بھی تھے یہ وہ خوش نصیب تھے جنہوں نے آگے بڑھ کر دامان رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھام لیا جس سے انہیں راتوں کی تنہائیوں میں تلاوت قرآن حکیم کی سعادت نصیب ہوگئی ان کی پیشانیاں سجدوں سے مزین ہوئیں وہ صرف خود ہی نیکی نہیں کرتے تھے دوسروں کو نیکی کا

ہوئیں وہ صرف خود ہی نیکی نہیں کرتے تھے دوسروں کو نیکی کا حکم بھی کرتے تھے خود ہی برائی سے نہیں بچتے تھے دوسروں کو بھی برائی سے بچنے کی تلقین کرتے تھے۔ نیکی بڑھ چڑھ کر کرتے تھے اور نیکوں میں شامل کیے گئے۔ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۗ جو کوئی بھی نیکی کرتا ہے اللہ اسکی نیکی ضائع نہیں کرتا۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اللہ ہر اس شخص کو جانتا ہے جو اللہ کے ساتھ دل لگا کے رکھتا ہے۔

مال واولاد اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکتے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۗ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اللہ کریم کی ذات اور اسکی عظمت کا انکار، اس کے انبیاء اور کتاب اللہ کا انکار، آخرت کا انکار اور دنیوی زندگی میں ایسا انہماک کہ سب کچھ دنیا ہی کو سمجھ لینا یہ ایسی بڑی مصیبت ہے جس کا انجام جہنم ہے۔ آخرت کی زندگی تو اس دنیا کی زندگی سے زیادہ یقینی زیادہ مضبوط زیادہ موثر اور کبھی نہ ختم ہونے والی ہے لیکن بدنصیب لوگ دنیاوی زندگی میں اس قدر الجھ جاتے ہیں کہ خالق کائنات کو بھول جاتے ہیں اور پھر جب انہیں کچھ دنیوی مال ودولت نصیب ہو جاتا ہے، اولاد نصیب ہو جاتی ہے تو وہ اس پر پھولے نہیں سماتے بلکہ ہماری عمومی سوچ یہ ہو چکی ہے کہ کسی نیک آدمی کو ہم خوش نصیب نہیں کہتے بلکہ جس کے پاس دنیا کی دولت دیکھتے ہیں، اولاد دیکھتے ہیں، خوشحال دیکھتے ہیں اسے اللہ کا بڑا مقرب جانتے ہیں اسے خوش نصیب کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس پر اللہ کا بڑا احسان ہے خواہ وہ کفر ہی کر رہا ہو۔

انذار کیا ہے؟

ان آیات میں اللہ کریم بروقت اطلاع دے رہے ہیں کہ مال اور اولاد اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکتے۔ عربی لفظ انذار کا اردو ترجمہ ڈرانا لکھا جاتا ہے جو انبیاءؑ کی دعوت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے لیکن درحقیقت لفظ ڈرانا انذار کے مفہوم کو ادا نہیں کرتا بلکہ اس کا اصل مفہوم ہے بروقت خبردار کرنا یعنی بندے کی غلط کاریوں کا جو نتیجہ آخرت میں اسے بھگتنا پڑے گا اس عذاب سے اسے دنیا ہی میں خبردار کر دیا جائے اور یہی اس آیہ کریمہ کا موضوع ہے کہ جو لوگ کفر کر رہے ہیں ان کے مال، اولاد اور ان کی خوشحالی اللہ کریم کی بارگاہ میں کسی کام نہ آئے گی۔ دنیا میں مالدار ہونا، صاحب اولاد ہونا، بہت بڑا خاندان ہونا یا بہت بڑی طاقت وقوت کا مالک ہونا، حکومت کا مل جانا، صاحب اقتدار ہونا ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو کل قبر میں یا یوم حشر میں اللہ کی گرفت سے بچا سکے بلکہ جو بھی کفر کریں گے جن کا خاتمہ کفر پر ہوگا وہ لوگ دوزخ کے

رہنے والے ہیں ۔وَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ جہنم کے رہنے والے ہیں ھُمۡ فِیۡھَا خٰلِدُوۡنَ اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

روح کے سبب بنی آدم کی زندگی کبھی ختم نہ ہوگی:

انسان کی یہ خصوصیت ہے کہ بنی آدم کی زندگی کبھی ختم نہ ہوگی ۔ اس بارے قرآن حکیم میں آتا ہے وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الرُّوۡحِ ؕ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ (بنی اسرائیل :85) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کرتے ہیں کہ روح کیا ہے؟ تو آپ ﷺ فرما دیجئے روح اَمۡرِ رَبِّیۡ میں سے ہے۔ اَمۡرِ رَبِّیۡ کیا ہے؟ یہ عالم امر سے ہے۔ عالم دو ہیں ایک عالم خلق اور دوسرا عالم امر۔ عالم خلق کا تعلق اللہ کریم کی تخلیقات سے ہے۔ ساری تخلیق عدم سے وجود میں لائی گئی اس کے مزاج میں فنا ہے آپ کوئی چیز رکھ دیں رکھی رکھی گل جائے گی، انسان جیسا جیسا کمزور ہوتا چلا جاتا ہے، بوڑھا ہوتا چلا جاتا ہے۔ درخت وقت کے ساتھ ساتھ کمزور اور خشک ہوتے جائیں گے ایک دن کھوکھلے یا خشک ہو کر گر جائیں گے یعنی عالم خلق کے مزاج میں اللہ کریم نے فنا رکھ دی ہے۔ انسان اللہ کریم کی ایسی عجیب مخلوق ہے کہ اس کا وجود تو عالم خلق سے ہے لیکن روح عالم امر سے ہے۔ عالم امر صفات الٰہی سے ہے، صفات الٰہی کا مظہر ہے۔ امر اللہ کی صفت ہے جس طرح اللہ کی ذات کو فنا نہیں اسی طرح اسکی صفات کو بھی فنا نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے کہ اللہ کریم پہلے نہیں تھا پھر وجود میں آ گیا۔ اللہ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ اسکی کوئی صفت بھی ایسی نہیں کہ پہلے نہیں تھی پھر حاصل ہوگئی اور پھر نہیں رہے گی جس طرح اللہ کی ذات کو بقاء ہے اسی طرح اسکی صفات کو دوام ہے۔ عالم امر صفات الٰہی کا مظہر ہے اور روح انسانی عالم امر سے ہے اب یہ وہ جانے جو مادے اور روح کا امر اور خلق کا خالق و مالک ہے کہ کس طرح روح کو تخلیق کیا۔ خود فرماتا ہے۔ وَمَآ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا (بنی اسرائیل :85) تمہارا علم بہت تھوڑا نہایت محدود اور بہت قلیل ہے۔ تمہارے لئے یہ جان لینا کافی ہے کہ روح عالم امر سے ہے اس سے آگے یہ سوال اور یہ بحث کہ روح عالم امر سے کس طرح بنی، اس کے اجزاء کیا ہیں؟ اس کا تجزیہ کیسے کیا جائے۔ یہ تمہارے علم و دانش اور شعور سے بالاتر ہے۔ اس میں مت الجھو تمہارے لئے اتنا جاننا ہی کافی ہے کہ روح عالم امر سے ہے اور عالم امر کو فنا نہیں اسے دوام حاصل ہے اور اتنا مضبوط دوام ہے کہ جو وجود عالم آب و گل سے بنا جب اس کا تعلق روح سے ہو جاتا ہے تو اسے بھی دوام نصیب ہوتا ہے۔ اس دنیا میں مکلف بالذات بدن ہے اور روح اس کے تابع ہے لیکن حقیقی اثرات روح پر اور حقیقی زندگی پر قائم ہوتے ہیں۔ دنیا

میں عمل بدن کرتا ہے وقتی نتائج عمل بدن وصول کرتا ہے مثلاً چوری کرتا ہے، مال لوٹتا ہے، حرام کھاتا ہے تو اس کا تو پیٹ بھرتا ہے لیکن آخرت کے عذاب اسکی ابدی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں اور یہی اثرات روح پر وارد ہوتے ہیں اور موت کے ساتھ ہی برزخ سے اُخروی زندگی کی ابتدا ہو جاتی ہے۔ موت کیا ہے؟ ؎

موت کو سمجھا ہے غافل اختتامِ زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوامِ زندگی

موت روح اور بدن کو جدا کرنے والی ایک چیز ہے جو خود مخلوق ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں خلق الموت والحیات، موت کو بھی پیدا کیا حیات کو بھی پیدا کیا۔ قرآنی ترتیب کے مطابق موت کا تذکرہ پہلے آیا حیات کا بعد میں۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ یوم حشر موت کو بھی ذبح کر دیا جائے گا بتا دیا جائے گا کہ اب سے موت کا کام ختم ہو گیا۔ اب انسان کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے اس کے دو ہی ٹھکانے ہیں جنت یا دوزخ۔

موت اُخروی زندگی کی ابتدا ہے:

موت گویا اُخروی زندگی کی ابتدا ہے۔ موت کے بعد بدن گل سڑ جائے یا سلامت رہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ برزخ میں مکلف بالذات روح ہو جاتی ہے اور بدن اس کے تابع ہو جاتا ہے۔ دنیا میں دکھ، تکلیف گرمی سردی بدن پر آتی ہے برزخ کا عذاب وثواب روح پر ہوتا ہے۔ لیکن بدن کے ذرے ذرے کو پہنچتا ہے کیونکہ ہر ذرہ بدن کے ساتھ روح کا تعلق موجود رہتا ہے خواہ وہ مٹی میں مل جائے، ہوا میں منتشر ہو جائے یا کسی جانور کا لقمہ بن جائے کہیں بھی جائے مادے کی کسی نہ کسی شکل میں موجود رہتا ہے جو ذرات بدن کا حصہ تھے ان کا تعلق روح کے ساتھ رہتا ہے۔ روح کو اگر ثواب ملتا ہے تو ذرات بدن تک راحت پہنچتی ہے اگر روح عذاب میں ہو تو ذرات بدن کو تکلیف پہنچتی ہے۔

برزخ کے اختتام پر میدان حشر ہے وہاں روح اور بدن برابر مکلف ہو جائیں گے۔ دونوں کو راحت نصیب ہوگی یا عذاب کی تکلیف۔ یوم حشر کے بعد ان میں علیحدگی نہیں ہوگی۔

ان آیات میں یہی حقیقت بیان کی جا رہی ہے کہ دنیا کی زندگی مختصر ہے لیکن نہایت قیمتی۔ اس کے اختتام پر عندالموت، مابعدالموت، برزخ، یوم حشر میں بندے کا دنیوی جاہ وجلال، مال و دولت، قبیلے خاندان واولاد، قوت طاقت ان میں سے کچھ بھی اسے اللہ سے نہیں بچا سکے گا بلکہ انہیں جہنم میں رہنا ہوگا۔ کسی نے اللہ کی نافرمانی کر کے دنیا میں چند سال عیش وعشرت کر بھی لی تو اس کا فائدہ کیا ہوگا کیونکہ ہمیشہ کی زندگی تو دوزخ میں

ہی گزارنی ہوگی۔

کافر کا اجر دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے:

دنیا میں دیکھا جا سکتا ہے کہ کافر بھی بعض اوقات بھلائی کے کاموں پر پیسہ خرچ کرتے ہیں۔ ہمارے علاقے میں آج بھی غیر مسلموں کے بنوائے ہوئے تالاب موجود ہے اور ان کے ناموں سے ہی مشہور ہیں۔ لاہور میں سرگنگا رام ہسپتال اور گلاب دیوی ہسپتال ہندوؤں کے بنائے ہوئے، انہی کے نام سے آج بھی مشہور ہیں۔ انہوں نے ان اداروں پر بہت دولت خرچ کی آج تک لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچ رہا ہے تو کافر جو بھلائی کے کام کرتا ہے وہ کرتا ہی صرف دنیا کے لئے ہے اس لئے اللہ اسکی نیکی اسے دنیا میں ہی لوٹا دیتے ہیں۔ آخرت پر تو اس کا ایمان ہی نہیں۔ آخرت کے لئے وہ نیکی کرتا ہی نہیں وہ آخرت کو مانتا ہی نہیں آخرت کے اجر کا وہ طالب ہی نہیں اس لئے وہ دنیا میں ہی نیکی کا اجر پا لیتا ہے۔ ایک اصولی بات ہے ایک خریدار کسی دکان میں جاتا ہے اپنا سرمایہ دیتا ہے اور اس کے بدلے کوئی شے خریدتا ہے، ظاہر ہے جو چیز وہ مانگتا ہے وہی چیز اسے ملتی ہے۔ دکاندار یہ تو نہیں کرے گا کہ خریدار نے مانگا کچھ اور ہو اور وہ دے کچھ اور۔ یہی حساب زندگی کے زرنقد کا ہے۔ کافر اگر وقت خرچ کرتا ہے، محنت لگاتا ہے، دولت صرف کرتا ہے اور بھلائی کے فلاح کے کام کرتا ہے تو آخرت پر تو اس کا ایمان ہی نہیں کہ وہ آخرت کے اجر کا طالب ہو بلکہ وہ دنیا ہی میں مزید شہرت چاہتا ہے اور دنیا کا فائدہ چاہتا ہے تو وہ اسے دنیا میں ہی مل جاتا ہے مثلاً ملک کو تقسیم ہوئے ساٹھ برس ہو گئے لیکن ان کے ہسپتال آج تک چل رہے ہیں شہرت انہیں مل گئی یہی بات قرآن پاک ان آیات میں بیان کررہا ہے کہ جو شخص محرومی ایمان کے ساتھ دولت خرچ کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے۔ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ۔ اس مال کی مثال جس کو وہ اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے کہ ایک ہوا جس میں سخت ٹھنڈک ہو ایسی تیز اور ٹھنڈی ہو کہ جہاں سے گزرتی جائے وہاں درختوں کے پتوں تک کو یخ کر دے یعنی ایسا پالا اور ایسی سردی جو کھیتی کو نقصان پہنچائے۔ ایسی نقصان دہ ہوا ان کی کھیت پر چلے گی ان کے دنیاوی اعمال پر چلے گی اور اسے تباہ و برباد کر دے گی اور آخرت کے لئے ان میں سے کچھ بھی نہ ہوگا کہ اپنا زعم انہوں نے آخرت کے لئے صرف کیا ہی نہیں اور یوں خود کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں یعنی اللہ کو نہ ماننا اللہ

کے ساتھ کفر کرنا اپنے آپ کے ساتھ ظلم ہے اور یہ زیادتی اللہ نے ان پر نہیں کی وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یا اللہ ہم سے تو نیکی پر خرچ کیا تھا غریبوں پر خرچ کیا تھا، انہیں کھلایا پلایا تھا، بیماروں کا علاج کیا تھا، عام لوگوں کے گزرنے کے لئے پل بنادیئے تھے، جانوروں مویشیوں کے لئے تالاب بنائے تھے۔ تیری مخلوق کا بھلا کیا تھا تو وہ فرمائے گا کہ تم نے یہ سب کیا تھا لیکن دنیوی مفاد کے لئے آخرت کو تو تم مانتے ہی نہیں تھے لہٰذا وہ سب کچھ تو وہیں اڑ گیا اس پر تو تیز آندھیاں چلیں سرد ہوائیں چلیں اور اسے تباہ کر کے رکھ دیا اور یہ زیادتی خود تم نے اپنے ساتھ کی تمہیں چاہئے تھا کہ کام کرتے وقت اس کے اُخروی نتائج پر نگاہ رکھتے۔ اللہ کریم نے انبیاءؑ مبعوث فرمائے، کتابیں نازل کیں اور تمہاری رہنمائی کے لئے اسباب مہیا فرمائے تم نے توجہ ہی نہ دی اب اس کی تلافی کا وقت گزر چکا اب اس پر رونے کا کوئی فائدہ نہیں اب ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ سب بھگتنا ہوگا۔

گزشتہ آیت میں کفار کو آخرت کے خسارے سے آگاہ کیا گیا اور ایک اصول بیان ہوا کہ کافر جو بھی کرتا ہے وہ اپنے دنیاوی مفاد کے لئے کرتا ہے نام خواہ دوسروں کا لے لیکن جو اللہ سے وفا نہیں کرتا انبیاءؑ سے نہیں کرتا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفا نہیں کرتا، اللہ کی کتاب سے وفا نہیں کرتا وہ مسلمانوں سے بھلائی کیسے کرسکتا ہے۔ اس آیت میں مومنین کو منافق، کافر، مشرک وغیرہ کے ضرر سے محفوظ رہنے کا اصول بیان کیا جارہا ہے تاکہ دنیا میں ان سے نقصان نہ پہنچے۔

غیر مومن سے بچاؤ کا اصول:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴿۱۱۸﴾ اے ایمان والو! تم اپنوں کے سوا کسی کو بھیدی نہ بناؤ، یعنی ایسا شخص جو اللہ کو نہیں مانتا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں مانتا تم اس سے کس بھلائی کی امید رکھتے ہو!

یہاں یہ اصول بتایا جارہا ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ مسلمان دلی دوستی نہ رکھے یعنی ایسا دلی دوست نہ بناؤ کہ تمہارے رازوں سے آگاہ ہو جائے تمہارا بھیدی ہو جائے۔ لین دین، ملازمت، کاروبار یہ الگ بات ہے یہ کسی سے بھی کیا جاسکتا ہے خرید وفروخت کفار سے بھی ہوسکتی ہے ادھار لیا جاسکتا ہے ادھار دیا جاسکتا ہے وہ ضرورت مند ہو، غریب مسکین ہو، بیمار ہو تو اسکی مدد نفلی صدقے کے ذریعے کی جاسکتی ہے لیکن دلی دوست اور ہمراز بنانا یہ بالکل دوسری بات ہے۔ اصول یہ ٹھہرا کہ کافر کے ساتھ انسانی حد تک تو تعلقات درست ہیں

ایمانی حد تک نہیں۔ مومن سے مخاطب ہو کر اللہ کریم فرماتے ہیں اس کا ایمان الگ ہے تمہارا ایمان الگ کفر اور اسلام میں دوستی ممکن نہیں تم انہیں اپنا ایسا دلی دوست نہ بنانا کہ وہ تمہارا بھیدی ہو جائے۔ اگر ایسا کرو گے تو وہ تمہارے ساتھ فساد کریں گے جتنا جتنا تمہارے رازوں سے آگاہ ہوں گے اتنی ہی مصیبتیں تمہارے لئے کھڑی کرتے چلے جائیں گے۔ آج مسلم ممالک کی حکومتیں اوران کا امریکہ کو خوش کرنے کے لئے حد سے گزر جانا بھی امریکہ کو خوش نہیں کر سکا۔ امریکی ٹی وی چینل پر تبصرہ کرنے والے مبصر پاکستان کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے بڑے آرام سے کہہ رہے تھے کہ امریکہ میں دہشت گردی اور عمارتوں کا گرنا سب القاعدہ کا کام ہے اور القاعدہ کو پاکستان کی آئی ایس آئی نے بنایا انکی تربیت کی، انہیں ہتھیار مہیا کئے اور یہ کہ پاکستان بظاہر ہمارا دوست بنتا ہے لیکن دل کی گہرائیوں سے آج بھی وہ القاعدہ کے ساتھ ہے طالبان کے ساتھ ہے، آج بھی طالبان کو تربیت دے کر دہشت گردی کے لئے آئی ایس آئی ہی بھجوار ہی ہے۔

کافر کی دوستی میں ہم نے تو عالم اسلام کو خون میں نہلا دیا اور کافر پھر بھی ہم سے راضی نہ ہوا۔ ہم وہ مسلمان ہیں جو پچھلے آٹھ سالوں سے مسلمانوں کا خون بہار ہے ہیں ہم وہ حکمران ہیں جو اپنی ہی رعیت کو بارود برسا کر فتح کر رہے ہیں، ہماری ہی وہ مسلمان حکومت ہے جو آٹھ دس دن سے ایک مسجد پر گولہ باری کر کے مسجد فتح کرنے میں مصروف ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں ہوئے وہ مشہور ٹرپل ون بریگیڈ جس نے وزیر اعظم کو پانچ منٹ میں نکال کر باہر کر دیا تھا۔ آج ایک ملاں کو نہیں نکال سکا۔ کیا عجیب تماشا ہے سارے شہر میں گولی لگنے کا خطرہ ہے، آنسو گیس دور دور تک پھیل چکی ہے ایک مسجد پر سارا زور لگایا جارہا ہے یہ ڈرامہ کیوں بنا رکھا ہے؟ تا کہ کافر خوش ہوں کہ سارے داڑھی والے دہشت گرد ہوتے ہیں۔ داڑھی والوں کو جگہ جگہ روک کر تلاشی لی جاتی ہے تا کہ امریکہ کو راضی کیا جاسکے۔ کیا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ مسجد سے ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر آئی ایس آئی کا دفتر ہے سامنے وزارت امور کشمیر کی عمارت ہے تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر پریذیڈنٹ ہاؤس ہے۔ پارلیمنٹ ہے۔ ساری حکومتی عمارتیں گردا گرد ہیں درمیان میں ایک مسجد ہے اس میں اتنا اسلحہ کون جمع کرتا رہا؟ کہاں سے آتا رہا؟ کیوں نہیں کسی نے دیکھا؟ یہ سب کافر کو خوش کرنے کی کوششیں ہیں۔

حکمرانوں نے کافر کو خوش کرنے کے لئے تو طالبان کو شہید کروایا، پوری مدد دے کر افغانستان کو خاک وخون میں نہلا دیا۔ اسلامی نظام کو نافذ کرنے والی اس حکومت کو ختم کرنے کے لئے کافر کی مدد کی جس نے ایک صدی بعد خلافت قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔

بلوچستان پر ایکشن کیا، وزیرستان پر ملٹری ایکشن کیا، اپنے ہی لوگوں کو مروایا کافر کو خوش کرنے کے لئے اور کافر ہی کہہ رہا ہے کہ پاکستانی صدر یہ سب کچھ دکھاوے کے طور پر کر رہے ہیں ورنہ دل کی گہرائیوں سے تو یہ طالبان اور القاعدہ کے ساتھ ہیں۔ یہی بات قرآن کریم بتا رہا ہے کہ جنہوں نے اللہ سے وفا نہیں کی، اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفا نہیں کی وہ تمہارے وفادار کیسے ہوں گے، انہیں کبھی دلی دوست نہ بناؤ کہ وہ جتنے تمہارے بھیدوں سے آگاہ ہوں گے اتنے تمہارے خلاف سازشیں کریں گے۔ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ وہ تو چاہتے ہیں کہ تمہیں تباہ کر دیں ان کی تو دلی آرزو ہے کہ تم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹیں، ہر دکھ تمہارے مقدر میں لکھا جائے، ہر مصیبت تمہارے صحن میں اترے، ہر پریشانی سے تم دوچار ہو۔ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ ان کے منہ سے ان کے برے ارادے اور بغض ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ آج کے تناظر میں یہ حقیقت کس قدر عیاں ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی کس دیدہ دلیری سے صدر صاحب کا نام لے کر کہہ رہے ہیں کہ یہ بظاہر ہمیں خوش کرتا رہتا ہے درحقیقت طالبان کے ساتھ ہے اور طالبان کو دہشت گردی کی تربیت دے رہا ہے۔ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۭ جو دشمنی ان کے دلوں میں تمہارے خلاف ہے وہ بہت زیادہ ہے قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اور جو زبان پر آتی ہے وہ اس دشمنی کا بہت کم اظہار ہے۔

اللہ کریم فرماتے ہیں ہم نے تمہارے لئے حقائق کھول کر بیان کر دیئے ہیں، اب یہ تمہارے ذمہ ہے کہ اللہ پر اعتبار کرتے ہو یا کلمہ پڑھنے کے باوجود بے یقینی کا شکار رہتے ہو۔ تمہیں اللہ کی بات پر یقین ہے یا کلمہ گو ہونے کے باوجود انہی پر اعتبار کرتے ہو جو تمہارے حقیقی دشمن ہیں۔ تمہارے لئے کبھی بھلائی نہیں سوچ سکتے۔ کافر کبھی مومن کا دوست نہیں ہوسکتا اسکی آرزو ہوتی ہے کہ بندہ مومن پر زیادہ سے زیادہ دکھ اور تکلیفیں آئیں۔

اللہ کریم ہمیں ایمان اور یقین کی دولت سے نوازے اور کفار کی سازشوں سے اپنی پناہ میں رکھے۔
آمین۔ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ڰ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾

غیر مسلم سے دلی دوستی نہ ہونے کی وجہ عقیدے ونظریئے کا اختلاف ہے

گزشتہ آیات میں منافقین کی بات ہورہی تھی کہ یہ بدترین افراد ہیں اور ان کے ساتھ دلی دوستی کی اجازت نہیں لیکن مسلمان سادہ دل ہیں ان کی اس سادگی کے بارے ان آیات میں بتایا جارہا ہے کہ تم اتنے سادہ دل ہو کہ انہیں اپنا دوست سمجھ کر ان سے محبت کرنے لگتے ہو حالانکہ کفار ومنافقین تمہیں دوست نہیں سمجھتے اس لئے کہ ایمان وکفر میں کبھی دوستی نہیں ہوسکتی مومن تو اللہ پر اللہ کی کتاب پر ایمان رکھتا ہے اور یہ مشرکین ومنافقین اللہ کی کتاب کو نہیں مانتے لہٰذا دوستی نہ ہونے کی بڑی وجہ عقیدے ونظریئے کا اختلاف ہے۔ دنیا میں دو ہی نظریات ہیں ایک اسلام دوسرا کفر۔ کفر کی البتہ کئی اقسام ہیں کفار ذات باری کا انکار کرتے ہیں مشرک ذات باری کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں، کچھ ایسے ہیں جو بظاہر اسلام کا ڈھونگ رچاتے ہیں اندر سے ان کے دل کفر پر جمے ہوئے ہیں انہیں منافق کہا جاتا ہے لیکن سب مسلمان سے دشمنی کرتے ہیں ان کے دلوں میں اللہ، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ کی کتاب سے انکار موجود رہتا ہے لہٰذا کوئی بھی کافر کسی بھی قسم کا کافر کسی مسلمان سے محبت نہیں کرسکتا، یہ ممکن ہی نہیں کہ کفر اور اسلام میں دوستی یا محبت ہوسکے۔ یہ لوگ جب مسلمانوں کے ساتھ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم آپ پر ایمان لائے اور جب مسلمانوں سے الگ ہوجاتے ہیں تو غصے سے اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ ڈالتے ہیں اسی بغض میں مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بندیاں کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں فرما دیجئے اپنے غصے میں آپ ہی مرتے رہو، اللہ تو دلوں کی باتیں جانتا ہے تم اپنے غصے میں آپ ہی مرتے رہو۔ مشرکین ومنافقین سے کہہ دیجئے ان کا غیض وغضب اسلام کا راستہ نہیں روک سکے گا، اسلام کو فروغ ملتا رہے گا۔ اللہ کریم کے چاہنے والے دنیا میں موجود رہیں گے۔ تعلیمات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ آپ ﷺ کی نبوت آخری نبوت ہے قرآن حکیم آخری کتاب ہے جب تک سورج طلوع وغروب ہورہا ہے تب تک اللہ کا دین قائم رہے گا اللہ کا پیغام دلوں میں بسایا جاتا رہے گا، اللہ کے خوش نصیب بندے یہ کام ہمیشہ کرتے رہیں گے اس لئے کہ اللہ قادر ہے، اللہ ایسا قادر ہے کہ دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے مشرکین ومنافقین اپنی دانست میں مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں لیکن اللہ کو وہ دھوکہ نہیں دے سکتے کہ اللہ ہر ایک کی قلبی کیفیات سے آگاہ ہے۔ ان منافقوں کا تو یہ حال ہے کہ اگر مسلمانوں کو بھلائی پہنچتی ہے تو یہ رنجیدہ ہوجاتے ہیں مسلمانوں کو کوئی مصیبت آپہنچے تو بڑے خوش ہوتے ہیں۔ دوستی تو دور کی بات ہے یہ تو دشمنی میں بڑھے ہوئے ہیں۔

دشمنی کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔ رائے کا اختلاف اس لئے نہیں ہوتا کہ جو اختلاف رائے کرے اسے تباہ کر دیا جائے۔ اللہ کریم نے اختلاف کرنے کا حق ہر انسان کو دیا ہے جو چاہے اسلام کو قبول کرے اور جو چاہے قبول نہ کرے۔ یہ اختیار اللہ نے خود انسانوں کو عطا کیا ہے اور جو اسلام قبول نہیں کرتے ان کے انسانی حقوق بحال رکھے ہیں۔ مسلمان حکومت انہیں زندگی، آبرو مال کی حفاظت کی ضمانت دیتی ہے ان کے لئے ترقی کے میدان کھلے رکھتی ہے لیکن کفار و منافقین اپنی دشمنی میں اتنے بڑھے ہوئے ہیں کہ مسلمانوں کے دکھ اور مصیبت میں بے حد خوش ہوتے ہیں۔

مومن کے دو ہتھیار:

وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا ایسے مواقع کے لئے مومنین کے پاس دو ہتھیار ہیں جن سے وہ اپنا بچاؤ کرتا ہے ایک صبر دوسرا تقویٰ۔ صبر کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح سرپٹ دوڑتے گھوڑے کو سوار باگ کھینچ کر روک لیتا ہے اسی طرح نفس کے خواہشات کے پیچھے سرپٹ دوڑتے گھوڑے کو اللہ کی نافرمانی کے کاموں سے صبر کی باگ ڈال کر روک لینا اعلیٰ ترین صبر ہے۔ عموماً صبر کے معنی صرف یہی لئے جاتے ہیں کہ مصیبت کے وقت جزع وفزع نہ کی جائے اور خاموشی اختیار کی جائے لیکن حقیقت صبر یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی سے خود کو روک لیا جائے۔ اس ضمن میں پھر یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ انسان اپنی پوری ہمت سے کوشش ہی کر سکتا ہے لہٰذا اسے چاہئے کہ وہ اپنی بھرپور کوشش کرے کہ اللہ کی نافرمانی نہ ہو۔ از خود دانستہ کسی کے ساتھ برائی کا ارادہ نہ کرے کسی کو دکھ پہنچانے کی جان بوجھ کر کوشش نہ کرے ناجائز طور پر کسی کا مال ہتھیانے کا ارادہ نہ کرے غیر شرعی طریقے پر زندگی گزارنے کا سوچے بھی نہیں اور اپنی پوری کوشش اتباع شریعت پر مرکوز رکھے پھر بتقاضائے بشریت غلطی ہو جاتی ہے اور اس صورت میں ندامت ہو اور وہ اصلاح احوال کرے، تلافی کرے۔

تزکیہ وتصوف:

تزکیہ وتصوف صبر اور تقویٰ کو دل کی گہرائیوں میں بسا دیتے ہیں۔ تصوف یا تزکیہ کے بغیر بندہ محنت ومجاہدہ کرتا ہے، کوشش کرتا ہے اور بظاہر کوشش میں مشغول ہوتا ہے لیکن اندر سے اس کا دل چاہتا ہے کہ وہ برائی کر لے اسکی اندر کی خواہش یہی رہتی ہے کہ وہ کسی طرح دوسرے کا مال ہتھیا لے خوشامد کر کے کوئی عہدہ حاصل کر لے اور دنیاوی مفاد کے لئے ناجائز ذرائع استعمال کر لے اس طرح اسکی ظاہری کوشش جاری رہتی

ہے اور دل بدستور دوسری طرف لگا رہتا ہے۔تصوف کا مقصد یہ ہے کہ وہ برکات جو آقائے نامدار علیہ ﷺ کے قلب اطہر سے صحابہ کرام ؓ کونصیب ہوئیں اور وہ بالکل بدل گئے مزاجاً بھی بدل گئے سوچ کے اعتبار سے بھی اورقلب کے اعتبار سے بھی بدل گئے اور ان کے مزاج، سوچ اور قلب مرضیات باری میں فنا ہو گئے ان کی خواہش اور آرزو فقط اتباع شریعت ہوگئی۔حصول تصوف کا مقصد ہی یہ ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق انسان کے اندر اتباع شریعت کی آرزو پیدا ہو جائے اور اس راستے میں آنے والی تکالیف اور مشکلات برداشت کرلے لیکن برائی اور گناہ سے سمجھوتہ نہ کرے۔تزکیہ کے ذریعے حاصل ہونیوالا صبر یہ ہے۔

تقویٰ:

وَتَتَّقُوْا اور اللہ سے تعلق قائم رکھے۔قرآن حکیم کے تراجم میں تقویٰ کا مطلب عموماً ''ڈر'' لکھ دیا جاتا ہے اور سلیس ترجمہ یہ لکھا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔اردو زبان کا دامن اتنا وسیع نہیں کہ عربی کے لفظ تقویٰ کو ایک متبادل لفظ میں ترجمہ کر سکے۔تقویٰ کا حقیقی معنی یہ ہے کہ اللہ کریم سے ایسا تعلق قائم ہو جائے اور بندہ اللہ کی ذات پر اس طرح فدا ہو جائے کہ اس کا دل چاہے کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے صرف اعضاء و جوارح ہی اللہ کی فرمانبرداری نہ کر رہے ہوں بندے کا دل بھی اس کی رضا کا طالب ہو۔اس لئے تقویٰ صرف ظاہری اطاعت کا نام نہیں اور یہ آسان بھی نہیں ایسا تعلق بنتا ہی دل سے ہے اور اس کے لئے دل پر قلب پر اور اپنے باطن پر محنت کرنا پڑتی ہے۔صرف ظاہری اطاعت سے اس لئے ممکن نہیں کہ انسان ایک مادی وجود رکھتا ہے اس کے وجود کی حسیات مادے کو محسوس کرتی ہیں اسکی نگاہ مادی ہے اور اس کی ضروریات مادی ہیں وہ مادی نگاہوں سے مادی اشیاء کو دیکھتا ہے ان کے حسن پر فریفتہ ہوتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح دنیاوی لذات حاصل کرتا رہے۔

اللہ کے موجود ہونے کا احساس حاصل کرنا جزو دین ہے:

ان خواہشات کے ہوتے ہوئے مادی احساسات اور تمنائیں رکھتے ہوئے بندہ مادی حسن پر فریفتہ ہوئے بغیر ان مادی ضروریات کو اس طرح پورا کرے جس طرح پورا کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہو اور اس کا قلب و باطن ان حدود کے اندر ہی سوچے اور ویسی ہی تمنا کرے جیسی اللہ کو پسند ہے، اس کا حل صرف ایک ہے وہ یہ کہ اس کا قلب، باطن اور روح روحانی لذات وثمرات کو محسوس کرے۔اسے اللہ کی بارگاہ میں کھڑا ہونے میں ایک لطف محسوس ہو اور اسے اللہ جل شانہ کے موجود ہونے کا احساس ہو جائے۔اس

احساس کے بارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك ۔تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس درجے کو نہ پا سکو تو تمہیں یہ یقین کامل ہو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یعنی اللہ کے موجود ہونے کا احساس حاصل کرنا جزودین ہے۔ دنیوی مثال سے بھی ہم اندازہ کر سکتے ہیں مثلاً ایک فوجی ہر روز وردی پہنتا ہے، پریڈ کرتا ہے اور پورے قواعد وضوابط کے ساتھ کرتا ہے لیکن جب کوئی خاص موقع ہو اور اسے اپنے کمانڈر کے سامنے پریڈ کرنا ہو تو اس دن اسکی وردی کی شان اور ہوتی ہے اور اس کی پریڈ بھی درجہ کمال کو پہنچی نظر آتی ہے اس دن وہ اپنی وردی سے اپنے قدموں کے اٹھانے رکھنے تک ہر چیز پر اپنی پوری محنت صرف کرتا ہے اس لئے کہ اسے کمانڈر کے سامنے ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ نماز رب کریم کے روبرو ادا کی جاتی ہے۔ ہر سجدہ رب جلیل کی بارگاہ میں اس کے روبرو کیا جاتا ہے تو پھر رب جلیل کے روبرو ہونے کا احساس بھی قائم ہو یہ صرف مادی عقل کے بس کی بات نہیں۔ جب تک دل میں عظمت الٰہی اور حضور حق کی کیفیات نہ سما جائیں یہ ممکن ہی نہیں جب تک برکات نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نصیب نہ ہوں تب تک یہ ممکن ہی نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کے دونوں پہلوؤں سے دین کو صحابہ کرام تک پہنچایا اور تاقیامت دین کی تعلیمات اور برکات دونوں افراد امت تک اللہ کریم پہنچاتا رہے گا۔ مفسرین کرام نے دین کے اس پہلو کو بھی ہمیشہ مدنظر رکھا ہے اسی لئے قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ نے تفسیر مظہری میں تزکیہ یا تصوف کا حصول ہر مرد و عورت پر واجب لکھا ہے۔ ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے واجب ہے کہ وہ روحانی لذات کی قلبی کیفیات حاصل کریں انہیں سجدے کا لطف آئے انہیں رکوع و قیام کی لذتیں نصیب ہوں۔ روحانی لذت کیا ہے؟ اللہ سے کلام کا لطف کیا ہے؟ یہ صرف محسوس کیا جا سکتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں حضرت موسیٰ ؑ کے واقعے میں ملتا ہے۔ اللہ کریم نے حضرت موسیٰ ؑ سے ایک سادہ سا سوال کیا۔ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿١٧﴾ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے؟ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿١٨﴾ آپ ؑ نے جواباً عرض کیا۔ (سورہ طٰہٰ آیات: 18-17)

یا اللہ میرے ہاتھ میں میری لاٹھی ہے اس سے میں بکریاں چراتا ہوں، درختوں کے پتے جھاڑتا ہوں اس کے ساتھ ڈول باندھ کر کنوئیں سے پانی نکالتا ہوں اس پر ٹیک لگاتا ہوں۔

مفسرین کرام اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ موسیٰ ؑ اللہ کے وہ رسول ہیں جو اللہ سے براہ راست ہمکلامی کے شرف سے نوازے گئے اور ایسا رسول ہو اور بارگاہ رب العزۃ ہو اور بارگاہ الٰہی سے مختصر سا سوال

کیا گیا ہو اور اللہ کے اوالوالعزم رسول کا جواب مختصر نہ ہو بلکہ جتنا دراز ہو سکتا تھا اتنا طویل کیا گیا۔ بارگاہ الوہیت میں سب سے زیادہ مودب اللہ کے نبی اور رسول علیھم السلام ہوتے ہیں اور اس بارگاہ کے آداب سے اس طرح آشنا ہوتے ہیں کہ پوری امت کو اللہ کی بارگاہ کے آداب سے آشنا کرنے کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں تو آپؑ نے بات کو لمبا کیوں فرمایا؟ مفسرین کرام یہاں اس کی وجہ لکھتے ہیں کہ اللہ سے ہمکلامی کی جو لذت ہے اس نے موسیٰؑ کو مجبور کیا کہ بات طویل ہو جائے۔ایک فارسی شعر ہے۔

بیک لفظے تواں گفتن تمنائے جہان را من از

ذوقِ حضوری طول دادم داستان را

یعنی دنیا بھر کی ساری باتوں کا جواب ایک لفظ میں دیا جا سکتا ہے طویل ترین بات کا جواب ہاں یا نہ کہہ کر دینا ممکن ہے لیکن بات کو طویل کرنے کا مقصد وہ لذت ہمکلامی تھا وہ شرف حضوری تھا۔موسیٰؑ کو اللہ کریم سے بات کرنے میں جو مزہ آ رہا تھا وہ اس میں کھو گئے اور بات کو بڑھاتے چلے گئے کہ اے اللہ یہ میری لاٹھی ہے اور پھر اپنی لاٹھی کے بے شمار کام گنواتے گئے۔انہیں جو لذت ہمکلامی نصیب تھی اس سے مزید مستفیض ہونے کے لئے اپنے دل کو سیراب کرنے کے لئے عصا کی حکایت بیان کرتے گئے

یہاں پہنچ کر ہم اپنا جائزہ لیں۔مساجد میں نمازیوں کا نظارہ دیکھیں۔نمازی مسجد میں آتے ہیں وضو کے لئے جاتے ہیں بڑی جلدی میں ہوتے ہیں آدھے اعضاء گیلے آدھے خشک جلدی جلدی چھینٹے اڑائے ہانپتے بھاگتے مسجد میں داخل ہوتے ہیں دروازے کے پاس ہی جگہ تلاش کرتے ہیں آگے خواہ صفیں خالی ہوں وہاں نہیں جاتے۔مسجد میں آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتے جب جمال یار سامنے ہو، دیدار محبوب ہو سکتا ہو تو بندہ روبرو نہ جائے اس لئے کہ دل میں وہ کیفیت نہیں وہ یقین واعتبار نہیں کہ مجھے بھی نماز میں اللہ کی حضوری اور جمال الٰہی نصیب ہو سکتا ہے۔پھر قیام پورا کر لیا تو رکوع پورا نہیں کریں گے۔رکوع سے واپس سیدھے کھڑے نہیں ہوں گے آدھا سر اٹھا کر سجدے میں گر جائیں گے سجدے پورے نہیں کریں گے حالانکہ نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ سجدے اس طرح مت کرو جس طرح مرغ ٹھونگیں مارتا ہے کہ پورا سر نہیں اٹھاتا وہیں ٹھونگیں مار کر چگتا رہتا ہے، سجدے سے اٹھ کر بیٹھو تا کہ ہڈیاں اپنے اپنے جوڑوں پر پوری طرح بیٹھ جائیں۔ ہم نماز میں یہ لاپرواہی کیوں کرتے ہیں؟ اس لئے کہ ہمیں حضور حق کی وہ لذت نصیب نہیں ہم بے رغبتی کے ساتھ خود کو مجبور کر کے باندھ کر مسجد لے آتے ہیں گویا کوئی بوجھ ہے جو اتارنا ہے لیکن اگر دل کو رغبت ہو دل اللہ کی بارگاہ میں قیام رکوع اور سجود کی لذات سے آشنا ہو تو از خود خضوع آتا جائے گا۔

لذت آشنائی:

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

اگر لذت آشنائی نصیب ہو جائے تو دل اللہ کی بارگاہ سے وابستہ ہی رہتا ہے۔ اس بات سے اندازہ لگائیں کہ کوئی اپنے بیٹے یا بیٹی کو ملنے جائے تو کیا وہ اس طرح ملتا ہے کہ بھاگتا ہوا مکان میں جاتا ہے آدھا سلام کہتا ہے باقی کا منہ میں کہتا ہوا واپس پلٹ جاتا ہے۔ نہیں بلکہ اگر اسے اپنے بیٹے یا بیٹی سے محبت ہے تو وہ ان کے پاس جا کر انہیں سینے سے لگاتا ہے، پیار کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ جتنے لمحے اکٹھے مل بیٹھنے کے مل جائیں انہیں اچھی طرح گزار لے۔ ان کا احوال پوچھ لے اپنا حال دل کہہ دے اسی طرح اولاد ہے اگر انہیں والدین سے محبت ہے تو آپ یہ نظارہ کبھی نہ دیکھیں گے کہ اولاد بھاگتی دوڑتی گھر میں داخل ہو ایک پاؤں کمرے کے اندر دوسرا باہر ہو اور وہ والدین کو السلام وعلیکم کہہ کر بھاگ جائے بلکہ وہ تو کوشش کرے گا ان کا پیار لے ان کے پاؤں دبائے ان کی باتیں سنے، اپنی باتیں سنائے۔

جب اللہ کریم سے رشتہ بن جائے تو پھر مومن کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ بڑے مزے سے وضو کرے کوئی کمی نہ رہ جائے۔ بروقت مسجد پہنچے۔ پورے انہماک سے رکوع اور سجود کرے۔ پورے انہماک سے قیام میں سورہ فاتحہ اور آیات قرآنی پڑھے۔ پورے لطف سے رکوع کرے۔ پورے اطمینان سے سرزمین پر رکھ کر سجدے کی تسبیح پڑھے، سجدے کا لطف لے لیکن ہماری نمازیں افراتفری میں پڑھی جاتی ہیں، رکوع کی تسبیح پڑھتے ہوئے سجدے میں چلے جاتے ہیں۔ سجدے میں ماتھا رکھ کر آدھی تسبیح پڑھ کر آدھی سر اٹھاتے ہوئے پڑھتے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ دل ذوق عبادت سے خالی ہے، دل جمال الٰہی کی تمنا سے خالی ہے، دل حضورِ حق کی تمنا سے بھی خالی ہے۔ ایک بات کو مانا ہوا ہے کہ نماز پڑھنی ہے اس لئے خانہ پری کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں جبکہ مومن کی ایک نشانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بتائی ہے کہ مومن ایک نماز سے فارغ ہوتا ہے تو دوسری کا انتظار کرتا رہتا ہے اپنے دنیاوی امور بھی نپٹاتا رہتا ہے اور دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے، لذت حضورحق کے لئے بے قرار رہتا ہے کہ کب دوسری نماز کا وقت ہو اور کب اسے دوبارہ لذت حضوری نصیب ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ایک نماز پڑھے اور پھر اسے دوسری نماز کا انتظار رہے تو وہ عنداللہ نماز ہی میں شمار کیا جاتا ہے گویا وہ نماز سے خارج ہوا ہی نہیں وہ مسلسل نماز پڑھ رہا ہے۔ یہی آیۃ کریمہ اللہ کریم نے صحابہ کرام کے بارے ارشاد فرمائی ہے۔ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (الفتح آیت: 29)

تو جب بھی انہیں دیکھے گا رکوع وسجود میں ہی دیکھے گا۔ صحابہ کرام نے دنیا بھر کے تمام کام کئے عملی زندگی کے ہر شعبے میں کام کیا۔ تجارت، سیاست، حکومت، جہاد، تبلیغ، گھریلو امور سب اللہ کے حکم کے مطابق سرانجام دیئے لیکن ان کے دل حالت نماز سے کبھی فارغ نہ ہوئے۔ لقائے الٰہی کی تڑپ ان کے قلوب میں موجود رہی اس لئے اللہ پاک نے ان کی حالت کو یوں بیان فرمایا کہ وہ ہر حال میں رکوع وسجود ہی میں رہے۔

ان آیات مبارکہ میں مومن کو دو باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان دو ہتھیاروں سے اپنا دفاع کرنے کا حکم دیا ہے ایک صبر دوسرا التقویٰ، جس کے باعث مشرکین ومنافقین مسلمانوں پر غلبہ نہ پاسکیں گے کہ جب مسلمانوں کو معیت باری نصیب ہوگی جب ان کے ساتھ اللہ کی رحمت ہوگی تو یہ یہود ونصاریٰ ان کا بال بھی بیکا نہیں کرسکیں گے۔
اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ اور مسلمانو! یہ بات یاد رکھو کہ اللہ ظاہر وباطن کی تمام باتوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ تمہارے عمل میں کتنا خلوص ہے، کتنی گہرائی ہے، تمہاری آرزوئیں اور تمنائیں ذات باری کے لئے کیا ہیں تم یہ سب کچھ محض عقلاً مان کر کر رہے ہو یا اس میں تمہارا دل بھی شامل ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کے روبرو ہے وہ یہ سب کچھ ذاتی طور پر جانتا ہے اسے کسی واسطے یا وسیلے کی ضرورت نہیں۔

یہ اللہ کریم کی عطا ہے کہ اس نے برکات نبوت کو قیامت تک کے لئے جاری کر دیا ہے اور خوش نصیب ہیں وہ جنہیں یہ برکات نصیب ہوتی ہیں جنہیں عبادات کا ذوق عطا ہوتا ہے جنہیں معاملات میں ذات حق کا شعور نصیب رہتا ہے۔ جن کے دل اللہ سے ہمہ وقت متعلق رہتے ہیں۔ تزکیہ اور تصوف سے یہی حاصل ہوتا ہے۔ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے آپ کسی ملک میں جائیں اور وہاں کی کرنسی آپ کے پاس ہو تو پھر پتہ چلتا ہے کہ کرنسی کتنی اہم چیز ہے اور آخرت کا زرنقد خلوص ہے تزکیہ ہے تصوف ہے جب کوئی آخرت میں جائے گا، موت اسے وہاں لے جائے گی تو اسے سمجھ آئے گی کہ ایک دفعہ دل کی گہرائی سے اللہ کہنا اتنی بڑی دولت ہے کہ اس کی قدر دنیا میں کرنی چاہئے اور اگر اللہ اللہ ہر سانس میں رچ بس جائے، بدن ذاکر ہو جائے، وجود ہر ذرہ ذاکر ہو جائے ہر سیل اللہ اللہ کرنے لگے تو وہ کتنی بڑی دولت ہے اور کتنا بڑا خزانہ ہے۔

ہمارے ایک ساتھی ہوا کرتے تھے اللہ انہیں غریق رحمت کرے۔ کہا کرتے تھے جب قبر میں سرزمین پر رکھو گے اور اوپر قبر کو پتھروں سے ڈھانپ دیا جائے گا تو پھر تمہیں اندازہ ہوگا کہ تم دنیا سے کیا کما کر لائے ہو اور تمہارے پاس اللہ اللہ کی کتنی بڑی دولت ہے۔ اس سے پہلے اس کی صحیح قدروقیمت کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ اللہ کریم اپنی رضا نصیب فرمائے، درد دل عطا فرمائے، خلوص نصیب فرمائے اور صبر وتقویٰ کی نعمتوں سے کبھی محروم نہ کرے۔ آمین

سورة آل عمران رکوع 13 آیات 121 تا 129

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللهُ سَمِيْعٌ
عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَى اللهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللهُ بِبَدْرٍ وَّأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا
اللهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ إِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ أَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ أَنْ يُّمِدَّكُمْ
رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ إِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا
وَيَأْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ
مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللهُ إِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا
النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ
يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْأَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کو اپنے گھر والوں سے نکل کر مسلمانوں کو لڑائی کے لئے (مختلف) جگہوں پر متعین فرما رہے تھے اور اللہ سننے والے جاننے والے ہیں ﴿۱۲۱﴾ جب تم میں سے دو جماعتوں نے خیال کیا کہ ہمت ہار دیں اور اللہ ان دونوں کے مددگار تھے اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے ﴿۱۲۲﴾ اور یقیناً اللہ نے تمہیں بدر میں مدد دی اور تم بے سروسامان تھے پس

اللہ سے ڈرو تا کہ تم (اللہ کا) شکر ادا کر سکو ﴿۱۲۳﴾ جب آپ مومنین سے فرما رہے
تھے کہ کیا تمہارے لئے کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار (اللہ) تین ہزار فرشتے نازل
فرما کر تمہاری مدد فرمائے ﴿۱۲۴﴾ بلکہ ہاں اگر تم صبر کرو اور (اللہ سے) ڈرتے رہو
اور وہ (کافر) تم پر یکبارگی (جوش سے) حملہ کر دیں تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار
ایسے فرشتوں سے جن پر خاص نشان ہوں گے تمہاری مدد فرمائے گا ﴿۱۲۵﴾ اور اللہ
نے اس امداد کو تمہارے لئے خوشخبری بنایا ہے اور تا کہ تمہارے دل اس سے قرار
پکڑیں اور مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے (جو) غالب ہیں حکمت والے ہیں
﴿۱۲۶﴾ یہ اس لئے کہ (اللہ) کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک کر دیں یا انھیں
ذلیل کر دیں پس وہ نامراد واپس جائیں ﴿۱۲۷﴾ آپ کا اس کام میں کچھ اختیار
نہیں یا وہ (اللہ) ان پر مہربانی کریں یا وہ ان کو عذاب دیں پس بے شک
وہ (کافر) ظالم ہیں ﴿۱۲۸﴾ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے
(سب) اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہیں بخش دیں اور جسے چاہیں عذاب کریں اور اللہ
بخشنے والے مہربان ہیں ﴿۱۲۹﴾

خلاصہ تفسیر و معارف

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲۱﴾ پچھلی آیات میں کفار کے ساتھ تعلقات کی نوعیت، ان کی حدود کی تعین اور کفار کے دل میں اسلام کے خلاف دائمی بغض وعداوت اور منافقین کی زبانی حمایت اور عملی مخالفت کا ذکر چل رہا تھا اور اس وعدے کا ذکر تھا کہ اگر آپ صبر کریں گے اور تقویٰ اختیار کریں گے تو یہ لوگ مومنین کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کے وقت اپنے گھر والوں سے جدا ہو کر گھر سے باہر تشریف لائے اور مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کو مختلف جگہوں پر متعین فرما رہے تھے اور اللہ کریم سب کچھ سن رہے تھے وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ سب کچھ جان رہے تھے۔

یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ ﷺ کی اہل ہیں:

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں اہل بیت کے بارے بحث فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات اور حضرت عائشہ صدیقہؓ اہل بیت میں اوّل اوّل ہیں جیسا کہ آیت میں ذکر آ رہا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر والوں سے نکل کر باہر تشریف لائے، جس حجرہ مبارک سے باہر تشریف لائے وہ حجرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تھا اور آھْلِكَ کا معنی ہے گھر والے یعنی اہل بیت تو اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اولیت ازواج مطہرات کو حاصل ہے۔ بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہؓ کو جن کے حجرہ مبارک سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے۔

بعض لوگوں نے حدیثیں وضع کر کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صرف حضرت علیؓ، حضرت بی بی فاطمہؓ اور حسنین کریمینؓ ہی اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں باقی گھر والے اہل بیت نہیں ہیں لیکن یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل ہیں۔

اہل بیت سے مراد وہ افراد ہوتے ہیں جو صاحب خانہ کی کفالت میں ہوں یعنی بیوی بچے اور وہ افراد خانہ جن کا نان ونفقہ اس کے ذمے ہو۔ حضرت علیؓ اپنے بیوی بچوں کے کفیل خود تھے یوں حضرت فاطمہؓ اور حسنین کریمینؓ اہل بیت علیؓ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے داماد، بیٹی اور دونوں نواسوں کو بلا کر انہیں اپنی چادر مبارک کے اندر کر کے اللہ کریم سے دعا فرمائی کہ اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں میرے ان بچوں کو بھی اہل بیت میں شامل فرما تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعا سے انہیں اس سعادت میں شریک فرما لیا لہٰذا بلا شبہ حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حسنین کریمینؓ بھی اہل بیت میں سے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف وہی اہل بیت ہیں اور ازواج مطہرات اس میں شامل نہیں۔ حق یہ ہے کہ ازواج مطہرات بدرجہ اولیٰ اہل بیت ہیں اور حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسن وحضرت حسینؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی وجہ سے اہل بیت ہیں اور ان برکات کے اسی طرح حامل ہیں۔

حضرت علیؓ کی فضیلت:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علیؓ سے بہت محبت تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی آغوش مبارک میں پالا تھا۔ سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک مصری محقق کی کتاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دادا کے وصال کے بعد اپنے چچا ابو طالب کی

کفالت میں آ گئے چچا کی ٹانگ میں کمزوری تھی اور وہ سفر کرنے سے معذور تھے۔ عربوں کی معیشت کا مدار تو ان کے اسفار پر تھا۔ معذوری کے باعث وہ معاشی طور پر کمزور تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بچپن ہی سے اُجرت پر بکریاں چرایا کرتے تھے اور اُجرت اپنے چچا ابو طالب کو لا دیتے تھے اس طرح چچا کے کنبے کی معاشی مدد ہوتی تھی۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت نہیں کرتے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاندان چلانے میں ان کی مدد فرمایا کرتے تھے۔ اسی حال میں حضور ﷺ جوان ہو گئے۔ حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے بعد ام المومنین کے مکان پر رہائش پذیر ہو گئے اور ننھے حضرت علیؓ کو چچا کی اجازت سے اپنے ساتھ ہی لے گئے تاکہ چچا پر بچوں کی کفالت کا بوجھ بانٹ سکیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے پاس رکھا اور پرورش کی۔ نزول وحی کے وقت حضرت علیؓ کی عمر صرف اتنی تھی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف ایک کرتہ پہنے ہوئے کمسن بچے تھے۔

اللہ کریم نے جب حکم فرمایا کہ اپنے خاندان اور قرابت داروں کو اللہ کے غضب سے ڈرایئے تو آپ ﷺ نے اپنے سارے خاندان والوں کو جمع کیا ان کے سامنے یہ دعوت رکھی کہ ''میں اللہ کا نبی اور رسول ہوں مجھ پر وحی آئی ہے تم میرے قرابت دار ہو میں چاہتا ہوں کہ تم ایمان سے بہرہ ور ہو جاؤ اور اسلام قبول کرنے والے اولین خوش نصیبوں میں شامل ہو جاؤ اور میرے معاون بنو۔'' یہ دعوت ارشاد فرما کر حضور ﷺ نے سوال کیا تم میں سے کون میرا ساتھ دے گا تو سیرۃ نگار لکھتے ہیں اس محفل سے صرف ایک آواز آئی اور وہ حضرت علیؓ کی تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہیں جس پر باقی سارے خاندان نے قہقہے لگا کر مذاق کیا اور بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اتنی کمسن عمر میں حضرت علیؓ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ بچوں میں پہلے مسلمان ہوئے۔ پھر آپؓ کی فضیلت میں یہ امر مُسلّم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی لخت جگر کا رشتہ بھی انہیں دیا۔ اور اپنے گھر کے متصل حجرہ حضرت علیؓ کو عطا کیا۔ بہت بعد میں جب روضہ اطہر کو جالی لگائی گئی تو یہ حجرہ مبارک بھی اس جالی کے اندر آ گیا۔ ستر کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں جب وہاں حاضری ہوئی تو اس حجرہ مبارک میں ایک صندوق اور گھریلو استعمال کی اشیاء جو صندوق میں بند تھیں وہ جالی سے صاف نظر آتے تھے۔ پھر بعد میں بہت مرتبہ حاضری ہوئی لیکن وہ چیزیں نظر نہ آئیں لیکن ایک دفعہ ضرور ہم نے ان کی زیارت کی تھی۔

چونکہ حضرت علیؓ کا حجرہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرے کے متصل تھا حضرت علیؓ جب بھی حجرہ مبارکہ سے نکلتے تو قدم مبارک مسجد نبوی ہی میں پڑتا تھا۔ کسی بھی وقت کسی ضرورت کے تحت گھر سے نکلنا پڑ

جا تا تھا اور جب غسل واجب ہو تو اس حال میں مسجد سے گزرنا حرام ہے تو حضرت علیؓ کو حضور ﷺ کی طرف سے خصوصی طور پر یہ اجازت دی گئی کہ وہ اس حال میں ہوں اور جلدی ہو تو وہ مسجد سے گزر سکتے ہیں یہ ان پر اللہ کا خصوصی کرم تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصی شفقت تھی۔

مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ واقعہ احد بیان ہو رہا ہے جو تین ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔ اس سے پہلے دو ہجری میں بدر میں اہل مکہ کو شکست فاش ہوئی۔ ستر قید ہوئے ستر چوٹی کے کافر مارے گئے اس شکست کے بعد یہود مدینہ نے اہل مکہ کو اکسایا اور احد کا معرکہ بپا ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے قبل مدینہ منورہ کی مختلف بستیوں کے رہنے والوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ان الگ الگ بستیوں کی ایک اجتماعی قیادت ہونی چاہیئے جس کے لئے عبد اللہ بن ابی بن سلول کا نام منظور ہوا اور اسے مدینہ کا بادشاہ بنانے ہی والے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ جلوہ افروز ہوئے۔ تب صورت یکسر تبدیل ہو گئی اور اس چھوٹی سی بستی کا سارا نظام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر نگین آ گیا اور سب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں آ گئے اور عبد اللہ بن ابی کا وہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

آپ ﷺ کے عہد کا مدینہ منورہ آج کی مسجد نبوی کے اندر آ چکا ہے:

حضور ﷺ کی بنائی ہوئی مسجد کے باہر مدینہ منورہ کی کچھ آبادی تھی۔ آج وہ سارا علاقہ مسجد نبوی کے اندر آ چکا ہے۔ ستر کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں مدینہ منورہ کی حاضری کے دوران یہ بستی دیکھی جب ابھی مسجد نبوی کی توسیع نہیں ہوئی تھی۔ حضور ﷺ کے والد ماجد کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا اور انہیں شہر کے باہر کے قبرستان میں دفن کیا گیا تھا۔ بعد میں ترکوں نے ان کے مزار کے ساتھ خوبصورت مسجد بنا دی تھی جس کی مرکزی عمارت میں مزار مبارک تھا اور ارد گرد خدام کے رہنے کے حجرے تھے۔ آل سعود جب حکمران ہوئے تو انہوں نے اسے بند کر دیا کھڑکیوں پر لوہے کی خوبصورت اور مضبوط جالیاں لگا دیں لیکن بدعات کرنے والوں نے ان جالیوں کے ساتھ کپڑے اور دھاگے باندھنے شروع کر دیئے حالانکہ دھاگے باندھنے کا رواج تو مشرکین و کفار کا تھا کہ جب وہ بتوں پر کوئی منت ماننے جاتے تو نشانی کے طور پر دھاگہ باندھ دیتے۔ سعودی حکومت نے اس بدعات کو روکنے کے لئے دروازے بند کر رکھے تھے۔ ستّر کی دہائی کے آخر میں مسجد نبوی کی جب توسیع کی گئی تو یہ عمارت بھی اس میں شامل کرنا پڑی اس کے لئے عمارت کے گرداگرد میدان صاف کر کے عارضی

چھت ڈالی گئی اور حضور ﷺ کے والد ماجد کے جسم مبارک کو جنت البقیع میں منتقل کیا گیا، ان کے علاوہ کچھ صحابہ کرام کی قبور بھی اسی توسیع میں آ گئیں انہیں بھی جنت البقیع میں منتقل کیا گیا۔ یہ کام حکومت نے خاص احتیاط سے کروایا اور عام آدمی کو دیکھنے کی اجازت نہیں دی گئی البتہ یہ اطلاع مصدقہ تھی کہ تمام وجود مبارک تر و تازہ تھے جیسے کوئی ابھی ابھی سویا ہو اور ابھی جاگ اٹھے گا۔

غزوہ اُحد کا پس منظر:

تو یہ شہر مدینہ تھا جس پر ابن ابی کی بادشاہت قائم ہونے والی تھی۔ حضور ﷺ کے مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہونے سے ریاست مدینہ قائم ہوئی اور اسلامی حکومت کا نفاذ شروع ہو گیا تو منافقین کے سردار نے اہل مکہ کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے اکسایا۔ اہل مکہ کے دل بدر کی شکست کے باعث زخمی تھے اس ذلت آمیز شکست کی خفت کا انہیں اپنے اردگرد کے قبائل میں بھی سامنا تھا کہ اتنی بڑی طاقت کو مٹھی بھر لوگوں سے شکست ہوئی۔ منافقین نے انہیں یہ کہہ کر بھڑکایا کہ تم یہاں بیٹھ گئے اور وہ وہاں منظم ہو رہے ہیں۔ ان میں مواخات قائم ہو گئی ہے، ان میں کام بانٹ دیئے گئے ہیں، کوئی تجارت کر رہا ہے کوئی کھیتی باڑی کر رہا ہے، وہ بھائی بھائی بن کر کام کر رہے ہیں اور جلد ایک طاقت بن جائیں گے چنانچہ کفار نے تین ہجری میں مدینہ منورہ پر حملے کا منصوبہ بنا لیا۔

مسجد نبوی میں مشاورت:

صورت حال یہ تھی کہ مدینہ منورہ کے باہر یہود و منافقین کی بستیاں تھیں جو بظاہر آپ ﷺ کے ساتھ اور در پردہ کفار کے ساتھ ملے ہوئے تھے مدینۃ النبی کو آنے کے لئے کئی بستیوں اور باغوں کے درمیان میں سے راستہ گزرتا تھا اور حملہ آور فوج کا وہاں سے گزرنا اس لئے ممکن نہیں تھا کہ راستہ تنگ تھا اور تسلسل نہ ہونے کی وجہ سے فوجی ترتیب ختم ہو جاتی تھی۔ لہٰذا یہ ان کی مجبوری تھی کہ وہ ان راستوں کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کے سامنے سے باہر سے احد میں پہنچیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی میں مشاورت فرمائی آپ ﷺ کا خیال تھا کہ بستی میں رہ کر مقابلہ کیا جائے کیونکہ بستی میں وہ فوجی جمعیت کے ساتھ داخل نہیں ہو سکتے تھے اور جدھر سے بھی آتے فوجی ترتیب ٹوٹتی اور وہ منتشر ہو کر ٹولیوں کی صورت میں آتے تو ان کا مقابلہ آسان ہوتا بہ نسبت ایک منظم فوج کے جو باقاعدہ آ رہی ہو۔

کچھ نوجوان صحابہؓ جو بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے ان کے دلوں میں ولولہ تھا کہ مقابلہ کھلے میدان میں ہو۔ بدر میں تو وہ شامل نہ ہو سکے تھے اب اُحد میں اپنے دل کے ارمان نکالیں تو انہوں نے اپنی رائے پر اصرار کیا کہ مقابلہ شہر سے باہر کھلے میدان میں ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ مبارک میں تشریف لے گئے اور جب واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زرہ پہن رکھی تھی اور جنگ کے لئے تیار تھے۔ اس پر اکثر اکابر صحابہؓ کو احساس ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زرہ پہننے کا مطلب ہے شدت کی جنگ درپیش ہے اور نوجوانوں نے جو مشورہ دیا ہے وہ درست نہیں تو انہوں نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ نوجوان ہیں ان کے اپنے جذبے ہیں ہم ان کی رائے پر معذرت کرتے ہیں فیصلہ تو آپ کے دست مبارک میں ہے آپ حکم دیں تو یہیں رہ کر جنگ کی جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فیصلہ کر لیتا ہے، قدم اٹھالیتا ہے تو واپس نہیں لیتا۔ اب جنگ باہر ہی ہوگی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُحد کو روانہ ہوئے۔ اس وقت ایک ہزار سپاہ ہمرکاب تھی۔

اُحد میں جنگی حکمت عملی:

اس زمانے میں جنگ کا مروجہ طریقہ یہ تھا کہ فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہو جاتیں فوج کے بہادر اور شجاع افراد سامنے آکر مبارزت کرتے، مقابلہ ہوتا ایک ہار جاتا دوسرا جیت جاتا پھر دونوں طرف کی افواج گتھم گتھا ہو کر باقاعدہ جنگ کرتیں اور میدان میں جنگ کا فیصلہ ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر، اُحد اور خندق میں نئی نئی حکمت عملی اختیار کر کے دشمنوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ بدر میں پہلی مرتبہ طریقہ جنگ میں تبدیلی فرمائی میدان جنگ کا جائزہ لے کر بہترین جگہ مسلمان لشکر کے لئے مخصوص کر لی۔ سب سے اہم چیز پانی تھا پانی کے چشمے پر قبضہ فرمایا۔ مسلمانوں کو اونچائی کی جگہ دی اور کفار کو اترائی کی طرف رہنے پر مجبور کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی جگہ کا انتخاب کیا جہاں مسلمان آسانی کے ساتھ تیر برسا سکیں، نیزہ بازی اور تلوار کا استعمال جہاں آسان ہو یوں دشمن کو کمزور زمینی پوزیشن پر رہنے پر مجبور کیا۔

اُحد میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھی جگہ پر قبضہ فرما کر اُحد پہاڑ کو پشت پر رکھ لیا کہ لشکر کی پشت محفوظ رہے اور پھر لشکر کو یوں ترتیب دیا کہ دشمن حیرت زدہ رہ گئے۔ یہی بات خندق میں ہوئی

جب جزیرہ نمائے عرب کے تمام کفار و مشرکین چڑھ دوڑے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہر کی حفاظت کے لئے بہت بڑی خندق کھدوادی جسے سوار کے لئے پھلانگنا ناممکن تھا یہ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پر کیا گیا لیکن حضرت سلمان فارسی نے جن خندقوں کا مشورہ دیا وہ قلعے کے گرد ہوتی تھیں ان خندقوں کو پانی سے بھر دیا جاتا اور قلعے کا دروازہ اوپر سے نیچے کی طرف کھلتا اور خندق کے اوپر پل بنا دیتا جب کھولنا ہوتا تو اندر کی چرخیاں گھمائی جاتیں اور چرخیاں الٹی طرف گھما کر دروازہ بند کر دیا جاتا۔ ایسی خندقیں اور ایسے دروازے متعارف تھے انہی کو مدنظر رکھ کر حضرت سلمان فارسیؓ نے خندق کا مشورہ دیا تھا لیکن شہر کے گرد خندق حضور ﷺ کی اپنی ایجاد تھی جس کی تعلیم اللہ کریم نے اپنے نبی علیہ السلام کو خود دی تھی۔ یوں حضور ﷺ نے فن حرب کو بے شمار اختراعات عطا کیں۔

توکل کیا ہے؟

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ بس اندھا دھند کام کیا جائے اور اسباب و وسائل کو بروئے کار نہ لایا جائے تو یہ توکل ہے حالانکہ توکل یہ ہے کہ جہاں تک انسانی بس میں ہو بہترین وسائل استعمال کئے جائیں بہترین اسباب اختیار کئے جائیں اچھے صحت مند اور فن حرب کے ماہر فوجی تیار کئے جائیں ان کی استعداد کے مطابق انہیں درست مقام پر کھڑا کیا جائے جو میسر ہو اس میں سے بہترین ہتھیار مہیا کئے جائیں اور پھر اللہ کریم پر بھروسہ کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام غزوات میں یہی کام عملاً کر کے دکھایا۔ میدان اُحد میں اُحد پہاڑ کو پشت پر لے کر اپنا لشکر ترتیب دیا اور مقابلہ کے لئے مختلف جگہوں پر کھڑا کر دیا۔ اُحد کے پیچھے ایک درہ تھا جہاں سے دشمن کا خطرہ ہو سکتا تھا وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچاس مجاہدین کا ایک دستہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی قیادت میں وہاں مقرر فرما دیا اور تاکید فرمائی کہ جنگ کا انجام خواہ کچھ بھی ہو دوران جنگ ہم پر دباؤ نظر آئے یا ہم غالب رہیں ہر صورت میں تا حکم ثانی اسی دَرّے پر جم کر رہنا ہے۔ اس راستے کی حفاظت آپ لوگوں کی ذمہ داری ہے۔

منافق کی چال:

منافقین کے سردار ابن ابی نے بہانہ سازی کے ذریعے کوشش کی کہ مسلمانوں کے حوصلے پست کرے چنانچہ اس نے مدینہ منورہ میں اختلاف کرنے اور الگ ہو جانے کے بجائے عین میدان اُحد میں پہنچ کر یہ اعلان کر دیا کہ وہ اس لڑائی سے الگ ہو رہا ہے کیونکہ مکہ سے تین ہزار کا مسلح لشکر جرار آ رہا ہے اور اس کا مقابلہ کرنا خودکشی کے برابر ہے اور اس لئے بھی کہ اس کا مشورہ نہیں مانا گیا اگر شہر میں رہ کر لڑتے تو وہ ساتھ دیتا

یہ کہہ کر ابن ابی اپنے تین سو افراد نکال کر لے گیا۔ یہ بات وہ مدینہ منورہ میں بھی کہہ سکتا تھا اور وہیں سے الگ ہو سکتا تھا لیکن اس کا مقصد مسلمانوں کے حوصلے پست کرنا تھا۔ یہ سارا فریب اسی لئے کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کو شک میں مبتلا کر کے ان کے یقین کو متزلزل کر کے ان کی ہمت اور حوصلے توڑ دے۔ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ انصار کے دو قبائل کے ذہنوں میں یہ خیال آ بھی گیا کہ اس کی بات میں وزن ہے۔ بات تو اس کی ٹھیک ہے قرآن حکیم میں اللہ پاک فرماتے ہیں ان کے ذہن میں ہمت ہار دینے کا خیال گزرا۔

خلوص کا نتیجہ استقامت ہے:

وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ اور اللہ نے ان کی مدد کی ان کے ذہنوں سے یہ خیال رفع ہو گیا۔ اللہ نے انہیں سنبھال لیا کیوں؟ اس لئے کہ ان کے دل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں تھے ان کے دلوں میں خلوص تھا وہ دل سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا تھے ان کے ساتھ اللہ کی مدد تھی ان سے یہ خیالات کافور ہو گئے۔ یہ ہے دل اور دماغ کا فرق ابن ابی کے دلائل سے ان کی رائے متاثر ہوئی۔ ان کے دماغ نے اس کی تائید کی کہ یہ ٹھیک ہی کہتا ہے دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے پھر ابن ابی تین سو افراد نکال کر لے گیا اور مسلمانوں کی تعداد کم ہو کر سات سو رہ گئی تو اتنے کم وسائل اور اتنی کم افرادی قوت کے ساتھ جنگ کرنا خودکشی کے ہی مترادف ہے۔ یہ ان کے دماغ کا فیصلہ تھا۔ یہ خیال ان کے ذہن سے گزرا لیکن ان کے قلوب خلوص کے ساتھ اللہ کریم سے پیوستہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اخلاص کے ساتھ جڑے ہوئے تھے لہٰذا اس نسبت سے اللہ ان دونوں جماعتوں کا مددگار بن گیا۔ اس نے ان کے قلوب کو استقامت عطا کر دی اور دماغ کا مشورہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ جو منافق تھے انہیں تائید باری نصیب نہیں ہوئی تھی انہیں نکال دیا گیا وہ محروم ہوئے اور جن کے دل میں خفیف سا خیال گزرا وہ الگ نہیں ہوئے کہ وہ مخلص تھے۔ تو انہوں نے اللہ پر بھروسہ کیا اور ثابت قدم رہے الگ نہیں ہوئے تو اللہ نے ان کے دل پر استقامت نازل کی، وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اپنا رابطہ عطا کیا، اپنی طاقت ان کے دلوں میں بھر دی انہیں استقامت عطا فرما دی۔ نفس انسانی کے زیر اثر شیطان کے وسوسے سے منافقین کے بہکانے پر ایک ادنیٰ سا خیال آیا جسے اللہ نے رفع کر دیا۔ اللہ نے انہیں ہمت مردانہ سے نوازا۔ رفاقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرفراز فرمایا اور انہوں نے میدان جنگ میں پورے خلوص اور پوری ہمت کے ساتھ داد شجاعت دی۔

دل اور دماغ کا فرق:

دماغ کی تو مجبوری ہے کہ اسے ایک آخری طاقت کو ماننا پڑتا ہے۔ ذہن میں جمع ہونے والی معلومات کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایسی طاقت کو ماننا پڑتا ہے جو اس نظام کو چلا رہی ہے لیکن وہ طاقت کون ہے؟ کیسی ہے؟ اسکی ذات وصفات کیسی ہیں؟ یہ سمجھنا صرف دل کا کام ہے دل جب اس ہستی کو پہچان لیتا ہے تو پھر دل اس پر فدا ہو جاتا ہے۔ دل تعلقات کی لذت پاتا ہے اور تعلقات کے کمزور ہونے کے نقصانات سے آگاہ ہوتا ہے۔ دماغ تو ایک مشین ہے جو عصبی نظام کے ذریعے وجود کو کنٹرول کرتا ہے لیکن فیصلے دل ہی کرتا ہے اور اعضاء جوارح سے عمل کرواتا ہے، دل کیفیات کو محسوس کرتا ہے کیفیات بندے کو تڑپا دیتی ہیں۔ جیسے مجاہد کی قربانی شہید کی شہادت رشتوں میں چاہت کی کیفیات جیسے باپ اور بیٹی۔ لیکن کائنات میں سب سے بہترین ہستی مخلوق میں بے مثل و بے مثال صرف ایک ہستی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن ظاہر ہو یا کمالات باطنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب کچھ ایسا ہے جس کی کائنات میں مثال نہیں ملتی۔

حسن ظاہر سے تیرے روشن جہان رنگ وبو
پر جمال باطنی کی ضوفشانی اور ہے

جب دل کو مجموعہ کمالات کا ادراک ہوتا ہے تو اس کے بس میں نہیں رہتا کہ وہ وہاں سے ہٹ سکے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے الگ ہو سکے۔

نبی کریم ﷺ سے قلبی تعلق بنائے بغیر دین سے براہ راست تعلق قائم نہیں ہوسکتا:

دین کیا ہے؟ آپ ﷺ کا عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک قرآن کیا ہے؟ یہ کلام الٰہی ہے جو نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہوا اور نبی کریم ﷺ کی زبان حق ترجمان سے ادا ہوا اور جس کے نزول کے واحد گواہ آپ ﷺ خود ہیں آپ ﷺ نے خود فرمایا کہ یہ وحی الٰہی ہے یہ قرآن حکیم کی آیات ہیں جب آپ ﷺ نے بتایا کہ یہ اللہ کا کلام ہے تو پتہ چلا کہ یہی کلام الٰہی ہے اور اسی قرآن کی تفسیر آپ ﷺ کے ارشادات پاک ہیں۔ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قلبی وابستگی نہ ہو جائے احکام شریعت بوجھ بنے رہتے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قلبی وابستگی کیسے ہو؟ حضرت تھانویؒ سے کسی نے یہی سوال پوچھا تو انہوں نے فرمایا سیرۃ مبارکہ کا کثرت سے مطالعہ کیا کرو۔ انہوں نے ایک جامع اور مختصر کتاب لکھی ہے۔ نشر الطیب لذکر نبی الحبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس کی تصنیف کا سبب یہی سوال بنا تھا کہ نبی کریم ﷺ سے دلی

تعلق کیسے استوار رکھا جائے۔ واقعی ان کی اس تصنیف میں یہ تاثیر ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بندہ اگر مسلسل اس کا مطالعہ کرتا رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُنس نصیب ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کتاب میں خالصتاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک کا ذکر ہے۔ باقی سیرۃ پاک میں کہیں سیاسیات کی تفصیل ہے کہیں احکام شریعت کی کہیں غزوات کی لیکن ''نشر الطیب'' صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والاصفات کی باتیں کرتی ہے۔ آپ کے حسن ظاہر اور کمالات باطنی کی بات کرتی ہے۔ ان کیفیات انس کو پانے کے لئے جاننا شرط ہے جتنا کوئی جانے گا اتنا قریب ہوتا چلا جائے گا۔ گلاب کے پھول کو دور سے دیکھا، گلاب کا پھول ہے خوبصورت ہے قریب سے دیکھا تو نہ صرف مزید اوصاف نکھر کر سامنے آئے بلکہ اس کی خوشبو نے مہکا بھی دیا۔ سو جوں جوں معرفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھلتی جائے گی اتنی ہی خلوص فی الدین کی کیفیت دل پر وارد ہوتی جائے گی۔

خلوص کی پہچان:

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کا علم ہوتا ہے تو قلب و جاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فدا ہوتے ہیں۔ دل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں سکون پاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی لے کر اسے حیات ملتی ہے فرحت و راحت ملتی ہے۔ اس کیفیت کو خلوص کہتے ہیں۔ یہ کیفیت دل میں ہو تو دماغ یا ذہن کو نیکی سے ہٹانے والے حربے ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ کوئی بھی شخص کسی کو نیکی سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ شیطان ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالی ہے کہ جنوں والے شیطان سے، انسانوں والا شیطان زیادہ خطرناک ہے کہ جن شیطان تو صرف وسوسے ڈالتا ہے لیکن جو انسان مجسم شیطان بن جاتے ہیں وہ دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بعض اوقات ہاتھ پکڑ کر گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہی کام پوری شیطنت کے ساتھ پوری منصوبہ بندی کے ساتھ ابن ابی نے کیا اور رہتی دنیا تک کیلئے نفاق کی علامت بن گیا جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دلی گرویدگی حاصل تھی وہ رہتی دنیا تک کے لئے اخلاص کی علامت بن گئے ان کا کردار خلوص کی علامت بن گیا۔

غزوہ اُحد کی تفصیل:

اُحد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکمت عملی رنگ لائی۔ اللہ کی تائید سے پہلے ہلّے میں کفار کو شکست ملی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی ترتیب کی تاب نہ لا سکے اور پہلے ہی مقابلے میں اہل مکہ کو

شکست ہوئی اور انہیں بھاگنا پڑا جو خواتین وہ ساتھ لائے تھے وہ دف بجا بجا کر گا رہی تھیں اور اپنے فوجیوں کے حوصلے بڑھا رہی تھیں۔

نحن بنات الطارق	ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں
نمشی علی النمارق	نرم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں
ان تقبلو انعانق و نفرش النمارق	اگر تم آگے بڑھو گے تو ہم تمہیں گلے لگائیں گی
وان تدبروا الفارق فراق وامن	اگر تم پیچھے پلٹو گے تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گی

وہی خواتین اپنے بھاگتے مردوں کے پیچھے اسی تیزی سے بھاگیں تا کہ جانیں بچا سکیں۔ مشرکین نے پہلا حملہ ہی غصے میں جل بھن کر کیا تھا اور جنگ غصے سے نہیں تدبر سے کی جاتی ہے۔ دوسری غلطی ان کی یہ تھی کہ ان کی ترتیب جنگی چالوں میں کمزور تھی انہوں نے مختلف لوگوں کی مختلف صلاحیتوں سے فائدہ نہ اٹھایا بلکہ پرا باندھ کر ٹوٹ پڑے جب مسلمانوں کے مقابل آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترتیب کی وجہ سے ایسا سخت مقابلہ کرنا پڑا جو ان کی توقع کے خلاف تھا چنانچہ قتال کے بعد انہیں بھاگتے ہی بنی اور ان کے پیچھے ان کے ساتھ آئی ہوئی خواتین بھی اپنی جانیں بچاتی ہوئی بھاگیں۔

درّے پر متعین مجاہدین کی اجتہادی غلطی:

ادھر درے پر موجود مجاہدین نے اہل مکہ کو بھاگتے دیکھ کر سوچا کہ ان کے تعاقب میں جانا چاہیئے اور یہ سوچ کر انہوں نے درہ چھوڑ کر بھاگتے ہوئے مشرکین کا تعاقب کرنا شروع کر دیا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے روکا کہ تا حکم ثانی یہیں رہنے کا حکم ہے تو وہ یہ کہہ کر اتر آئے کہ اب تو فتح ہو گئی ہے۔ دشمن میدان سے بھاگ رہا ہے یہ حکم تو لڑنے کے وقت تک کے لئے تھا یوں اکثر صحابہ جوش جہاد میں نیچے اتر کر دشمن کے تعاقب میں چلے گئے اور درّے پر اب صرف سات افراد رہ گئے۔ ابوسفیان اور خالد بن ولید ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ابوسفیان نے خالد سے کہا ہم یہ جنگ بھی ہار گئے۔ خالد نے کہا ابھی نہیں اور یہ کہہ کر سواروں کا ایک دستہ لے کر درّے سے آ کر حملہ کر دیا۔ درّے پر موجود ساتوں صحابہؓ شہید ہو گئے۔ مشرکین درّے سے آ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے اور کفار نے میدان چھوڑ کر جانے والوں کو آواز دی ان میں سے کچھ نے پلٹ کر حملہ کر دیا یوں مسلمان لشکر درمیان میں پھنس گیا اور منتشر ہو گیا جس ترتیب پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑا کیا تھا درّہ چھوڑنے کے باعث وہ ترتیب بکھر گئی۔ مشرکین کے تعاقب میں جو بھاگے ان پر پیچھے

اور آگے سے حملہ ہو گیا یوں مسلمان دونوں طرف سے تلواروں کی نوک پر آ گئے اس قدر کہرام مچا کہ بعض مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دس بارہ صحابہؓ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ رہ گئے باقی الگ ٹکڑیوں میں بکھر گئے۔ حضور اکرم ﷺ کے رخ انور کو زخم آئے دندان مبارک شہید ہوئے تو شیطان نے نعرہ لگایا کہ حضرت محمد ﷺ شہید ہو گئے، ابلیس کے اس نعرے کو ہر مشرک نے دہرانا شروع کر دیا اور سب کفار و مشرکین یہی چلانے لگے۔ مسلمانوں میں سے کچھ تو سکتے میں آ گئے اور اس خیال سے کہ اب حضور ﷺ ہی موجود نہیں تو کس لئے لڑیں اور یوں مشرکین کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ دوسروں پر اس کا یہ اثر ہوا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر جی کر کیا کریں گے وہ اس بے جگری سے لڑے کہ شہادت پائی لیکن میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ اتنے میں ایک انصاری صحابیؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر نعرہ لگایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلامت ہیں اور یہاں جلوہ افروز ہیں۔ مسلمانو! یہاں جمع ہو جاؤ تو وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے اور دوبارہ اس بے جگری سے لڑے کہ اہل مکہ کو پھر سے بھاگنا پڑا۔ مقام روحاء تک صحابہ نے اہل مکہ کا تعاقب کیا اور اس حال میں کیا کہ دو دو زخمی صحابہ ایک دوسرے کے سہارے چلتے اور بھاگتے رہے یہاں تک کہ اہل مکہ بھاگ گئے اور صحابہؓ واپس اُحد میں آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو روز اُحد میں قیام فرمایا۔ شہداء کے جنازے پڑھے تدفین ہوئیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ منورہ تشریف لائے۔

صحابہؓ کے بارے ایک غلط رائے:

بہت سے مفسرین اور علمائے جدید نے غزوہ اُحد میں صحابہ کرام کے بارے یہ لکھا ہے کہ وہ کفار کو بھاگتا دیکھ کر کفار کا چھوڑا ہوا مال غنیمت لوٹنے کے لالچ میں آ گئے اور درہ چھوڑ دیا۔ یہ خیال اس لئے درست نہیں کہ تمام مال غنیمت ایک جگہ اکٹھا ہوتا تھا امیر لشکر تقسیم فرماتے تھے۔ اس کا پانچواں حصہ بیت المال کو جاتا تھا اور باقی چار حصے مجاہدین میں اس طرح تقسیم کئے جاتے کہ سوار کے دو حصے ہوتے کہ اس کے ساتھ اس کا گھوڑا یا کوئی اور سواری کا جانور بھی ہے اور پیادہ کا ایک حصہ ہوتا، لہٰذا یہ منطق بالکل غلط ہے کہ وہ لوٹنے کے لئے درّہ چھوڑ آئے۔

مسلمانوں کو اُحد میں شکست نہیں ہوئی:

دوسری غلط فہمی بعض دانشوروں کو یہ ہوئی ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ غزوہ اُحد میں مسلمانوں کو

شکست ہوئی۔ لیکن یہ کہتے ہوئے وہ یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ اس بات کا ثبوت کیا ہے؟ اور وہ یہ بات کس بنیاد پر کہتے ہیں؟

مسلمانوں کو اُحد میں شکست اس لئے نہیں ہوئی کہ مشرکین مکہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے۔ جاننا چاہئے کہ مشرکین مکہ کا جنگ کرنے کا مقصد کیا تھا؟ ان کا مقصد ریاست اسلامی مدینہ منورہ کو نقصان پہنچانا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شدید جانی نقصان پہنچانا تھا۔ تو کیا وہ اپنے پہلے مقصد میں کامیاب ہوئے؟ کیا دوسرا مقصد پورا ہوا؟ اور کیا وہ میدان کفار کے پاس چلا گیا جہاں جنگ ہوئی تھی۔ جس فوج کے قبضے میں میدان جنگ آ جائے وہ فاتح ہوتی ہے یا وہ جو میدان چھوڑ کر بھاگ جائے؟ اگر اہل مکہ میدان اُحد سے مسلمانوں کو بھگا دیتے اُحد پر قبضہ کر لیتے دو دن وہاں رکتے تو پھر کہا جا سکتا تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی لیکن کفار کو تو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا، شہر تک وہ پہنچ ہی نہ سکے۔ اکابر صحابہؓ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان محفوظ رہی اور وہ اپنے اس مذموم مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ میدان چھوڑ کر کفار و مشرکین یوں بھاگے کہ اپنا سامان حرب اور اپنے مردے تک چھوڑ گئے۔ مجاہدین انہیں پیچھے سے مارتے اور ان کا تعاقب کرتے روحاء تک گئے تو کس طرح سے اسے مسلمانوں کی شکست لکھا جاتا ہے۔ شکست بہر حال کفار کو ہوئی اس لئے کہ اللہ کا وعدہ تھا۔ لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ۭ (آل عمران: 120) کہ ان کے مکر آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ خود نبی کریم ﷺ جلوہ افروز تھے۔ جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں وہاں کامیابی یقینی ہے، لہٰذا فتح مسلمانوں کو ہوئی۔

بدر ایک عظیم فتح:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ نے یوم بدر تمہاری مدد فرمائی جب تمہارے پاس کچھ بھی نہیں تھا تم لوگ بے سروسامانی کی حالت میں تھے۔ کھانے پینے کے وسائل، جنگی اسلحہ، سواریاں اور مسلمانوں کی تعداد ہر چیز قلیل تھی۔ یعنی اسباب ظاہری کے حساب سے آپ لوگ بے سروسامان تھے اور کفار مکہ وسائل اور تعداد میں بہت مضبوط حیثیت میں تھے لیکن اللہ کریم نے مدد فرمائی اور مشرکین و کفار کو شکست فاش ہوئی اور روئے زمین پر حقیقی انقلاب برپا ہوا جس نے آنے والے ادوار کو روشن کر دیا، ایسا انقلاب برپا ہوا جسکی مثال رہتی دنیا تک ملنی محال ہے بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ انقلاب اور تبدیلی صرف اسے کہا جا سکتا ہے جو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برپا فرمائی ورنہ

قدرتی طور پر حالات تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور پھر کچھ عرصہ بعد اسی ڈگر پر واپس آ جاتے ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں ہونے والا یہ معرکہ حق و باطل ایسا ہے کہ اس نے صدیاں گزر جانے کے بعد بھی حق و باطل میں ایک حد فاصل قائم کر رکھی ہے کہ حق ہی حق ہے اور باطل، باطل ہے کوئی درمیانی راستہ نہیں نہ آج کوئی درمیانی راستہ ہے نہ کبھی ہوگا۔

فرمایا یہ عظیم فتح تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نوازا گیا اور اصول یہ ہے کہ اللہ کے ایماندار بندے ہمیشہ اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں۔

دعا اور توکل:

ہمارے معاشرے میں ہر اسلامی اصطلاح کم وبیش اپنے حقیقی معنوں کے بجائے بڑے سطحی معنوں میں سمجھی جاتی ہے جیسے توکل ہماری روزمرہ زندگی کا مستعمل لفظ ہے اور آج کل عموماً اس کا معنی یہ لیا جاتا ہے کہ آدمی کچھ نہ کرے بس دعائیں کرتا رہے اور سمجھے کہ وہ بڑا متوکل ہے۔ توکل کا یہ مفہوم سرے سے غلط ہے اس لئے کہ بدر میں جس توکل علی اللہ کا تذکرہ ان آیات میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ بظاہر دنیوی اعتبار سے مسلمانوں کی فتح کے اسباب نظر نہ آتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام اسباب ظاہری جمع فرمائے اور انہیں اختیار فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ سے بدر تک سفر فرمایا۔ جوان، بوڑھے اور بچے تک لشکر میں شامل فرمائے اس طرح بچوں سمیت تین سو تیرہ افراد بنے۔ راشن اگرچہ قلیل اور لباس نامکمل تھا، اسلحہ کی شدید کمی تھی پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کی باقاعدہ صف بندی کروائی۔ میدان جنگ میں مورچے مقرر فرمائے وہاں سالار متعین فرمائے مہاجرین وانصار کے دو علیحدہ علیحدہ جھنڈے مقرر فرمائے۔ اپنا علَم زوجہ محترمہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے دوپٹے کا بنایا کہ ام المومنینؓ کے دوپٹے کے ساتھ آپ ﷺ کی آبرو وابستہ ہے۔ اس کی حرمت کی اہمیت کے سبب یہ علَم بنایا گیا۔ یہ وہ تمام اسباب ظاہری تھے جو آپ ﷺ نے اختیار فرمائے اور پھر عریش بدر میں نہایت الحاح وزاری کے ساتھ دعا فرمائی۔

''اے اللہ میں آج سارے کا سارا اسلام یہاں لے آیا ہوں اگر یہ لوگ یہاں کھیت رہے تو قیامت تک کوئی پیشانی تیرے سجدوں سے آشنا نہ ہو سکے گی۔''

یہ لوگ کون تھے؟ مٹھی بھر کمزور وضعیف چند بچے اور چند جوان جو وسائل کے لحاظ سے بے شک پس ماندہ تھے لیکن جذبہ دل ایسا تھا کہ گوشت پوست کے انسان جذبہ ایمان میں ڈھل گئے۔ وہ وجود نہ رہے ایک

نظریہ بن گئے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ میں مخلص بندے لایا ہوں بلکہ فرمایا یا اللہ! میں سارے کا سارا اسلام لے آیا ہوں۔ یہ تھے صحابہ کرامؓ جن کا یقین قلبی اس درجے میں کامل ہوا کہ ان کی ذات باقی نہ رہی وہ مجسم اسلام بن گئے۔

کیا کہئے آج کے بزعم خود علماء و مفسر کہلوانے والوں کو جن کا یہ حال ہے کہ خود کو جج بنا کر صحابہ کرامؓ کو کٹہرے میں کھڑا کر کے ان پر اعتراض کرتے ہیں اور جواب طلبی کرتے ہیں۔

عظمتِ صحابہؓ :

صحابہ کرام وہ ہستیاں ہیں جن کی بخشش کا فیصلہ دنیا میں سنا دیا گیا۔ کل امت کا فیصلہ تو یوم حشر سامنے آئے گا دنیا میں تو سب مسلمان اللہ کی رحمت سے امید بھی رکھتے ہیں اور اس کی گرفت سے بھی ڈرتے ہیں۔ ایمان ہے بھی اس کیفیت کا نام کہ اللہ کے غضب کا ڈر بھی رہے اور اللہ کی رحمت کی امید ٹوٹنے بھی نہ پائے۔ صحابہ کرام ایمان کے اس درجے پر تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے تین سو تیرہ افراد کے نتیجے کا اعلان دنیا میں کر دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اہل بدر آج کے بعد جو چاہے کریں جنت ان کے لئے واجب ہوگئی۔ شارحین حدیث اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ''کچھ بھی کریں'' سے مراد اچھائی اور برائی دونوں ہو سکتے ہیں لیکن اس سے مراد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ہے کہ جسے اللہ جنتی قرار دے دیتا ہے اس کی آرزوئیں اور تمنائیں بھی اہل جنت کی سی ہو جاتی ہیں۔ اس کا کردار بھی اہل جنت جیسا ہو جاتا ہے۔ اس کا جی وہی چاہتا ہے جو اہل جنت کو سزاوار ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہل بدر کے بارے یہ ارشاد پاک بھی ہے کہ امت میں اگر اختلاف ہو اور امت دو طبقوں میں بٹ جائے اور اہل بدر میں سے کوئی ایک فرد بھی اس وقت دنیا میں موجود ہو تو اس کی رائے پر عمل کیا جائے اس لئے کہ وہ جنتی ہیں اور اہل بدر کی رائے وہی ہوگی جو اللہ کو پسند ہے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کے تمام طبقوں پر اہل بدر کی رائے کو مقدم رکھا ہے۔

فَاتَّقُوا اللهَ :

اللہ کی مرضیات میں فنا ہونا سیکھو۔ اس کے احکام کی پیروی میں سرگرم عمل ہو جاؤ۔ اگر کوئی شخص اللہ کے احکامات سے روگردانی کرتا ہے، اس کے قوانین کے خلاف کام کرتا ہے اور پھر بڑے دلی درد سے دعا کرتا ہے کہ اللہ صحت دے تو یہ گستاخی ہے کہ زہر کھا کر لمبی زندگی کی دعا کرتا ہے عملاً تو موت میں جانے کے کام

کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ صحت دے عمر دراز کرے۔ اگر کوئی زندگی وصحت کا طالب ہے تو اسے صحت کے وسائل بھی اختیار کرنے ہوں گے۔ ایک شوگر کا مریض دن رات مٹھائی کھاتا رہے اور دعائیں کرواتا رہے تو دعاؤں سے زیادہ اثر اس کے عمل کا ہوگا۔ اللہ پر بھروسہ، اپنی پوری کوشش کو بروئے کار لانے کے بعد کرنا چاہئے یہ کوئی توکل نہیں کہ بچوں کو بھوکا پیاسا چھوڑ کر بوڑھے والدین کو تنہا چھوڑ کر تبلیغ دین کے لئے نکل جائیں اور کہیں کہ اہل خانہ کا اللہ مالک ہے۔ دین کی خدمت کے لئے جانا بہت بڑی سعادت ہے لیکن گھر والوں کے لئے انتظام کر کے جائیں ہر بندے کا اول فرض اپنے گھر والوں کی دیکھ بھال ہے، جتنے دن گھر سے غیر حاضر رہنا ہو اتنے دن گھر والوں کی تمام ضروریات کا انتظام کر کے جانا اس کی ذمہ داری ہے۔ تمام فرائض ادا کرنے کے بعد اللہ پر بھروسہ کرنا تقویٰ کی علامت ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ:

تا کہ تمہارے اندر احساس تشکر پیدا ہو جائے اللہ کے احسانات کا احساس اجاگر ہو جائے۔ شکر کیا ہے؟ اہل علم نے اس کی بہت سی تشریحات کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب بندے کو یہ احساس ہو جائے کہ اس پر اللہ کے اتنے احسانات ہوئے ہیں کہ وہ اللہ کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتا لیکن حق یہ ہے کہ شکر دراصل اس حقیقت کے ادراک کا نام ہے کہ اللہ کی ذات کتنی بے نیاز ہے۔ اسے کسی طور کسی کی ضرورت نہیں۔ بندہ کس قدر محتاج ہے اور وہ بے نیاز ذات کتنی کریم ہے کہ ہر لحظہ اپنے بندوں پر مہربان ہے ان کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بدر کے مقام پر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے کہ کیا یہ کافی نہیں کہ پروردگار تین ہزار فرشتے نازل کر کے تمہاری مدد کرے۔ یوں تو اللہ نے اپنے نظام کو جاری وساری رکھنے کے لئے کثیر جماعت ملائکہ کو کام پر لگا رکھا ہے۔ ایک ایک وجود پر فرشتے متعین ہیں، بارش، بادل، ہوا، فصلوں کے اگنے اور پھلوں کے پکنے تک ہر کام پر اللہ کے فرشتے مقرر ہیں اور اپنے حصے کا کام کرتے رہتے ہیں لیکن اہل بدر وہ خوش نصیب لوگ ہیں جن کی مدد کیلئے مقربین بارگاہ فرشتوں کو خاص حکم دیا گیا کہ میدان بدر میں ان کی جگہ جا کر لڑو۔ اصحاب بدر پر یہ انعام اس لئے ہوا کہ اہل بدر وہ ہیں جن کی ذات مرضیات باری میں فنا ہو چکی تھیں وہ گردن کٹواتے بھی اللہ کے لئے ہیں اور کافر کو قتل کرتے بھی اللہ کے لئے ہیں۔ ان کے بارے اللہ پاک

فرماتے ہیں کہ یہ میرے وہ بندے ہیں جنہیں میں غالب رکھنا چاہتا ہوں۔ اور تم وہ فرشتے ہو جنہوں نے تخلیق آدمؑ کے وقت کہا تھا کہ بار الٰہ ہم تیری عبادت کو کافی ہیں ایک نئی مخلوق پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے یہ تو زمین پر فساد ہی بپا کرے گی اور میں نے تمہیں کہا تھا۔ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کہ میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے۔ (البقرہ آیت :30)

سو آج جا کر دیکھو یہ کیسی مخلوق ہے؟ یہ کس طرح اللہ کے احکام پر قربان ہوتے ہیں یہ دیکھو اور ان کی جگہ ان کی ذمہ داری تم ادا کرو۔

بَلٰٓی ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا اے اہل ایمان! صبر و شکر کے ساتھ تقویٰ کے ساتھ میدان میں قدم جما کر کھڑے رہو جیسا کہ پہلے بھی تم اللہ کے بھروسے پر قائم رہے ہو۔ تَصْبِرُوْا اور تَتَّقُوْا فرما کر بتایا جا رہا ہے کہ ایمان یا بڑھتا رہتا ہے یا گھٹتا رہتا ہے اس میں توقف نہیں ہے، اللہ استقامت دے تو ایمان و یقین میں زیادتی ہوتی رہتی ہے اور غلطی، کوتاہی اور وساوس تنزل کا سبب بن جائیں تو ایمان میں کمی ہوتی رہتی ہے سو ایمان اگر بڑھے نہیں تو گھٹتا رہتا ہے اور گھٹے نہیں تو بڑھتا رہتا ہے سو صحابہ کرامؓ وہ لوگ تھے جن کے ایمان کامل تھے جنہیں رفاقت آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میسر تھی انہیں رب العالمین سے ایسا خصوصی تعلق نصیب تھا کہ ان کے لئے فرمایا اگر تم صبر و تقویٰ پر اسی طرح قائم رہے تو ان تین ہزار کے علاوہ وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ پانچ ہزار فرشتے اللہ کریم اور بھیج دے گا وہ خصوصی فرشتے ہوں گے۔ ان کے پاس نشان زدہ گھوڑے ہوں گے اور وہ کفار کے پرخچے اڑا دیں گے۔ تم عام لوگ نہیں ہو اس لئے وہ تمہاری مدد کے لئے اپنی بارگاہ کے مقربین فرشتوں کی خصوصی فوج بھیجے گا۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ اور یہ سب کچھ اس لئے ہوگا کہ اللہ تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہے، اپنی طرف سے عطا کردہ بشارت کے باعث تمہارے دلوں کو شاد کام دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ فتح کی بشارت سے تمہارے کھلے ہوئے روشن چہرے پسند فرماتا ہے، اللہ کریم اپنے بندوں کو رسوا نہیں کرتا اللہ اپنے بندوں کو فتح یاب دیکھنا چاہتا ہے۔ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ اور فرشتوں کے نزول سے تمہارے دلوں کو مزید اطمینان بہم پہنچانا چاہتا ہے۔

کمال اسلام یہ ہے:

کمال اسلام یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرامؓ کے بارے میں فرمارہے ہیں

کہ اے اللہ میں سارے کا سارا اسلام لے آیا ہوں اور اللہ ایسے مخلصین کے لئے اپنے مقربین فرشتوں کو میدان جنگ میں اتارتا ہے۔ بدری صحابہؓ کی عظمت کا اندازہ کوئی کیسے لگا سکتا ہے جن کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصی ارشادات ہوں۔ ہاں غور کر کے اپنی سی سعی کی جا سکتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت قیامت تک قائم رہے گی۔ آج ہم پندرھویں صدی ہجری سے گزر رہے ہیں۔ ان گزشتہ پندرہ صدیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں بڑے بڑے عابد وزاہد، بڑے بڑے اہل علم، آئمہ فقہ وحدیث بہت پائے کے اولیاء اللہ گزرے ہیں ایسے ایسے فقیہہ گزرے ہیں جن کی تقلید آج تک ہو رہی ہے اور ان کے فتاویٰ پرانے نہیں ہوئے یہ تمام ہستیاں اور ان کے کارنامے اسلام کے روشن باب ہیں۔ اسلام کے مختلف علوم کے روشن پہلو ہیں یہ اسلام کے کمالات ہیں جو لوگوں میں انفرادی طور پر تقسیم ہوئے۔ گویا قیامت تک آنے والے لوگوں میں اسلام کی جو عظمتیں تقسیم ہوں گی وہ ان تین سو تیرہ صحابہؓ کو بیک وقت نصیب ہو گئیں جنہوں نے اس کے حصول کے لئے کہیں چلہ نہیں لگایا کسی مدرسے سے نہیں پڑھا کوئی زائد تسبیحات نہیں پڑھیں بس ایک ہی کام کیا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنے آپ کو ظاہراً باطناً ختم کر لیا، ان کی ذاتی پسند ختم ہو گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ان کی زندگی کا مشن بنا۔ سو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ''سارے کا سارا اسلام لے آیا ہوں'' سے مراد یہ ہے کہ قیامت تک جو کمالات تقسیم ہوں گے، امت میں بڑے پائے کے عالم، محدث، مفسر، فقیہہ اور اولیاء اللہ صاحب حال اور صاحب کرامات بزرگ بڑے عادل حکمران آئیں گے وہ سب ان تین سو تیرہ صحابہ کرام کے رہین منت ہوں گے اس لئے کہ ساری امت کے پاکباز مسلمان مل کر اسلام کے شعبوں کو سنبھالتے رہیں گے اور بدر کے تین سو تیرہ صحابہؓ کی جماعت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق خود سارے کا سارا اسلام ہیں۔

صحابہ کرام کی شان قرآن حکیم میں یوں بیان ہوئی ہے۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (التوبہ آیت: 100) جیت گئے پہلے پہلے مسلمان جن میں مہاجرین و انصار شامل ہیں یعنی مسلمانوں کا ایک طبقہ سبقت لے گیا جو مہاجرین و انصار پر مشتمل ہے۔ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ اور جو لوگ خلوص دل سے انؓ کی پیروی کریں گے اس دوسرے طبقے میں قیامت تک آنیوالے وہ تمام لوگ آئیں گے جو اسی گلشن کے خوشہ چیں ہوں گے۔ انہیؓ کے نقوش پا پر چلیں گے اور انؓ کا اتباع خلوص دل سے کریں گے تو ہی انہیں اسلام نصیب ہوگا اس لئے کہ وہ سارے کا سارا اسلام

ہیں۔ وَلِتَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُکُمۡ بِہٖ۔

صحابہ کرامؓ کو سارے کا سارا اسلام فرما دیا گیا۔ اس سب کے باوجود انہیں مزید اطمینان قلب، توجہات الٰہی، رحمت الٰہی اور قرب الٰہی میں ترقی کی ضرورت تھی۔ فنا فی اللہ فنا الفناء در فناء...... بیشک کوئی ایسی انتہا نہیں جہاں پہنچ کر بندہ سمجھے کہ اللہ کریم سامنے آ گئے ہیں اور اس سے ورآء الوراء کوئی منزل نہیں۔ اطمینان قلب اور قرب الٰہی میں ترقی پر آگے سے آگے جانے کی ضرورت ہے۔ اللہ تو ہر جگہ موجود ہے لیکن بندہ خود اتنی دور ہو جاتا ہے کہ خود کو تلاش کرنا محال ہو جاتا ہے۔ اللہ کریم کو تلاش کرنا مشکل نہیں وہ تو قریب ہی ہے بندہ خود ہی اس سے دور چلا جاتا ہے لیکن واپسی کے لئے بھی کچھ عرصہ درکار نہیں صرف لمحہ چاہیے۔

ایک احساس ندامت، چند آنسو، دردِ دل
اے خدا تجھ کو منانا کس قدر آسان ہے

قرب الٰہی کی کوئی انتہا نہیں:

ہر مومن زندگی بھر ترقی کر سکتا ہے، اللہ کریم کے قرب میں اہل اللہ ترقی کرتے رہتے ہیں۔ اہل اللہ ہی نہیں اللہ کے مقرب نبیؑ اور رسولؑ بھی ترقی کرتے رہتے ہیں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منازل و مدارج میں ہر لمحہ ترقی ہوتی ہے اور یہ بھی طے شدہ اصول ہے کہ جو شخص بھی نیکی کی داغ بیل ڈالتا ہے جب تک نیکی قائم رہتی ہے اور لوگ اس پر عمل کرتے رہتے ہیں جتنا ثواب ان سب کا ہوتا ہے اتنا اس اکیلے کو ہوتا ہے اور ہمیشہ پہنچتا رہتا ہے۔ اس اصول کے تحت دیکھیں کہ روئے زمین پر اللہ کا نام کس نے بتایا؟ اللہ سے آشنائی کس نے کروائی؟ اللہ کا دین کس نے پہنچایا؟ محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا۔ بعثت عالی سے لے کر قیامت تک جتنے لوگ سجدے کریں گے، تہجد پڑھیں گے، تلاوت کریں گے، ذکر اذکار کریں گے، جانی، مالی، بدنی، نیکیاں کریں گے قرب الٰہی کے مدارج میں مجاہدے کریں گے تو جتنا ثواب ان سب کا ہوگا اتنا اس اکیلی ہستی کا ہے جس نے یہ سب کچھ سکھایا۔ اگر اس حساب کتاب سے بھی دیکھیں تو بات سمجھ میں آ جاتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدارج اعلیٰ میں ہر آن کتنی ترقی ہو رہی ہے اور یہ ترقی ابدالآباد ہوتی رہے گی حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ میدان حشر میں بھی ہر لمحے ترقی ہوتی رہے گی۔ لوگ میدان حشر کی طوالت اور حشر سامانیوں سے تنگ آ کر حضرت آدمؑ کے پاس جائیں گے کہ اللہ کریم سے سفارش کیجئے کہ حساب کتاب شروع فرمائیں۔ آپؑ معذرت کر کے نوحؑ کے پاس بھیج دیں گے وہ حضرت

ابراہیمؑ کی طرف بھیج دیں گے، آخر لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت اللہ کریم نئے کلمات تعلیم فرمائیں گے جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ پاک سے دعا فرمائیں گے تو حساب شروع ہوگا۔ عرصہ محشر میں نئے کلمات تعلیم فرمانا ثابت کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدارج علیہ میں ترقی اس وقت بھی ہو رہی ہوگی۔

جنت میں جنتیوں کی ترقی بھی ہر آن ہو رہی ہوگی کہ جنت کا تو خاصہ ہی یہ ہے کہ جنت کی نعمتوں کو ایک جگہ قرار نہیں، ان کی خوشبو، ان کے رنگ اور ان کی لذت میں ترقی ہوتی رہے گی جنتی جو لقمہ بھی منہ میں ڈالے گا اس کی لذت اور ہوگی اور جب دوسرا ڈالے گا تو اس کی لذت اور ہوگی یعنی جنت میں بھی ہر شے ہر آن ترقی پذیر رہے گی۔ ہر ایک کے منازل قرب ترقی پذیر رہیں گے۔ انبیاء علیہم السلام کے درجات ان کی اپنی شان کے مطابق بلند ہوتے رہیں گے اور صلحاء و اولیاء کے قرب الٰہی کی بھی کوئی حد نہیں ہوگی۔ دنیا میں بھی اطمینان قلب میں، منازل سلوک میں، اللہ سے تعلق میں ہر آن ترقی ہوتی رہتی ہے اور اللہ کے بندوں کو عند الموت بھی منازل نصیب ہوتے رہتے ہیں۔ موت کے بعد بھی لذتوں میں ترقی ہوتی رہتی ہے اس لئے کہ قرب الٰہی کی کوئی حد نہیں۔ اولیاء اللہ کے بارے میں لکھ دیا جاتا ہے کہ انہوں نے سلوک تمام کرلیا۔ یہ کہنا غلط ہے اس لئے کہ سلوک کا معنی ہے قرب الٰہی میں چلنا یوں نہ قرب الٰہی ختم ہوتا ہے نہ سلوک تمام ہوتا ہے۔ جس طرح زمین وسیع ہے اور دور بہت دور جا کر فضا شروع ہوتی ہے لیکن ہماری نظر کی ایک حد ہے ہم جہاں تک دیکھ سکتے ہیں اسے ہی حدِ زمین سمجھ لیتے ہیں حالانکہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے لہٰذا عدم علم عدم شے کو لازم نہیں۔ کسی چیز کو نہ جاننا کسی چیز کے نہ ہونے کو لازم نہیں۔ قرب الٰہی میں چلتے رہنا ہی کمال اسلام ہے کمال ایمان ہے۔ یہی سلوک ہے یہی ولایت ہے۔

ولایت کمالِ اسلام ہے لیکن شعبدہ بازی کو ولایت سمجھ لیا گیا ہے:

ولایت تو کمال اسلام ہے لیکن لوگوں نے شعبدہ بازی کو ولایت سمجھ لیا ہے۔ دعاؤں کی قبولیت کو ولایت سمجھ لیا ہے کہ فلاں بندے کی دعا سے بیٹا ہو گیا حالانکہ یہ اللہ کا کمپیوٹرائزڈ پروگرام ہے۔ اگر کسی کی دعا کو اللہ نے اولاد دینے کا سبب بنایا تو یہ اسکا مقرر کردہ پروگرام تھا۔ اولاد اس شخص کے نصیب میں تھی۔ کسی بندے کی دعا کو اللہ نے اولاد دینے کا سبب بنا دیا جس طرح کوئی بچہ کمپیوٹر کے Key.board پر اتفاقاً انگلی رکھ دے تو وہی سب کچھ سکرین پر نمودار ہو جاتا ہے جو پہلے سے کمپیوٹر میں فیڈ کیا ہوتا ہے اس میں بچے کا تو کمال

نہیں ہوتا۔ وہ تو کھیلتے کھیلتے وہاں پہنچ گیا۔ بالکل اسی طرح میری اور آپ کی دعائیں ہیں ہماری کوئی بات قبولیت پا جائے تو یہ ہماری بزرگی یا کرامت نہیں اللہ کریم کی اپنے بندوں پر عطا ہے۔ دعا کی اپنی جگہ ہے اللہ کی بات مان کر اللہ سے دعا کرنا اللہ کو بہت پسند ہے۔ اللہ اس بندے کے لئے ترقی وکامیابی کی راہیں کھولتا چلا جاتا ہے جو اللہ کے احکام اور قوانین کے مطابق عمل کر کے دعا کرتا ہے نتیجہ اللہ کے سپرد کر دیتا ہے اور سب سے پسندیدہ دعا اللہ کریم کے نزدیک وہ ہے جو بندہ اپنے لئے خود کرتا ہے اور بندہ خود دعا تب ہی کر سکتا ہے جب اسے اللہ پر اعتماد ہو۔ جب بندہ خود بدعملی کا شکار ہو تو اللہ کی اطاعت سے گریزاں ہوتا ہے اس کے اندر یہ خیال موجود ہوتا ہے کہ وہ خود اللہ کے احکام کی پرواہ نہیں کرتا تو اس کی دعا کی کیا قیمت ہوگی۔ اور جو اللہ کی عظمت پر یقین رکھتے ہیں ان کا عمل اس بات کی گواہی دیتا ہے، اللہ پر اعتماد ویقین کی کیفیات قلب اطہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قلوب مومنین کو تقسیم ہوتی ہیں سوز کراذ کار، محنت ومجاہدے اولیاء اللہ کی صحبت سب کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کریم سے اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریبی تعلق استوار ہو جائے ایسا رشتہ جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات ماننے میں لذتیں بھر دے اور نہ ماننے کی تلخی کا احساس ہو جائے۔ غلطی سے اگر غلطی ہو جائے تو دکھ لگے، توبہ کرے تلافی کرے اور اللہ کے حکم پر عمل کرنے کیلئے اپنے دل میں جذبہ پائے۔ عشق الٰہی، محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصول کے لئے صحبت اولیاء ہے لیکن لوگوں نے اس پاکیزہ شعبے میں بھی خرافات اپنا رکھی ہیں۔ شعبدہ بازی کو بڑی کرامت مانا جاتا ہے حالانکہ نہ یہ شرط ولایت ہے کہ وہ غیب کی باتیں جانتا ہو یا فضا میں اڑتا ہو فضا میں تو مکھی مچھر اور گدھ تک اڑتے ہیں اور مردار کھاتے ہیں اور نہ ہی پانی پر چلنا ہی ضروری ہے کہ یہ تو مینڈک بھی کر لیتا ہے نہ ذہنی قوتوں کو مرتکز کر کے یہاں بیٹھ کر سمندر پار لوگوں کے حالات بتا دینا ولایت ہے۔ اگر قوت خیالیہ کو مرتکز کر کے بھاری پتھروں پر نگاہ ڈالنے سے پتھر اٹھ جاتے ہیں تو کیا ہوا یہی تمام کام تو کرین بھی کر لیتی ہے۔ اکثر ذہنی طور پر ماؤف لوگ ازخود ذہنی یکسوئی حاصل کر لیتے ہیں اور بیٹھے بیٹھے دور دیس کی خبریں نشر کرنے لگتے ہیں۔ یہی کام ہندو یوگی بھی کرتے ہیں۔ یوگا کی مختلف ذہنی ورزشیں کرتے ہیں تا کہ ذہن یکسو ہو جائے، کم کھاتے ہیں غیر معمولی طود پر کم سوتے ہیں اور چکرا چکرا کر ذہنی یکسوئی حاصل کرتے ہیں۔ بٹیر لڑانے والے بھی ننھے سے پرندے کو کئی کئی راتیں جگاتے ہیں تا کہ اس کی توجہ مرتکز ہو جائے اور ان سب کا حاصل کیا ہے مادی فوائد جو عام مشینوں کے ذریعے بھی با آسانی حاصل ہو سکتے ہیں۔ فون اور مواصلات کے حساس ذرائع سے بھی دنیا بھر کے حالات سے آگاہی ہو جاتی ہے تو یہ چیزیں کمال انسانیت نہیں، کمال یہ ہے کہ ان باتوں کا پتہ چلے جو صرف نور نبوت

سے ہویدا ہیں۔ بندہ مشتِ غبار ہو خاک نشین ہو اور نگاہ تجلیات ذاتی اور جمال باری پر ہو۔ باطن کی نگاہ کھلے تو بالائے آسمان دیکھے، برزخ نظر آئے، فرشتے نظر آئیں اس کے لئے ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت شرط ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ (الاعراف: 40) غیر مومن کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔ ولایت یہ ہے کہ بندہ مادی دنیا کے فرائض ادا کرتا ہو، بھرپور معاشرتی زندگی گزارتا ہو اور اس کا حال یہ ہو۔

یا قلب مدینے جا پہنچے یا دل میں مدینہ آ جائے

اور یہ حقیقت صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائی کہ دلوں کا قرار اور دلوں کا اطمینان کیا ہے؟

تزکیہ و تصوف کیا ہے؟

صرف وحی الٰہی نے بتایا کہ دلوں کا قرار اللہ کی یاد میں ہے۔

جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا اور فلسفیوں سے کھل نہ سکا

وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

وہ راز جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا وہ راز دل پر روشن ہو جائے اور دل کی نگاہ وہاں جا پہنچے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے تو یہ حاصل تصوف ہے۔ تصوف کی یہ ساری محنت ومجاہدہ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ کے لئے ہے۔ اطمینان قلبی کے لئے ہے اور سارے کا سارا تصوف یہی ہے کہ دل کو قرار آتا جائے، دل کو سکون آتا جائے۔ بندہ آگے سے آگے بڑھتا جائے تجلیات وانوارات بڑھتے جائیں اور بندے کے یقین میں اضافہ ہوتا جائے۔ یقین وایمان، عشق الٰہی کی طلب ہمیشہ بڑھتی رہتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ جیسے اولوالعزم رسول کی مثال اس بات کو سمجھنے کے لئے کافی ہے انہوں نے عرض کی، یا اللہ مجھے دکھا دے تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ پاک نے فرمایا۔ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ط کیا آپ کو یقین نہیں ہے۔ قَالَ بَلٰى، عرض کی بے شک یقین ہے۔ وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ط لیکن دل چاہتا ہے کہ دیکھوں اور دل مزید قرار پکڑے۔ اللہ پاک نے فرمایا پھر ایسا کریں کہ چار پرندے لے لیں انہیں اپنے ساتھ مانوس کر لیں پھر جب وہ اچھی طرح مانوس ہو جائیں تو انہیں ذبح کر کے ان کا گوشت پوست سب ملا جلا کر اس گوشت کو دور دور پہاڑوں پر پھینک دیں۔ ثُمَّ ادْعُهُنَّ پھر ایک ایک کو بلاؤ۔ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ط (البقرہ: 260) دیکھنا وہ آپ کی طرف بھاگتے ہوئے آ رہے ہوں گے۔ کہیں سے گوشت، کہیں سے پر، کہیں سے ہڈیاں سب آ کر

جڑتے جائیں گے اور پرندہ زندہ ہو جائے گا یہ ہے اطمینان قلبی کی ضرورت۔ اگر قلبی اطمینان میں ترقی اولوالعزم رسول کی طلب ہے وہ بھی اپنی شان کے مطابق اس میں زیادتی کے طالب ہیں تو اور کون ہے جو اس کا طالب نہیں ہوگا؟ تصوف کا حاصل بھی اطمینان قلبی کا حصول اور اس میں ترقی کا حصول ہے۔ اصحاب بدرؓ کو یہ کیفیت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے نزول کے سبب عطا کر دی اور بن مانگے کر دی۔ یہ اللہ کی عطا ہے نبی کریم ﷺ کی صحبت کی عظمت ہے۔ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾

اللہ کے سوا کوئی مدد نہیں کر سکتا:

رہی بات مدد کی تو وہ اللہ کے سوا کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ یہ بات کتنی سادہ ہے اور سمجھنے کے لئے کتنی آسان ہے کہ مدد کرنا اس کا کام ہے جو خود کسی کا محتاج نہ ہو۔ ایک محتاج دوسرے محتاج کی کیا مدد کرے گا؟ خانہ بدوشوں کی زندگی کو قریب سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ صرف مانگ کر گزارہ کرتے اور اگر کسی دن کوئی گداگر بیمار ہو جائے اور گدا کرنے نہ جا سکے تو شام کو وہ فاقے سے رہ لیتے ہیں، بھوک برداشت کر لیتے ہیں لیکن اپنے گداگر بھائی سے مانگنے نہیں جاتے۔ ان سے پوچھیں کہ کیوں نہیں مانگ کر بھوک مٹاتے تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ جو خود مانگ کر کھاتا ہے اس سے کیا مانگنا اور وہ کیوں دے گا۔ اس کا تو کام مانگنا ہے دینا نہیں اس لئے وہ اپنے جیسے بھکاری سے نہیں مانگتے۔

اتنی تمیز تو گداگروں میں بھی ہے تو پھر ہم کیوں در در مانگتے پھرتے ہیں، مدد صرف اللہ کر سکتا ہے باقی سارے خود ایک دوسرے کے محتاج ہیں ایک محتاج دوسرے کی مدد کیا کرے گا۔ انسان تو سارے ضروریات کے اسیر ہیں ہر ایک کی ضرورت دوسرے کے ساتھ وابستہ ہے۔ ایک امیر شخص بھی غریب کا محتاج ہے وہ غریب کا منتظر بیٹھا ہوتا ہے کہ وہ آئیگا تو اس کے کپڑے دھوئے گا، اس کے رکے ہوئے کام کرے گا۔ غریب اس موقعے کی تاک میں ہوتا ہے کہ خدمت سے اسے قابو کروں اور اس سے اپنے کام کروالوں، اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ضروریات اور مسائل کا حل کروالوں تو وَمَا النَّصْرُ، پھر مدد کیا ہے؟ کون کر سکتا ہے؟ کہاں سے مل سکتی ہے؟ اللہ کے سوا کہیں سے نہیں مل سکتی۔ صرف اللہ مدد کر سکتا ہے جو کسی کا محتاج نہیں جو صرف دیتا ہے اسے کسی سے کچھ نہیں لینا۔ صرف وہی دے سکتا ہے جس کے اپنے خزانے ہیں اسے کسی سے مشورہ نہیں کرنا، کسی سے اجازت نہیں لینی۔ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے وہ واحد و لاشریک ہے، صرف وہی ہے جو مدد کر سکتا ہے وہ غالب ہے، عزیز ہے، حکیم ہے، دانا تر ہے۔

یوم بدر کا ثمرہ:

یوم بدر، یوم فرقان کا ثمرہ ہے کہ کفر ہمیشہ کے لئے نابود ہوگیا۔ قیامت تک کوئی مسلمان کفر کو قبول نہیں کرسکتا۔ یوم بدر اللہ نے مومنین کی مدد فرمائی۔ لِیَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا کہ وہ کافروں کو ایک ایک گروہ کر کے نابود کردے۔ کفار کے بدلہ میں قتل ہوجانا یہ نابود ہونا نہیں ہے۔ نابود کی حقیقت یہ ہے کہ بدر سے لے کر آج تک کفر مسلمان کے لئے قابل قبول نہیں رہا۔ مسلمان دھوکہ کھا سکتا ہے، جاہل ہوسکتا ہے، جعلساز پیروں دھوکہ باز مولویوں کے ہاتھوں دھوکہ کھا کر شرکیہ امور اپنالیتا ہے اور نہیں جانتا کہ ایسا کرنا کفر ہے لیکن جب اسے بتادیا جائے کہ یہ کفر ہے تو فوراً پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ گناہگار مسلمان کتنے ہی گناہ کر چکا ہو اسے کفر اور شرک کی تمیز نہ ہو لیکن جیسے ہی اسے بتادیا جائے کہ یہ جو کچھ کر رہے ہو یہ کفر ہے تو وہ فوراً ہٹ جاتا ہے ایسے امور سے باز آجاتا ہے وہ ہرگز کفر نہیں کرنا چاہتا۔ یعنی کفر کو اللہ نے مومن کے لئے ایسا کردیا ہے، گویا ہمیشہ کیلئے مٹ گیا، ختم ہوگیا، مومن کے لئے ہمیشہ کے لئے ناقابل قبول ہوگیا۔ اَوْ یَکْبِتَھُمْ اور کفار ذلیل ہو گئے۔ معرکہ بدر تو تین سو تیرہ نے لڑا اور اربوں کھربوں کفار ہمیشہ کے لئے ذلیل ہوگئے۔ یہی ذلت ہے کہ خود کو سپر پاور کہلوانے والی قوم اپنے گھروں میں خاندانی اور اخلاقی اعتبار سے گھٹیا اور تہی دامن ہیں۔ بظاہر ترقی یافتہ، امیر اور مہذب نظر آتے ہیں اندر سے کتنے خالی، کتنے تنہا اور کس قدر ذلیل و رسوا اقدار کے مالک ہیں۔

آج ہمارے دلوں میں کفر سے بیزاری کا جو جذبہ ہے اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں۔ ہمارے پاس جو اسلام ہے اس کی قیمت چکائی ان تین سو تیرہ نے، اس لئے کہ وہ تین سو تیرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق سارے کا سارا اسلام تھے۔ ان کی پرخلوص قربانیوں نے رہتی دنیا تک کیلئے دائمی اثرات چھوڑے ہیں کہ انہی کی بدولت تا قیامت تک مسلمان کفر سے بیزار رہیں گے۔ ان کے خلوص اور ان کی قربانیوں کو قبول فرما کر اللہ نے کفر کو ہمیشہ کے لئے ذلیل کردیا ہے اور ہر جاہل و گناہگار کے دل میں ہمیشہ کے لئے کفر کی نفرت ڈال دی ہے۔ فَیَنْقَلِبُوْا خَآئِبِیْنَ ﴿۱۲۷﴾ ہمیشہ کے لئے ناکامی کفر کا مقدر بنادی گئی ہے۔ تب سے اب تک وہ ناکام ہے اور انشاء اللہ ناکام رہے گا۔ اس بات سے کوئی مغالطے میں نہ پڑے کہ کفار تو مسلمانوں کے درپے ہیں، ہر جگہ مسلمان کا خون پانی کی طرح بہا رہے ہیں اس لئے کہ بندے مارنا فتح کی نشانی نہیں، فتح کی نشانی یہ ہے کہ فاتح اپنا فلسفہ رائج کرلے تو کیا معرکہ بدر سے لے کر آج تک کفر کی بڑی سے بڑی طاقت ایسا کرنے میں کامیاب ہوسکی ہے؟ اور نہ کبھی آئندہ انشاء اللہ ایسا کرسکے گی۔ یوم فرقان حق و باطل

علیحدہ علیحدہ کر دیا گیا اور کفر ہمیشہ کے لئے خائب و خاسر ہو گیا۔ جہاں جہاں مسلمان ہوں گے وہاں کفر ذلیل ہو گا کوئی اسے اپنانا نہیں چاہے گا، شرط یہ ہے کہ مسلمان واقعی مسلمان ہوں!

اس وقت روئے زمین کے حالات و واقعات اور کافر طاقتوں کے بیانات سے ایسا لگتا ہے کہ غزوۃ الہند قریب آ رہا ہے۔ اپنی تو دعا یہی ہے کہ اللہ ہمیں ان لوگوں میں شامل فرمائے جو غزوۃ الہند کے سپاہی ہوں گے۔ ہماری جانیں قبول فرمائے لیکن اگر زندگی نے وفا نہ کی تو کم از کم ہمیں ان لوگوں میں شامل رکھے جو اس کے لئے خلوص دل سے تیار ہوں اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿١٢٨﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٩﴾ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کی سفارش، آپ کی شفاعت عظیم تر ہے لیکن ان لوگوں کے بارے میں آپ کچھ کلام نہ فرمائیے کہ انہوں نے صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے الگ ہونے کا فیصلہ ہی نہیں کیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کو مٹانے کا بھی فیصلہ کر لیا ہے۔ انہوں نے خود اپنے لئے شفاعت کے دروازے بند کر لئے ہیں۔ اب ان کا معاملہ میرے اور ان کے درمیان ہے میں چھوڑ دوں تو کوئی مجھے پوچھنے والا نہیں اور عذاب دوں تو کوئی مجھ پر اعتراض نہیں کر سکتا۔ اللہ کریم نے فرمایا۔ اس معاملے میں آپ ﷺ کو دخل نہیں ویسے بھی کائنات کا نظام اتنا وسیع اور اتنا باریک ہے کہ اسے بنانے والا ہی اسے جانتا ہے اس کی وسعتیں ناپیدا کنار ہیں کوئی کائنات کی انتہا کو اپنی عقل یا علم سے پا نہیں سکتا اور اس کے نظام میں اتنی باریکیاں ہیں کہ رب کائنات ہی اس باریک بینی سے اپنی قدرت کاملہ کے تحت اسے چلا رہا ہے۔ خود اس عالم آب و گل ہی کو دیکھ لیں کہ اس قدر وسیع و عریض جہاں زروں کے امتزاج سے بنا ہے۔ انہی ذرات کے ایک مقررہ اندازے سے ملنے سے مختلف اجسام بنتے ہیں کہیں چوپائے ہیں، کہیں پرندے، کہیں سمندر اور کہیں پہاڑ اور کہیں برف اور کہیں چشمے انہی پہاڑوں میں کہیں لاوا ابل رہا ہے اور کہیں میٹھے پانی کی ترسیل ہو رہی ہے۔

اپنی ذات کی طرف نگاہ کریں تو ہماری غذا بھی ذرات ہی کا مجموعہ ہے اور ہمارا وجود بھی انہی ذرات سے ترتیب دیا گیا ہے تو یہ ذرات کہاں کہاں سے دنیا کے کن کن گوشوں اور کس کس روپ میں تبدیل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچتے ہیں، کبھی غذا کی صورت میں اور کبھی دوا کی صورت میں۔ کہیں یہ غلہ بنتے ہیں کہیں پھل کہیں گوشت اور کہیں دودھ پھر کہاں کہاں سے سفر کر کے اس شخص تک پہنچتے ہیں جس کے لئے اللہ نے وہ حصہ مقدر کر رکھا ہوا ہے اس کے حصے کے ذرات کسی دوسرے یا تیسرے جسم کو نہیں پہنچائے جاتے بلکہ مر کے انسان کی خاک اتنی منتشر نہیں ہوتی جتنا اس کے

پیدا ہونے سے پہلے اس کے وجود کے ذرات دنیا کے گوشوں تک بکھرے ہوئے ہیں۔ کہاں کہاں سے لاتا ہے؟ کس طرح پہنچاتا ہے؟ کس طرح تقسیم فرماتا ہے ایک ہی وجود میں بندے کا اپنا حصہ بھی ہے اور آنے والے انسانوں کا حصہ بھی محفوظ رکھا ہوا ہے۔ باپ کے صلب میں محفوظ رکھا ہے اور شکم مادر میں بھی ہر بچے کا اپنا حصہ ہے۔ ماں غذا اور دوا لے رہی ہے اس کے وجود کو کتنا حصہ ملے گا اور بچے کو کتنا تقسیم ہوگا اس کے حساب سے ماں کا حصہ ماں کو اور بچے کا حصہ بچے کو پہنچ جاتا ہے۔ پھر آئندہ پیدا ہونے والی اولاد کا حصہ اس بچے کو نہیں ملتا اور اس بچے کا حصہ آئندہ آنے والوں کو نہیں ملتا۔ اس کے علاوہ ہر ایک کام کا ایک وقت مقرر ہے اپنے طے شدہ وقت پر ہی بغیر کسی لمحے کی تاخیر کے عین وقت پر ہر ذرہ وجود اسی مقررہ وجود تک پہنچتا رہتا ہے۔ سو یہ طے شدہ وسیع اور باریک پروگرام ہے جسے رب کائنات خود اپنی قدرت کاملہ سے قائم رکھے ہوئے ہے اور اسے چلانا خالق کائنات کا ہی خاصہ ہے جس نے اس کو پیدا فرمایا ہے۔ اس میں فتح و شکست، زندگی اور موت، صحت و بیماری سب اس کے اپنے فیصلے ہیں اور اپنے فیصلوں میں وہ مطلقاً آزاد ہے۔

اس ساری تعمیر کے بعد اللہ نے انسان کو ایک اعزاز عطا فرمایا اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (الدھر:3) اسے صراط مستقیم کی ہدایت دی گئی، اسے سیدھا راستہ دکھا دیا گیا، راستہ اس کے لئے واضح کر دیا گیا اسے راستہ چن لینے کا اختیار دیا اور فیصلہ کرنے اور عمل کرنے کیلئے مہلت دی۔ دونوں راستے اچھی طرح واضح کر دیئے۔ اب اسے با اختیار بنا دیا ہے اتنا معزز کر دیا ہے کہ دونوں راستوں میں سے وہ کون سا راستہ منتخب کرتا ہے۔ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا شکر کا راستہ اختیار کرتا ہے یا ناشکری کا، اطاعت کا یا نافرمانی کا، ایمان کا یا کفر کا، یہ اس کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ کہاں جاتا ہے جب وہ اس اختیار کو استعمال کرتا ہے تو انتخاب کے مطابق اس کے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں بتایا جا رہا ہے کہ جن لوگوں نے اپنے اس اختیار کو اللہ کی عظمت، نبی کریم ﷺ کی صداقت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف استعمال کرنے کا فیصلہ کیا، جس نے آپ ﷺ کے پیغام کو روکنے کیلئے آپ ﷺ کی اطاعت سے روکنے کے لئے اپنی طاقت و قوت صرف کی وہ آپ ﷺ کے دامن عالی سے نہ صرف الگ ہوا بلکہ خلاف ہو گیا تو اس نے اللہ کے عطا کردہ اختیار کو استعمال کر کے اپنا فیصلہ کر لیا۔ اس کے پاس دونوں راستوں کو چننے کا اختیار تھا یا تو دامن رحمت مصطفیٰ ﷺ سے وابستہ ہو جاتا، اس کے اعمال میں پھر اگر کمی رہ جاتی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت کام آ جاتی یا اس سے کوئی کوتاہی ہو جاتی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کام آ جاتی اور دوسرا راستہ اس کے مخالف تھا۔

اس نے نہ صرف دامان رحمت کو چھوڑا بلکہ اپنی ساری طاقت مخالفت پہ لگا دی تو اب میرے حبیب ﷺ آپ مداخلت نہ کریں۔ اس کے حق میں آپ لب کشائی نہ فرمائیے۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ اس طرح تمام وسائل ہدایت مہیا کرنے کے بعد اللہ کریم نے انسان کو یہ اختیار دے کر اس کا فیصلہ اس کے اپنے ہاتھ میں دے دیا تو پھر ہم سے نماز نہیں پڑھی جاتی، مفادات کی خاطر حلال حرام کی تمیز نہیں رہتی تو یہی طرز عمل تو کافروں کا بھی ہے وہ بھی آخرت کو دیکھ کر جہنم کو دیکھ کر انجام بد کو دیکھ کر کہیں گے کہ ہمیں واپس دنیا میں بھیج پھر دیکھ ہم کس طرح تیری عبادت کرتے ہیں۔

ایمان والوں کے لئے یہی تو آزمائش ہے یہی ایمان بالغیب ہے۔ اس یقین کو زندہ رکھنا ہی سارا کام ہے ورنہ دنیا میں بھی کسی کو کسی پہاڑ کے کنارے کھڑا کر دیں جس کے ایک طرف بیس فٹ کا گڑھا ہو تو وہ شخص اپنی ساری توانائی لگا دے گا کہ وہ گڑھے میں گرنے سے بچے اور اس طرف چلا جائے جو جگہ ہموار ہو میدان ہو کوئی اسے دھکا دے کر بھی گرانے کی کوشش کرے تو وہ خود کو گرانے سے بچانے کے لئے پوری کوشش کرے گا کیونکہ اسے گڑھے کے ہونے کا یقین ہے۔ اسے یقین ہے کہ گرنے سے ٹانگ ٹوٹ سکتی ہے، سر پھٹ سکتا ہے، وہ زخمی ہو سکتا ہے۔ اگر کسی کو یہ یقین حاصل ہو جائے کہ فرض سجدہ نہیں کروں گا تو جہنم میں گر جاؤں گا، حرام سے نہیں بچوں گا تو آگ میں گروں گا تو پھر وہ درست فیصلے کیسے نہیں کرے گا۔

درست فیصلے کرنے کیلئے یقین وایمان کی ضرورت ہے:

درست فیصلے کرنے کے لئے وظیفوں کی ضرورت نہیں، ضرورت یقین اور ایمان کی ہے جس قوت کا یقین ہو گا اسی قوت سے عمل ہو گا اور اس کا بہترین وظیفہ یہ ہے کہ اللہ کی کتاب پڑھیں۔ اللہ کریم سے خود بات کریں۔ قرآن ہر پڑھنے والے سے مخاطب ہوتا ہے دوسروں کے لئے نہیں اسے اپنے لئے پڑھیں۔ دیکھیں قرآن کیا بتا رہا ہے انسان کو اس کے اعزاز عطا کئے جانے کا احساس کروا رہا ہے۔ اسے بتاتا ہے کہ ساری کائنات میں تم معزز ہو کہ تمہیں اللہ نے با اختیار بنایا ہے، تم اپنے بارے میں فیصلہ کرنے میں با اختیار ہو۔ تم نظام کائنات چلانے میں بے اختیار ضرور ہو کہ یہ اللہ کی کائنات ہے اور وہ اپنے فیصلوں میں مطلقاً آزاد ہے لیکن اس نے تمہیں اپنے لئے راستہ اختیار کرنے کی اجازت دے رکھی ہے اور تمہارے فیصلے اتنے موثر ہوتے ہیں کہ دنیا کی زندگی سے آخرت کی ابدالآباد کی زندگی تک محیط ہے۔ پھر انسان درست فیصلے کیوں نہیں کرتا؟ جبکہ اسے بتا دیا گیا ہے کہ اس کے اپنے فیصلے ہی اس کا اعمال نامہ ہیں، اسکی وجہ کیا ہے؟ یقین میں کمی۔ اس کا

علاج کیا ہے؟ دل کو منا لو، دل کو غذا دو، دل زندہ ہو تو اپنے بھلے برے کو پہچانتا ہے۔ اس ادراک وشعور پر درست فیصلے کرتا ہے اور اگر دل زندہ نہ ہو، دل ہوش میں نہ ہو، دل نہ مانے تو پھر یہ فیصلہ کرتا ہے کہ مجھ سے عبادت نہیں ہوتی، مجھ سے اطاعت الٰہی نہیں ہوتی۔ یہ فیصلہ کرنے والا انسان اس وقت بھول جاتا ہے کہ یہ ''نہیں'' کہنا کہاں تک اثرات پہنچائے گا۔ یہ عبادت کس کی ہے؟ کس نے کرنے کا حکم دیا ہے کس کی بارگاہ میں وہ یہ کہہ رہا ہے کہ تم نے تو مجھے یہ کرنے کو کہا لیکن مجھ سے یہ کام نہیں ہوگا۔ اس طرح اپنا تجزیہ کرے تو بندے کو احساس ہوتا ہے کہ یہ کتنی بڑی بات کہی جا رہی ہے۔

انسانی فیصلے کی اہمیت:

رہا اللہ کریم کا معاملہ تو وہ کسی پر کرم کردے توبہ کی توفیق عطا کردے یا عذاب دے وہ اپنے فیصلے میں آزاد ہے لیکن یہ ایسے لوگ ہیں کہ فَإِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ انہوں نے ظلم کی حد کر دی اور جہاں تک اللہ کی عظمت کا تعلق ہے۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۔ آسمانوں اور زمینوں کی کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی ذاتی ملکیت ہے کسی کو حق حاصل نہیں کہ یہ سوال کرے کہ یہ درخت کیوں کھڑا ہے؟ اور دوسرا جل کیوں گیا؟ یہ بیج کیوں اگا اور وہ کیوں نہیں؟۔ یہاں بارش کیوں برسی؟ اور وہاں کیوں نہیں برسی؟ آج دھوپ تیز کیوں ہے اور کل کیوں نہیں تھی؟ یہ اس کا اپنا نظام ہے اور وہ خود مالک ہے اور واحد مالک ہے اس کے اپنے فیصلے ہیں۔ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ان فیصلوں میں سے اس نے انسان پر بڑا کرم فرمادیا کہ اسے اتنے بڑے فیصلے کا اختیار دے دیا کہ وہ اپنے لئے کیا منتخب کرتا ہے؟ غضب الٰہی کو دعوت دیتا ہے یا رحمت الٰہی کا طالب ہے۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ اللہ معاف کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے، اس کی رحمت وبخشش اپنی مخلوق کو عذاب دے کر راضی نہیں ہوتی اس کی رضا یہ ہے کہ بندہ عذاب سے بچ جائے لیکن وہ بندہ کتنا بدبخت ہے جو اتنے رحیم وکریم رب کی بارگاہ سے عذاب خریدے۔ وہ ذات کہ جس کی رحمت میں اس کا کوئی ثانی نہیں اس کی مغفرت کی کوئی انتہا نہیں، اس کریم کی بارگاہ سے اپنے لئے سزا حاصل کرنے والا کتنا بدبخت ہے اور اس نے اپنے لئے کتنا برا فیصلہ کیا ہے کہ مجھے تیرے کرم کی ضرورت نہیں، میں عذاب ہی میں رہوں گا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے دینی پیشوا ہمیں دنیا ہی میں اتنا حقیقت پسند بننے میں مدد دیں جتنی حقیقت قرآن کھول کر بتاتا ہے، لیکن آج ہمارے رہنما ہمیں اس کام کے لئے وظیفے بتاتے ہیں۔ ٹی وی پر ایک مولانا دو نفل پڑھنے کا طریقہ بتا رہے تھے کہ اس خاص ترتیب سے سورتیں پڑھی جائیں تو حضور ﷺ کی

زیارت نصیب ہوتی ہے، ہوتی ہوگی۔ لیکن یہ کیسے ممکن ہے کہ بندہ حرام کھاتا ہو، چوری کرتا ہو، بے دین ہو، بدکاری کرے، اطاعت پیغمبر ﷺ سے محروم ہو تو صرف دو نفلوں سے اسے زیارت نصیب ہو جائے۔ ان مولانا سے کوئی پوچھے کہ لوگوں کو حقیقت پسند کیوں نہیں بناتے، جیسا قرآن بتاتا ہے ویسا کیوں نہیں بتاتے؟ یہ کیوں نہیں بتاتے کہ اللہ کریم اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتے ہیں کہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں آپ ﷺ کی نافرمانی کرتے ہیں یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں یا آپ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں تو دراصل یہ خود کو تباہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو آپ ﷺ سے کلی طور پر محروم کر لیا ہے۔ فَإِنَّهُمْ ظَٰلِمُونَ انہوں نے اپنے لئے سارے دروازے بند کر دیئے لہٰذا آپ ﷺ ان لوگوں کے فیصلے میں کوئی دخل نہ دیں، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات کا نہ صرف انکار کیا بلکہ مخالفت کی حد کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو ایذا پہنچائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین کو نقصان پہنچانے کی بھرپور کوشش کی اب یہ آپ کی سفارش کے مستحق نہیں رہے یہ ان کا اپنا فیصلہ ہے۔ یہ مصیبت ان پر اللہ نے نہیں ڈالی اللہ کریم نے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں اپنی نعمت رحمۃ اللعالمینی سب کے لئے عام کر دی لیکن انہوں نے جو فیصلہ کیا اور جس راستے کو اختیار کیا اس کے نتیجے میں انہوں نے اپنے حق میں بات کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی اور رہا معاملہ میرا اور میرے بندوں کا تو أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ میں چھوڑ دوں تو کوئی مجھے پوچھنے والا نہیں، عذاب دوں تو کوئی مجھ پر اعتراض نہیں کر سکتا۔ اللہ اپنے فیصلے کرنے میں مطلقاً آزاد ہے کوئی فیصلہ اس پر لازم نہیں کیا جا سکتا اور اسی رب رحیم نے انسان کو اپنے لئے فیصلہ کرنے کا حق دے دیا ہے، اجازت دی ہے، مہلت دی ہے، درست فیصلہ کرنے کے لئے ہدایت کے سارے اسباب بنائے ہیں، ہر بندہ اپنے لئے خود فیصلہ کرتا ہے جب وہ فیصلہ کر لیتا ہے تو اللہ کریم اس پر عمل درآمد کا حکم دے دیتے ہیں۔

یہ آیت اس واقعے کے ساتھ مربوط ہے جب میدان اُحد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہوئے* وجود اقدس لہولہان ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے بے ساختہ نکلا کہ اس قوم کا بھلا کیسے ہوگا جس نے اپنے نبیؐ کو ایسی تکلیف سے دوچار کیا۔ یہ اس قوم کا اتنا بڑا جرم تھا۔ یہ آیت نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے حق میں کوئی فیصلہ نہ سنایئے نہ آپ سفارش کیجئے نہ سزا تجویز فرمایئے، اپنے لب ہائے مبارک اس معاملے میں مت کھولئے۔ اب یہ ان کا اور میرا معاملہ ہے

آپ ﷺ اس معاملے میں سکوت فرمائیے۔ اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کے اپنے فیصلے کتنے موثر ہوتے ہیں۔ جب آنکھ بند ہوگی اور پردے ہٹیں گے تو پتہ چلے گا کہ دنیا میں جو فیصلے کئے تھے ان کے اثرات کتنی دور تک گئے اور کس شدت سے ہمیشہ رہنے والی زندگی کو متاثر کر گئے۔ میدان حشر میں بھی اللہ کریم بندے کے اپنے کئے ہوئے فیصلے اس کے سامنے رکھ دے گا۔ بندے کے اپنے فیصلے ہی اس کا اعمال نامہ ہیں، کہا جائے گا۔ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا بنی اسرائیل 14: پڑھ لو اپنے کئے ہوئے فیصلے اور آج تم ہی اپنے بہترین جج ہو اپنا فیصلہ خود ہی کر لو۔

دنیا میں ہر آن ہم دو میں سے ایک کا انتخاب کرتے ہیں، یہ کرنا ہے یہ نہیں کرنا یہی سب کچھ لکھا جا رہا ہے۔ کمانے کے وقت ناجائز مال مل رہا ہے تو فیصلہ تو ہمارے پاس ہے لینا ہے یا نہیں۔ عبادت کا وقت ہے۔ ہم پر فرض ہے ادا کرنی ہے یا نہیں یہ فیصلے ہمارے ہیں۔ دنیا میں ہمیں اختیار ملا، مہلت بھی ملی، شعور وادراک بھی ملا تو ہم درست فیصلے کیوں نہیں کرتے؟ ہمارے یقین میں کمی ہے۔ درست فیصلے کرنے کے لئے بندے کے اندر ایک یقین چاہئے کہ حرام سے بچنا میری اپنی ضرورت ہے۔ عبادت کرنا میرے لئے باعث راحت ہے۔ ایک اعتبار چاہئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو فرمایا ہے سچ فرمایا ہے۔ آخرت ہے، برزخ ہے، قبر کے سوال جواب اور حشر کی پرسش پر یقین چاہئے۔ اس بات پر یقین چاہئے کہ جزا سزا ہے، جنت ہے، جہنم ہے اور وہاں بھی انسان کے اپنے کئے گئے فیصلوں کے مطابق اس کا ٹھکانہ ہے۔

مجھے خط لکھے جاتے ہیں کہ مجھ سے نماز نہیں پڑھی جاتی کوئی علاج بتائیں، مجھ سے ذکر نہیں کیا جاتا کوئی علاج بتائیں، میں نے دونوں کو ایک ہی جواب دیا ہے کہ اس کا علاج نماز پڑھنا ہے، ذکر نہیں ہوتا تو ذکر کرنا ہی اس کا علاج ہے، یہ کام کسی دوسرے کے تعاون سے نہیں ہوتے یہ انسانی فیصلے پر منحصر ہوتے ہیں۔ مجھے آج تک کسی نے خط میں یہ نہیں لکھا کہ مجھ سے کھانا نہیں کھایا جاتا یا باقی ضرورتیں پوری نہیں کی جاتیں۔ بندہ زندگی کے سارے کام بھاگ دوڑ کر کرتا ہے اور ہر روز کرتا ہے صرف اللہ کی یاد، اللہ کا ذکر اور اللہ کا نام نہیں لیا جاتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کاموں کی ہمارے نزدیک اہمیت ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ کام نہیں کریں گے تو گذر بسر کیسے ہوگی کھائیں گے کہاں سے؟ اور نماز کی باری آئے تو جو اہمیت لقمہ رزق کی ہے اتنی اہمیت بھی اس کی ہمارے دل میں نہیں ہوتی۔ اس کے بغیر بھی گزارہ ہو جاتا ہے کام پر نہ جائیں تو تنخواہ کٹتی ہے۔ ضروریات زندگی متاثر ہوتی ہیں۔ نماز نہ پڑھنے سے کوئی جرمانہ نہیں ہوتا نہ تنخواہ کٹتی ہے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ پڑھ لی ٹھیک ہے نہ پڑھی خیر ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ ہمارے یقین کی رسائی اس تنخواہ تک ہے اس مزدوری

پر ہے جس پر ہمارا گزارہ ہے اگر ہمارے ذہن ودل کی رسائی آخرت تک ہو جائے تو پھر سمجھ آ جائے کہ ایک سجدہ چھوڑ دینا کتنا بڑا نقصان ہے۔ اس کا آخرت میں کتنا خسارہ ہوگا کتنا اجر کٹ جائیگا کتنا جرمانہ ہوگا اور جتنے سجدے رہ گئے ان کی وہاں کتنی ضرورت ہوگی۔ جہنم کے اوپر پل صراط ہے وہاں اعمال پورے نہ ہوئے اور توازن برقرار نہ رہا تو نیچے تو جہنم کی آگ ہے۔

سننے اور ماننے میں فاصلہ:

یہ سب کچھ ہم سنتے تو رہتے ہیں لیکن سننے اور ماننے میں بڑا فاصلہ ہے۔ اگر دل مان جائے تو چھوڑنے کو دل نہیں مانتا اور دل مان جائے تو اللہ کریم توفیق عمل بھی عطا کر دیتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ (العنکبوت:69) جولوگ میری رضا کو پانے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں ان کے لئے ایک نہیں کئی اسباب بنا دیتا ہوں، آسانیاں پیدا فرما دیتا ہوں، توفیق عطا کر دیتا ہوں۔ ایسے لوگوں کے پاس پہنچا دیتا ہوں جو اسے نیکی کے راستے پر چلنا سکھاتے ہیں۔ ان کی پرواہ مت کیجئے، ان کے بارے اپنے لب مبارک مت کھولئے یہ میں جانوں اور یہ جانیں۔

ہمارے دینی راہنما بجائے اس کے کہ اپنی عملی زندگی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر فرمان لانے کے لئے کہیں اس کے لئے محنت کریں اور کروائیں، یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس خاص ترتیب سے دو نفل پڑھ لو خواہ حرام کھاؤ خواہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین سے عملاً دور رہو تو اس طرح کرنا تو توہین ہے اور پھر وہ نفل پڑھیں گے ہی کیوں؟ نوافل کی باری تو تب آتی ہے جب فرائض پورے ہو جائیں۔ سب سے مقدم فرائض ہیں سنت کی باری فرائض کے بعد ہے، نفل کی باری سنت کے بعد ہے اور فرائض صرف نماز میں ہی نہیں ہیں زندگی کے سارے فرائض اتنے ہی اہم ہیں جتنے نماز کے فرائض۔ بندے کے فرائض میں رزق حلال کمانا، جائز ناجائز میں فرق کرنا، اطاعت اور عدم اطاعت میں فرق کر کے اطاعت پر قائم رہنا سب شامل ہے۔ سنن اور نوافل کی حیثیت یہ ہے کہ فرائض کی ادائیگی میں کوئی سستی رہ جائے خلوص میں کمی رہ جائے تو سنن اور نوافل اس کمی کو پورا کرتے ہیں، عمل میں کوتاہی کی مرمت کر دیتے ہیں، جیسے کوئی دیوار ہو اس میں کہیں کہیں مرمت کی ضرورت ہو تو بندہ زائد سیمنٹ مصالحہ لے کر اس کی مرمت کر دے اور اگر دیوار ہی نہ ہو اور زائد مصالحہ سیمنٹ لے کر بندہ گھومے کہ اس نے دیوار کی مرمت کرنا ہے تو فرض چھوڑ کر نفل پڑھنا بھی ایسے ہی ہے۔ فرض مقدم ہیں نفل زائد ہیں۔ زندگی کے سارے فرائض ہی مقدم ہیں اور ترک فرض کے بعد نفل کی کوئی حیثیت

باقی نہیں رہتی۔ یہ ایسے ہی ہے کہ کسی نے دس لاکھ کاروبار میں لگائے اسے ایک لاکھ منافع آ گیا تو کیا وہ اپنے اصل دس لاکھ کو ضائع کر دے گا کہ اب اسے لاکھ کا منافع ہو گیا ہے۔ اس طرح تو اسے ایک لاکھ کا منافع نہیں نو لاکھ کا نقصان ہو جائے گا۔ اصل قائم رہے اور زائد میں منافع ہو تو پھر منافع کہیں گے اور اگر اصل رقم ڈوب گئی اور ایک لاکھ جو منافع تھا وہ بچ رہا تو وہ نقصان کہلائے گا تو نوافل اور وظیفوں اور چلوں کی حیثیت منافع کی ہے اور فرائض کی حیثیت اصل کی ہے۔

زندگی کو حقیقت کے آئینے میں دیکھنے کی ضرورت ہے:

جیسا قرآن حکیم کا مطالبہ ہے جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھایا ہے کہ اپنے اختیار کو بندہ سوچ سمجھ کر استعمال کرے، اللہ کریم توفیق دے تو آدمی فیصلے لکھتے وقت سوچے، فیصلہ کرتے وقت سوچے کہ اس کا اطلاق اس کی اپنی ذات پر ہوگا اور یقیناً ہوگا۔ زندگی گزارتے ہوئے یہ خیال رکھے اور کوئی اتنی دور بھی نہ نکل جائے کہ اللہ اسے اطاعت پیغمبر سے محروم کر دے یہی سب سے بڑا خسارہ ہے کہ بندہ ایسے فیصلے کرے کہ جس پر شفاعت سے محروم ہو جائے اور یہ یقیناً بہت ہی بڑا خسارہ ہے۔

اللہ کی ذات کی عظمت اس کی بخشش اور اس کی رحمت کی وسعت کی کوئی حد نہیں لیکن جو شخص رحمت و بخشش کو چھوڑ دے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی چھوڑ دے، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع چھوٹ جائے تو جس سے رحمت الٰہی کا دامن چھوٹ گیا تو باقی کیا بچا! ہمیں زندگی کی حقیقتوں سے آشنا ہونا چاہیے، جسے ہم بے وقوف اور جاہل کہتے ہیں اسے بھی پتہ ہے زندہ رہنے کے لئے کھانا ہے پینا ہے، سونا ہے جاگنا ہے، اپنی بقاء کا ادراک تو اسے بھی ہے اور جسے ہم بہت پڑھا لکھا اور مدبر انسان سمجھتے ہیں ضروری نہیں کہ وہ اپنی اُخروی بقاء کے لئے درست فیصلے کرے۔ ایک مرتبہ ہم حضرتؒ کی خدمت میں بیٹھے تھے قاضی صاحب اللہ غریق رحمت کرے وہ بھی وہاں بیٹھے تھے اور کسی ساتھی نے حضرتؒ کے سامنے نہرو کی تعریف کی کہ وہ بڑا مدبر شخص تھا اس کے فیصلوں سے بڑی دنیا متاثر ہوئی، زبردست قابل آدمی تھا۔ قاضی صاحب نے پوچھا کس کی بات کر رہے ہو۔ ساتھی کہنے لگا، نہرو کی بات ہو رہی ہے ہندوستان کا وزیراعظم جو حال ہی میں مرا ہے۔ قاضی صاحب کہنے لگے تم کہتے ہو بڑا مدبر تھا، اگر مدبر ہوتا تو اسلام قبول نہ کر لیتا جو ساری زندگی حق و باطل کو نہیں سمجھ سکا وہ کیسا مدبر ہے! اگرچہ انہوں نے سادگی میں یہ بات کہی لیکن بات بڑی پتے کی کہی۔

دراصل بات صرف اتنی سی ہے کہ بندے کا اپنے مالک سے رشتہ کتنا کھرا ہے اپنے نبی ﷺ پر کتنا

اعتبار ہے ان کی غلامی میں کتنا پکا ہے۔ قاضی صاحب ایسے ہی یگانہ روز گار شخصیت تھے۔ طب کا بھی شوق تھا۔ ایک دن ایک مریض آیا قاضی صاحب نے نبض دیکھ کر نسخہ لکھا اور کہا یہ چیزیں ابال کر چھان کر پی لو۔ حضرتؒ بھی وہیں تھے اور حضرتؒ طب کے زیادہ ماہر تھے۔ وہ مریض چلا گیا تو حضرت فرمانے لگے کہ مریض کی میں نے نبض تو نہیں دیکھی لیکن اس کا چہرہ اور آنکھیں بتا رہی ہیں کہ اس کی بیماری کا سبب گرمی ہے اور قاضی صاحب نے جو نسخہ تجویز کیا ہے اس میں ساری دوائیں گرم ہیں۔ لیکن ہنستے ہوئے فرمانے لگے یہ اللہ کی شان ہے کہ مریض اسی نسخے سے ٹھیک ہو جائے گا۔ اللہ ان کے کہنے پر یہ اثر مرتب کردے گا لیکن طبی قوانین کے مطابق جسے پہلے گرمی ہو اسے یہ نسخہ دیا جائے تو اس کے لئے مہلک ہو سکتا ہے۔ فرمانے لگے اسی لئے میں نے مداخلت نہیں کی کہ شفا اور دوا میں تاثیر تو من جانب اللہ ہے اور قاضی صاحب اللہ پر بھروسہ کر کے نسخہ تجویز کر رہے ہیں۔

اسی طرح نور پور میں ایک شاہ صاحب ہوا کرتے تھے وہ اپنا دستخط کرتے تھے۔ ''شاہ اشرف خدا کی طرف۔ انا للہ وانا الیہ راجعون'' ایک مرتبہ سحری کا ذکر کر رہے تھے کہ ایک آدمی مریض کے لئے دوا لینے آ گیا۔ انہوں نے اندھیرے میں ہی ٹٹول کر دو تین پڑیاں بنا کر دیں کہ فی الحال یہ دو اور پھر دن چڑھے اس کا حال بتانا پھر اور دوا دوں۔ وہ دوا انہوں نے اپنی دانست میں کشتہ بیضہ سمجھ کر دی لیکن اس کے ساتھ ہی کورا چونا رکھا ہوا تھا اندھیرے میں پتہ نہ چل سکا تو کشتہ بیضہ کے بجائے چونے کی پڑیاں بن گئیں۔ بندہ تو دوا لے کر جا چکا تھا وہ دن چڑھے مطب میں بیٹھے تو دیکھ کر سخت پریشان ہوئے کہ کشتہ بیضہ کے بجائے چونا دے بیٹھے ہیں اور چونا بھی کورا ہے۔ گلے سے معدے تک بہت نقصان ہو چکا ہوگا۔ یونہی پریشان بیٹھے تھے کہ وہی بندہ آ گیا اور بتانے لگا کہ اس دوا سے بہت افاقہ ہوا ہے وہی دوا اور دے دیں، تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ شفا مالک کے ہاتھ میں ہے کسی بھی چیز میں تاثیر اسی کی طرف سے ہے ان سے تو غلطی ہوئی پر مالک نے اس سے شفا دے دی۔ اس سب کے پیچھے ایک ہی جذبہ کارفرما رہا وہ ان کا اللہ پر یقین، اس کے ساتھ ان کا خلوص، عظمت رسالت پر یقین اور اس میں ان کا خلوص تھا۔ ان کے اس خلوص نے چیزوں کے اثرات تبدیل کر دیئے۔

قاضی صاحب کا ہی ایک اور واقعہ ہے ہم حضرتؒ کیساتھ کسی ساتھی کے گھر بیٹھے تھے۔ باتوں باتوں میں اس نے حضرتؒ سے اپنی بھینس کی شکایت کی کہ بڑا پریشان کرتی ہے کبھی دودھ دیتی ہے اور کبھی نہیں۔ قاضی صاحب نے جا کر دم کر دیا اور واپس حضرتؒ کی خدمت میں بیٹھ گئے۔ حضرتؒ نے پوچھا کیا دم کیا ہے۔ کہنے لگے حضرت میں نے کیا دم کرنا تھا میں نے اس کے کان میں کہا ہے کہ جس کا مال کھاتی ہو اسے ہی دودھ

نہیں دیتی ہو توکل اللہ کو کیا جواب دوگی؟ اب اس آدمی کے اعتماد علی اللہ اور آخرت پر یقین کا اندازہ کریں کہ ایک جانور کے کان میں بھی آخرت کی بات کر رہا ہے جس کا ذاتی یقین ایسا ہو کہ وہ جانور کو بھی آخرت کی جوابدہی کا احساس دلا دے اس کی اپنی عملی زندگی میں اس پر کتنا عملدرآمد ہو رہا ہوگا۔ اس اعتماد کو حاصل کرنے کے لئے کیا کسی چلہ لگانے کی ضرورت ہے یا وظیفہ پڑھنے کی؟ یہ یقین قرآن حکیم سے دل میں اترتا ہے۔ ارشادات نبویؐ سے دل میں پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے لئے دل زندہ چاہئے۔ دل کی زندگی صحبت اولیاء سے حاصل ہوتی ہے۔ دل زندہ ہو کر قرآن حکیم سے سنورتا ہے۔ ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اثر لیتا ہے اور اپنی زندگی میں مثبت تبدیلی لاتا ہے اور اگر یہی یقین ہی نصیب نہ ہو تو بندہ الٹ فیصلے کرتا ہے اور سب سے زیادہ بدنصیب ہی وہ ہے جو اپنے حق میں حضور ﷺ کی شفاعت کا دروازہ ہی بند کر دے اس کے بعد بچتا ہی کیا ہے؟

علماء نے گناہوں کو صغیرہ اور کبیرہ میں تقسیم کر دیا ہے لیکن اس نظر سے دیکھا جائے کہ حکم عدولی کس ذات کی ہے تو ہر صغیرہ گناہ بھی بڑا جرم بن جاتا ہے۔ کام خواہ چھوٹا ہی ہو لیکن کہنے والا اگر بڑا آدمی ہو تو حکم عدولی کا جرم کہنے والے کی حیثیت کے مطابق ہوگا۔ اگر ملک کا سربراہ کمرے میں موجود لوگوں سے کہہ دے کہ کھڑے ہو جاؤ تو یہ ایک معمولی کام ہے لیکن جو بیٹھا رہے تو وہ کس کا مجرم ہے؟ ملک کے سربراہ کا۔ پھر اس بیٹھنے پر کیا وہ بچ جائے گا؟ صغیرہ گناہوں کو بھی اس نظر سے دیکھنا چاہیے۔

بہر حال اپنے آپ کو اللہ کی رحمت سے محروم کرنے والے فیصلوں سے بچانا چاہئے۔ اس بات کا ادراک ہونا چاہئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کے سوا کوئی چارہ نہیں ہر شخص اس کے لئے بھرپور کوشش کرے۔ کس سے کتنا عمل ہوتا ہے اور کس خلوص سے ہوتا ہے یہ الگ بات ہے لیکن یہ تو نہ کہے کہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ اللہ کریم معاف فرمائے، ہمارے گناہوں سے درگزر فرمائے اور توفیق عبادت ارزاں فرمائے۔ ایمان کے ساتھ زندہ رکھے، ایمان پر موت دے اور مومنین کیساتھ حشر فرمائے۔ آمین

سورۃ آل عمران رکوع 14 آیات 130 تا 143

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوۤا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ
وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ
عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي
السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ
فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۫ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى
مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا
تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ
قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ
النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا
يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ

حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ
وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٢﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ
فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿١٤٣﴾

اے ایمان والو! دگنا اور چوگنا سود مت کھاؤ اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم کامیابی حاصل
کر سکو ﴿۱۳۰﴾ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ﴿۱۳۱﴾
اور اللہ کی اطاعت کرو اور (اس کے) رسول کی تا کہ تم پر رحم کیا جائے ﴿۱۳۲﴾ اور
اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور جنت کی طرف تیزی سے بڑھو جس کی چوڑائی
آسمانوں اور زمین کے برابر ہے (جو) پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی
ہے ﴿۱۳۳﴾ جو لوگ خوشی کے حال میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور تنگی
میں (بھی) اور غصے کو ضبط کرتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور اللہ احسان
کرنے والوں سے پیار کرتے ہیں ﴿۱۳۴﴾ اور وہ لوگ کہ جب ان سے کوئی بے
حیائی کا کام ہو جائے یا اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھیں تو وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں پس اپنے
گناہوں کی بخشش طلب کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخش سکتا ہے اور جو
(غلطی) وہ کر چکے ہیں اسے جان بوجھ کر دہراتے نہیں ﴿۱۳۵﴾ ان ہی کا بدلہ ان
کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہے اور باغاتِ جنت جس کے تابع نہریں بہتی ہیں
ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے ﴿۱۳۶﴾ بے
شک تم سے پہلے (بھی) بہت سے واقعات گزر چکے ہیں سو زمین میں چلو پھرو پس
دیکھو تکذیب کرنے والوں کا انجام کیا ہوا ﴿۱۳۷﴾ یہ بیان (کافی) ہے لوگوں
کے لئے اور ہدایت ہے اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے نصیحت ہے ﴿۱۳۸﴾
اور سستی نہ کرو اور (کسی طرح کا) غم نہ کرو اور تم ہی کامیاب ہو گے اگر تم مومن
(صادق) ہو ﴿۱۳۹﴾ اگر تم کو کچھ زخم (صدمہ) لگا تو بے شک اس قوم کو بھی ایسا
ہی زخم (صدمہ) لگ چکا ہے اور ہم یہ دن لوگوں میں پھیرتے ہیں اور تا کہ اللہ
ایمان والوں کو متمیز کر دیں (جان لیں) اور تم میں سے (بعض کو) گواہ (شہید)

بنائیں اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتے ﴿۱۴۰﴾ اور تا کہ اللہ ایمان والوں کو
خالص کردیں اور کافروں کو مٹا دیں ﴿۱۴۱﴾ کیا تمہارا خیال ہے کہ تم جنت
میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو
(بظاہر) جانا ہی نہیں اور نہ صبر کرنے والوں کو جانا ﴿۱۴۲﴾ اور یقینا تم موت
(شہادت) کی آرزو کیا کرتے تھے اس کے آنے سے پہلے پس یقینا تم نے اس کو
کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا ﴿۱۴۳﴾

خلاصہ تفسیر و معارف

اسلام کا معاشی نظام:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا قومی زندگی اس کے عروج اور ترقی کا مدار اس قوم کی معاشیات پر ہوتا ہے۔ اسلام نے عبادات سے زیادہ تاکید معاشیات پر فرمائی ہے اور حضور اکرم ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ جلوہ افروز ہوئے تو سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاشی نظام کی بنیاد رکھی۔ اس کی ابتدا مہاجرین اور انصار کی مواخات سے ہوئی۔ یہ مواخات صرف اخلاقی نہیں تھی بلکہ معاشی معاملات میں تعاون پر تھی۔ مہاجرین وانصار میں اخوت و بھائی چارہ اس طرح سے کرایا گیا کہ ہر مہاجر کو کسی انصاری کا بھائی بنا دیا۔ انصار نے جو قربانی دی وہ بے مثال تھی۔ انہوں نے صرف زبانی بھائی نہیں بنایا بلکہ جس کا بھائی بنا اس کے پاس جو گھر، زمین، جائیداد یا مال تھا ان سب میں اپنے مواخاتی بھائی کو حصہ دار بنا دیا۔ یوں مہاجرین جو اپنے عالیشان گھر جاگیریں اور مال اللہ کی راہ میں چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر آئے تھے وہ انصار کے ایثار کے باعث کسی کے دست نگر نہ بنے بلکہ اپنی روزی خود پیدا کرنے کے قابل ہوئے اور یوں ریاست مدینہ کی معاشی بنیاد رکھی گئی۔ یہ دیکھ کر ابن ابی نے مکہ مکرمہ جا کر مشرکین و کفار کو اطلاع پہنچائی کہ تم تو مسلمانوں کو مکہ مکرمہ سے نکال کر بے خبر ہو گئے ہو کہ بات ختم ہو گئی لیکن وہ بات تو بگڑنے کے بجائے زیادہ بن رہی ہے وہ اور مضبوط ہو گئے ہیں۔ انہوں نے وہاں واقعتاً معاشی نظام کی بنیاد رکھ دی ہے وہ تو ایک الگ ریاست اور قوت بن جائیں گے۔ اس پر مکہ مکرمہ میں اس طرح چندہ کیا گیا کہ کسی یتیم بچی کے کان میں اگر بالیاں رہ گئی تھیں تو وہ بھی اتار لی گئیں اور مکہ کی دولت ایک جگہ جمع کر کے ایک تجارتی قافلہ بھیجا گیا جس کا مقصد یہ تھا کہ اس سے جتنا منافع آئے گا اس سے جنگ کی تیاری کر کے مسلمانوں کا اور اسلام کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ اس قافلے

کو روکنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑھے۔ مشرکین مکہ اسے بچانے کے لئے مقابل آئے یوں قدرت باری نے مسلمانوں کا مقابلہ مشرکین سے کروادیا، حق و باطل کو آمنے سامنے کردیا جس کے نتیجے میں غزوہ بدر ظہور پذیر ہوا۔ قبل اسلام معیشت کی بنیاد سود پر تھی، بات بات پر چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے بھی سود لیا جاتا تھا۔ سودی نظام ہی ایسا ہے کہ جو غریب اور مجبور ہو وہ اپنی ضرورت کیلئے سرمایہ لے بیٹھتا ہے واپسی مشکل ہو جاتی ہے۔ سرمایہ ادھار لے کر کام شروع کرتا ہے، کاروبار سے اتنا منافع آنے میں وقت لگتا ہے کہ اس نے جو ادھار لیا ہے وہ واپس کرے اور ضروریات بھی پوری کرے لیکن جو کماتا ہے اس سے بمشکل سود ہی ادا کر پاتا ہے یوں ساری عمر ادھار پر سود دینے میں ہی گزر جاتی ہے اور ساری عمر اسی میں پستا رہتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو شخص پہلے سے مالی طور پر کمزور تھا اس نے قرض لیا۔ جس کے پاس ضرورت سے زائد دولت تھی اس نے قرض دیا تو جس کے پاس زائد دولت ہے اسی کے پاس سرمایہ کھچا چلا آرہا ہے اور جس کے پاس پہلے ہی کم تھا وہ محنت کے باوجود کمزور سے کمزور تر ہوتا جاتا ہے۔ یہ ایک بنیادی خرابی تھی اور روئے زمین کے سارے معاشرے کی جڑوں میں دھنسی ہوئی تھی۔ شراب اور سود ان کی گھٹی میں رچے ہوئے تھے، پانی کی جگہ شراب پی جاتی تھی بچے کی پہلی غذا شراب تھی۔ اسی کو مولانا حالی نے کہا ہے کہ شراب ان کی گھٹی میں تھی اور سود ان کا سب سے آسان ذریعہ معاش تھا۔

معاشرے کو ظلم و جبر سے آزاد کرانے والے دو بنیادی اور انقلابی اقدام:

حرمت شراب اور حرمت سود یہ ایسے بنیادی اور انقلابی کام تھے کہ معاشرہ جبر و ظلم سے آزاد ہوا۔ اسلام نے سود چھوڑنا شرط ایمان ٹھہرادیا۔ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا فرمایا، اے وہ لوگو! جنہیں ایمان نصیب ہوا ہے سود مت کھاؤ۔ یعنی سود ایمان کے مقابلے میں آ گیا کہ ایمان ہے تو سود مت کھاؤ۔ ہر جرم پر ایسی عبرتناک سزا رکھی ہے تاکہ معاشرے میں امن قائم رہ سکے جیسے بدکاری کی سزا رجم ہے کہ پتھروں سے مار مار کر ختم کیا جائے اور باعث عبرت بنانے کے لئے سرعام سزا دی جائے۔ سود کی سزا اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ فرمایا۔ اگر کوئی سود سے باز نہیں آتا تو فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ البقرہ 279 اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کے لئے تیار رہ ہے۔ کسی اور جرم پر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ نہیں فرمایا۔ سود پر اعلان جنگ فرمادیا گیا لیکن آج بھی مسلمان بڑی سادگی سے اپنی مجبوریاں بتا کر فتوے لیتے ہیں حالانکہ سود ہمیشہ مجبوری میں ہی لیا جاتا ہے شوق سے تو کوئی سود پر ادھار نہیں لیتا۔ حرام کاموں کو اختیار کرنے میں یہ دو بہانے بڑے عجیب اور بڑے عام ہیں۔ ایک بندہ بیوی کو طلاق دے دیتا ہے پھر کہتا ہے جی میں نے غصے میں دی۔ طلاق نتیجہ ہی غصے کا ہے۔ آدمی خوش ہو کر تو کسی کو طلاق نہیں دیتا۔ جب طلاق دے دی تو طلاق ہو گئی، بات ختم۔ اسی طرح

سود کے لئے بھی بہانہ تراشا جاتا ہے کہ مجبور ہوں، مجبوری ہی سود کی اصل ہے اسی سے منع کیا گیا ہے کہ دوسرے کی مجبوری سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ پھر بڑی سادگی سے مجھ سے بھی پوچھتے ہیں کہ جی میں بڑا مجبور ہوں گویا میری اجازت چاہتے ہیں۔ میں کون ہوتا ہوں سود کی اجازت دینے والا۔ اللہ اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ایسے کام کرنے والوں سے اعلان جنگ فرما رہے ہوں اور مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔ حرام ہی کھانا ہے تو خود فیصلہ کرو دوسرے کے کندھے پر بندوق رکھ کر کیوں کھاتے ہو لیکن ایسے فتوے بک بھی رہے ہیں اور خریدے بھی جا رہے ہیں۔

اسلامی معاشی نظام کی برکات:

اسلام نے قبول اسلام کے بعد عقائد کی اصلاح کے بعد جو کام کیا وہ معاشی نظام کا نفاذ تھا۔ معاشی نظام کی بنیاد اس بات پر رکھی کہ سود ختم کرنا ہوگا۔ سود ختم کرنے سے معیشت میں کیا فرق پڑے گا۔ جو لوگ زائد سرمائے کو سود پر دے کر سود لے کر کھاتے تھے انہیں سود ملنا بند ہو جائے گا تو پھر وہ اپنا زائد سرمایہ مارکیٹ میں لائیں گے۔ خرید وفروخت کریں گے تجارت کریں گے یا کارخانہ لگائیں گے۔ انہیں یہ پتہ ہوگا کہ سود تو ملنا نہیں اور رقم پڑی پڑی خرچ ہو کر ختم ہو جائے گی لہٰذا اب اس رقم کو ایسی جگہ لگایا جائے جہاں سے آمدن ہو۔ یوں کسی کاروبار کو یا کارخانہ کو چلانے کے لئے یا تجارت کے لئے کارکن چاہیئے ہونگے۔ مزدور اور ملازم رکھنا ہوں گے۔ اس طرح دولت کے ثمرات معاشرے میں تقسیم ہوں گے جن لوگوں کے پاس سرے سے سرمایہ ہے ہی نہیں ان کے لئے ملازمت کے مواقع پیدا ہوں گے۔ کوئی ملازمت کرے گا کوئی مزدوری، کوئی چیز بیچے گا کوئی خریدے گا تو سرمایہ لوگوں تک منتقل ہوگا۔ اسلامی معیشت کا اصول ہی یہی ہے کہ سرمایہ صرف امراء کے پاس ہی مرتکز نہ ہو جائے بلکہ معاشرے میں گردش کرتا رہے کیونکہ دولت کا ارتکاز معاشرے کی موت کا سبب بن جاتا ہے اور معاشرے جب مرتے ہیں تو اخلاقیات کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ حدود وقیود۔ عزت نفس وآبرو یہ الفاظ اڑ جاتے ہیں پھر پیسوں کے لئے لوگ آبرو بیچتے ہیں۔ چوری، ڈاکے اور ظلم سے دولت حاصل کرتے ہیں پھر بات بڑھ کر قتل وغارت گری تک جا پہنچتی ہے یوں پورا معاشرہ بربادی کا شکار ہو جاتا ہے جسے آج کل کی زبان میں دہشت گردی کہا جا رہا ہے اور جسے گولیوں سے روکنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ بندوق کی گولی سے نہیں رکے گی اس کا روکنا آج بھی معاشی انصاف کی فراہمی پر منحصر ہے۔ کوئی شخص بھی جسے اس کا معاشی حق ملے گا، روزگار ملے گا، بچوں کے لئے باعزت رزق فراہم ہوگا وہ جرم کرنے نہیں جائے گا اور کسی کا اتنا ہی مسخ شدہ مزاج ہے کہ ہر چیز کے ہوتے ہوئے جرم کرے گا اس کے لئے عدل ہے وہ عدالت سے سزا پائے گا اور دوسروں کے لئے باعث عبرت ہوگا۔

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ سے کیا مراد ہے؟

اسلامی معاشی نظام میں سود یکسر حرام ہے۔ صرف حرام ہی نہیں بلکہ یہ سود لینے والوں کو اللہ سے جنگ کی وعید سناتا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اعلان جنگ سے کیا مراد ہے؟ کیا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے پتھر پھینکے جاتے ہیں، تلوار چلائی جاتی ہے یا گولیاں برسائی جاتی ہیں؟ نہیں بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ یہ ہے کہ انسان سے انسانیت ختم ہو جاتی ہے۔ ظاہری جسمانی موت واقع نہیں ہوتی جسم چلتا پھرتا رہتا ہے اور روح مر جاتی ہے۔ زندہ انسان کا جسم ہی اس کی روح کی قبر بن جاتا ہے۔ قبر میں جانے سے قبل ان کے بدن ان کی روحوں کی قبر بن جاتے ہیں پھر اس میں ایمان نہیں رہتا، اخلاقیات نہیں رہتے، رحم کا جذبہ نہیں رہتا، انسان انسان نہیں رہتا، اژدھا بن جاتا ہے، درندہ بن جاتا ہے، وحشی بن جاتا ہے جس سے کسی بھی جرم کی توقع کی جا سکتی ہے۔ جو کچھ آج ہمارے اردگرد ہو رہا ہے اور جس میں ہم قومی طور پر مبتلا ہیں۔ ان جرائم کی بنیاد ہی یہ ہے کہ انسانی معاشرے نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا ہے۔ اس میں شکست کھا رہے ہیں، ارواح مر رہی ہیں، اخلاقیات مر رہے ہیں، ایمان مر رہا ہے، یقین مر رہا ہے اور بندہ بظاہر دنیاوی حیات جی رہا ہے لیکن جیتا جاگتا درندہ ہے جو انسانی خون بہا رہا ہے۔

طاقت اللہ کی امانت ہے جو بندوں کو انصاف کرنے عدل قائم رکھنے کے لئے دی جاتی ہے لیکن آج دیکھا جا سکتا ہے کہ جس حکومت جس قوم کے پاس جتنی طاقت ہے وہ اتنی ہی خون ریزی کر رہا ہے کیوں؟ اس کے اندر کا انسان مر چکا ہے۔ جو خبریں میں اور آپ سنتے ہیں اور لرز اٹھتے ہیں حقیقتاً خونریزی اس سے زیادہ ہو رہی ہے اور جو کروا رہے ہیں وہ یہ سب جانتے ہیں تو پھر ہزاروں لوگوں کو بے گناہ مروا کر انسانوں کا خون کر کے وہ مزے سے کھاتے ہیں، سوتے ہیں اور خوش رہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے ان سے انسانیت نفی ہو گئی ہے، وہ جنگ ہار گئے ہیں ان کے اندر کا انسان قتل ہو گیا ہے جو جنگ انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چھیڑی ہے اس میں ان کے اندر کا انسان قتل ہو گیا ہے اب یہ محض درندے رہ گئے ہیں اور درندہ تو خون پی کر سیراب ہوتا ہے، پھر مزے سے سوتا ہے اسے آرام سے نیند آتی ہے۔ یہی حال سود خوروں کا ہو گیا ہے۔

اسلام نے اسی لئے سود کو حرام قرار دیا ہے کہ یہ رقم دوگنی چوگنی تو کر دیتا ہے اور محنت کے بغیر کر دیتا ہے لیکن یہ قومی زندگی کے لئے سم قاتل ہے۔

تجارت کیا ہے؟

فقہ کا بڑا آسان سا اصول ہے کہ رقم خرچ کی جائے یا کسی کاروبار میں لگائی جائے اور اس میں دونوں احتمال ہوں کہ نفع بھی ہوسکتا ہے نقصان بھی ہوسکتا ہے تو یہ تجارت ہے۔

سود کیا ہے؟

نفع یقینی اور نقصان کا اندیشہ ہو تو یہ سود ہے۔

جواء کیا ہے؟

جس میں نفع کا احتمال ہو نقصان یقینی ہو وہ جواء ہے۔ جیسے لاٹری میں دس یا پچاس روپے خرچ کئے جاتے ہیں اس میں یہ صرف احتمال ہوتا ہے کہ انعام نکل آئے لیکن یہ بات یقینی ہے کہ وہ دس یا پچاس تو ضائع ہو گئے تو یہ جواء ہے۔ پھر سے دہرالیں۔ نفع اور نقصان کا برابر احتمال ہو تو تجارت ہے۔ نقصان یقینی اور نفع موہوم ہو تو یہ جواء ہے۔ نفع یقینی نقصان موہوم ہو تو یہ سود ہے اور سود ہمیشہ غریب کی رگِ جاں سے نکالا جاتا ہے جو امیر کو امیر تر کرتا چلا جاتا ہے۔

سود ختم کرنے کیلئے ہماری اپنی سی کوشش:

اسی لعنت کو ختم کرنے کے لئے ہم نے اپنی سی یہ کوشش کی تھی جس کو ہر ایک نے اپنی دانست کے مطابق سمجھا اور یہ کہا گیا کہ ہم نے حکومت سے بغاوت کی ہے اور یہ کہ ہم حکومت سے لڑنا چاہتے تھے۔ اس وقت جو بات ہم نے کہی وہ سودی نظام کا خاتمہ کرنے کی بات تھی اور وہی بات آج بھی کہتے ہیں۔ اس وقت جب حکومت نے اعلان کیا کہ وہ نیا نظام لانا چاہتی ہے تو ہم نے گزارش کی تھی کہ نظام تو حکومت اپنی مرضی کا لائے گی لیکن نافذ تو ہم عوام پر کرے گی، اس لئے ہمارا مطالبہ نفاذ اسلام کا ہے، اسلامی نظام کے نفاذ کا ہے۔ ہماری گزارش ہے کہ ہماری بات بھی سنی جائے مشورے کے طور پر ہی سہی سنی جائے اور اگر نہیں سنی جائے گی تو ہم اسلام آباد آکر حکومت کو سنائیں گے اور حکومت کو سننا پڑے گی۔ الحمد اللہ حکومت کو احساس ہوا اپنی پوری تحقیق کرنے کے بعد انہیں احساس ہوگیا کہ یہ نہ تو سیاسی ایجنڈا ہے نہ کوئی سستی شہرت کا شو ہے۔ پھر حکومتی ارکان ارباب بست وکشاد یہاں تشریف لائے ان کا بنیادی سوال یہ تھا کہ اسلامی نظام معیشت کا نفاذ کیونکر ہو، اسے کیسے کیا جائے کہاں سے شروع کریں؟ کیونکہ کوئی شیعہ ہے کوئی سنی کوئی دیو بندی ہے کوئی بریلوی اور پتہ نہیں کتنے فرقے کتنے مسالک ہیں اور کتنی آراء کس کی مانی جائے اور کہاں سے شروع کیا جائے تو ہم نے کہا کہ کوئی کسی بھی فرقے اور مسلک کا ہو قرآن کے اس اصول پر سارے متفق

ہیں کہ سود حرام ہے تو آپ سودی نظام کو ختم کریں۔ انہوں نے کہا یہ تو نہیں ہو سکتا ہم سود کے بین الاقوامی سسٹم میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ہم نے عرض کی کہ آپ فی الحال بین الاقوامی نظام کو نہ چھیڑیں بلکہ Domestic نظام کو تبدیل کرنے سے ابتدا کریں جب ملک کے اندر بینک کا بلاسودی نظام چل پڑا تو اللہ آپ کو اتنی قوت دے گا کہ آپ کو بین الاقوامی طور پر سود لینے کی ضرورت نہیں رہے گی بلکہ سودی رقوم واپس کرنے کے بعد آئندہ سود لینے کی نوبت نہیں آئے گی اور یوں بین الاقوامی سود سے نجات مل جائے گی۔ حکومت نے ایک کمیٹی ترتیب دی جس میں حکومت کے وزراء بھی شامل تھے بینکوں کے نمائندے اور ہمارے ارکان بھی شامل تھے۔ میری رائے یہ تھی کہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک بینکوں نے جتنا سود وصول کیا ہے وہ شمار کیا جائے اور اربوں کے جو ادھار بینک نے حکومتی اراکین کو وزیروں اور وڈیروں کو دیئے اور پھر وہ قرضے معاف کر دیئے وہ رقم بھی شمار کی جائے تو جو رقم بینک نے معاف کی وہ اس رقم سے کئی گنا زیادہ نکلے گی جو بطور سود بینک نے وصول کی۔ ان کے نتیجے میں تو بینک دیوالیہ ہو جانے چاہئیں لیکن بینک کے اخراجات کا جائزہ لیں تو نظر آتا ہے کہ ایک بنک منیجر اوسطاً پینتیس، چالیس ہزار ماہانہ تنخواہ لیتا ہے، بینک سے گاڑی بھی ملتی ہے اس کا خرچ بھی بینک دیتا ہے۔ بینک کے ملازمین اتنے خوشحال ہیں کہ ایک چوکیدار کی تنخواہ پندرہ ہزار ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ بینک کے پاس اتنے قرضے معاف کر کے بھی بے حساب پیسہ ہے۔ یہ بینک کے پاس کہاں سے آتا ہے، یہ عوام الناس کا سرمایہ ہے بینک ان سے تجارتی پراجیکٹ چلاتے ہیں ان سے اربوں کی آمدنی بینک کو حاصل ہوتی ہے بینک اسی سرمائے پر چلتے ہیں۔ جن لوگوں کے سرمائے سے پراجیکٹ چلتے ہیں انہیں چار یا پانچ فیصد سود دے دیا جاتا ہے جو حرام ہے۔ میری تجویز یہ تھی کہ بینک میں سرمایہ جمع کرانے والوں کو نفع ونقصان کی بنیاد پر شریک کریں۔ بینک اپنے اخراجات اور سروس چارجز علیحدہ کر کے باقی منافع حصہ داروں کو تقسیم کرے تو پھر بھی کم از کم پچیس فیصد سے لے کر تیس فیصد تک منافع ملے گا جو حلال بھی ہوگا۔

جبکہ سودی نظام کے تحت سرمایہ جمع کروانے والوں کو 4 فیصد دیتے ہیں جو حرام ہے اور باقی پر بینک عیاشی کرتا ہے۔ اس پر کافی بحث ومباحثہ چلتا رہا اس وقت کے صدر تارڑ صاحب اور وفاقی وزیر محمود غازی صاحب بھی یہاں تشریف لائے۔ اس کے بعد افغانستان پر امریکہ کی مداخلت اور ہمارے ملک کے حالات نے اس عمل کو التواء میں ڈال دیا لیکن الحمد للہ حکومت نے بلاسودی بینکاری شروع ہی نہ کی بلکہ ہر بینک کو ایک شعبہ بلاسودی بینکاری کا کھولنے کے احکامات بھی جاری کئے۔ بہت سے حضرات نے اس کا کریڈٹ لینے کی کوشش کی لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ آج تک انہوں نے نہ سودی نظام ختم کرنے کا مطالبہ کیا نہ اس بات پر کبھی حکومت سے مذاکرہ کیا اور نہ بلاسودی بینکاری کو منافع بخش ثابت کیا تو پھر یہ کریڈٹ انہیں کیسے جاتا ہے۔ وہ کمیٹی آج بھی اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہے۔

ڈاکٹر محمود غازی صاحب وزیر تو نہیں رہے لیکن اس کمیٹی کے وہ اب بھی ممبر ہیں اور اس کام کو مزید بہتر بنانے کے لئے کوشاں ہیں۔

عوام کا رویہ:

اس کے بعد اب باری تھی عوام الناس اور کلمہ گو مسلمانوں کی۔ جب بلاسود بینکاری کا شعبہ وجود میں آ گیا تھا تو یہ اب حق بنتا تھا کہ ہر مسلمان اپنا سرمایہ سودی کھاتے سے نکال کر بلاسود اکاؤنٹ میں رکھتا۔ اس طرح سودی کھاتہ خود بخود ختم ہو جاتا لیکن آج بھی بلاسود بینکاری کے شعبے میں سرمایہ نہ ہونے کے برابر ہے اور سودی کھاتے اسی سرمائے سے پر ہیں۔ لوگ حج کرتے ہیں، ہر سال عمرے کرتے ہیں، خیرات دیتے ہیں، جانور ذبح کرتے ہیں، دیگیں پکاتے ہیں، قرآن کے ختم کراتے ہیں لیکن سود سے باز نہیں آتے جبکہ اسلام نے سود کو حرام ہی قرار نہیں دیا بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اعلان جنگ قرار دیا ہے۔

ہاں یہ ضرور فرمایا کہ سود جس دن حرام ہوا اس سے پہلے جو لے چکے وہ معاف کر دیا گیا ہے لیکن آئندہ کسی کے پاس لینے کی کوئی گنجائش نہیں اس کے بعد لین دین کے اصول وضع کئے۔

سٹاک ایکسچینج:

سٹاک ایکسچینج بھی اسی قبیل سے ہے۔ سٹاک ایکسچینج کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں لیکن ہمارے ہاں یہ اتنا مضبوط اور طاقتور ہے کہ ملکی حالات اور حکومت تک کو کنٹرول کرتا ہے۔ سٹاک ایکسچینج ہے کیا؟ کسی نے حصص خریدے لیکن وہ اس کے قبضے میں نہیں آئے، زبانی خریدے زبانی ہی بیچ دیئے اور جو چیز موہوم ہو نہ اس پر خریدتے وقت قبضہ ہوا نہ بیچتے وقت وہ قبضے میں تھی تو ایسی بیع مکمل ہی نہیں ہوتی اور ایسی بیع فاسد ہے۔ ایک چیز خریدی گئی اس پر خریدنے والے کا قبضہ نہیں ہوا تو وہ بیع مکمل نہیں ہوئی مکمل تب ہوتی کہ بیچنے والا قیمت وصول کر لے، خریدنے والا اپنی چیز وصول کر لے تو بیع مکمل ہو گی اور یہ درست ہو گی۔ سو موہوم تجارت حرام ہے۔ یہاں بھی پیسے غریبوں کے ہی ڈوبتے ہیں، ارب پتی لوگوں کا سرمایہ محفوظ رہتا ہے غریبوں کی زندگی بھر کی کمائی ڈوب جاتی ہے اور مفروضے پر ڈوب جاتی ہے۔ ارب پتی لوگوں کا سرمایہ محفوظ رہتا ہے بلکہ مارکیٹ کو جب چاہیں یہ اوپر کر دیتے ہیں اور جب چاہیں گرا دیتے ہیں تو مفروضوں پر کئے جانے والے کاروبار کو کاروبار نہیں جواء کہتے ہیں۔ یہ بھی جواء ہے اور حرام ہے۔

اسلامی معاشی نظام کا بنیادی اصول:

اسلام نے ایسا معاشی نظام دیا ہے جس میں ہر وہ طریقہ حرام قرار دیا گیا ہے جو دوسروں کے حقوق کا

استحصال کرے حتیٰ کہ لین دین میں اتنا محتاط ہونے کا حکم ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازار سے گزر رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گندم کا ڈھیر دیکھا، دانے صاف ستھرے اور چمکدار تھے آپ ﷺ نے دست مبارک ڈھیر کے اندر ڈال کر دیکھا تو اندر سے نمی محسوس ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا گندم تو گیلی معلوم ہوتی ہے۔ صحابیؓ نے عرض کی کہ گندم میں باریک مٹی رہ گئی تھی اسے صاف کرنے کیلئے دھویا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر یہ بات گاہک کو بتانا یہ نہ ہو کہ وہ باہر سے خشک دانے دیکھ کر سودا طے کرلے اور اس کے حصے میں گیلے دانے بھی آجائیں۔ یہ معاملہ اس حد تک نازک ہے اور اس میں اس حد تک خریدنے اور بیچنے والے کے حقوق کا تحفظ ہے۔

ذخیرہ اندوزی بھی اسی طرح حرام ہے کہ اس میں عوام کا معاشی استحصال ہے۔ وہ اشیاء جو انسانی ضروریات کیلئے لازمی ہوں ان کو جمع کر کے روک لینا ذخیرہ اندوزی کہلاتا ہے۔ روزمرہ استعمال کی اشیاء غلہ اجناس چینی گھی وغیرہ کو اس لئے روک لیا کہ جب مہنگی ہو جائیں گی تب بیچیں گے تو یہی ذخیرہ اندوزی ہے اور یہ حرام ہے۔ اس کے برعکس تجارت کا اصول یہ ہے کہ اشیاء کو کم قیمت پر فروخت کریں تو اشیاء زیادہ بکیں گی بار بار بیچنے سے منافع زیادہ ملے گا اور حلال ہوگا جبکہ اشیائے ضرورت کو روک کر بیچنے سے تجارت کی نسبت منافع بھی کم ہوگا اور معاشرے میں خرابی بھی پیدا ہوگی ایک چیز کو چھ (6) ماہ روکے رکھیں۔ اس کے مقابل اسی چیز کو چھ ماہ مسلسل بیچتے رہیں تو وہ تھوڑا تھوڑا منافع اس منافع سے زیادہ ہوگا جو روک کر مہنگا کر کے چھ (6) ماہ بعد بیچا۔

پچھلے دنوں سپریم کورٹ نے مہنگائی کا نوٹس لیا، تحقیق ہوئی کہ مہنگائی شروع کیسے ہوئی۔ پتہ چلا سب سے پہلے چینی مہنگی ہوئی پھر رفتہ رفتہ ساری چیزیں مہنگی ہوتی گئیں۔ معلوم کیا گیا کہ چینی کس نے مہنگی کی آٹھ دس نام گنوائے گئے جن میں سے کچھ حزب اختلاف میں بیٹھے ہیں کچھ حکومت میں شامل ہیں اور کچھ حکومت میں آنے کے امیدوار ہیں۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے مہنگائی کر کے پورے ملک کو تباہی میں دھکیل دیا اور چند خاندان امیر سے امیر ترین ہو گئے۔

معیشت انسان کے پورے کردار کو متاثر کرتی ہے:

اسلام نے اس حقیقت کو آشکار کیا ہے کہ معیشت انسان کے پورے کردار کو متاثر کرتی ہے، کردار اخلاقیات کو متاثر کرتا ہے اخلاقیات ایمان کو متاثر کرتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جو لوگ سود سے بھاگیں گے ان کے حلق تک بھی سود کا غبار پہنچے گا۔ آج وہی زمانہ ہے جو لوگ سود نہیں کھانا چاہتے انہیں اسی ملک و معاشرے میں تو رہنا ہے اور ملکی نظام سود پر استوار ہے اور سود کی گرد کسی نہ کسی طرح ان کے حلق سے بھی نیچے اتر رہی ہے۔

اسلامی نظام معیشت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ صرف کمانے کے ذرائع ہی متعین نہیں کرتا بلکہ اخراجات اور خرچ کرنے میں بھی دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھتا ہے۔ خرچ کی بھی حدود متعین کرتا ہے خرچ کرنے کی ترجیحات متعین کرتا ہے مثلاً غلطی ہو جانے کی صورت میں کفارے کی ادائیگی، مصیبت میں مبتلا ہونے پر صدقہ ادا کرنا ایسی دیگر ترغیبات جن سے مخلوق خدا کا بھلا ہو۔ دنیا بھر کے نظام میں حکومت چلانے کے لئے حکومتی اداروں کو چلانے کے لئے ٹیکسوں کا نظام ہے۔ ٹیکس دینے کے بعد جو بچ جائے وہ اس آدمی کا اپنا ہے خواہ وہ عیاشی کرے، غلط کرے درست کرے۔ ضائع کردے کوئی نہیں پوچھتا۔ اسلام میں یہ منفی آزادی نہیں ہے۔ اسلام نے جہاں کمانے کے طریقے متعین فرمائے اور ہر غلط طریقے سے روک دیا وہاں خرچ کرنے کے طریقے میں اخلاقیات کو مقدم رکھا اور خرچ کرنے کے غلط طریقوں کی ممانعت کی اسی لئے اسراف کو حرام قرار دیا ہے کہ پیسہ ضائع نہ کیا جائے۔ اس لئے کہ یہ اللہ کی ملکیت ہے اس کی امانت ہے یہ ضروریات پوری کرنے کے لئے ہے ضائع کرنے کے لئے نہیں۔ ضروریات پوری کرنے کے بعد بھی بچ رہتا ہے۔

زکوٰۃ:

یہ واحد معاشی نظام ہے جس نے فالتو سرمائے کو معاشرے میں واپس لانے کیلئے زکوٰۃ فرض کردی ہے۔ جو سرمایہ سال بھر محفوظ رہتا ہے جس کے خرچ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی اس کا ڈھائی فیصد غرباء کو دینا زکوٰۃ ہے یوں چالیس سال میں وہ تمام سرمایہ واپس معاشرے میں گردش مکمل کرلے گا۔ اس طرح سرمایہ دار سرمائے کو روک نہیں سکتا اور سرمایہ جمع کر کے رکھنے کی آفات سے معاشرہ محفوظ رہتا ہے۔

زکوٰۃ معاشرے کے امراء سے لی جاتی ہے اور معاشرے کے کمزور افراد تک پہنچائی جاتی ہے۔ اس کے مستحق معاشرے کے معذور افراد ہیں جو ذہنی یا جسمانی طور پر معذور ہوں، وہ مسافر جن کے پاس سفر میں کچھ نہ ہو، قیدی جو بے بس ہوں اور یتیم اور بیوہ جو مستحقین میں سرفہرست ہیں زکوٰۃ ان پر خرچ کرنے کا حکم ہے۔ زکوٰۃ انفرادی طور پر تقسیم نہیں ہوتی یہ اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ہے کہ زکوٰۃ و صدقات مرکز میں جمع کرے پھر اس انصاف سے تقسیم کرے کہ ہر مستحق تک اس کا حق پہنچے۔ بندے کو بندے کے آگے دست سوال دراز کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے کسی محتاج کو مانگنے کی ذلت نہ اٹھانی پڑے۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ ان کی ضروریات، علاج اور رہائش کا اہتمام زکوٰۃ سے کرے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ اسلامی نظام کے قوانین اگر کافر بھی اپنالے تو دنیاوی فوائد اسے بھی حاصل ہو جاتے

ہیں جیسے کافر کو دوا دیں تو صحت مند وہ بھی ہو جاتا ہے، غذا سے بھوک اسکی بھی مٹ جاتی ہے، آخرت کے اجر سے اس لئے محروم رہتا ہے کہ وہ آخرت کے لئے کرتا نہیں لیکن دنیاوی فائدہ اسے بھی ہوتا ہے۔ میرے ایک دوست سرگودھا کے سیشن جج تھے پھر چکوال میں سیشن جج رہے ریٹائرمنٹ کے قریب تھے جب انہوں نے ایک محفل میں یہ واقعہ سنایا کہ جب وہ برطانیہ سے قانون کی تعلیم حاصل کر چکے تو وطن واپس آنے سے قبل چند دوست مل کر اپنے اس بوڑھے استاد کو ملنے اس کی رہائش گاہ پر گئے وہ بہت حیران ہوا کہ ہم اسے کیسے ملنے چلے آئے۔ ہم نے کہا کہ آپ کا شکریہ ادا کرنے آئے تھے آپ نے محنت کی ہمیں پڑھایا اب ہم واپس جا رہے ہیں تو وہ کہنے لگا یہ بات صرف مسلمانوں میں ہے۔ پڑھایا تو سب کو تھا ملنے صرف تم لوگ ہی آئے۔ اس نے بتایا کہ یہ چیز مغرب نے اسلام سے لی ہے اور برطانیہ کے بادشاہ نے جب برطانیہ کو ویلفیئر سٹیٹ بنانے کا ارادہ کیا تو ایک کمیٹی تشکیل دی اور وہ بھی اس کمیٹی کا ممبر تھا۔ اس نے کہا ہم نے ویلفیئر سٹیٹ کا سارا سسٹم قرآن وسنت اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بنائے ہوئے قوانین سے لیا۔ فرق صرف یہ ہے کہ قرآن نے زکوٰۃ فرض کی، دیگر صدقات واجبہ ونافلہ اکٹھے کئے ہم نے اس کی جگہ ٹیکس تجویز کئے۔ ہمارا اور اسلام کا فرق سرمایہ وصول کرنے میں ہے خرچ کرنے کی مدات وہی ہیں جو اسلامی نظام میں ہیں۔ یوں اس کمیٹی نے ویلفیئر سٹیٹ کا نظام بنا کر بادشاہ کو دیا اور اس نے ملک میں نافذ کر دیا۔ آج برطانیہ میں پیدا ہونے والے بچے کی ذمہ داری حکومت پر ہے۔ بے روزگار کو روزگار الاؤنس ملتا ہے، بے گھر کو سوشل سکیورٹی رہائش مہیا کرتی ہے۔ ہمارے ایک دوست جو سترہ سال برطانیہ کے سرکاری ادارے میں اکاؤنٹس میں کام کرتے رہے بتاتے تھے کہ وہاں دفتری زبان میں اس سارے نظام کو UMER'S LAW کہتے ہیں۔ یعنی اسلام نے وہ معاشی نظام دیا کہ جن کے پاس کچھ نہیں ان کی ذمہ داری ان پر ہے جن کے پاس سب کچھ ہے۔

اسلام میں ٹیکس:

اسلام میں ٹیکس کی گنجائش بس ایک دفعہ ہے جو چیز ملک میں درآمد ہوتی ہے، بارڈر پر حکومت جائز اور مناسب ٹیکس لے سکتی ہے۔ حکمرانوں کی عیاشی کے لئے نہیں حکومتی مشینری چلانے کے لئے دوسری بار ٹیکس لگانا شرعاً ناجائز ہے۔

ہمارے ہاں ہر چیز پر کئی کئی بار ٹیکس لگتا ہے ایک گاڑی منگوائی اس پر ٹیکس لگا اب بندرگاہ پر جان چھوٹ جانی چاہئے تھی نہیں چھوٹی، گاڑی کے کاغذات بنائے گئے اس پر ٹیکس۔ گاڑی میں تیل ڈالا اس پر ٹیکس، شہر میں گاڑی داخل ہوئی اس پر ٹیکس بلکہ ہماری معیشت میں نہ نظر آنے والے ٹیکس کی تعداد بعض اوقات ستر فیصد سے زیادہ ہوتی ہے جو کپڑا خریدتے ہیں اس پر تین حصوں سے زیادہ ٹیکس ہوتا ہے۔ کھیت پر ٹیکس لگتا ہے، ڈیزل پر ٹیکس، بیج پر ٹیکس، کھاد پر

ٹیکس، روئی پر ٹیکس، کارخانے پر ٹیکس، سوت بن کر نکلا ٹیکس، کپڑا مارکیٹ جاتا ہے وہاں تک پہنچنے پر کتنے ٹیکس لگ چکے ہوتے ہیں جو گاڑی کارخانے سے دکاندار تک کپڑا پہنچاتی ہے راستہ میں دس جگہ اس پر ٹیکس یوں صارف تک پہنچتے پہنچتے اصل قیمت سے تین گنا قیمت ہوجاتی ہے جو ساری خریدار کو ہی ادا کرنا ہوتی ہے۔ یہ زائد ٹیکس غیر اسلامی ہیں اور مہنگائی بڑھنے اور غریبوں کے رسوا ہونے کا سبب ہیں۔ اسلام نے انہیں حدود میں رکھا ہے۔ ایک چیز پر ایک بار ٹیکس لیا جاسکتا ہے دوسری دفعہ حرام ہے شرعاً جائز نہیں۔ ہاں ملک میں ایمرجنسی آجاتی ہے حکومت کے اخراجات اچانک بڑھ جاتے ہیں تو حکومت اہل ثروت پر ٹیکس لگا سکتی ہے جب وہ ضرورت ختم ہوجائے تو ٹیکس بھی ختم ہوجائے گا۔

ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا۔ اس وقت جب مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان متحد تھے۔ ڈھاکہ میں طوفان آیا اور بہت نقصان ہوگیا تب مشرقی پاکستان کی مدد کے لئے حکومت نے پٹرول کی قیمت میں ایک روپے کا اضافہ کردیا پھر مشرقی پاکستان ختم ہوگیا لیکن وہ ایک روپیہ پٹرول کی قیمت میں ہمیشہ موجود رہا۔ مشرقی پاکستان کے ختم ہوجانے کے بعد وہ ڈھاکہ ٹیکس تو ختم ہونا چاہئے تھا تب وہ چار روپے گیلن تھا اب لیٹروں کے گیلن بنائیں تو ڈھائی سو روپے گیلن ہوگیا ہے تو یہ ٹیکسوں کی لوٹ کھسوٹ کے بعد جو روپیہ اکٹھا ہوتا ہے اس سے کون سا ویلفیئر کا کام کیا جاتا ہے۔ وزرائے اعظم کے لئے بلٹ پروف دھماکے کو پہلے سے پہچان لینے والے آلات سے مزین اربوں کی مالیت کی گاڑیاں خریدی جاتی ہیں۔ ایک بندے کے تحفظ کے لئے صارفین پر منوں بوجھ ڈال کر پیسہ اکٹھا کیا جاتا ہے اور اللہ کی یہ سولہ کروڑ مخلوق فالتو ہے، فضول ہے مرتی رہے۔

اسلام نے وہ معاشی نظام دیا ہے جس میں ہر فرد کی عزت نفس ہر فرد کی حفاظت ہر فرد کی کفالت کے اسباب مہیا کئے جاتے ہیں۔ اس میں سب برابر ہیں حکومت کے سربراہان اور عوام برابر ہیں۔

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کو جَو کی روٹی موافق نہیں تھی ان کا معدہ برداشت نہیں کرتا تھا اس وقت مدینہ منورہ میں گندم کی قلت تھی عام آدمی کو گندم دستیاب نہیں تھی۔ امیر المومنین نے فرمایا ''میرا کھانا بھی جو سے تیار ہوگا'' طبیب نے کہا آپ بیمار ہیں آپ کی صحت خراب ہونے سے قحط دور نہیں ہوگا۔ انہوں نے فرمایا، میری صحت رہے یا نہ رہے میں اس وقت تک گندم نہیں کھا سکتا جب تک عام شہری کی رسائی گندم تک نہ ہوجائے۔ عوام تک ضروریات زندگی پہنچانا میرا فرض ہے۔

مدینہ منورہ میں قحط تھا۔ حضرت عثمانؓ کے غلے سے لدے اونٹوں کے قافلے شہر میں اترے۔ شہر کے تاجروں کی بھیڑ لگ گئی وہ غلہ خرید کر آگے بیچنا چاہتے تھے تاکہ منافع کمائیں اس کے لئے وہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے انہوں نے فرمایا میں کم از کم دس گنا منافع لوں گا۔ لوگوں نے کہا اتنا منافع آپ کو کون دے گا؟ انہوں نے فرمایا

میرے پاس گاہک ہے میرا سودا اللہ کے ساتھ ہو گیا ہے اس کا وعدہ ہے تم ایک دو میں گیارہ دوں گا۔ انہوں نے سارا غلہ مدینہ منورہ میں مفت تقسیم کر دیا اور ہر گھر میں غلہ پہنچ گیا۔

قومی زندگی کی بقاء حتیٰ کہ ایمان کی سلامتی کا تعلق بھی معیشت کے ساتھ ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ افلاس سے بچو کہ بندہ مفلس ہو تو ایمان بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيٓ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝۱۳۱ لوگوں کا معاشی استحصال کر کے اس دوزخ کا ایندھن نہ بنو جو کافر کے لئے بنائی گئی ہے یہ تمہارے لئے تو نہیں بنائی گئی اور اگر تم نے کافرانہ کردار اپنا لیا تو عقیدے سے بھی محروم ہو کر جہنم میں جاؤ گے تو یہ بڑی بدقسمتی ہوگی۔ کتنی محرومی ہے کہ جو آگ کافر کے لئے بھڑکائی گئی ہے وہ تمہیں کھا رہی ہوگی۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۱۳۲ سادہ سی بات ہے اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اللہ کی اطاعت کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام سے باہر نہ جاؤ۔ تاکہ تم اللہ کی رحمت کے مستحق ہو جاؤ۔ ساری کی ساری رحمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں ہے۔

خلاصہ بیان:

اسلامی معاشی نظام کا یہ چھوٹا سا خاکہ میں نے عرض کر دیا۔ یہ اتنا وسیع مضمون ہے کہ اس کا احاطہ ایک مجلس تو کیا سینکڑوں مجالس میں بھی کلی طور پر نہیں کیا جا سکتا لیکن بنیادی اصول نمبروار میں نے عرض کر دیئے۔ میری گزارش ہے کہ پوری کوشش کریں کہ دوسرے کا حق لینے سے بچا جائے یہ بہت بڑا جرم ہے ہو سکے تو اپنے حقوق معاف کرتے رہا کریں اگر بھول چوک سے کسی کا حق آ جائے تو تلافی کر لیں۔

یہ واضح حقیقت ہے کہ سود لینے سے نقصان بھی ہوتا ہے اور اُخروی ذلت علیحدہ اور سود نہ لینے سے پیسہ کم نہیں ہوتا۔ بڑھتا ہے اللہ اس میں برکت دیتا ہے تجارتی امور بڑھتے ہیں لین دین بڑھتا ہے۔ میں 1950ء کے آخر سے اب تک حکومت کو انکم ٹیکس دے رہا ہوں۔ میرا کوئلے کی کان کا بزنس تب سے ہے آج تک میرے کسی اکاؤنٹ پر سود نہیں اور مجھے کبھی بھی پیسے کی تنگی نہیں ہوئی۔ میرے ساتھ کے دوسرے لوگ جو سود پر رقم جمع کروا کے کھاتے ہیں میں نے انہیں تنگ حال ہی دیکھا ہے۔

ہمارے ہاں سب سے بدنام تجارت کوئلے کا کاروبار ہے۔ اس میں بددیانتی کی کئی صورتیں رائج ہیں کبھی اچھا اور برا کوئلہ ملا کر بیچا جاتا ہے کہیں مٹی ملا کر۔ اللہ کریم کا احسان ہے کہ پچاس برس سے زائد عرصہ اس کاروبار میں لگایا ہے آج تک کسی نے شکوہ نہیں کیا کہ آپ نے جو مال بھیجا وہ کم تھا یا وہ کوالٹی نہیں تھی جو دکھائی تھی یا نئے میں پرانا ملا دیا تھا۔ پرانا ہمارے پاس بھی ہوجاتا ہے ہم پرانا سستا بیچ دیتے ہیں نیا مہنگا بیچ دیتے ہیں کبھی دھوکہ نہیں دیا۔ غلطیاں ہم سے بھی ہوجاتی ہیں فرشتے تو ہم نہیں لیکن بددیانتی نہیں کی۔ آج بھی مارکیٹ میں بیٹھے ہیں کوئی بندہ ہمارا دامن پکڑ کر نہیں کہہ سکتا کہ یہاں آپ نے دھوکہ کیا ہے۔

اور یہی اصول تجارت کا اور یہی اصول قومی زندگی کا اور یہی اصول معیشت کا ہے کہ ہر بندہ اپنا حق لے دوسرے کو اس کا حق دے اور معاشرے کا استحصال نہ کرے۔

پچھلی آیات میں ان عوامل کا تذکرہ تھا جن کے باعث لوگ گمراہ ہو کر ہمیشہ کے لئے جہنم کا ایندھن بن جاتے ہیں وہ ہے سود جس میں وہ نظام پرورش پاتا ہے جس میں مجبور و بے بس مزید غریب ہوتا جاتا ہے اور مال حرام جمع کرنے والا مزید امیر ہوجاتا ہے اور دولت امیروں کے ہاں مرتکز ہوجاتی ہے اور یہ چیز جہنم کے راستے پر لے جاتی ہے اور دوسرا سبب ہے مسلسل نافرمانی اور کبھی توبہ نہ کرنا یعنی برائی پر ڈٹ جانا، جم جانا بندے کو گمراہی میں لے جاتا ہے اور یوں ایمان سے محروم ہو کر ہمیشہ کے لئے جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے۔ ان عوامل کے تذکرے کے بعد یہاں یہ فرمایا جارہا ہے کہ اللہ کی رحمت پانے کے لئے وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴿۱۳۲﴾ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت شرط ہے اور اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انحصار اللہ کی کتاب اور کتاب اللہ کے احکام وفرامین پر ہے اور پوری انسانیت کے ہر فرد کے لئے زندگی گزارنے کے لئے آسان ترین اور مفید و نفع بخش وہی اصول ہیں جو کتاب اللہ میں بتادیئے گئے ہیں اور جن پر آپ ﷺ نے چل کر عملی اسوہ حسنہ چھوڑا ہے جن پر صحابہ کرامؓ کی عملی زندگی کی تربیت فرمائی ہے۔ آج بھی جو چاہتا ہے کہ آبرومندانہ زندگی گزارے دنیا میں امن کا خواہاں ہے پرسکون رہنا چاہتا ہے تو اسے اللہ کی اطاعت کرنا ہوگی۔ اللہ کی اطاعت کیا ہے؟ کون اسکی خبر دے گا کس طرح پتہ چلتا ہے کہ اللہ کریم کس بات پر راضی ہے اور کس بات پر ناراض ہے۔ یہ بتانا صرف آقائے نامدار ﷺ کا کام ہے۔ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی اطاعت کا نمونہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں اللہ کے حکم کے مطابق فرماتے ہیں جو عمل کرتے ہیں وہی اطاعت الٰہی ہے لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی ہی ہمیشہ کے لئے کامیابی کی ضمانت ہے۔ اللہ کی رحمت کو پانے کا ذریعہ ہے جتنا کوئی آپ ﷺ کی پیروی سے باہر نکلتا ہے اتنا ہی اپنے آپ کو رحمت الٰہی سے دور کرلیتا ہے اور رحمت الٰہی سے دوری کا معنی ہے عذاب الٰہی میں گرفتار ہونا۔ عذاب کی کئی صورتیں ہیں، فساد، جھگڑا، قتل وغارت گری، دہشت گردی یہ سب فساد کی صورتیں ہیں۔

دہشت گردی کا سبب کون؟ اس کا علاج؟

دہشت گردی اللہ کی رحمت سے دوری ہے اور عذاب سے بچنے کے لئے یا عذاب کو دور کرنے کے لئے اللہ کی رحمت کو پانا شرط ہے اور اللہ کی رحمت اطاعت الٰہی اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اطاعت احکام قرآن حکیم سے وابستہ ہے لیکن ہمارے آج کے نام نہاد دانشور یہودیوں کے پروپیگنڈے کے زیر اثر آ کر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دہشت گردی کی وجہ دینی مدارس ہیں وہاں شدت پسندی کی تعلیم دی جاتی ہے لہٰذا قرآن وحدیث پڑھانے والے مدارس کو بند کر دینا چاہئے حالانکہ دہشت گردی عذاب الٰہی ہے اور اس کا سبب قرآن وحدیث کی تعلیم دینے والے نہیں قرآن وحدیث سے دور رہنے والے لوگ ہیں جو لوگ قرآن وحدیث کو جاننے سے بھی معذور ہیں وہ تو جانتے ہی نہیں تو عمل کیا کریں گے۔ عمل کی توفیق بھی جاننے کے بعد ہی ہوتی ہے اگر مدارس میں قال اللہ اور قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نہ ہوتا تو آج نجانے ہمارا کیا حشر ہوتا اور جہاں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات نہیں ہیں وہاں کا حشر بھی ہمارے سامنے ہے۔ اخلاقی اعتبار سے تباہ حال اقوام ہیں لیکن یہی اقوام مغرب ہیں جنہیں تجارت میں، سیاست میں، عدل میں کامیابیاں بھی نصیب ہیں لیکن اگر تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جہاں جہاں انہیں کامیابی مل رہی ہے وہاں انہوں نے وہ اصول اپنائے ہیں جو قرآن وسنت میں ہیں اگر وہ تجارت میں کامیاب ہیں تو ان کے تجارتی اصول قرآن وسنت سے مستعار ہیں۔

اہل مغرب کی ساری کامیابیاں قرآن وسنت کی رہن منت ہیں:

انہوں نے قرآن وسنت کا مطالعہ کر کے اسلام کے سنہری اصول اکٹھے کر کے اپنے لئے راہ عمل بنائی اور اس کے اصول بنا کر ان پر اپنی تجارت وسیاست کی بنیاد رکھی ہے۔ وہ ان اصولوں پر سختی سے کاربند رہتے ہیں کیونکہ انہیں علم ہے کہ ان اصولوں پر کاربند رہنے میں ہی ترقی کا راز ہے۔ سو جو بھی اللہ اور اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق عمل کرے گا اسے دنیاوی فائدہ ضرور ہوگا اگرچہ اُخروی فائدے کے لئے ایمان شرط ہے جس کا آخرت پر ایمان ہی نہیں وہ آخرت کے لئے عمل ہی نہیں کرتا تو اسے آخرت میں کیا ملے گا۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی گاہک دکاندار کو رقم دے کر کوئی چیز خرید لے پھر وہ یہ شکوہ نہیں کرتا کہ دکان میں اور بھی چیزیں تھیں۔ باقی ساری چیزیں بھی اسے ملنی چاہئے تھیں اسی طرح جو بندہ آخرت پر یقین نہ رکھتے ہوئے اسلام کے اصولوں پر عمل کرتا ہے۔ اس کا بدلہ اسے دنیا میں مل جاتا ہے۔ آخرت پر اس کا یقین نہیں سو آخرت میں اسے کچھ نہیں ملے گا۔ بندہ مومن کا تو آخرت پر بھی ایمان ہے وہ آخرت کو مقدم رکھ کر عمل کرتا ہے اسے دنیوی اور اُخروی فائدہ ضرور ہوگا لہٰذا مومن کو ایمان اور عمل صالح

کے باعث دنیا میں بھی فائدہ ہوتا ہے اور آخرت میں بھی کامیابی عطا ہوتی ہے۔ سو اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرنے کے لئے اللہ کی مغفرت پانے کے لئے دوڑو۔ فرمایا یہ مقام مشورے کرنے کا نہیں نہ سوچ بچار کرنے کا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کیا جائے یا نہیں۔ یہ مشورے والی بات نہیں بلکہ اتباع رسالت کے لئے اپنی پوری طاقت لگا دو۔ یہ بڑی واضح بات ہے کہ جہاں آدمی چل کے جا سکتا ہے وہاں دوڑ کر کیوں جاتا ہے؟ اس لئے کہ پوری طاقت لگا کر منزل پر جلد پہنچ جائے تو فرمایا اتباع رسالت کے لئے دوڑو اپنی پوری قوت لگا دو کہ حضور نبی کریم ﷺ کا اتباع نصیب ہو۔

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ اور اتباع رسالت ﷺ میں وہ جنت نصیب ہوتی ہے جس کی چوڑائی تمام زمینوں اور آسمانوں سے وسیع تر ہے اور یہ اللہ کے نیک بندوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جنت اپنی ساری خوبیوں نعمتوں زینتوں آرائشوں اور کمالات کے ساتھ ان لوگوں کی جائے رہائش ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع اپنی دنیا کی عملی زندگی میں کرتے ہیں دل میں ایمان و یقین رکھتے ہیں ان کی عملی زندگی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع و اطاعت میں ہوتی ہے۔ یاد رہے۔

دنیوی زندگی آخرت کے تابع ہے:

دنیوی زندگی بالکل اس طرح ہے جس طرح درخت کا سایہ ہوتا ہے۔ سایہ کبھی مستقل نہیں ہوتا اور درخت ایک مستقل وجود ہوتا ہے۔ اسی طرح آخرت ایک مستقل جہان ہے دنیا محض ایک سایہ ہے۔ ایک خاص مدت تک کے لئے دنیا بنائی گئی ہے جو عارضی اور لمحاتی آزمائش اور امتحان کے لئے ہے جب انسان اس سے گزر جائیں گے تو اس کی بساط لپیٹ دی جائے گی یہ نہیں رہے گی اور آخرت ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔ سو ہمیشہ رہنے والی زندگی جیسی ہوتی ہے دنیاوی زندگی اس سے متاثر ہوتی ہے۔ اگر کسی کی آخرت سدھرتی ہے تو دنیا میں بھی اسے سکون حاصل ہوتا ہے اور جس کی آخرت برباد ہوتی ہے اس کی دنیاوی زندگی بھی یقیناً بے سکون اور بے چین ہوتی ہے۔ الابریز میں ایک واقعہ ملتا ہے، مصنف فرماتے ہیں کہ ان کے صوبے کا گورنر بڑا ظالم شخص تھا۔ بادشاہ نے اسے گورنری سے معزول کر دیا۔ مصنف فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے شیخ کو یہ خبر سنائی تو شیخ نے فرمایا کہ نہیں یہ گورنری پر بحال ہو جائے گا کیونکہ جہنم میں اس کے لئے جو عذاب تیار ہو رہے ہیں ان میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے یہ گورنری پر قائم رہے گا اور مزید ظلم کر کے اپنے عذابوں میں بڑھوتری کروائے گا۔ اگر اس کے ظلم رک گئے ہوتے تو اس کے عذاب بھی مزید نہ بڑھتے اور لکھتے ہیں کہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ وہ بحال ہو گیا اور اسے جو مہلت دی گئی تھی اس نے مزید ظلم کر کے اپنے لئے

مزید عذاب اکٹھا کیا تو یہ اللہ کا اپنا نظام ہے کہ جن کی آخرت میں سدھار اور بہتری آئی ہے اس کا پرتو دنیوی زندگی پر بھی آتا ہے ان کی دنیوی زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں پر گزرتی ہے۔ پھر اگلی آیات میں تشریح کی گئی کہ متقی لوگ کون ہیں جن کے لئے جنت تیار کی گئی ہے۔

متقین کون؟

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وہ ایسے لوگ ہیں جو فراخی میں بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور تنگی میں بھی۔ ہر دو حالت میں ان کا کردار اطاعت الٰہی سے باہر نہیں جاتا۔ اگر کبھی تنگی آجائے افلاس آجائے عہدہ چلا جائے طاقت وقوت پاس نہ رہے تو گھبرا کر غیر اللہ کی طرف نہیں بھاگتے ہر حالت میں اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ قرآنی اصطلاح انفاق کے معنی بہت وسیع ہیں۔ انفاق صرف مال خرچ کرنے کا نام نہیں، انفاق سے مراد ہے ہر قوت صلاحیت جو اللہ نے ہی عطا کی ہے اسے اللہ کی راہ میں لگا دینا اگر کسی کے پاس علم ہے تو اللہ کی رضا کے لئے اسے پھیلائے کسی کے پاس ہنر ہے تو وہ اللہ کی رضا کے لئے لوگوں کے کام آئے۔ گویا تمام صلاحیتوں کو اللہ کی مخلوق کی بہتری کے لئے استعمال کرنا اور اللہ کی رضا کے لئے کرنا انفاق ہے۔

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ متقین کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ غصے کو ضبط کرتے ہیں۔ غصہ ضبط کرنے سے یہ مراد ہے کہ وہ اپنی انا کی تسکین کے لئے کچھ نہیں کرتے کہ کسی سے ناراض ہوئے تو اس کا سر قلم کر دیا اور کسی پر فریفتہ ہوئے تو تمام حدود بالائے طاق رکھ دیں۔ ان کے فیصلے جذبات کے تابع نہیں ہوتے وہ ذاتی تسکین کے لئے ذاتی شہرت کے لئے نمائش کے لئے نیکی نہیں کرتے بلکہ اللہ کی اطاعت میں کرتے ہیں یعنی ان کے انسانی جذبات اطاعت الٰہی کے اندر رہتے ہیں۔

انسان کی دو قوتیں ایسی ہیں جو انسان پر غلبہ پالیں تو انسان ان کے آگے بے بس ہو جاتا ہے۔ ایک قوت غضبیہ، دوسری قوت شہوانیہ۔ متقین کی یہ صفت ہے کہ انہیں ان دو قوتوں پر کنٹرول حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ جذبات سے مغلوب نہیں ہوتے اپنے جذبات پر غالب رہتے ہیں اس لئے کہ اللہ کی رضا کے حصول کی خواہش ان پر غالب رہتی ہے۔ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وہ اللہ کی مخلوق سے درگزر کرتے ہیں۔ ان کی بہتری چاہتے ہیں انہیں سزا دینے اور ایذا پہنچانے کے درپے نہیں رہتے، اللہ کی مخلوق کے لئے بہتری اور بھلائی چاہنے والے ہوتے ہیں۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

محسنین کون؟

یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے، محسنین کون ہیں؟ جو خلوص دل سے اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ حدیث جبرئیل میں ملتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں سوال پیش کیا گیا کہ فرمایئے احسان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان تعبد الله کانك تراه وان لم تکن تراه فانه یراك (ابن ماجہ) اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے تو اس کے روبرو ہے اور اگر تیرے دل میں اتنی صفا نہیں ہے اتنی نورانیت نہیں ہے کہ تو جان سکے کہ اللہ تیرے روبرو ہے تو یہ یقین تمہیں کم از کم ہونا چاہیئے کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اللہ کو نہیں دیکھ رہا تو اللہ تجھے دیکھ رہا ہے اور عبادت صرف نماز روزہ نہیں ہر کام عبادت ہے۔ جب وہ اللہ کے روبرو کیا جائے یہ کیفیت ہر کام میں مطلوب ہے یعنی کوئی بھی کام ذاتی شہرت ذاتی خواہش اور وقتی فائدے کے لئے نہیں اللہ کی رضا کے لئے کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب بدکاری کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے اور جب فارغ ہوتا ہے تو ایمان لوٹ آتا ہے۔ اس کی شرح میں محدثین کرام لکھتے ہیں کہ جب بندہ بدکاری میں مصروف ہوتا ہے تو اسے یہ خیال نہیں رہتا کہ اللہ کریم دیکھ رہا ہے اور اگر اسے یہ احساس ہو تو کوئی بھی شخص اللہ کریم کے سامنے اس کے روبرو یہ کام کیسے کر سکتا ہے تو اللہ کے روبرو ہونے کا احساس رخصت ہو جائے تو گویا ایمان چلا جاتا ہے اور گناہ کے بعد جب احساس گناہ ہو جائے تو ندامت ہوتی ہے کہ کیا غلط کام ہو گیا تو ندامت گویا ایمان کا واپس آنا ہے۔

ان آیات میں متقین کی صفات بتائی گئی ہیں کہ وہ اللہ کی عطا کی ہوئی نعمتیں قوتیں صلاحیتیں اپنا سرمایہ اپنا علم و ہنر اور تمام کمالات فراخی اور تنگی دونوں حالتوں میں اللہ کی راہ میں استعمال کرتے ہیں۔ جذبات کی رو میں بہہ کر کسی کا کچھ نہیں بگاڑتے۔ اپنی ذاتی پسند و ناپسند پر کسی کا بھلا برا نہیں چاہتے لوگوں سے درگزر کرتے ہیں۔ لوگوں کی لغزشوں سے درگزر کرتے انہیں معاف کرتے رہتے ہیں اور اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہیں۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ اللہ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ محسنین اللہ کے روبرو رہ کر اس کی اطاعت میں لگے رہتے ہیں اللہ کی عظمت کا یقین رکھتے ہوئے اسے حاضر و ناظر جانتے ہوئے اللہ کو اپنے پاس اپنے قریب اپنے ساتھ سمجھتے ہوئے اللہ کی رضا کے لئے محنت کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن سے اللہ محبت کرتا ہے۔

غلطی اور گناہ اور بخشش:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ
مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا
بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

انسان کبھی فرشتہ نہیں ہوسکتا کہ دنیا اوراس کی ضرورتیں، انسانی نفس اوراس کی خواہشات پھر بھول چوک اور غلطی یہ سب انسان سے خطا ہو جانے کا سبب بن جاتے ہیں اور اللہ کریم نے یہ شرط بھی نہیں رکھی کہ انسان فرشتہ بن جائے۔عہد نبویؐ میں کچھ لوگ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ جب ہم آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو کیفیات بالکل مختلف ہوتی ہیں۔حضور حق نصیب ہوتا ہے اور جب ہم کاروبار کے لئے باہر نکلتے ہیں اور عملی زندگی میں جاتے ہیں تو کہیں نہ کہیں بھول چوک ہو جاتی ہے۔وہ کیفیت نہیں رہتی جیسی حضوری میں ہوتی ہے تو ایسی دعا عطا فرما دیجئے کہ ہم سے کوئی خطا نہ ہو۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم سے کوئی خطا نہ ہو اور تم اس خطا کے لئے اللہ سے بخشش نہ مانگو اور گڑگڑاؤ نہیں تو اللہ کریم تمہیں اٹھالے گا اور تمہاری جگہ ایسے انسان پیدا کرے گا جو اس کی ذات پر یقین رکھتے ہوں گے، اس سے محبت بھی کرتے ہونگے اور جن سے بتقاضائے بشریت غلطیاں بھی سرزد ہو جائیں گی اور جو اس کی مغفرت کے طالب ہونگے اس کی بارگاہ میں سر جھکا کر معافی چاہیں گے۔سو یہ انسانی مزاج ہے کہ وہ فرشتہ نہیں بن سکتا۔

معصوم عن الخطا ہونا انبیاءؑ کا وصف ہے نبیؑ سے کبھی خطا سرزد نہیں ہوتی۔ہوسکتی ہی نہیں اس لئے کہ نبیؑ مطاع ہوتا ہے اور امت کے تمام لوگ نبیؑ کے پیچھے چلنے کے مکلف ہوتے ہیں۔اگر اللہ کا نبیؑ خطا کرے تو پوری امت اس خطا کو عبادت سمجھ کر اس پر عمل کرتی رہے گی اس لئے اللہ کریم نے انبیاءؑ کو خطا سے پاک اور بالاتر بنا دیا اسی لئے نبیؑ کو معصوم مانا جاتا ہے۔دوسرے کسی شخص کے بارے اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ معصوم عن الخطا ہے اس سے خطا کا صدور ممکن نہیں تو یہ اس کو نبیؑ ماننے کے برابر ہے یعنی جسے معصوم مانا جائے گویا اسے نبیؑ مانا جا رہا ہے۔

تو فرمایا جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات سے محبت کرتے ہیں، عشق کرتے ہیں، اللہ کریم سے محبت کرتے ہیں، اللہ کی اطاعت میں پوری محنت کرنے کے بعد کبھی کبھار غلطی ان سے بھی ہو جاتی ہے اور گناہ بھی ہوسکتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً وہ لوگ جو کسی وقت غلط کام کر گزرتے ہیں۔ اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یا اپنے اوپر کوئی ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرنے لگ جاتے

ہیں انہیں احساس ہو جاتا ہے کہ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یوں بندہ اللہ کریم کی یاد کی طرف پلٹتا ہے اور پھر اپنے گناہ کے لئے اللہ سے بخشش چاہتا ہے اپنی غلطی کی تلافی چاہتا ہے اللہ کریم سے مغفرت چاہتا ہے تو اللہ کی رحمت بے پایاں کو پالیتا ہے۔

فرمایا وَمَنۡ يَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰهُ جب بندے سے غلطی ہو جائے خطا ہو جائے کوتاہی ہو جائے تو پھر اللہ کے سوا کون ہے جو بندے کے گناہ بخشے۔ بخشنا اسی کا کام ہے اور بخشش اسی کا انعام ہے۔ کسی نے کہا تھا۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
کافر و جبر و بت پرستی باز آ

یعنی کوئی گناہ کر چکے ہو یا زیادتی کچھ بھی کر چکے ہو، علاج اس کا توبہ ہی ہے۔ توبہ کے علاوہ کوئی علاج نہیں۔

ایں درگہ ما درگہ نا امیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

اور اللہ کریم کی بارگاہ ایسی ہے کہ وہ نا امید ہونے کی جگہ نہیں اگر تو سینکڑوں بار توبہ کر کے توبہ توڑ چکا ہے تو اس کا علاج پھر توبہ ہی ہے۔

گناہ کیا ہے؟

اسلام نے بتایا ہے کہ گناہ کیا ہے؟ گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنی حدود سے باہر نکل کر کوئی کام کرے۔ اس لئے کہ اسلام نے ہر آدمی کے حقوق و فرائض کی ایک حد متعین کر دی ہے۔ کمانے کھانے، خرچ کرنے، میل ملاپ، دوستی دشمنی غرض تمام امور زندگی کی حدود متعین ہیں کسی بھی طرف سے کسی بھی حد سے گزرنا زیادتی ہے، گناہ ہے۔ ہر گناہ خود اپنے اوپر زیادتی ہے ظلم ہے اور ہر گناہ و زیادتی اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتی ہے۔ اللہ کی ناراضگی اس کی رحمت سے دور کرنے کا سبب بنتی ہے اور رحمت الٰہی سے محرومی اللہ کے عذاب کو دعوت دیتی ہے۔ اس ضمن میں صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ ذکر اللہ یا اللہ کی یاد یہ نسیان کے مقابلے میں آتا ہے کہ جب ذکر نہیں ہوگا تو نسیان ہوگا۔ نسیان کا معنی ہے بھول جانا۔ جب بھی اللہ کی عظمت چند لمحے نگاہوں سے اوجھل ہوگی چند لمحے بھی دل سے اتر جائے گی تو وہی لمحات بندے کو گناہ میں ظلم میں مبتلا کر دیں گے تو اس بھول جانے کا علاج یہی ہے کہ پھر عظمت الٰہی کو دل میں لائے۔ اس کی یاد کو دل میں لائے اللہ کا ذکر کرے۔ اور جو ذکر اللہ کرتے ہیں اللہ کی عظمت ان کے سامنے آجاتی ہے اور انہیں سمجھ آجاتی ہے

کہ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔

علماء کرام نے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی فہرست بنائی ہے تا کہ مومنین گناہوں سے بچیں۔ گناہوں سے بچنے کی ایک دوسری صورت بھی ہے وہ یہ کہ انسان اس پہلو سے غور کرے کہ گناہ صغیرہ بھی ہو تو نافرمانی کس کی ہے کہ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو صغیرہ گناہ کو چھوٹا سمجھ کر کرنا ایک جرم بن جاتا ہے اور اتنا ہی بڑا جرم بنتا ہے جتنی بڑی ہستی کی نافرمانی کی ہے۔ دنیاوی نظام میں مثال دیکھی جاسکتی ہے کہ ایک چپڑاسی آپ سے بات کرتا ہے آپ اس کی بات نہیں مانتے لیکن جب کسی مجسٹریٹ کی بات آجائے اور آپ اس کا انکار کریں تو نتائج کے اعتبار سے کتنا بڑا فاصلہ آجاتا ہے کہ حاکم کے روبرو اس کا حکم نہ ماننا کتنا بڑا جرم ٹھہرتا ہے اس لئے ہر گناہ نافرمانی ہے اور نافرمانی اللہ کی ذات کی ہے اس حوالے سے دیکھا جائے تو کوئی گناہ صغیرہ نہیں رہتا ہر گناہ ہی بڑا جرم بن جاتا ہے۔ اللہ پاک نے ہر گناہ کی دوا ذکر اللہ ہی بتائی ہے کہ اللہ کی یاد کی جائے اللہ کی عظمت دل میں آئے پھر نافرمانی کرنیوالا اپنے گناہ کی معافی مانگے۔ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ اور اپنے جرم کی جب سمجھ آجائے تو اس پر اصرار نہ کرے اکڑ نہ جائے اسے عادت نہ بنالے۔

انسان سے کوتاہی ہو ہی جاتی ہے نافرمانی ہو ہی جاتی ہے انسان غصے میں آکر کچھ کر ہی گزرتا ہے کبھی لالچ میں آکر کبھی خوف اور دباؤ میں آکر وہ کر گزرتا ہے جو اسے نہ کرنا چاہئے تھا لیکن اگر گناہ ہو گیا تو اسے فوراً عظمت الٰہی کو دل میں لانا چاہئے۔ اللہ سے معافی طلب کرنی چاہئے۔ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ تو پھر اللہ کے علاوہ کون ہے جو بخشے گا لیکن اگر وہ اکڑ گیا کہ نہیں میں ایسا ہی کروں گا تو پھر جرم کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے۔ قرآن حکیم بتاتا ہے کہ حضرت آدم علی نبینا علیہ السلام سے خطا ہوئی اور جیسے ہی انہوں نے یہ ممنوعہ پھل کھایا تو اللہ کریم کی طرف سے ارشاد ہوا کہ آپ کو پہلے سے منع کر دیا گیا تھا اور اس ضمن میں شیطان کے دھوکے سے بھی خبردار کیا گیا تھا تو پہلی بات جو انہوں نے کہی وہ یہ تھی۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ (سورۃ الاعراف 23)

اے اللہ ہم نے اپنے آپ پر بڑی زیادتی کی اب تیری بخشش اور مغفرت کی ضرورت ہے تو اگر بخشے گا نہیں تو ہمارے پلے کچھ نہیں بچے گا۔

دوسرا انداز ہے اکڑنے کا، شیطان سے نافرمانی ہوئی اس نے سجدہ نہ کیا جب اللہ نے باز پرس کی تو اکڑ گیا اور دلائل دینے لگا کہ اگر میں نے سجدہ نہیں کیا تو ٹھیک کیا ہے کیونکہ میں اس سے بہتر ہوں۔ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ مجھے آپ نے آگ سے بنایا ہے اور اسے آپ نے کیچڑ مٹی سے بنایا ہے۔ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ (الاعراف: 12) اور پھر کہنے لگا جس طرح تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے یعنی تو نے مجھ سے یہ

گناہ کروایا ہے اگر تو نہ چاہتا تو میں کیوں کرتا یعنی اپنے جرم کو اپنی غلطی کو تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کے جواز میں دلائل دینے لگ گیا اور بالآخر اپنے کیے کو اللہ کے ذمے ڈال دیا تو اس رویے پر اللہ نے اسے راندہ درگاہ کر دیا اور وہ مردود ہو گیا۔

آج بھی یہ رویہ دیکھا جا سکتا ہے اور ایک عام رواج ہو گیا ہے کہ کوئی قتل کر دے یا ڈاکہ ڈالے کہتے ہیں بس اس کے لئے ایسا ہی لکھا ہوا ہے اگر اللہ نہ چاہتا تو ایسے کیوں ہوتا اگر ایسا ہوا تو یہ اللہ کی ہی مرضی ہے، تقدیر ہی ایسی تھی یعنی اپنا جرم ماننے کے بجائے اپنے گناہ کو اللہ کریم کے ذمے لگا دیتے ہیں حالانکہ اللہ تو روک رہا ہے، اللہ کا رسول ﷺ روک رہے ہیں۔

گناہ اور غلطی تو کسی سے بھی ہو سکتی ہے صرف انبیاءؑ غلطی سے پاک ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی معصوم عن الخطا نہیں ہوتا۔ غیر نبی صحابہ کرام سے لے کر بزرگان دین تک اولیاء اللہ، علمائے حق محفوظ ہوتے ہیں، اللہ ان کی حفاظت فرماتا ہے اور گناہ سے انہیں محفوظ رکھتا ہے لیکن وہ معصوم نہیں ہوتے خطا کا امکان بڑے سے بڑے ولی اللہ کے پاس بھی رہتا ہے۔

خطا کے علاج:

پہلی بات یہ ہے کہ بندے کو یہ احساس ہو جائے کہ اس سے غلطی ہو گئی ہے اور وہ خطا کو اپنی طرف منسوب کرے کہ یہ زیادتی تو مجھ سے ہو گئی آئندہ اللہ کی توفیق سے ایسا نہیں کروں گا اور اللہ سے اپنے گناہ کی مغفرت چاہے تو اس کی مغفرت بہت وسیع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی زمین و آسمان کو اپنے گناہوں سے بھر دے تو اللہ کی رحمت کو عاجز نہیں کر سکتا اسکی رحمت وسیع تر ہے وہ آن واحد میں سب کو معاف کر سکتا ہے سو ایسے لوگ جو اپنی خطاؤں پر نادم ہو کر اصلاح احوال کی کوشش میں لگ جاتے ہیں اللہ سے مغفرت طلب کرتے ہیں ان کے بارے اللہ کریم فرماتے ہیں۔

أُولَٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ایسے لوگوں کا اجر اللہ کی طرف سے بخشش ہے۔ جنہیں بخشش نصیب ہو جائے تو وہ جنت کے مستحق ہو جاتے ہیں ان کا اجر وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اللہ کے وہ باغ ہیں جن میں دوام ہے، ہمیشہ کی راحت ہے، دکھ اور تکلیف نام کی کوئی چیز نہیں۔ خفت و شرمندگی یا پریشانی نام کی کوئی چیز نہیں جہاں موت بھی نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہے۔ ایسے باغ ہیں نہریں جن کے تابع بہتی ہیں۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اور وہ باغ بھی ہمیشہ رہنے والے ہیں اور جنہیں ان میں بسایا جائے گا وہ بھی وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ اچھے کام کرنے والوں کو اور نیک اعمال کرنے والوں کو کیا ہی اچھا بدلہ دیا جائے گا

اور کیا ہی خوب انعام دیئے جائیں گے کہ انسان تو اپنی حیثیت، استعداد اور اپنے خلوص کے مطابق کام کرتا ہے۔ اعمال کرتا ہے، اللہ کریم اپنی شان کے مطابق انعام عطا کرتے ہیں اور اپنے بندوں کی تھوڑی سی مزدوری پر بڑے بڑے انعامات عطا فرماتے ہیں۔

فرمایا، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ صرف تم ہی اس دنیا میں نہیں آئے تم سے پہلے سے یہ معمورہ عالم آباد ہے تم سے پہلے کتنے لوگ آکر گزر چکے کتنی آبادیاں بس کر اجڑ چکیں کتنی حکومتیں بن کر بگڑ چکیں کتنے بڑے بڑے لوگ موت کی نذر ہو گئے۔ بے شمار اقوام عالم، ان گنت سلاطین و فرمانروا، بادشاہ و جرنیل جابر و طاقتور آکر چلے گئے۔ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ ذرا زمین پر پھر کر دیکھو بڑے بڑے مقابر اونچے اونچے قلعوں کی گری ہوئی دیواریں اور کچلی ہوئی بنیادیں بچے کھچے کھنڈر اور ویران گھر تمہیں ان کی داستان سنائیں گے۔ تمہیں بتائیں گے کہ جن لوگوں نے بڑے بڑے محل تعمیر کئے تھے آج ان کی قبروں کے نشان بھی نہیں ملتے جن کے اشارہ ابرو پر دنیا قربان ہوتی تھی ان کے آثار نہیں ملتے۔ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١٣٧﴾ جنہوں نے عظمت الٰہی کا انکار کیا ان کے آثار دیکھو کس طرح نشان عبرت ہو گئے اللہ کے نافرمانوں کے آثار دیکھو اور عبرت حاصل کرو آج چنگیز خان کو تلاش کرو جس کی چنگیزیت ظلم کا نشان بن گئی تھی۔ ہٹلر کو ڈھونڈو ان جابر فاتحین کو تلاش کرو جنہوں نے عظمت الٰہی کو فراموش کر کے ایک عالم کو تہ تیغ کر ڈالا۔ سکندر اعظم کو تلاش کرو۔ کہاں ہیں ان کی عظمتیں آج فرعون قاہرہ کے عجائب گھر میں پڑا ہے کیوں نہیں بولتا؟ کیوں نہیں اٹھتا کیوں حکم نہیں دیتا، کہاں ہے خدم و حشم کہاں ہیں اس کی فوجیں اس کے خزانے اس کی طاقت؟ کچھ بھی نہیں ایک بے جان لاش ہے جو سوکھ کر تختہ ہو گئی ہے جہاں رکھ دیتے ہیں وہیں پڑی رہتی ہے۔ اللہ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ وہ جو کہتا تھا کہ میرے سوا کسی دوسرے معبود کا تصور نہیں اسے اللہ کریم نے فرمایا کہ تجھے میں پچھلے آنے والوں کے لئے عبرت کا نشان بنا کر رکھوں گا۔

سو زمین پر چل پھر کر دیکھ مکذبین کا اور انکار کرنے والوں کا کیا حشر ہوا۔

هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٨﴾ یہ قرآن ساری اولاد آدم کے لئے، ساری انسانیت کے لئے مفصل بیان ہے جس میں عقلی دلائل بھی ہیں نقلی دلائل بھی ہیں۔ گزشتہ اقوام عالم کو بطور مثال بھی پیش فرماتا ہے۔ پہلی کتابوں کے حوالے بھی دیتا ہے اس کا ہر حکم انسانی شعور اور عقل کے مطابق ہے اور یہ نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو متقین ہیں جو اللہ سے اپنا تعلق استوار کر لیتے ہیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنا دل لگا لیتے ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں اور راہ ہدایت کا سفر اختیار کر لیتے ہیں تو ان مسافرین ہدایت کے لئے یہ رہبر بھی ہے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنے ساتھ چلاتا بھی ہے اور بڑے آرام سے

انہیں منزل پر پہنچا دیتا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں پہنچا دیتا ہے۔

راستے کو جاننا اور راستے کو قطع کرنا یہ دو کام ہیں:

قرآن حکیم تمام انسانوں کو راستہ قطع کرنے کا طریقہ وسلیقہ بتاتا ہے یہ لوگوں کو راستے کے سارے نشیب وفراز بتا دیتا ہے۔ بتاتا ہے کہ یہ راستہ کیسا ہے؟ کہاں جاتا ہے اس میں کتنا آرام ہے کتنی سہولتیں ہیں کس باعزت طریقے سے سواری ملتی ہے کھانا ملتا ہے اور یوں رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے اور جو اس رہنمائی کو قبول کرلے اس کا ہاتھ پکڑ کر چلانا رہبری ہے اور قرآن حکیم رہبری کا یہ فریضہ ان کے لئے انجام دیتا ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے اپنا دل لگا بیٹھتے ہیں یہی متقین ہیں اور انہیں یہ بڑے آرام سے منزل مراد پر پہنچا دیتا ہے۔ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾ یہ غزوہ اُحد کے بعد کا قصہ ہے مسلمانوں پر بہت دباؤ پڑا ستر مسلمان شہید ہوئے اور تقریباً سارا ہی لشکر اسلامی سوائے چند افراد کے زخمی ہوئے۔ اکابر صحابہؓ شہید ہوئے خود حضور سرور کائنات ﷺ بھی زخمی ہوئے۔ مشکلات بہت آئیں لیکن فرمایا ان مشکلات سے گھبراؤ نہیں تھکو نہیں کہ راہ حق پر چلنے والوں کی زندگی میں مشکلات بھی آتی ہیں، طوفان باد و باراں بھی آتا ہے مطلع صاف بھی ہوجاتا ہے سو زندگی کے نشیب وفراز سے گزرتے ہوئے تھکنا نہیں چاہئے اور وَلَا تَحْزَنُوا تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

اگر تمہارے ہاتھ میں دامان محمد رسول اللہ ﷺ ہے تو فکر کی ضرورت نہیں:

نہ رنج کی ضرورت ہے۔ نہ اس اندیشے کی کہ ہم تو محنت کررہے ہیں لیکن ہوگا کیا؟ فرمایا ہوگا یہ کہ تم ہمیشہ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ فتح مند رہوگے۔ دنیا میں موت میں اور آخرت میں فتح تمہارا مقدر ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ دامان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔ اور اس کے مقابل کفار کی حالت دیکھو کس کے لئے لڑے؟ باطل کے لئے زخم کس کے لئے کھائے؟ باطل کے لئے مرے باطل کے لئے اور جہنم واصل ہوئے۔

اور تم ہر حال میں فتح مند رہے تو کس کے لئے لڑے؟ حق کے لئے جو جان سے گئے وہ شہید ہوئے اللہ نے انہیں وہ عظمت عطا کی کہ موت ہار گئی اور وہ جیت گئے جو زخمی ہوئے انہیں ایک ایک قطرہ خون کا اجر بے حساب ملے گا سو راہ حق میں زخم لگے تو تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوا تم ہر لحاظ سے فائدے میں رہے۔

ہمارے لئے بھی یہ آیت فرمارہی ہے وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا تھک ہار نہ جایا کرو۔ اللہ کی اطاعت وعبادت کا وقت آئے تو آپ کے اعضا جواب نہ دے جایا کریں کہ کون بستر سے اٹھے وضو کرے اور نماز پڑھے۔

صاحب روح المعانی نے محبت کو بیان کیا ہے کہ محبت کیا ہوتی ہے عربی کے جملوں کا ترجمہ یہ بنتا ہے کہ محبت ایک جذبہ لطیف ہے۔ اگر محبوب زیادتی کرے تو یہ کم نہیں ہوتا اور اگر وہ مہربانی کرے تو یہ بڑھتا نہیں یعنی اگر محبوب لطف و کرم کرے تو یہ اس کا کرم ہے اور اگر زیادتی کرے تو اس کی مرضی لیکن محبت کا جذبہ ہر صورت اپنی جگہ قائم رہتا ہے اور بندے کو اپنے محبوب کا مطیع اور تابعدار بنائے رکھتا ہے اور اگر محبت زیادتی کرنے پر گھٹتی ہو اور کچھ ملنے پر بڑھتی ہو تو وہ محبت نہیں تجارت ہے، سوداگری ہے کہ کچھ ملے تو بندہ آگے بڑھتا رہے یہ تو مفاد پرستی ہے۔

اللہ کے ساتھ تعلق مفادات سے بالاتر ہے یہ تعلق سود و زیاں سے بلند ہے۔ تکلیف یا دکھ آنے سے یہ گھٹتا نہیں اور فراخی آئے تو اپنی جگہ قائم رہتا ہے اللہ کی فرمانبرداری اور اس کی اطاعت میں کوشاں ہی رہتا ہے۔ فرمایا اگر یہ جذبہ صادق تمہیں نصیب ہے تو اللہ رب العالمین تمہیں گارنٹی دیتا ہے کہ تم ہمیشہ فتح مند رہو گے۔

آج جب ہم اللہ کے اس وعدے کو اور اپنی موجودہ حالت کو دیکھتے ہیں تو یوں سمجھ آتی ہے کہ دور حاضر کی ساری مصیبتیں روئے زمین پر پھیلے مسلمانوں پر ٹوٹ رہی ہیں۔ قتل و غارت اور تباہی ان پر مسلط ہے۔ کفار ان پر غالب ہیں اور دنیا کے بدترین کافر یہودی نے ہمیں کھلونا بنا رکھا ہے اس کا سبب کیا ہے؟ اس کا سبب وہ آخری شرط جو اللہ نے رکھی تھی اس کا ہم سے کھو جانا ہے۔ اس نے فرمایا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾ اگر تم ایمان پر قائم رہے اگر تمہارا جذبہ دروں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قائم رہا تو تم غالب رہو گے یہی وہ گم گشتہ پہلو ہے کہ ہم مسلمان تو ہیں الحمدللہ، نام بھی مسلمانوں جیسے ہیں دعویٰ بھی اسلام کا ہے لیکن اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق والی بات کمزور پڑ گئی ہے۔ چار پیسے حرام کے مل رہے ہوں تو اپنی مسلمانی کے باوجود ہم نہیں چوکتے۔ دوسرے کا حق کھانے سے ہم باز نہیں آتے۔ عبادت کے لئے ہمارے پاس فرصت نہیں۔ قرآن کریم کھولنے کا وقت نہیں ملتا۔ دنیا بھر کے ناول اور افسانے پڑھ لیتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کو پڑھنے کی فرصت نہیں۔ دنیا بھر کے چینلز سے جھوٹے ڈرامے اور فلمیں دیکھتے ہیں جہاں ٹی وی سیٹ سے لے کر کیبل تک اخراجات اٹھتے ہیں تو پھر یہ کیسی مسلمانی ہے اور اس پر یہ امید رکھنا کیسا ہے کہ اللہ کا وعدہ تھا کہ مسلمانو تم ہی فاتح، غالب اور کامیاب رہو گے جبکہ اگلی شرط پر ہم قائم نہیں رہے۔

اللہ اپنے وعدے پر ہمیشہ سے قائم ہے کہ اگر دامان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تم وابستہ رہے میری ذات سے محبت رکھی میرے ساتھ تمہارا رشتہ خلوص قائم رہا تو ہر حال میں کامیابی تمہاری ہے۔

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٠﴾ اگر اس

جنگ میں (یعنی اُحد) مسلمانوں کو دکھ پہنچا ہے مسلمانوں کو زخم لگے ہیں، مسلمان شہید ہوئے ہیں تو جنگ میں ایسا تو ہوتا ہی ہے کیا اس سے پہلی جنگ یعنی (بدر میں) مشرکین و کفار کے بہت سے لوگ اسی طرح زخمی نہیں ہوئے یا مارے نہیں گئے؟ یہ عالم دنیا کا نظام ہے دن پھرتے رہتے ہیں۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ کفار کے مارے جانے میں اور مسلمانوں کے زخمی اور شہید ہونے میں بہت بڑا فاصلہ ہے۔ کفار باطل کے لئے زخمی ہوئے باطل کے لئے مارے گئے اور نتیجتاً جہنم واصل ہوئے۔ مسلمان اگر لڑے تو حق کے لئے لڑے زخمی ہوئے تو غازی کہلائے اور جان دے دی تو شہید ہوئے عظمت شہادت نصیب ہوئی۔

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ دنیا کے نظام میں چیزیں اوپر تلے ہوتی رہتی ہیں دن پھرتے رہتے ہیں۔ دکھ مصیبتیں، تکلیف اور راحتیں گھومتی رہتی ہیں کبھی صحت ہوتی ہے کبھی بیماری آجاتی ہے، کبھی اقتدار آجاتا ہے کبھی اقتدار چلا جاتا ہے۔ شب و روز بدلتے رہتے ہیں اور یہ سلسلہ جاری رہتا ہے کبھی گرمی ہوتی ہے کبھی سردی آجاتی ہے۔ اسی طرح راحت اور رنج بھی گردش میں رہتے ہیں دنیا میں کوئی ایسا بندہ نہیں جس پر سدا راحت رہے۔ بات بندے کے محسوس کرنے کی ہے اگر اس کا تعلق ذات باری سے ہے اور اسے اللہ کی تائید اور اللہ کی محبت اور اللہ کی رحمت حاصل ہے تو اسے سکھ میں سکون ملتا ہے اور دکھ میں بھی قلبی سکون قائم رہتا ہے اس کے دکھ بھی اس کے ترقی درجات کا سبب بن جاتے ہیں۔ تلافی مافات کا سبب بن جاتے ہیں اور اگر کوئی اللہ سے بیگانہ ہے اور اسے نور ایمان نصیب نہیں ہے تو نظر آنے والے سکھ بھی اس کے لئے دکھ بن جاتے ہیں۔ مال اور اولاد بھی اس کے لئے امتحان اور آزمائش کا سبب بن جاتی ہے۔ دنیاوی نعمتوں کے باوجود اسے سکون میسر نہیں ہوتا لہٰذا یہ کوئی بددل ہونے کی بات نہیں۔ اُحد میں مسلمان بہت زیادہ زخمی ہوئے اور شہید ہوئے تو کوئی بڑی بات نہیں وہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلے تھے جو مارے گئے وہ شہید ہوئے جو زخمی ہوئے وہ غازی بنے دونوں صورتوں میں اللہ نے انہیں بڑی عظمتیں عطا کیں لیکن یہ بھی تو سوچو جو تمہارے مقابلے میں مارے گئے بدر و احد میں مارے گئے وہ کتنے خسارے میں رہے کہ دکھ بھی اٹھایا اور زندگی بھی ہار گئے اور مرتے ہی دوزخ میں داخل ہو گئے۔

دار دنیا ہر ایک کے لئے آزمائش گاہ ہے:

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ اللہ کریم نے دنیا کو دار ابتلاء بنایا ہے۔ اس میں اللہ کریم ہر ایک کو آزماتے ہیں اور مومنین کے لئے یہ بہت بڑی آزمائش ہے جو دعویٰ ایمان رکھتے ہیں تو کیا وہ ایمان کے لئے قربانی دینا بھی جانتے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بعثت عالی سے لے کر ہمیشہ کے

لئے ساری انسانیت کے لئے نبی مبعوث ہوئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ذات قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے نمونہ بنادی گئی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقلید میں ہی اللہ کی رضا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو، شریعت کو، قرآن حکیم کو عالم انسانیت تک کون پہنچائے گا؟ دار دنیا میں یقیناً ایسے افراد کی ضرورت ہوگی ان لوگوں کی ضرورت ہوگی جو حضور اکرم ﷺ کا ساتھ دیں آپ ﷺ کے ساتھ سرد وگرم زمانہ سے گزریں اور شریعت پر عمل کر کے ثابت کریں کہ صرف نبیؑ ہی نہیں ہر مسلمان شریعت پر عمل کرسکتا ہے۔

صحابہ کرام کا اعزاز:

صحابہ کرامؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے سفر وحضر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے فیض پایا اور پوری دیانتداری کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمانہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات زندگی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انداز واطوار معاشرت ومعیشت سیاست وحکومت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خانگی امور ازواج مطہرات واولاد طیبہ کے ساتھ برتاؤ گھر کے اندر اور باہر کے امور کی انجام دہی کی تفصیلات صلح وجنگ میں آپ ﷺ کا رویہ غرض زندگی کا کوئی راستہ ایسا نہیں ہے جس پر نقوش کف پائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثبت نہ ہوں اور صحابہ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ایک انداز کو آگے دنیا تک پہنچایا اور اس کا حق ادا کردیا کہ آج چودہ صدیوں بعد بھی مسلمانوں کے پاس آپ ﷺ کی ساری حیات طیبہ کا بچپن سے وصال تک کا لمحہ لمحہ محفوظ ہے۔

تعلق میں اخلاص:

یہی بات صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے اللہ کریم نے غزوہ اُحد کے موقع پر ارشاد فرمارہے ہیں کہ زندگی کے حالات سب کے بدلتے رہتے ہیں اور ساری اولاد آدمؑ اس سے گزرتی ہے مومن وکافر ہر ایک اس نشیب وفراز سے گزرتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جنہیں نور ایمان نصیب ہے وہ اطاعت الٰہی کرتے ہیں خواہ وہ تنگی میں ہوں یا راحت میں۔ اقتدار واختیار ہو تب بھی اللہ کی اطاعت کرتے ہیں قید ہوجائیں تب بھی اللہ کی اطاعت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ یعنی گردش ایام اللہ کے بندوں کا اللہ سے تعلق متاثر نہیں کرتی حالانکہ گردش ایام دنیاوی رشتوں میں بھی فاصلے لے آتی ہے۔ باپ اپنے بچوں کو پیٹ کاٹ کر پڑھاتا ہے اعلیٰ عہدوں تک پہنچاتا ہے لیکن جب وہ ضعیف ہو جاتا ہے تو بیٹے اسے چھوڑ جاتے ہیں دنیا میں باپ اور بیٹے سے بڑا کیا رشتہ ہوگا؟ ماں اور بیٹے سے بڑا رشتہ اور کیا ہوگا لیکن اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بیٹے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور والدین کو نہیں پوچھتے لیکن مومن کا جو تعلق اللہ اور اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوتا ہے اگر واقعی وہ تعلق ہو تو وہ گردش ایام سے متاثر نہیں ہوتا۔ تنگی آئے یا فراخی زندگی ملے یا موت ان کا ہر حال انہیں اللہ اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں آگے ہی بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ صحابہؓ کی زندگیاں ان کی مثالی محبت سے لبریز ہیں۔ اُحد میں ایک صحابیؓ کو تلوار لگی اور آنکھ کٹ کر لٹک گئی انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے آنکھ اس کی جگہ پر رکھ دی وہ اسی لمحے ٹھیک ہو کر جہاد میں شامل ہو گئے۔ ایک دوسرے صحابیؓ شدید زخمی ہو گئے انہیں اٹھا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دست مبارک پھیر دیں گے اور بدن درست ہو جائے گا انہوں نے رخ انور کی زیارت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی کہ ان کے رخسار کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدوم مبارک میں رکھ دیا جائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے صحابہؓ نے انہیں اس طرح لٹا دیا کہ ان کا رخسار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک پر تھا اور یوں وہ اللہ سے جا ملے۔ تو اصل بات تو تعلق میں اخلاص اور گہرائی کا ہونا ہے اگر ایک صحابیؓ کی آنکھ درست ہو سکتی ہے تو شدید زخمی صحابیؓ کے زخم بھی درست ہو سکتے ہیں۔ دونوں کی اپنی اپنی چاہت اور اپنی اپنی منزل تھی۔ ایک مزید جہاد کرنا چاہتا تھا دوسرا قدموں میں جان دینا چاہتا تھا تو ان پر گردش ایام نے، حالات کی سختی نے، موت کی تلخی نے کوئی اثر نہیں چھوڑا ان کی اس محبت میں کمی نہ آنے دی جو انہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تھی۔

محبت کیا ہے؟

بہت سے لوگوں نے محبت کو اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے اس کی وضاحت کی ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ محبت ایک جذبہ لطیف ہے ایک لطیف احساس ہے جسے محبوب کی مہربانیاں بڑھاتی نہیں اور اس کی سختیاں کم نہیں کرتیں۔ اگر محبت حقیقی ہو تو محبوب کی طرف سے آنے والی سختی اس محبت کو کم نہیں کر سکتی اور مہربانیاں ہونے لگیں تو بھی اس کی محبت میں اضافہ نہیں ہوتا۔ محبت اپنے حال پر قائم رہتی ہے۔ اگر تکلیف پا کر محبت میں کمی آ جائے اور مہربانی کرنے سے محبت میں اضافہ ہو جائے تو یہ محبت نہیں، سوداگری ہے، لین دین ہے، غرض پوری ہونے کی بات ہے۔ غرض پوری ہو تو تعلق مضبوط ہوتا ہے اور غرض پوری نہ ہو تو تعلق کمزور ہو جاتا ہے وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اللہ کریم ایمان داروں کو آزمائش میں اس لئے ڈالتا ہے کہ اللہ کی کائنات بھی جان لے، فرشتے بھی جان لیں کہ اللہ نے انسان کو کیوں پیدا کیا اور انسان نے محبت کا حق کیسے ادا کیا اور آنے والے لوگوں کے لئے بھی مثال ہو کہ وہ کیا لوگ تھے جنہوں نے اللہ سے ہر حال میں محبت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جانثاری کر کے دنیا کو بتا گئے کہ محبت کیا ہوتی ہے؟ کس طرح کی جاتی ہے؟

مقام حیرت ہے کہ اللہ تو صحابہؓ کی تعریف فرمائے اور آج کے بعض گمراہ فرقے صحابہؓ کو ایماندار ماننے سے انکاری ہوں! اگر اس طرح کی خرافات کو تسلیم کیا جائے تو اسلام کا ثبوت ہی نہیں ملتا کیسے ثابت ہوگا کہ اسلام اللہ کا دین ہے اور قرآن اللہ کی کتاب ہے کون بتائے گا کہ نبوت کا اعلان کس نے سنا؟ کون گواہ ہے؟ کیا میں نے اور آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا؟ کیا صحابہؓ کے علاوہ کسی نے سنا؟ صرف ایک طبقہ ہے انسانوں کا جنہیں صحابہؓ کہتے ہیں انہوں نے سنا ان کے بارے میں قرآن حکیم میں اللہ کا ارشاد ہے۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْأَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ یہ وہ لوگ ہیں جو کائنات بھر میں بازی لے گئے یہ حضور ﷺ کی اطاعت اور جانثاری میں سب پر سبقت لے گئے۔ اللہ نے انہیں ایک طبقہ قرار دے کر سبقت لے جانے والے فرما کر انہیں ساری انسانیت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام امت پر فضیلت دے دی اور پھر اس کے بعد قیامت تک آنے والی ساری انسانیت میں جو کوئی خلوص دل سے ان کی پیروی کرے گا ان کے بارے فرمایا۔ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (سورۃ التوبہ :100) یعنی صحابہؓ ایسے باعمل مخلص تھے کہ ان کا عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں تھا ان کی بات اور عمل پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت کی چھاپ ہے۔ ورنہ دین میں مطاع تو اللہ کا نبی علیہ السلام ہوتا ہے صحابہ کا اتباع تو ضروری نہیں۔ پھر قرآن نے صحابہؓ کے اتباع کا حکم دے دیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا عمل وہ مثالی عمل ہے جس پر انہیں اللہ کی رضا کی سند عطا ہوئی ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے طالب ہیں، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ اللہ کے راضی ہونے کی سمجھ تو آتی ہے بندے کے راضی ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ اس پر اتنے انعامات فرمائے گا کہ وہ حیران رہ جائے گا کہ وہ اور کیا مانگے۔ صحابہؓ کی عظمت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد پاک دلیل ہے کہ اصحابی کالنجوم فبأیهم اقتدیتم اهتدیتم۔ (دار قطنی) میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کسی کی بھی پیروی کرلو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ یعنی تمام صحابہ ہدایت یافتہ ہیں ہادی بھی ہیں رہنما بھی ہیں جس کا دامن تھام لو گے وہ تمہیں مرکز ایمان تک ذات اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا دے گا اور تمہیں اللہ کی حضوری نصیب ہو جائے گی۔

وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ صحابہؓ سے خطاب جاری ہے فرمایا تم میں سے جو موت سے ہمکنار ہو جاتے ہیں اللہ کی راہ میں میرے نبی علیہ السلام کے اتباع میں جو جان دے دیتے ہیں میں انہیں اس بات پر گواہ قرار دے دیتا ہوں شہید بنا لیتا ہوں، عظمت شہادت سے سرفراز کر دیتا ہوں اور وہ اپنی جان دے کر میری عظمت میری توحید کے گواہ بن جاتے ہیں۔ یہی بات سورہ آل عمران آیت 169 میں یوں فرمائی۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا کبھی یہ سوچو بھی نہیں کہ جو اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے وہ مر گئے۔ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ وہ

اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے وہ کھاتے پیتے اور خوش حال ہیں۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٠﴾

یاد رکھو جو ناروا کام کرتے ہیں، ظلم کرتے ہیں کفر کی طرف سے شمشیر بکف ہیں ظلم کی حمایت کرتے ہیں ظلم کو جاری رکھنا چاہتے ہیں وہ اللہ کے ناپسندیدہ لوگ ہیں۔ ان پر اللہ کا غضب ہے

وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہیں اس لئے خود پر آنے والی تکالیف کو اس معیار پر دیکھو کہ کفار نے بھی مشقت اٹھائی، زخم کھائے، مارے گئے لیکن باطل کے لئے اور تمہیں زخم لگے تمہارے لوگ شہید ہوئے تو حق کے لئے۔ تمہارے اور ان کے درمیان کتنا بڑا فاصلہ ہے تمہارا ہر قدم عبادت شمار ہوا، تمہارے شب و روز بارگاہ الٰہی کی حضوری میں بسر ہوئے تمہاری ایک، ایک حرکت عبادت بنی تمہارے ایک ایک زخم کے سبب اللہ کی کروڑوں رحمتیں نازل ہوئیں اور تم اس سعادت سے سرفراز ہوئے کہ تم نے زخم عظمت الٰہی کو اجاگر کرنے کے لئے کھائے اور دنیا پر اللہ کی عظمت منوانے کے لئے کھائے یوں تم اللہ کی عظمت کے گواہ بن گئے اور ظلم کو قیامت تک کے لئے ناقابل قبول بنا گئے۔

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤١﴾ اور یہ بھی مقصود تھا کہ اللہ ایمان والوں کو خالص مومن بنا دے اور کافروں کو نابود کر دے۔ یاد رکھو ہر مقابلے کے دو نتیجے ہوا کرتے ہیں ایک فوری طور پر سامنے آتا ہے اور ایک دائمی ہوتا ہے جو ہمیشہ کے لئے ایک طریقہ کار بن جاتا ہے۔ حق و باطل کی رزم گاہ کا دائمی نتیجہ یہ ہے کہ حق غالب رہے گا اور باطل کو مٹنا ہوگا۔ کسی وقت وقتی طور پر کفار کا پلڑا بھاری ہوسکتا ہے مسلمان شہید ہو سکتے ہیں لڑائی ہاری جا سکتی ہے، مومن جنگ کبھی نہیں ہارتا میدان میں قتل ہو کر شہید بنتا ہے تو قتل ہونا بھی اس کی فتح ہے کہ شہادت اس کی منزل تھی وہ جیت گیا اپنی منزل پا گیا اللہ کی رضا سے سرفراز ہوا کہ مومن کی زندگی کا مقصد ہی حصول رضائے باری تعالیٰ ہے اور یہ جو زخم لگتے ہیں یا دکھ آتے ہیں تو مومن کا میل کچیل صاف ہو جاتا ہے اور اس کا دامن پاک ہو جاتا ہے یعنی اللہ کے نیک بندوں پر جو دکھ، مصیبت اور بیماری یا افلاس آ جاتا ہے تو یہ اس کی تلافی مافات ہو جاتی ہے۔ عبادات میں کچھ کمی رہ گئی، چھوٹی موٹی غلطیاں ہو گئیں اللہ کریم کسی بیماری یا مصیبت کے بدلے اسے معاف کر دیتے ہیں۔ اللہ کے نیک بندوں پر جب مصیبت آتی ہے تو وہ ترقی درجات کا سبب بن جاتی ہے لیکن یہی مسائل و مصائب کافر پر آئیں تو وہ از قسم عقوبات ہوتے ہیں وہ سزا ہوتی ہے، مومن پر آنے والی تکلیف ایسی ہے جیسے کسی کا علاج ہو گیا جیسے کسی زخم کی مرہم پٹی ہو گئی اسے اس سے سکون ملتا ہے راحت ملتی ہے اس کا دل مطمئن و پر سکون ہوتا ہے لیکن کافر چلاتا ہے بے چین ہوتا ہے۔ یعنی مومنین پر مصیبت آئے تو ان کی خطائیں معاف ہوتی ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں

کافروں پر مصیبت آئے تو انہیں نابود کرنے کیلئے آتی ہیں۔

یہ آیات بتاتی ہیں کہ اللہ کریم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے گواہ، نبوت کے قاصد نبوت کے خادم، نبوت کے مبلغ، پیغام الٰہی کو روئے زمین پر نافذ کرنے والے عام کرنے والے بڑے خاص لوگ پیدا فرمائے۔ ایک ایک فرد صنعتِ باری کا نمونہ، کمال انسانیت کا مظہر بنایا۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ یہ دنیا تو آزمائش گاہ ہے یہاں امتحان تو ہوگا اور وہی کامیاب ہوگا جو اپنے پرچے صحیح حل کرے گا یہ بات تو ممکن نہیں ہے کہ بندہ دنیا میں آیا، کھایا پیا مر گیا اور جنت چلا گیا۔ فرمایا اس طرح کوئی جنت نہیں جائے گا اس طرح جنت جانا ہوتا تو پھر سارے حیوانات چرند پرند جنت چلے جاتے۔ جنت جانے کے لئے جنت کی تیاری کرنی پڑے گی اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرنا ہوگا۔ اَمْ حَسِبْتُمْ کیا تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ تم اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ جنت چلے جاؤ گے وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ اور اللہ کریم یہ نہیں دیکھیں گے کہ تم میں سے کس نے جہاد کیا؟ کس کی حیات جہاد سے عبارت ہے کس کی راتیں کس کے دن کس کا کردار جہاد سے عبارت ہے۔

جہاد اور جہاد کی اقسام:

جہاد کیا ہے؟ پوری زندگی اتباع رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گزارنے کی کوشش کرنا جہاد ہے۔ پھر جہاد کی کئی اقسام ہیں اپنے نفس سے جہاد، اپنے مال کے ذریعے جہاد علم اور قلم سے، زبان سے، طاقت سے جہاد اور اسلحہ سے جہاد۔ بنیادی طور پر اللہ کے احکام اور دین کے ہر ہر حکم پر عمل کرنے کے لئے اپنے آپ سے اور معاشرے سے جہاد ضروری ہے اس لئے کہ ہر ایک کے اندر اس کا نفس موجود ہے۔ دنیا میں شیطان موجود ہے اس کے شیاطین کی فوج موجود ہے ان سب سے مقابلہ کر کے ہی انسان اللہ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جہاد سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ واپس ہوتے ہوئے فرمایا۔ رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر او كما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (البیہقی) کہ ہم جہاد اصغر سے یعنی چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آ گئے ہیں۔ میدان کارزار میں داد شجاعت دینے کو حضور ﷺ نے جہاد اصغر فرمایا ہے۔ جب جنگ کا سماں بنتا ہے جوش جذبات میں لوگ وہ کام کر جاتے ہیں جو عام حالات میں کرنا مشکل ہیں لیکن پوری زندگی کو اطاعت الٰہی کے لئے مختص کر دینا، اپنی خواہشات کو تج دینا، احکام شریعت کو وظیفہ بنا دینا یہ جہاد اکبر ہے یہ ہر ہر لمحے کا جہاد ہے۔ سو یہ نہ سوچو کہ یونہی جنت چلے جائیں گے اللہ کریم دار ابتلاء میں آزمائش میں ڈالیں گے پھر پتہ چلے گا کس نے جہاد کیا، کس نے اطاعت الٰہی پر صبر کیا کس نے اللہ اور اللہ

کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو زندگی کا شعار بنالیا کس نے قدم قدم پر نفس کو اور شیطان کو شکست دی کس نے خواہشات کو قدم قدم پر روندا اور کون صبر کر کے سلامتی کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقوش کف پا پر پہرہ دیتا رہا۔ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۖ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

صحابہؓ کا شوق شہادت:

غزوہ اُحد کے واقعات کے تناظر میں اللہ کریم صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہیں کہ تم ہی وہ لوگ ہو جو شہادت کی تمنا کیا کرتے تھے۔ یہ آرزو رکھتے تھے کہ اللہ کی راہ میں موت سے ہمکنار ہو۔ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ اور تم نے دیکھ لیا کہ کس طرح تمہارے سامنے تمہی لوگوں کی تمنائیں پوری ہوئیں اور صحابہؓ کو اللہ نے ان کی تمنائیں قبول کر کے شہادت سے سرفراز کیا تو اُحد میں اکثر مسلمانوں کی شہادت کو نقصان سمجھ کر بددل ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ تو ان کی آرزوؤں اور دعاؤں کی قبولیت کا ثمرہ ہے۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جو شہادت کی تمنا کیا کرتے تھے اللہ نے انہیں شہادت سے سرفراز فرمایا۔ اس کی ایک نہیں کئی مثالیں غزوہ اُحد میں شامل ہونے والوں نے چھوڑی ہیں۔ انہی میں سے ایک عظیم نام عمرو بن جموحؓ کا ہے وہ ایک ٹانگ سے کمزور اور عمر رسیدہ صحابیؓ تھے۔ ان کے چار بیٹے غزوہ اُحد میں شریک تھے ان کے بیٹے چاہتے تھے کہ عمر رسیدہ والد گھر ہی رہیں۔ انہوں نے والد صاحب کی منت سماجت بھی کی کہ ہم آپ کی اولاد ہیں آپ کی نمائندگی جہاد میں کر رہے ہیں لیکن وہ نہ مانے بیٹے اپنی عرض لے کر بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے والد صاحب کو طلب فرمایا تو حضرت عمرو بن جموحؓ نے شوق شہادت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ میں عمر رسیدہ اور ایک ٹانگ سے معذور ہوں پھر بھی میرا دل چاہتا ہے کہ میں جہاد میں حصہ لوں۔ بہت عرصہ اپنی کمزور ٹانگ کو زمین پر گھسٹتا رہا ہوں اب میرا ابھی دل چاہتا ہے کہ جنت کے مرغزاروں میں اسے گھسیٹوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جہاد میں شمولیت کی اجازت دے دی۔ پھر غزوہ اُحد برپا ہوئے اکثر صحابہؓ کی دعائیں قبول ہوئیں وہ شہید ہوئے۔ اکثر صحابہؓ کو احد میں دفن کیا گیا کچھ کے لواحقین ان کے جسد مدینہ منورہ لا کر جنت البقیع میں دفن کرنا چاہتے تھے۔ عمرو بن جموحؓ کے بیٹوں نے بھی چاہا کہ والد کو مدینہ لے چلیں جب وہ ان کا جسد اٹھا کر اونٹ پر رکھتے تو اونٹ اٹھنے سے انکار کر دیتا اور اتار لیتے تو اونٹ چلنے کو تیار ہو جاتا۔ بار بار کرنے پر بھی جب وہ کامیاب نہ ہوئے تو بارگاہ رسالت میں عرض کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا معلوم کرو شہادت سے پہلے کون ان کا ساتھی ان کے ساتھ تھا۔ بیٹے ان کے اس دوست کو بلا لائے جو غزوہ میں ان کے ساتھ تھے انہوں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بتایا کہ جہاد شروع ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے کہا تھا کہ میں

دعا کرتا ہوں تم آمین کہنا۔ پھر تم دعا کرنا میں آمین کہوں گا۔ تو میں نے دعا کی کہ اللہ کریم میں کفر کے کسی بڑے سردار کو قتل کروں اور اس کی ذرہ اور تلوار مال غنیمت میں میرے حصے میں آئے اور یہ بات میرے لئے باعث افتخار ہو۔ انہوں نے آمین کہی تھی پھر انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ میں تیری راہ میں شہید ہو جاؤں اور اُحد میں ہی دفن ہوں اور قیامت کو یہیں سے اٹھوں تو میں نے آمین کہی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آپ لوگ انہیں مدینہ منورہ نہیں لے جاسکو گے انہیں یہیں دفن کر دو۔ یہی ان کی آرزو اور تمنا تھی جو اللہ کریم نے قبول فرمالی۔ صحابہ کرامؓ کی اسی آرزو اور تمنا کی طرف ان آیات مبارکہ میں اشارہ کیا جا رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کی شہادت کو جانی نقصان سے تعبیر نہ کرو اور نہ بددل ہو کہ یہ تو اللہ کی بارگاہ میں ان کی مقبولیت ہے۔ اس کے مقابلے میں کفار کتنے بدنصیب ہیں کہ جو مارے گئے وہ جہنم کا ایندھن بنے اور جو لڑے ان کے دلوں پر اللہ نے مہر کر دی اور انہیں توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ اس ضمن میں ایک بات یاد رہے کہ کچھ لوگوں کو اللہ کریم نے ایمان کی توفیق بعد میں بخش دی حالانکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف پہلے لڑ چکے تھے جیسے ابوسفیانؓ اور خالد بن ولیدؓ۔ لیکن یہ دونوں افراد اپنے ملک اور عقیدے کی حفاظت کے لئے ضرور لڑے لیکن انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کبھی گستاخی نہیں کی کبھی توہین آمیز رویہ نہیں اپنایا، اپنی تنہائیوں میں بھی کبھی نازیبا الفاظ استعمال نہیں کئے بلکہ آپ ﷺ سے نظریاتی اختلاف رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک کا احترام کرتے رہے۔ اس سبب سے ان پر اللہ نے مہربانی فرمائی اور ایمان سے بہرہ ور فرمایا۔ دونوں قبول اسلام کے بعد جلیل القدر صحابیؓ بنے فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے گھر کو دارالامان قرار دیا اور خالد بن ولید کو حضور ﷺ نے سیف اللہ کا لقب عطا کیا اور سیف اللہ نے اللہ کی راہ میں ایک سو اٹھائیس جنگیں لڑیں اور ہر جنگ میں فاتح رہے۔ سارا جسم زخموں کے گھاؤ سے پر تھا لیکن ہمیشہ فاتح رہے اور زندہ بھی اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا خالد سیف اللہ ہے۔ خالد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے تب سے خالد کا لقب سیف اللہ ہے۔ اُحد کے دن جب گھمسان کا رن پڑا تو پندرہ سولہ کے قریب ایسے لوگ تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے اور جنہیں کوئی طوفان ان کے قدموں سے نہ ہلا سکا جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سب سے اول تھے جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیّد الشکرین کے نام سے یاد فرمایا۔

سیّد الشکرین:

اکثر مفسرین کرام نے تفسیر قرطبی میں، بحر محیط میں اور تفسیر کبیر میں بہ روایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نقل فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو سید الشکرین فرمایا ہے۔

تفسیر کبیر میں اس میں مزید اضافہ کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر تمام مسلمانوں کے دل دہل گئے غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری کائنات میں بے مثل وبے مثال تھے۔ اللہ کے عظیم اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب دنیا سے سفر فرمایا تو اتنا بڑا خلا پیدا ہوا جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ تھے دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا تو سب کے سامنے اندھیرا چھا گیا کچھ سمجھ نہیں آتی تھی کہ اب کون سنبھالے گا۔ ان حالات میں مخالف قوتوں نے دراندازی کی کوششیں ہر محاذ سے شروع کر دیں۔ بغاوتوں نے سر اٹھا لئے۔ روم کی فوجیں مسلمانوں کی سرحد پر تھیں مسلیمہ کذاب اور دیگر جھوٹے لوگوں نے نبوت کے دعوے کر دیئے۔ ایک فتنہ یہ اٹھ کھڑا ہوا کہ بعض لوگوں نے مرکز کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ ان سخت حالات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کے غم کے باوجود حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو وہ ثبات عطا ہوا جس کی نظیر تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ہر اس کام کو جاری رکھا جو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی حیات مبارکہ میں جاری فرما چکے تھے۔ روم کے خلاف آپ ﷺ نے ایک لشکر ترتیب دیا تھا وہ اس لئے روانہ نہ ہو سکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اسے روانہ کیا پھر مسلیمہ کذاب اور دیگر مدعیان نبوت کے خلاف اعلان جہاد کر دیا اکیلے مسلیمہ کذاب کے ساتھ چالیس ہزار جنگجو تھے وہ پہاڑی علاقے کا رہنے والا تھا اور اس کی قوم بڑی جنگجو اور جفاکش تھی۔ آپ ؓ نے اس کے خلاف بھی لشکر کشی کا حکم دے دیا۔ منکرین زکوٰۃ سے بھی جہاد کا حکم دے دیا یہ دیکھ کر سیدنا فاروق اعظم ؓ جیسے عظیم، شجاع اور بہادر ہستی نے عرض کی کہ خلیفۃ الرسول تمام افواج محاذوں پر چلی گئیں تو مرکز دارالخلافہ اور مدینہ منورہ کا کیا ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا اگر میں مدینے میں تنہا رہ جاؤں اور مجھے اندیشہ ہو کہ جنگل کے بھیڑیئے مجھے چیر پھاڑ کر کھا جائیں گے تب بھی جب تک ابوبکر ؓ کے دم میں دم ہے آپ ﷺ کے احکام وفرامین جاری رکھے جائیں گے۔ آپ ﷺ کے پیغام میں سے کوئی ایک نقطہ نہ کم ہوگا نہ زیادہ ہم اس کی پوری پوری حفاظت کریں گے۔ چنانچہ اللہ کریم نے انہیں ہر محاذ پر کامیابی عطا فرمائی، منکرین زکوٰۃ کو شکست ہوئی اور وہ مرکز کے مطیع ہوئے۔ مسلیمہ کذاب قتل ہو کر واصل جہنم ہوا۔ ایک دو مدعیان نبوت کو اپنے جھوٹ سے توبہ نصیب ہوئی باقی مارے گئے۔ سرحدوں پر کامیابی نصیب ہوئی۔ تو یہ تھا سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کا وہ تاریخی ثبات جو ان پر اللہ کا انعام تھا۔ اس کے سبب انہوں نے نیابت وخلافت کا حق ادا کر دیا۔ اللہ کے بھروسے پر پوری قوت سے دین کا دفاع کیا، دینی ریاست کا دفاع کیا اور الحمد للہ تمام مخالف قوتوں پر فتح پائی اور اسلامی ریاست کو آپ ﷺ کے عطا کردہ راستے پر رواں دواں کر کے بعد میں آنے والوں کے حوالے کیا اور پھر سیدنا فاروق اعظم ؓ نے کس جانفشانی جرأت وہمت سے اسے چلایا اور بام عروج پر پہنچایا۔

سورۃ آل عمران رکوع 15 آیات 144 تا 148

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ
قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ
شَيْـًٔا ۗ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٤﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوْتَ إِلَّا بِإِذْنِ
اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۗ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ
الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٥﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ
رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ أَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا
اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٦﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّآ أَنْ قَالُوْا رَبَّنَا
اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيْٓ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى
الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤٧﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٤٨﴾

اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اللہ کے پیغمبر ہیں یقیناً ان سے پہلے (بہت سے) پیغمبر گزر چکے پس اگر ان کو موت آجائے یا شہید کردیے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو وہ ہرگز اللہ کا کوئی نقصان نہیں کرے گا اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا عطا فرمائیں گے ﴿۱۴۴﴾ اور اللہ کے حکم کے بغیر کسی شخص کو موت نہیں آسکتی (اس کا) مقرر وقت لکھا ہوا ہے اور جسے دنیا میں (اپنے اعمال کا) بدلہ چاہیئے اسے ہم وہیں دے دیں گے اور جسے آخرت

میں بدلہ چاہیئے اس کو وہاں دے دیں گے اور ہم جلد شکر گزاروں کو (بہت اچھا) صلہ عطا کریں گے ﴿۱۴۵﴾ اور بہت سے نبی ہوئے جن کے ساتھ بہت سے اہل اللہ نے مل کر جنگیں کیں اللہ کی راہ میں انھیں جو کچھ پیش آیا پس اس کے باعث نہ سست ہوئے اور نہ کمزوری دکھائی اور نہ (کافروں سے) دبے اور اللہ صبر کرنے والوں سے پیار کرتے ہیں ﴿۱۴۶﴾ اوران کی زبان سے اس کے سوا کچھ نہ نکلا کہ انھوں نے کہا (دعا کی) اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہمارے گناہ بخش دیجیئے اور ہمارے کاموں میں ہم سے جو زیادتی ہوئی (بخش دیجئے) اور ہمیں ثابت قدم رکھیے اور ہمیں کافر لوگوں پر غلبہ دیجیئے ﴿۱۴۷﴾ پس اللہ نے ان کو دنیا کا بدلہ بھی دیا اور آخرت کا عمدہ بدلہ بھی اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں ﴿۱۴۸﴾

خلاصہ تفسیر و معارف

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ فرمایا حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ کائنات بھر میں کوئی آپ ﷺ کی مثل نہیں کوئی دوسرا فرد اللہ نے ایسا تخلیق ہی نہیں فرمایا لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ افضل البشر ہیں، امام الانبیاء ہیں بے مثل و بے مثال ہیں لیکن صفات الوہیت میں یا صفات الٰہی میں شریک نہیں ہیں۔

واقعہ اُحد:

یہ آیات واقعہ اُحد کے تناظر میں نازل ہوئیں واقعہ اُحد یوں ہے کہ جب اُحد میں کفار نے پلٹ کر پیچھے سے حملہ کر دیا تو مسلمان اور کفار میدان میں افراتفری کے عالم میں آ گئے اتنی گرد اڑی اور سب اس طرح گڈمڈ ہو گئے کہ پہچان ہی نہ رہی کہ سامنے کون ہے اور تلوار کی زد میں کون آ گیا ہے۔ اس طوفان میں ابلیس نے آواز لگائی کہ ان محمد قد قتل کہ نعوذ باللہ حضور ﷺ دنیا میں نہ رہے اس آواز کو کفار اور مسلمان دونوں نے سنا یہ آواز نہایت حوصلہ شکن تھی جس کے مختلف اثرات مرتب ہوئے بعض صحابہؓ نے فی الفور فیصلہ کر لیا کہ جب آنحضور ﷺ ہی نہیں

رہے تو جس مشن پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جان دی ہے ہمیں بھی اس میں اپنی قوت لگا دینی چاہئے سو وہ صحابہؓ جان توڑ کر لڑے اور شہید ہو گئے۔ بعض صحابہؓ سکتے کے عالم میں آ گئے کہ حضور علیہ ﷺ ہی نہیں رہے تو اب جینے کا کیا مقصد۔ اس حال میں ایک صحابیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر خوشی سے نعرہ بلند کیا کہ حضور علیہ ﷺ یہاں جلوہ افروز ہیں۔ یہ سن کر صحابہؓ کے جسموں میں ایک نئی زندگی پیدا ہوئی وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے اور کفار پر ایسا بھرپور حملہ کیا کہ کفار کے پاؤں میدان جنگ سے اکھڑ گئے اور وہ میدان سے بھاگ گئے۔ صحابہؓ نے ان کا تعاقب کیا اور تعاقب کر کے انہیں بھگا کر واپس اُحد میں حاضر ہوئے اگرچہ صحابہؓ زخموں سے اس طرح چور تھے کہ تعاقب کرتے ہوئے ایک صحابی دوسرے کے سہارے چل رہا تھا اور پھر باری باری وہ ایک دوسرے پر بوجھ ڈال کر چلتے ہوئے کفار کو میدان سے بھگانے میں کامیاب ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کے بھاگنے کے بعد اُحد میں قیام فرمایا، شہداء کو دفن کیا گیا اور پھر مدینہ منورہ واپس تشریف آوری ہوئی۔ اس تمام واقعے میں محض مسلمانوں کی کثرت شہادت کی وجہ سے بعض تاریخ نگاروں نے اسے مسلمانوں کی شکست پر محمول کیا ہے جو بالکل غلط ہے اس لئے کہ میدان تو مسلمانوں کے ہاتھ رہا بھاگنا تو اہل مکہ کو پڑا، کفار مال غنیمت چھوڑ کر بھاگ گئے تو کس طرح تاریخ نگاروں نے غزوہ احد کو مسلمانوں کی شکست لکھا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشرِ کامل ہیں:

اللہ پاک نے ان آیات میں فرمایا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ وہ اللہ کی ذات یا صفات میں شریک نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جتنے نبی اور رسول ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کی۔ دین کی تبلیغ کا حق ادا کیا لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ احسن طریقے سے ادا کیا اور چشمِ عالم سے پردہ فرما گئے تو ایک وقت آئے گا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس دنیا سے پردہ فرما جائیں گے۔ اَفَاۡئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤى اَعۡقَابِكُمۡ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو جائے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو جائیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ جو باقی رہ گئے ہیں وہ دین چھوڑ دیں یہ تو دین نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت اپنی جگہ مسلم ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کا کلام لائے نور ہدایت لائے مخلوق میں بانٹا اور آپ ﷺ کو بھی اس دار دنیا سے دار بقاء کو تشریف لے جانا ہے۔ کائنات کو خود دوام نہیں کائنات نے فنا ہونا ہے اس لئے اس جہان فانی میں

آنے والے کو بھی یہاں ہمیشہ نہیں رہنا۔ دار دنیا تو ایک امتحان گاہ ہے سب کو اپنا اپنا فریضہ ادا کرنا ہے سو آپ ﷺ معبود نہیں نہ ان کی پوجا ہوئی نہ ہوگی۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد کیا لوگ آپ کی اطاعت چھوڑ دیں گے؟ یہ تو دین نہ ہوگا۔ دین تو یہ ہے کہ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھایا ہے اس پر جان دی جائے اس پر زندہ رہا جائے تو کیا اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے یا شہید ہو گئے تو کیا تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے، دین چھوڑ دو گے۔ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ اور جو دین سے پھر جائے گا اور دین کو ترک کر دے گا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا وہ اپنی ہی تباہی کے اسباب پیدا کرے گا۔ نبی کریم ﷺ سے تعلق محبت اور اتباع دین کی بنیاد ہے لیکن کوئی زبانی کہتا رہے کہ اسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام ہے تو زبانی دعووں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ حیثیت تو عمل کی ہے اور خلوص کے ساتھ دل کی گہرائی کے ساتھ حضور ﷺ کی محبت کے ساتھ عمل کرنے کی حیثیت ہے اور محبت کا تو تقاضا یہ ہے کہ محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے، اس کی مخالفت نہیں کرتا اس کی پسند کے خلاف کام نہیں کرتا۔ اس کی پسند کے خلاف بات نہیں کہتا۔ سو یہ تو تقاضائے محبت ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے تو آپ کا کلمہ حق قبول کرنا دین ہے اس کا تقاضا ہے کہ زندگی کے ہر امر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی جائے اور جو اطاعت نہیں کرے گا جو بھی اس عہد سے پھر جائے گا ○

وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا۔

محاسبہ ذات:

یہاں رک کر ہمیں اپنا جائزہ لینا ہوگا دوسروں پر تنقید کرنے کی بجائے اپنی عملی زندگی کو دیکھنا ہے۔ صرف کسی ایک دن کا محاسبہ کریں کہ صبح سے شام تک کے سارے کاموں میں کتنی اطاعت کی گئی اور کتنی نافرمانی۔ ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے صرف ایک دن کے لئے کاپی پنسل لے کر وہ سب کچھ لکھتے جاؤ جو کرتے ہو، بولتے ہو، پھر رات کو بیٹھ کر دیکھنا، کاروبار، لین دین کے معاملات، دنیا کی مصروفیات، سوچ بچار، لوگوں کے ساتھ تعلقات میں کہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطا کردہ لائحہ عمل کے مطابق کام کئے اور کہاں کہاں حضور ﷺ کے طریقوں کے مخالف کیا پھر اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارے دعویٰ مسلمانی کے باوجود ہمارے کردار میں کتنی مخالفت رسول اللہ ﷺ سے ہے اور کتنی فرمانبرداری۔

سو عملاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرنے سے دین کا نقصان نہیں ہوتا بلکہ کرنے والا اپنی تباہی کے اسباب پیدا کرتا ہے۔ اس لئے بدعت کو گمراہی کہا گیا ہے کہ بدعت وہ عمل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مخالف ہوتا ہے۔ سنت چھوڑ کر اپنی دانست میں کسی عمل کو نیکی سمجھ کر کرنا بدعت ہے اور خالص دین صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہے لیکن آج ہمارے معاشرے اور ماحول میں خصوصاً پاکستان میں دین کے نام پر اتنی رسومات جاری ہو چکی ہیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں اور مزے کی بات ہے کہ ان رسومات کو پوری قوت سے نافذ کیا جاتا ہے جب پوری قوت سے ان بدعات پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان میں خلوص کہاں سے آئے گا۔ بدعات تو اپنی انا اور آبرو بڑھانے کے لئے بنائی جاتی ہیں ان میں خلوص ہو ہی نہیں سکتا۔ رسومات اس لئے کی جاتی ہیں کہ اگر یہ رسم نہ کی گئی تو لوگ کیا کہیں گے حالانکہ لوگوں نے تو یوم حشر حساب نہیں لینا۔ نہ ہی آخرت کے عذاب وثواب کا فیصلہ کرنا ہے نہ کسی کو جزا وسزا دینا ہے۔ یہ سب کام تو اللہ جل شانہ کے دست قدرت میں ہیں اور ساری بھلائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واتباع میں ہے۔ یہاں وَسَيَجۡزِي ٱللَّهُ ٱلشَّٰكِرِينَ ﴿١٤٤﴾ اللہ نے اتباع نبوی ﷺ کرنے والوں کو شاکرین کے نام سے یاد کیا ہے۔ اطاعت رسول اللہ ﷺ پر شکر کا انعام دیا گیا ہے انہیں شاکرین میں شامل کیا گیا ہے۔ شاکرین کی کیا تعریف بتائی ہے؟ وہ لوگ جنہوں نے مقدور بھر نبی کریم ﷺ کا اتباع کیا اور ہر حال میں اطاعت پر قائم رہے یہی اللہ کے شکر گزار بندے ہیں۔

شکر کرنے کا طریقہ:

شکر کیسے ادا ہو؟ شکر کا طریقہ کیا ہے؟ اس پر علماء اور اہل اللہ نے بے شمار لکھا ہے۔ قرآن حکیم نے اس سوال کا جواب ایک لفظ میں دیا ہے کہ جس نے خلوص دل سے اللہ کی اطاعت کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کا شکر ادا کر دیا۔ یوں تو اللہ کی بے شمار اور بے حد وحساب نعمتیں ہیں کہ ہم گن نہیں سکتے تو ان سب نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ زندگی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت پر خرچ کر دیا جائے اور یہی شکر کرنے کا طریقہ ہے۔

لیکن بات یہ ہے کہ اب مسلمان اس حال میں اس لئے پہنچے ہیں کہ مسلمان کو موت سے ڈر آنے لگا ہے حالانکہ موت ایک حقیقت ہے اور موت سے چھپنے اور بھاگنے سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ موت نے تو وقت مقررہ پر آنا ہی ہے خواہ بندہ کہیں بھی ہو۔ أَيۡنَ مَا تَكُونُواْ يُدۡرِككُّمُ ٱلۡمَوۡتُ وَلَوۡ كُنتُمۡ فِي بُرُوجٖ مُّشَيَّدَةٖۗ (النساء:78) خواہ بندہ مضبوط قلعوں میں بند ہو کر بیٹھ رہے اللہ ہی نے زندگی دی ہے اور اس نے موت بھی

متعین کی ہے اور اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے موت وحیات کو پیدا کیا۔ الذی خلق الموت والحیوۃ (الملک:2) وہی ذات ہے جس نے موت کو پیدا کیا اور حیات کو پیدا کیا اور دار دنیا میں موت کا عمل دخل جاری رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آخرت میں موت کو ایک دنبے کی صورت میں لا کر ذبح کر دیا جائے گا اور ہمیشہ کی زندگی شروع ہو جائے گی۔ یہاں پہنچ کر بندہ یا عافیت کے گھر کو پائے گا یا خدانخواستہ راستہ بھول کر سزا کے گھر میں چھلانگ لگائے گا یہ دنیا میں انسان کی اپنی پسند پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اللہ نے ہدایت کے راستے کھول کر بندے کو فیصلے کا اختیار دے کر دنیا میں اپنی پسند سے فیصلہ کرنے کی طاقت دے دی ہے اور ہم دیکھ سکتے ہیں کہ آج ہمارے معاشرے میں مسلمان کسے پسند کر رہے ہیں۔ انسان جسے پسند کرتا ہے اس کی طرح بننا پسند کرتا ہے ویسا نظر آنا چاہتا ہے۔ دیکھئے اپنے معاشرے میں دیکھئے بچیاں فلمی ایکٹرسوں کی طرح کے لباس اور حلیہ بنانا پسند کرتی ہیں۔ جوان گانے والوں کی طرز پر اپنا حلیہ بنانا پسند کرتے ہیں۔ پڑھے لکھے اعلیٰ عہدوں پر فائز افراد مغربی طرز پر مہذب بن کر دکھانا چاہتے ہیں ہم کیسے مسلمان ہیں کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا نظر آنا نہیں چاہتے اگر ہم ظاہری حلیہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا نہیں بنا سکتے تو کیا خبر ہمارے دل میں آپ ﷺ کی کتنی عزت ہے اور اس سے بڑھ کر دیکھنا ہے کہ ہمارا کردار کتنا حضور ﷺ کے تابع ہے۔ حلیہ بنانے میں تو زیادہ محنت نہیں لگتی لیکن کردار بدلنے پر طاقت لگتی ہے اس لئے کہ کردار درست رکھنے کے لئے برائی کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ نفس کے بے شمار فریب ہوتے ہیں۔ شیطان کی بے شمار چالیں ہوتی ہیں۔ دنیا کا لالچ، اقتدار کا لالچ، پیسے کا لالچ سامنے ہوتا ہے اور ان سب کو ٹھکرا کر محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرنے کے لئے ہمت چاہئے۔ اگر کسی بندے کی داڑھی ہے تو اسے کئی کئی نام دیئے جاتے ہیں مضحکہ خیز القاب سے نوازا جاتا ہے کہیں کوئی جرم ہو تو اس کے نام منڈھ دیا جاتا ہے خواہ دہشت گردی ایجنسیاں کروائیں پکڑے داڑھی والے ہی جاتے ہیں۔ انہیں قدامت پسند دہشت گرد کہا جاتا ہے۔ لیکن غور طلب بات یہ بھی ہے کہ جنہوں نے حضور ﷺ کی سنت میں داڑھی بڑھا رکھی ہے انہیں اس بات کی حیا کرنی چاہئے کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ہے لوگ اسے نیک سمجھتے ہیں اس سے نیکی کی توقع رکھتے ہیں تو اب اس کی زبان سے ایسی بات نہ نکلے کہ وہ نیکوں کے لئے باعث عار بن جائے ایسا کردار نہ اپنائے جو نیکوں کو بدنام کرنے کا سبب بن جائے۔ حضرتؒ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں ایک بہروپیا دربار شاہی میں گیا اور بہروپ بنا کر انعام کا طلبگار ہوا تو بادشاہ نے اسے پہچان لیا اور کہا کہ تم تو بہروپیئے ہو اس بات کو بہروپیئے نے اپنے لئے چیلنج سمجھا اور بادشاہ سے یہ کہہ کر چلا گیا کہ آج تک میرے بہروپ کو کسی نے نہیں پہچانا اب میں ایسا بہروپ

بھروں گا کہ آپ کبھی پہچان نہ سکیں گے۔ بادشاہ نے جواباً کہا اگر ایسا ہوا تو میں دو ہزار اشرفی انعام دوں گا۔ وہ شخص وسط ہندوستان میں جہاں گھنے جنگلات ہیں وہ چلا گیا وہیں شاہی شکار گاہیں بھی تھیں وہیں ایک ندی کے کنارے جھونپڑی ڈال کر بیٹھ گیا نہ کسی سے بات کرتا نہ واسطہ رکھتا چرواہے اکثر وہاں سے گزرتے ان سے بھی لاتعلق رہتا۔ رفتہ رفتہ اس کی شہرت ہونے لگی کہ عجیب آدمی ہے نہ کھاتا پیتا ہے نہ کسی سے بات کرتا ہے بس اللہ اللہ کرتا رہتا ہے۔ بادشاہ بھی شکار کے لئے جنگل گیا تو اس شخص کی شہرت اس تک بھی پہنچی تو بادشاہ نے امتحاناً اپنے بندے نذرانے دے کر اس کی طرف بھیجے اس نے بادشاہ کے ہیرے جواہرات مال و دولت کو ٹھکرا دیا اور کسی سے بات تک نہ کی وہ واپس بادشاہ کے پاس آئے کہ عجیب آدمی ہے اسے کوئی چیز قبول نہیں ہے۔ تب بادشاہ کو اس شخص سے ملنے کا شوق پیدا ہوا۔ بادشاہ سلامت بہ نفس نفیس وہاں پہنچے، دولت پیش کی جو اس نے رد کر دی پھر بادشاہ سلامت نے دعا کی درخواست کی کہ اللہ دین پر استقامت نصیب فرمائے۔ جب بادشاہ سلامت بڑے متاثر ہو گئے اور اٹھ کر جانے لگے تو وہ شخص بولا حضور میری دو ہزار اشرفی دیتے جایئے میں وہی بہروپیا ہوں آج میں نے آپ کو دھوکہ دے ہی دیا آپ مجھے نہیں پہچان سکے اس لئے میری دو ہزار اشرفی کا وعدہ پورا کر دیجئے۔ بادشاہ نے کہا حیرت اس بات کی ہے کہ میرے اتنے بندے تمہارے پاس کئی ہزار اشرفیاں اور سونے جواہرات لے کر آئے خود میں نے تمہیں مال و دولت پیش کی اور تم نے وہ سب کچھ نہیں لیا پھر اتنے سال سے تمہاری ایک عزت اور شہرت بنی ہوئی تھی آج اگر تم اپنا بہروپ قائم رہنے دیتے تو کثیر مال بھی تمہیں ملتا اور لوگوں میں تمہاری عزت بھی بنی رہتی۔ اب ہر بندے کو پتہ چل گیا ہے کہ تم ایک بہروپیئے ہو۔ اس نے جواب دیا بادشاہ سلامت مجھے اللہ سے حیا آتی تھی کہ میں نے حلیہ تو نیک لوگوں کا بنایا ہوا ہے لہٰذا میں کوئی ایسا کام نہیں کر سکتا تھا جس سے لوگ نیک لوگوں سے متنفر ہو جائیں میں نیک لوگوں کو بدنام نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے میں نے دولت بھی ٹھکرائی اور لوگوں میں بہروپ بھی ظاہر کیا۔

ہم میں تو بہروپیوں جیسی دینی حمیت بھی نہیں رہی ہم حلیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا بنا لیتے ہیں اور کردار ایسا بنا رکھا ہے کہ نیکوں کی بدنامی کا سبب ہے۔ سو ظاہراً باطناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع فرمان ہونا ضروری ہے۔ یہی اللہ کا حکم ہے اسی میں نجات ہے اور جہاں تک موت کا تعلق ہے تو یہ بھاگنے سے ٹلتی نہیں وقت مقررہ پر ضرور آئے گی ہاں جو زندگی کو دنیا کے لئے صرف کر جاتا ہے اور آخرت کی طرف توجہ نہیں کرتا اسے دنیا سے کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے اور جو دنیا و آخرت دونوں کا طلبگار ہے اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں زندگی نصیب ہوتی ہے اور آخرت بھی بہترین ملتی ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تَمُوۡتَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ
مِنۡهَا ۚ وَمَنۡ يُّرِدۡ ثَوَابَ الۡاٰخِرَةِ نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا ؕ وَسَنَجۡزِى الشّٰكِرِيۡنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ
رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ
الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوۡلَهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡا رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَاِسۡرَافَنَا فِىۡۤ اَمۡرِنَا وَثَبِّتۡ
اَقۡدَامَنَا وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنۡيَا وَحُسۡنَ ثَوَابِ الۡاٰخِرَةِ ؕ
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۴۸﴾

موت ڈرنے والی چیز نہیں:

واقعات اُحد کا تسلسل ہے اور ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ موت کوئی ڈرنے والی چیز نہیں ہے جس خالق کائنات نے حیات کو پیدا فرمایا وہی موت کا بھی خالق ہے۔ الَّذِىۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَيٰوةَ (الملک: 2) عمل تخلیق میں رب جلیل نے حیات سے پہلے موت کا ذکر فرمایا ہے یعنی دنیا میں رہنے کا جو وقت انسان کو ملا ہے اور جسے حیات دنیا کہتے ہیں اس کے ساتھ موت یقینی اور لازمی امر ہے۔ سادہ سی مثال اس کی یہ ہے کہ جنت بنی ہی نوع انسانی کے لئے ہے۔ یہ بنی آدم کا گھر ہے یہ اللہ کی عظیم تخلیق ہے یہاں آدمؑ اور اماں حوا کو ٹھہرایا گیا۔

انسان کو اللہ نے ایک خاص شعور دیا ہے کہ وہ عظمت باری کا ادراک کرے پھر اس ادراک کے طفیل اپنے دل سے یہ فیصلہ کرے کہ صرف اللہ کی ذات ہی ایسی ذات ہے کہ جس کی اطاعت کی جائے جس کے آگے سجدہ ریز ہوا جائے جس سے امیدیں وابستہ کی جائیں اور انسان کی عملی زندگی اس بات کی گواہی دے کہ اس نے زندگی بھر یہ کوشش کی ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے تو دنیاوی زندگی نے تو ختم ہونا ہی ہے یہاں ہمیشہ تو کسی نے نہیں رہنا، صرف ایک مقررہ وقت تک کی فرصت دی گئی ہے موت تو ایک حقیقت ہے اس نے تو آنا ہی ہے اور موت بھی کوئی عجیب چیز نہیں۔ موت ہے دنیا سے آخرت کے سفر کا نام۔ حدیث شریف کے مطابق ایک دن موت کو بھی موت آجائے گی۔ میدان حشر میں اسے ایک جانور کی صورت میں لاکر ذبح کر دیا جائے گا، ختم کر دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا کہ اے بنی آدم آج کے بعد موت نہیں ہے اب جو جنت پہنچ گیا وہ واپس اپنے گھر پہنچ گیا اور ہمیشہ کے لئے اب موت سے بے فکر ہو گیا لیکن جو راستے سے بھٹک گیا، خواہشات نفس کا اسیر ہو گیا، شیطان کے پیچھے چل پڑا، کفر میں جا پڑا، اللہ کی رحمت سے دور ہو گیا تو وہ جس راستے پر چلا ہے اس کی انتہا دوزخ ہے جو بدترین عقوبت خانہ ہے، سخت سزا دینے کی جگہ ہے اور یہ جرم بھی اتنا بڑا ہے کہ اس کی سزا کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا یہ تو وہی جانے جو

دوزخ میں جائے، اللہ معاف کرے۔

دنیا بھی اللہ کی تخلیق ہے:

اور بہت خوبصورت ہے اس میں ان گنت لذتیں ہیں، دل کو لبھانے والی بے شمار چیزیں ہیں پھر انسانی احتیاجات میں وجود کی بے شمار ضرورتیں ہیں۔ یہ ضرورتیں انسان کو مجبور کرتی ہیں کہ ان کے تقاضے پورے کئے جائیں زندہ رہنے کے لئے کھانا، بیماری کا علاج، رہنے کے لئے گھر، پہننے کے لئے لباس، آرام کے لئے چارپائی بستر، پرسکون زندگی کیلئے بیوی بچے پھران کو پالنا، تربیت کرنا یہ سب امور دنیا انسانی زندگی کے لازمی جزو ہیں اور دنیا بنا کر اللہ کریم نے دنیا استعمال کرنے سے منع نہیں فرمادیا بلکہ فرمایا۔ خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِي الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ۚ (البقرہ:29) روئے زمین پر جو کچھ پیدا کیا ہے سب تمہارے لئے تمہاری خدمت کے لئے پیدا کیا ہے۔ انسان اس پر غور کرے یا نہ کرے ہر چیز ایک ضابطے کے تحت انسان کی خدمت پر کمربستہ ہے پھر اسی پر بس نہیں بلکہ جو چیزیں انسان کی صحت جسمانی وروحانی کے لئے مضرتھیں شریعت نے ان سے روک دیا ہے۔

مضر صحت اشیاء ہی حرام ہیں:

ان میں دوطرح سے ممانعت کی ہے ایک تو مضر اشیاء کو اصلاً حرام قرار دے دیا مثلاً خنزیر شراب وغیرہ دوسرے ناجائز ذرائع سے کمایا ہوا رزق حرام قرار دے دیا۔ چوری، ڈاکہ، رشوت، ذخیرہ اندوزی جیسے ذرائع سے کمایا ہوا مال حرام ٹھہرایا اور جائز طریقے سے معروف ذرائع سے کما کر ضروریات پوری کرنا فرض قرار دیا بلکہ اسے عبادت کا درجہ دیا۔

رزق حلال تربیت اولاد کا بنیادی عنصر ہے:

اگر ذرا سا غور کیا جائے تو رزق حلال کے اثرات بھی آسانی سے نظر آجاتے ہیں زیادہ گہرائی میں نہیں جانا پڑتا۔ ایک عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے، ہمارے علاقے کا ایک زمیندار ہے، ٹرانسپورٹر بھی ہے، پنڈی میں اس کی بسیں چلتی ہیں بہت محنت سے کاروبار چلایا ہے اور بچے اس نے آکسفورڈ تک پڑھائے ہیں۔ اس کے بچے آکسفورڈ کے فارغ التحصیل ہیں اور پانچ وقت کی نماز بھی پڑھتے ہیں۔ ان کی عملی زندگی اسلامی اصولوں کے مطابق ہے، والدین کا احترام کرتے ہیں کاروبار میں ہاتھ بھی بٹاتے ہیں۔ کہنے لگا جب میں نے بچوں کو تعلیم کے لئے انگلستان بھیجا تو میں ڈرتا تھا کہ میرے بچے اس ماحول اور معاشرے میں چلے گئے ہیں وہاں یہ بگڑ جائیں گے اور ضائع ہوجائیں گے لیکن

میں حیران ہوں کہ یہ نماز کے لئے اتنے مستعد ہیں کہ مجھ سے سستی ہو جاتی ہے یہ بروقت ادا کرتے ہیں۔ عملی زندگی صاف ستھری ہے، فرمانبردار ہیں حیران ہوں کہ وہاں رہ کر ان پر اس معاشرے کے غلط اثرات نہیں پڑے اگر یہ یہاں رہتے تو اتنے بہتر مسلمان نہ رہتے جتنے وہاں رہ کر اچھے مسلمان بن گئے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان بچوں کی پرورش رزق حلال سے ہوئی ہے، محنت کی جائز کمائی کا اکل حلال کا یہ اثر ہے کہ وہاں رہ کر وہاں کی برائیوں سے بچے رہے بلکہ زیادہ سدھر گئے۔ یہ اس لئے بھی کہ وہاں اسلام کی مخالفت زیادہ تھی تو جہاں مخالفت ہو وہاں حق پر قائم رہنے کا جذبہ بھی زیادہ بیدار رہتا ہے تو اسلام کی مخالفت نے انہیں اچھا مسلمان بنا دیا ہے۔

اسلام نے خنزیر کو حرام قرار دیا ہے تو اس کے طبی نقصانات اتنے شدید ہیں کہ جو لوگ کھاتے ہیں وہ بھی جانتے ہیں کہ اس کو کھانے سے کتنی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں اور یہ انسانی بدن کے لئے بھی کتنا مضر ہے۔ ہمارے ایک ساتھی ڈاکٹر صاحب انگلینڈ میں بہت عرصہ کام کرتے رہے پڑھایا بھی اور پریکٹس بھی کی۔ انہوں نے خنزیر کے گوشت کے انسانی استعمال کے باعث پیدا ہونے والی بیماریوں کے بارے اپنی تحقیق چھاپنا چاہی اور مسودہ متعلقہ محکمے کو بھیجا جو وہاں کے سسٹم کے مطابق فیصلہ کرتا ہے کہ یہ مواد چھپنا چاہئے یا نہیں۔ اس محکمے نے مسودہ واپس بھیج دیا کہ یہ کتاب چھاپنے کی اجازت نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ یہ خالص طبی نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے۔ میڈیکل تجزیئے کر کے سائنٹیفکلی ثابت کیا گیا ہے کہ یہ گوشت انسان کے لئے مضر صحت ہے۔ اس میں اسلام و کفر کی تو بات ہی نہیں کی گئی تو مجھے بتایا جائے کہ میری ریسرچ میں غلطی کہاں ہے تاکہ میں اپنی ریسرچ درست کروں اور غلطی نہیں ہے تو میں آپ کو قائل کروں۔ انہوں نے جواباً یہ لکھا کہ ہم یہ کتاب اشاعت سے اس لئے نہیں روک رہے کہ آپ کی ریسرچ غلط ہے بلکہ اس لئے روک رہے ہیں کہ اس کتاب کے چھپنے کے بعد یورپ کے لوگ یہ گوشت کھانا چھوڑ دیں گے اور ہم اس کے متبادل گوشت مہیا نہیں کر سکتے کہ یورپ میں گائے اور بکری کا گوشت بے حد مہنگا ہے لہٰذا آپ کی کتاب برطانیہ میں نہیں چھپ سکتی۔ تو یہ سامنے ہے کہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کے استعمال سے کیا برے اثرات انسانی صحت پر مرتب ہوتے ہیں اور اس کی جیب پر کتنا بوجھ پڑتا ہے یعنی حرام چیزیں کھانے سے جسمانی طور پر جو نقصان ہوتا ہے وہ سامنے ہے لیکن جو دولت حرام ذرائع سے آتی ہے اس کے کھانے سے کوئی بندہ بیمار تو نہیں ہوتا، بخار نہیں ہوتا کوئی پھوڑا پھنسی نہیں نکلتی لیکن اللہ کو پہچاننے کی استعداد جس کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات ہے اُس پر زنگ جمنا شروع ہو جاتا ہے۔ والدین جن بچوں کو حرام غذا دے کر پالتے ہیں وہ جوان ہو کر بوڑھے والدین کو دھکے دے کر گھروں سے نکال دیتے ہیں یا ان کی عزت نہیں کرتے، بات نہیں سنتے ان کی بات نہیں مانتے۔ یہ شکایت اب والدین کو اکثر رہتی ہے اگر غور کریں تو انہیں سمجھ آ جائے گی کہ کہیں نہ کہیں انہوں نے بھی اولاد کے ساتھ اچھا نہیں کیا

ہوگا۔ تو شریعت نے جو چیزیں حرام کی ہیں ان میں دونوں طرح کی خرابی ہے وہ مادی طور پر بھی نقصان پہنچاتی ہیں اور روحانی طور پر بھی اور رزق حرام اگر مادی طور پر نقصان نہ بھی پہنچائے تو اس کا روحانی نقصان بہت زیادہ ہے۔ اللہ نے دنیا بنا کر اس میں لذات پیدا کر کے انسان کو ایسی آزمائش میں ڈال دیا ہے کہ وہ لالچ میں آ کر خواہش نفس سے مغلوب ہو کر اللہ کی نافرمانی کرتا ہے یا فطری استعداد کو بروئے کار لا کر اللہ سے آشنائی حاصل کر کے اس کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ اس امتحان کا ایک وقت مقرر جیسا کہ دنیا کے امتحانوں میں کسی پرچے کا وقت تین گھنٹے ہے کسی کا ڈیڑھ گھنٹہ۔ جب مقررہ وقت ختم ہوتا ہے تو ممتحن یہ نہیں پوچھتا کہ پرچہ مکمل ہوا یا نہیں کہتا ہے قلم رکھ دو اور پرچے جمع کرا دو۔ کسی نے لکھا ہے یا نہیں درست لکھا ہے یا غلط اس سے غرض نہیں بس وقت پورا ہونے پر پرچے لے لئے جاتے ہیں۔

دنیا میں کوئی بھی شخص ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آیا، ہر بندے کو واپس گھر جانا ہے۔ اب گھر جانے کے لئے اس نے کون سا راستہ چنا؟ اس کے نتیجے میں سیدھا گھر جائے گا یا کسی جنگل میں بھٹک جائے گا یہ اس کے انتخاب پر ہے کہ اس نے کون سا راستہ چنا ہے جو غلط راستہ چنتا ہے وہ بھٹک جاتا ہے دوزخ میں جا گرتا ہے جو صحیح راستہ چنتا ہے وہ اپنے گھر جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ ہر متنفس کے لئے ایک مدت معین ہے ایک وقت تک کی مہلت ہے۔ اس مہلت کے پورا ہونے پر اسے موت آئے گی۔ وہ بیمار ہو یا صحت مند وہ چلتے پھرتے مر جائے یا بستر علالت پر وہ میدان کارزار میں کام آئے یا گھر بیٹھا اسے اس مہلت کے بعد دنیا چھوڑنا ہے۔ اس لئے موت ڈرنے کی شے نہیں ڈرا اس چیز سے جاتا ہے جس سے بچا جا سکے۔ اس سے بچا نہیں جا سکتا لہٰذا یہ ڈرنے کی چیز نہیں زندگی کے مسافر کو اس دروازے سے ضرور گزرنا ہے اور اس کا وقت بھی معین ہے۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں راہ جہاد میں نکلتے ہوئے موت کا خوف رکھنا کوئی سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ فرمایا، وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کوئی بھی اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مرتا، ہر متنفس پر جب موت آتی ہے تو اللہ کریم ہی اس پر موت وارد کرتے ہیں اور اپنے مقررہ وقت پر ہی آتی ہے۔ جب کوئی کسی کو قتل کر دیتا ہے تو اس کی موت واقع ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا وقت پورا ہو چکا ہوتا ہے۔ قاتل کا جرم یہ ہے کہ وہ اس کی موت کا سبب بنا اسے کسی کی زندگی لینے کا حق حاصل نہیں تھا۔ تو اگر کوئی ظلماً قتل کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے اللہ کی تقدیر بدل دی، موت اسی وقت معین پر ہی آتی ہے اگر وہ اسے قتل نہ کرتا تو بھی وہ اسی وقت مقرر پر ہی مرتا خواہ کسی بھی دوسرے سبب سے مرتا لیکن موت کا وقت مقرر وہی ہوتا، ہاں جس نے قتل کیا اس نے جرم کا ارتکاب کیا اس نے کسی کی موت کا سبب بننے کا جرم اپنے سر لیا، اس نے اللہ کے نظام میں دخل دینے کی کوشش کی اس

نے عظمتِ باری کا انکار کیا۔

زندگی کے لمحے قیمتی ہیں:

اصل بات یہ ہے کہ زندگی اور موت کی بحث سے ہٹ کر دیکھنا یہ چاہئے کہ زندگی کی ایک ایک سانس سرمایہ ہے، دولت ہے، ایک سکہ ہے جسے ہم خرچ کررہے ہیں۔ دل کی ایک ایک دھڑکن گنی ہوئی ہے ہمارے پاس گنتی کی دھڑکنیں ہیں خواہ وہ کروڑوں کی تعداد میں ہوں کہ شکم مادر میں دل کی دھڑکن کی ابتدا ہوتی ہے اور پھر اس کی دھڑکن بند نہیں ہوتی اور جب بند ہوتی ہے تو وہ لمحہ موت کا لمحہ ہوتا ہے۔ سو اس کام نے تو ہونا ہے زندگی نے تو گزرنا ہے موت نے تو آنا ہے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم اپنے سرمائے کو کس طرح خرچ کررہے ہیں؟ کیا ہم اسے صرف دنیا حاصل کرنے کے لئے خرچ کررہے ہیں یا آخرت کو مدنظر رکھ کر کررہے ہیں۔

دنیا سے کیا مراد ہے:

دنیا سے مراد یہ نہیں ہے کہ انسان اچھا گھر نہ بنائے اچھا لباس نہ پہنے اچھا کھانا نہ کھائے۔ شادی کرنا، بچے پالنا، اچھا گھر اور اچھا لباس پہننا دنیا نہیں ہے۔ دنیا یہ ہے کہ ان لذات میں کھو کر اللہ کو بھول جائے۔ اگر کوئی عبادت کے وقت عبادت کرتا ہے محنت سے حلال روزی کماتا ہے اللہ نے جو وسعت دی ہے اتنی حیثیت میں رہتا بستا ہے تو یہ سب دین ہے۔ اس پر اسے ثواب ملتا ہے اجر ملتا ہے لیکن اللہ کریم کو بھول کر نفس کے پیچھے لگ جانا شیطان کے پیچھے لگ جانا، لوٹ کھسوٹ، افراتفری، فساد پیدا کرنا دوسروں کے حقوق چھیننا یہ دنیا ہے اور جو اس میں لگ جاتا ہے وہ اللہ کی عظمت کو بھول جاتا ہے اسے آخرت میں کچھ نہیں ملتا وہ آخرت کے لئے کرتا ہی نہیں دنیا کے لئے جو محنت کرتا ہے اسے کچھ نہ کچھ دنیا ہی میں مل جاتا ہے۔

وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ لیکن جو شخص آخرت کو مدنظر رکھ کر دنیا کے امور انجام دیتا ہے اس کا مقصد دنیاداری نہیں ہوتا بلکہ وہ محنت مزدوری، ملازمت و تجارت کاشتکاری ہر ایک کام میں شریعت کا پاس رکھتا ہے، اللہ کی اطاعت کو مقدم رکھتا ہے تو دنیاوی معاوضہ اور دنیاوی دولت اسے بھی ملتی ہے اس کے ساتھ ساتھ اسے آخرت کا اجر بھی ملتا ہے۔

جو شخص انہی امور کو انجام دیتے ہوئے اپنی خواہش نفس کو مقدم کر لیتا ہے اور شیطان کے پیچھے چل پڑتا ہے، اللہ اسے بھوکا نہیں رکھتا اولاد بھی دے دیتا ہے حکومت و سلطنت بھی دیتا ہے لیکن جتنا کچھ دیتا ہے اتنا حساب بھی لے گا کہ میری عطا دیکھو اپنی اطاعت دیکھو میں نے کیا کیا دیا تم نے کیا کیا، آؤ حساب کریں۔

خوش نصیب ہیں وہ جو اپنے اوقات کو صرف کرتے ہوئے اللہ کے حکم پر نظر رکھتے ہیں، اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں تو انہیں دنیا بھی ملتی ہے اور آخرت بھی اور ہم شکر گزاروں کو اجر دیں گے۔ شکر کا مفہوم ہی یہی ہے کہ اللہ کے لئے خلوص کے ساتھ اس کی اطاعت کی جائے، رسم پوری نہ کی جائے لوگوں کو دکھانے کے لئے نہ کی جائے، وَسَنَجْزِی الشّٰکِرِیْنَ﴿۱۴۵﴾ اللہ کی عظمت کو پہچان کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان کر اطاعت کی جائے کہ واقعی یہ ہستی اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور یہ جو کچھ بتا رہے ہیں یہ اللہ ہی کی باتیں ہیں تو یہ شکر ہوگا اور شکر گزاروں کو اللہ فرماتے ہیں ہم اجر دیں گے۔ اللہ کی طرف سے ہم کا لفظ استعمال ہوا اس کا مطلب ہے بندوں کا شکر ان کی اپنی حیثیت کے مطابق ہوگا اور اللہ کریم اپنی شان کے مطابق عطا کریں گے تو اے مسلمانو! اگر تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جہاد کرنا پڑا تو ایسا دنیا میں پہلی مرتبہ نہیں ہو رہا۔ وَکَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَہٗ رِبِّیُّوْنَ کَثِیْرٌ کتنے ہی نبی اور رسول گزرے ہیں جنہیں جہاد کی منزل سے گزرنا پڑا اور ان کے ساتھ اللہ کے نیک بندوں اور انبیاء کے فرمانبرداروں نے جان کی بازی لگائی، زخمی بھی ہوئے اور شہید بھی ہوئے اقوام عالم کی تاریخ ایسے واقعات سے پُر ہے کہ جہاں ظالم اور جابر لوگوں نے لوگوں پر مظالم ڈھائے وہیں ان کے ظلم و جبر کو روکنے کے لئے اللہ کے نبیؑ میدان میں آئے، جہاد کئے اور ظلم و جبر کو روک کر اللہ کے بندوں کو انصاف اور امن و امان مہیا کیا۔ فَمَا وَھَنُوْا لِمَآ اَصَابَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَکَانُوْا ؕ اللہ کی راہ میں جو دکھ آتے ہیں ان سے اللہ کے بندوں نے کبھی ہمت نہیں ہاری وہ جانتے ہیں کہ اللہ ان کے ساتھ ہے۔ مومن ہر دو صورت میں کامیاب ہوتا ہے فاتح ہو تو دنیا میں عظمت باری کو ثابت کرنے کا سبب بنتا ہے، قتل ہو جائے تو شہید ہو کر اپنی منزل پا لیتا ہے۔ ہارنے یا شکست کھانے کا لفظ مسلمان کے لئے نہیں ہے کہ وہ دونوں صورتوں میں جیتتا ہے لہٰذا ان لوگوں نے مصائب کی وجہ سے نہ ہمت ہاری نہ کمزوری دکھائی۔ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ﴿۱۴۶﴾ جو لوگ صبر کرتے ہیں میرے اور میرے نبی ﷺ کے احکامات پر جم جاتے ہیں وہ میرے محبوب بندے ہیں۔ جس طرح ایک تیز دوڑتے ہوئے گھوڑے کو سوار لگام دے کر کھینچ کر روک لے اسی طرح اپنے آپ کو برائی سے روک لینے کو صبر کہتے ہیں۔ صبر کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی سے اپنے آپ کو اس طرح روک لے جس طرح سوار گھوڑے کی باگ کھینچ کر روک لیتا ہے۔

اللہ کے بندوں پر بظاہر تکلیفیں آتی ہیں وہ چیزیں اللہ ان سے روک لیتا ہے جو ان کے لئے نقصان دہ ہوتی ہیں جس طرح نادان بچے چمکدار چھری لینے کی ضد کرتے ہیں لیکن والدین ان کی ضد کے باوجود انہیں چھری نہیں دیتے، اس کا متبادل دے دیتے ہیں بچہ پھر بھی روتا ہے ضد کرتا ہے لیکن والدین کی محبت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ انہیں

وہ چیز دی جائے جس سے اس کا نقصان نہ ہو۔

اسی طرح استاد، شاگرد پر تعلیم کے لئے بہتر کارکردگی کے لئے سخت محنت کرواتا ہے، رات تک کام کرواتا ہے، سارا دن پڑھاتا ہے۔ ضرورت کے مطابق سختی بھی کرتا ہے اور شاگرد کو اس بات کی بڑی شکایت رہتی ہے لیکن استاد اس کا بھلا چاہنے والا ہوتا ہے اسے اس کے رزلٹ کی فکر ہوتی ہے پھر جب شاگرد اچھے نمبروں میں پاس ہو جاتا ہے تو وہ تمام سختیاں بھول جاتا ہے بلکہ اساتذہ کا احسان مند ہوتا ہے کہ اس سے زبردستی محنت کرواتے رہے اور وہ اس کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ مومن کی زندگی کی روش بھی ایسی ہے کہ اس پر جو شدائد آتے ہیں بیماری آتی ہے یا افلاس آجاتا ہے جہاد میں زخمی ہو جاتا ہے یا شہید ہو جاتا ہے تو یہ ان کی بلندی درجات اور خطاؤں سے معافی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اللہ کی راہ میں کسی کو زخم لگتا ہے تو اللہ کریم فرماتے ہیں مجاہد کا ایک قطرہ خون اللہ کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مومن کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے تو اس کے طفیل اس کے کتنے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو موت سے ڈرنے کے بجائے نتائج پہ نگاہ رکھو جب نتائج پر نظر ہوگی تو راستے کی مشکلات کی اہمیت کم ہو جائے گی۔

ایسے ہی اللہ کے بندے جنہوں نے انبیاء کی ہمراہی میں جہاد کیا ان کی رفاقت کا حق ادا کر دیا اپنے وطن سے دور ماں باپ بیوی بچوں سے دور غریب الوطنی میں شہید ہو گئے اور اس حالت میں اللہ کریم سے دعا کی۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۝ یا اللہ ہم تیری اطاعت کی کوشش میں لگے رہے، جان کی بازی لگا دی لیکن تیری بارگاہ تو بہت عظیم ہے ہماری قربانی بہت معمولی ہے، کائنات بھر میں ایک انسان کی حیثیت ہی کیا ہے۔ کائنات کی مخلوق کتنی ہے، پھر زمینی مخلوق، حشرات الارض، آبی مخلوق ہوا میں رہنے والی مخلوق ان سب کو شمار کر لیں آدمؑ سے لے کر قیامت تک آنے والے انسانوں میں اپنے آپ کو صرف ایک لکھنا چاہیں تو عشاریہ لگا کر صفر لکھنا شروع کر دیں زندگی بھر صفر ہی لکھتے رہ جائیں گے ایک لکھنے کی باری نہیں آئے گی۔ اتنی مخلوقات میں وہ کس شمار میں آتا ہے اس نے اگر جان بھی دے دی تو کیا دیا، جان بھی اللہ ہی کی دی ہوئی تھی، وجود نے زخم کھائے تو وہ وجود بھی اسی کا دیا ہوا تھا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں میرے محبوب بندے سب کچھ میری راہ میں لٹا کر پھر بھی کہتے ہیں یا اللہ جو کمی ہم سے رہ گئی یا کوتاہی ہو گئی تو ہماری خطاؤں کو بخش دے کہ تیری بارگاہ عالی ہے اور جو تحفہ ہم پیش کرتے ہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اے ہمارے پروردگار تو ہمارا رب ہے۔ ہر چیز تو نے ہمیں عطا کی ہے یہ جرات رندانہ بھی تیری ہی عطا ہے کہ ہم تیرے راستے میں سر کٹانے کے لئے کوشاں ہیں۔ اس راستے

میں ہم سے کوتاہی ہوگئی بشری کمزوریوں کے باعث جو کمی رہ گئی ہم تیرا حق ادا نہ کر سکے۔ وَاِسۡرَافَنَا فِیۡۤ اَمۡرِنَا ہم حق اطاعت ادا نہ کر سکے اور حد سے تجاوز کر گئے تو ہماری ان غلطیوں کو معاف کر دینا وَثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا اور ہمیں وہ ثابت قدمی عطا فرما کہ دنیا کا کوئی دکھ ہمارے پائے ثبات میں لغزش پیدا نہ کر سکے، ہمیں جم کر کھڑا رہنے کی توفیق عطا فرما۔ وَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ۝ اور کبھی ہمیں کافروں کے تابع نہ کرنا ہمیں کافروں پر غالب رکھنا، ان کے ماتحت نہ کرنا کہ دنیا میں مومن کے لئے یہ بہت بڑی سزا ہے کہ اسے کفر کے تابع رہنا پڑے کفر کا مسلط ہو جانا کسی بڑے جرم کی سزا ہے، کسی بڑی گستاخی کا نتیجہ ہے۔ یہ بہت بڑا عذاب ہے کہ بندہ نہ آزادی سے عبادت کر سکے نہ حلال کھا سکے نہ اپنے اسلامی اصول معاشرت اپنا سکے۔ یا اللہ اس بڑے عذاب سے محفوظ رکھ کہ یہ وہ عذاب ہے جس میں نسلیں بگڑ جاتی ہیں، تعلیمی نصاب تباہ ہو جاتے ہیں اخلاقیات تباہ ہو جاتی ہیں اور جب سب کچھ بگڑتا ہے تو زد ایمانیات پر پڑتی ہے، ایمان تباہ ہو جاتا ہے۔

ہر خرابی کی بنیادی وجہ رزقِ حرام ہے:

ہماری بدنصیبی تو یہ ہے کہ ہم پیدا ہوئے تو ملک غلام تھا جب آزاد ہوا تو کافروں کے خوشامدیوں کی غلامی میں چلا گیا، سو ہم نے آزادی کا مزا چکھا ہی نہیں ہم تو پنجرے کے طوطے کی طرح ہیں جس کے لئے پنجرے کا دروازہ کھلا ہوتا ہے وہ دروازے سے باہر جا کر کارڈ نکال کر دیتا ہے اور واپس پنجرے میں آ بیٹھتا ہے۔ وہ پنجرے سے باہر خود کو غیر محفوظ سمجھتا ہے۔ خوئے غلامی اس کی نس نس میں ایسی دھنس چکی ہوتی ہے کہ وہ پنجرے کے باہر خود کو غیر محفوظ سمجھتا ہے۔ ہم بھی ظلم کی چھتری کے نیچے ہی زندہ رہنا چاہتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ہم پر کوئی چھتری مسلط رہے۔ وہ امریکہ کی ہو برطانیہ کی ہو، کفر کی ہو، ذلت کی ہو لیکن کوئی پنجرہ ہونا چاہئے جس میں ہمیں احساس ہو کہ پنجرے والا ہماری حفاظت کر رہا ہے۔ ہم اپنے مالک سے تو کٹ چکے ہیں ہمارا اللہ سے تعلق اتنا کٹ چکا ہے کہ ہم کفر کی چھتری سے نکل کر آزاد فضا میں سانس لینے کی لذت سے آشنا ہی نہیں اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ یہ چھتریاں ہم پر مسلط رہیں انہی کے زیر اثر پھر الیکشن ہوں پھر ہم وزیر بن جائیں، آج ہمارا حال اس طوطے جیسا ہے۔ یہ سب اللہ سے دوری کی وجہ سے ہے۔ عظمت الٰہی سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے حرام کھانے، سود کھانے کا نتیجہ گلی گلی دہشت گردی ہو رہی ہے، بم پھٹ رہے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کو کیوں مار رہے ہیں؟ یہ وہ پھوڑے پھنسیاں ہیں جو خراب غذا کھانے کے باعث جب خون خراب ہو جاتا ہے تو بدن پر جگہ جگہ پھوڑے نکلتے ہیں۔ یہ خرابی حرام کھانے سے کفر کے تابع رہنے سے کافرانہ رسومات اپنانے سے قوم کے وجود میں در آئی ہے۔ یہ قوم کے وجود پر ناسور ہیں جو جگہ جگہ سے پھٹ رہے ہیں

جن سے خون بہہ رہا ہے، پیپ بہہ رہی ہے ایک جگہ پٹی باندھتے ہیں دوسری جگہ ناسور پھٹ جاتا ہے اس کی مرہم پٹی کرتے ہیں تیسری جگہ سے پھٹ جاتا ہے۔ ہم پٹیوں پر پٹیاں باندھے چلے جارہے ہیں اور اس بیماری کا علاج نہیں کرتے جس کی وجہ سے یہ ناسور بن رہے ہیں، جس طرح اہل مغرب جانتے ہیں کہ ایڈز کے مرض کا اصل سبب ہم جنس پرستی ہے لیکن وہ ہم جنس پرستی کو نہیں چھوڑتے، ایڈز کے علاج دریافت کرتے رہتے ہیں۔ اب یہ روک سکتے بھی نہیں کہ قوم اتنی دور جاچکی ہے مزاج اتنے آوارہ ہوگئے ہیں کہ اب یہ ان کے بس میں بھی نہیں رہا۔ انہیں چاہئے تھا کہ فوراً اسے روکتے اب مرہم پٹی کرتے رہتے ہیں۔ ہمارا بھی یہی حال ہے دہشت گردی کیخلاف بیان بازی کرتے رہتے ہیں کہ یہ کردیں گے وہ کردیں گے لیکن دہشت گردی کے اسباب دور کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

اس کا علاج اصلی یہی ہے کہ لوگوں کو رزق حلال مہیا کیا جائے، ان پر حرام کے دروازے بند کئے جائیں جو ظلم کرے، ڈاکہ ڈالے، رشوت لے اسے سزادی جائے تو مسلمان جب حلال کھائیں گے ان میں خوف خدا پیدا ہو گا۔ اتباع شریعت کریں گے جس کے نتیجے میں **امن ہوگا۔ عدل ہوگا** تو امن ہوگا عدل کے بغیر امن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور ظلم کو ظلم سے مٹانا تو ایسے ہی ہے جیسے سحر انصاری نے کہا تھا۔

نئے دستور ہیں نئے زمانے کیلئے
آگ ہی لائی گئی آگ بجھانے کے لئے

جو آگ پہلے لگی ہوئی ہے اس پر مزید آگ برسائی جائے تو کیا وہ بجھ جائے گی، وہ بجھے گی نہیں اور بھڑکے گی۔ پہلے ہی ظلم ہو رہا ہے اس پر اور ظلم کیا جائے تو ظلم بڑھے گا مٹے گا نہیں۔ ظلم، عدل سے مٹتا ہے۔ اللہ کریم ہمیں یہ سمجھنے کی توفیق دے اس پر عمل کی توفیق دے اور اس بدترین عذاب سے بچنے کی توفیق دے، بچنے کی توفیق تیرے مقبول بندے انبیاء مجاہد غازی اور شہادت کے طالب بھی مانگتے رہے کہ اللہ ہم کفر سے مغلوب نہ ہوں بلکہ کافرانہ نظریات اور کافرانہ کردار پر ہم غالب ہوکر رہیں۔ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴿۱۴۷﴾

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴿۱۴۸﴾ تو اللہ نے ان کو دنیا میں بھی سربلند رکھا اور آخرت میں بھی بہت اچھا بدلہ دے گا، اللہ ایسے ہی صدق دل اور پورے خلوص کے ساتھ اطاعت کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

سورۃ آل عمران رکوع 16 آیات 149 تا 155

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ
فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝١٤٩ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ۝١٥٠ سَنُلْقِيْ فِيْ
قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ
وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۗ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ۝١٥١ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ
اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ
مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۗ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ
يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ
وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٥٢ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ
وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى
مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝١٥٣ ثُمَّ اَنْزَلَ
عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَاۤىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَاۤىِٕفَةٌ قَدْ
اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۗ يَقُوْلُوْنَ هَلْ
لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۗ يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا
لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۗ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۗ قُلْ
لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى
مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۗ

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى
الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ
عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾

اے ایمان والو اگر تم کافروں کا کہا مانو گے تو وہ تم کو الٹے پاؤں پھیر دیں گے (مرتد کر دیں گے) پس تم بہت نقصان میں رہو گے ﴿۱۴۹﴾ بلکہ اللہ تمہارے کارساز ہیں اور وہ بہتر مدد کرنے والے ہیں ﴿۱۵۰﴾ عنقریب کافروں کے دلوں میں (تمہارا) رعب بٹھا دیں گے کیونکہ انھوں نے اللہ سے شرک کیا جس کی کوئی دلیل نازل نہیں کی گئی اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ ظالموں کے لئے بری جگہ ہے ﴿۱۵۱﴾ اور یقیناً اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دیا جب تم اس کے حکم سے ان (کافروں) کو قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جب تم خود ہی کمزور ہو گئے اور تم باہم حکم میں اختلاف کرنے لگے اور تم نے بات نہ مانی بعد اس کے کہ جو تم چاہتے تھے اس (اللہ) نے تمہیں دکھا یا تم میں سے کچھ وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور کچھ وہ تھے جو آخرت کے طلب گار تھے پھر اللہ نے تمہیں ان (کے مقابلے) سے پھیر دیا تا کہ تمہاری آزمائش کریں اور بے شک اس نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ ایمان والوں کے لئے بڑے فضل والے ہیں ﴿۱۵۲﴾ (اور وہ وقت یاد کرو) جب تم چڑھے جاتے تھے اور کسی کو پلٹ کر نہ دیکھتے تھے اور تمہارے پیچھے سے پیغمبر تم کو پکار رہے تھے سو (اللہ نے) تم کو (اس کی پاداش میں) غم پہ غم دیا تا کہ تم جو چیز تمہارے ہاتھ سے نکل گئی اس کا غم نہ کرو اور نہ اس پر جو تم پر (مصیبت) پڑی اور جو تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہیں ﴿۱۵۳﴾ پھر اس غم کے بعد اللہ نے تم پر چین نازل فرمایا اونگھ (جو ایک طرح کی نیند تھی) کہ تم میں سے ایک جماعت پر اس کا غلبہ ہوا اور کچھ لوگ وہ تھے جن کو اپنی جان کی فکر تھی وہ اللہ کے ساتھ خلاف واقعہ گمان کر رہے تھے (جو محض) جاہلیت کا گمان (تھا) اور کہتے تھے کہ کیا کچھ فیصلہ ہمارے بس میں بھی ہے آپ فرما دیجئے بے شک سارا کام اللہ کے اختیار میں ہے وہ اپنے دلوں میں

چھپائے رکھتے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ اگر فیصلہ میں کچھ ہمارا بس چلتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔ فرما دیجئے اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کے لئے قتل کا فیصلہ ہو چکا البتہ وہ اپنے قتل کی جگہ کی طرف نکل کھڑے ہوتے اور تا کہ اللہ تمہارے دلوں (سینوں) کی باتوں کو آزمائیں اور جو تمہارے دلوں میں ہے اسے معاف کر دیں اور اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتے ہیں ﴿۱۵۴﴾ بے شک جو لوگ تم میں سے، جس دن دو جماعتوں نے آپس میں جنگ کی، منہ موڑ گئے یقیناً ان کے بعض اعمال کی وجہ سے شیطان نے ان کو ڈگمگا دیا اور یقیناً اللہ نے انھیں معاف فرما دیا بے شک اللہ بخشنے والے تحمل والے ہیں ﴿۱۵۵﴾

خلاصہ تفسیر و معارف

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قرآن کریم کا اندازِ خطاب تین طرح سے ہے کہیں يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ کہہ کر ساری انسانیت کو پکارا گیا ہے۔ ایسا خطاب پند و نصائح سے پُر اور کاموں کے انجام سے مطلع فرمانے کے لئے ہوتا ہے کہیں يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ کہہ کر کفار سے خطاب ہے ایسا خطاب قرآن حکیم میں جہاں بھی ہوا ہے وہاں بجلی کی کڑک کا انداز لئے ہوئے ہے اور اس میں غضب الٰہی کا اظہار ہے اور ان کے انجام بد کی خبر ہے۔ اور کہیں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا کے الفاظ سے ان لوگوں سے خطاب ہے جنہیں نور ایمان نصیب ہوا اس میں سراسر رحمت اور شفقت کا انداز ہے۔ یہ اللہ کی مغفرت پانے اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے بہترین طریقے بتانے سے بھرپور ہے اور یہ کتنی بڑی بات ہے کہ کسی عاشق صادق کو اس کا محبوب خطاب فرمائے۔ اس کتاب کی لذت وہی جان سکتا ہے جسے ذات باری سے تعلق محبت نصیب ہو جسے اللہ سے پیار ہو، اللہ کریم سے محبت و پیار کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکمل اور خلوص دل سے اطاعت ضروری ہے۔

مومن غلطی پر متنبہ ہو جاتا ہے:

اس آیت مبارکہ میں خطاب مومنین سے ہے۔ ایمان کے ہوتے ہوئے بھی مومن سے اعمال میں کمی ہو

جاتی ہے۔ انسان دار دنیا میں ہے اور بتقاضائے بشریت اس سے کوتاہی بھی ہو جاتی ہے غلطی بھی سرزد ہوسکتی ہے اور گناہ بھی ہوسکتا ہے لیکن تقاضائے ایمان یہ ہے کہ مومن غلطی پر متنبہ ہو جاتا ہے اسے گناہ کا احساس ہو جاتا ہے، پھر وہ توبہ کرتا ہے رجوع الی اللہ کرتا ہے اور یوں اللہ کی مغفرت اسے ڈھانپ لیتی ہے۔

ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ حضور ﷺ جب ہم آپ ﷺ کی صحبت عالی میں ہوتے ہیں تو ہماری ایمانی کیفیات مختلف ہوتی ہیں، محبت الٰہی کا جذبہ بھی اور ہوتا ہے اور آپ ﷺ کی اطاعت کی تمنا بھی شدید ہوتی ہے لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت سے باہر جا کر امور زندگانی میں مصروف ہوتے ہیں تو کیفیات میں وہ شدت نہیں رہتی، طلب میں کمی ہو جاتی ہے اور کوئی نہ کوئی کوتاہی ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں، غلطی کی اصلاح کرتے ہیں تو اس سے بچنے کے لئے کوئی تدبیر ارشاد فرما دیجئے اور ہمارے لئے دعا فرما دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم صرف نیکی کرنے لگے اور تم سے خطا نہ ہو تو اللہ کریم تمہیں اٹھا لیں گے اور تمہاری جگہ کوئی دوسری مخلوق پیدا کر دیں گے جو نیکی کرے، نیکی کی کوشش کرے، گناہوں سے بچنا چاہے لیکن بتقاضائے بشریت اس سے غلطی ہو جائے پھر وہ اللہ سے رجوع کرے اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس سے معافی کا خواستگار ہو اور اللہ کی بے پایاں و بیکراں وسیع مغفرت پر یقین رکھتے ہوئے اللہ سے بخشش چاہے اپنی اصلاح احوال کرے تو اللہ کو یہ بات پسند ہے۔ اس لئے کہ اللہ نے فرشتے علیحدہ تخلیق فرمائے ہیں اور انسان کو فرشتہ نہیں بنایا نہ انسان فرشتہ ہوسکتا ہے۔ اس کی انسانی ضرورتیں ہیں، انسانی خواہشات ہیں اس کا انسانی مزاج ہے اس سے کمی اور کوتاہی ہو جاتی ہے اور اللہ کو انسان کا یہ رویہ پسند ہے کہ بندہ اپنے عجز و نیاز کا اظہار اللہ کریم سے کرتا ہے اور اس سے مغفرت چاہتا رہے۔

ایک انتہائی خطرناک رویہ:

یہاں تک بات درست ہے، پسندیدہ ہے۔ اس کے بعد کا رویہ خطرناک ہے۔ اس خطرناک رویئے اور اس کے انجام کو اس آیت مبارکہ میں بیان کیا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ اِنۡ تُطِيۡعُوا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا اگر تم نے کافروں کی اطاعت شروع کر دی ان کا کہنا ماننے لگ گئے ان کے کہنے پر عمل کرنے لگ گئے تو يَرُدُّوۡكُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ کافر تمہیں ایمان پر قائم نہیں رہنے دیں گے، تمہیں اتنی دور لے جائیں گے کہ تم سے دولت ایمان اور نور ایمان چھن جائے گا تم سے توبہ کی توفیق سلب ہو جائے گی اور تم واپس ظلمت و جہالت کے اندھیروں میں گم ہو جاؤ گے۔

آیات کی غلط تعبیر:

ہمارے آج کے دانشور اور اہل علم کہلانے والے ان آیات کی ایسی عجیب تعبیر و تفسیر پیش کرتے ہیں جو سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ وہ کہتے ہیں یہ احکام اس زمانے کے لئے تھے اور ان آیات کا اطلاق اس زمانے کے احوال پر ہوتا تھا۔

ان کی بتائی ہوئی تعبیر اس لئے ناقابل فہم ہے کہ قرآن کسی مخصوص زمانے کے لئے نہیں ہے۔ نزول کے وقت سے لے کر قیامت تک کے لئے ہے اور تمام انسانیت کے لئے ہے۔ اس لئے اس کے تمام احکام تمام زمانوں کے لئے ہیں اور یہ بات کیسے ممکن ہے کہ مومن کلمہ پڑھ لینے کے بعد کافر کی اطاعت شروع کر دے۔ کوئی مومن واقعی ایمان لانے کے بعد کفر کرنا پسند نہیں کرتا اور یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ کلمہ پڑھ کر اس کی تصدیق کر کے کسی کافر کے ساتھ کسی بت کی پوجا کرنے لگ جائے یا نصاریٰ کے ساتھ مل کر تثلیث کا قائل ہو جائے یا یہود کے ساتھ ہو کر ان کے عقائد اختیار کر لے تو پھر قرآن کی اس تنبیہ سے کیا مراد لی جاسکتی ہے؟ یہی مراد لی جائے گی جو اس آیت میں بتائی گئی ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع چھوڑ کر اپنے دعویٰ ایمانی کے ساتھ کافروں جیسا کردار اپنا لو گے عملی زندگی میں ان کا اتباع کرنے لگو گے تو رفتہ رفتہ غیر محسوس طریقے سے گمراہی کے گڑھے میں جا گرو گے۔

لاہور کے ایک فاضل ٹی وی پروگرام میں اس حدیث پاک **من تشبه بقوم فهو منهم** (مشکوۃ شریف) کی تشریح بیان کر رہے تھے کہ اس مشابہت کی توجیہہ یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں جب جہاد و غزوات ہوتے تو کفار کی بعض بستیاں ایسی بھی تھیں جن میں مسلمان رہتے تھے تو یہ حکم اس وقت کے ان مسلمانوں کے لئے تھا کہ تم لوگ اپنی کوئی علیحدہ شناخت بنا لو ایسا نہ ہو کہ حملہ ہو اور تمہیں بھی اس میں نقصان ہو جائے کہ تمہارا حلیہ اور کافروں کا حلیہ ایک جیسا ہونے سے لاعلمی میں تمہیں نقصان پہنچ سکتا ہے لہٰذا اپنا حلیہ ان سے جدا کر لو۔

میں ایک کم علم آدمی ہوں لیکن ایسی دور از حقیقت توجیہہ نہ کہیں پڑھی نہ کہیں سنی نہ اس کا وجود حضور ﷺ کے زمانے میں تھا۔ عہد نبوی میں جن علاقوں میں فوج کشی ہوئی، جہاد ہوا وہاں مسلمان نہیں تھے۔ کوئی ایسی بستی نہیں تھی جس میں پہلے سے مسلمان بستے تھے اور کافر بھی رہتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں کچھ مسلمان تھے لیکن وہاں تو جنگ نہیں ہوئی مکہ تو بغیر جنگ کے فتح ہو گیا وہاں کے مسلمان تو ہجرت کر کے مدینہ منورہ جا چکے تھے جو مسلمان وہاں رہ گئے تھے وہ کمزور، بیمار، معذور اور لاچار تھے اسی لئے ہجرت نہیں کر سکے تھے تو ان کا جنگ سے کیا کام، لہٰذا ایسی توجیہات نہایت نامناسب ہیں۔ اس ٹی وی پروگرام کے کمپیئر نے پھر وضاحت طلب کرتے ہوئے پوچھا کہ آپ کا مطلب ہے کہ نئی نسل کی خواتین جو Jeans اور Skirts پہنتی ہیں جن میں لباس جسم سے یوں چمٹا ہوتا ہے

کہ ہر شکن اور عضو نمایاں ہوتا ہے یہ سب پہننا جائز ہے، تو کہنے لگے یہ سب جائز ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ایسی باتوں سے پناہ میں رکھے۔ اسی حدیث مبارکہ میں مشابہت کے ضمن میں علامہ ابن خلدونؒ نے اپنی معرکتہ الآراتصنیف ''مقدمہ ابن خلدون'' میں بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی بھی قوم کا لباس پہننا شروع کر دے تو سب سے پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس قوم کی وہ برائیاں جنہیں وہ پہلے برا سمجھتا تھا وہ اس کی نگاہوں میں بڑی ہلکی ہو جاتی ہیں۔ مشابہت اختیار کرتے کرتے بندہ خود کو ان میں شامل سمجھنے لگتا ہے پھر اس قوم کے شعار میں شریک ہوتا ہے تو اس کا دل ان رسوم و رواجات کا دلدادہ ہونے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ ان کے گناہوں میں شریک ہونے لگتا ہے۔ گناہ اسے کفر کی طرف کھینچتا ہے اگر وہ اس سے باز نہ آئے تو ہو سکتا ہے کہ کرتے کرتے آخر اس کا دل اسلام سے اتنا دور ہو جائے کہ وہ خود اسلام کو چھوڑ دے۔ یہ تجربہ ہوتا رہتا ہے مثلاً ہمارے ملک کے ادیب، شاعر، دانشور، خواتین وحضرات کا ہندوستان جانا آنا اکثر رہتا ہے، ہندوؤں کا یا گانے بجانے والوں کا مذہب تو کیا ہوگا بس مذہب کے نام پر کچھ شعار ہیں۔ سب سے پہلا کام وہ یہ کرتے ہیں کہ ماتھے پر تلک لگا دیتے ہیں۔ ہمارے لوگ وہاں جا کر ذرا فراخدل ہو جاتے ہیں اور تلک وغیرہ بھی لگوا لیتے ہیں پھر جہاں دوسری جگہوں کی سیر کرتے ہیں وہاں مندروں میں بھی چلے جاتے ہیں، واپسی پر سوغات کے طور پر ان کی مشہور دیوی کا بت لے آتے ہیں اور اپنے ڈرائنگ روم کی زینت بناتے ہیں۔ یہ وہی بت ہے جو انڈین ٹی وی نشریات میں اکثر دکھایا جاتا ہے اور جسے وہ اپنے لئے بڑا باعث برکت خیال کرتے ہیں۔ انہی شاعرات میں سے ایک شاعرہ یہاں دارالعرفان بھی تشریف لائیں یہاں انہوں نے نماز بھی پڑھی جبکہ ان کے کانوں میں اسی دیوی کے بت والے آویزے بھی لٹکے ہوئے تھے۔ کتنی عجیب بات ہے باوضو ہو کر اللہ کی بارگاہ میں سجدہ بھی کیا جا رہا ہے اور دو بت بھی کانوں میں لٹکائے ہوئے ہیں جن کو پوجنے والے مشکل کشا سمجھتے ہیں انہی کو پہن کر اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز بھی ہیں۔ یہاں سمجھ آتی ہے علامہ ابن خلدون کی بات کہ جب کسی کافر قوم کی مشابہت اختیار کر لی جائے تو پھر تلک لگانا یا وہ آویزے جن پر بت بنے ہوئے ہیں پہن لینا ان کی نظر میں معیوب ہی نہیں رہتا۔ کفار سے ان کے طور طریقوں کے ساتھ ان کے انداز اپنا کر ملنے جلنے، کھانے پینے کے اثرات بہت زیادہ ہوتے ہیں بہت دور تک جاتے ہیں اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔

ہم نے اپنے معاشی نظام کو کفار کے تابع کر رکھا ہے، سود پر استوار ہے اس کا نتیجہ ہمارے اخلاقی دیوالیہ پن سے ظاہر ہے۔ ہاں کچھ محنت سے کسی کی کوشش سے کسی کے دل کی پکار کی قبولیت سے حکومت نے تمام بینکوں میں ایک شعبہ بلاسود بینکاری کا بھی شروع کر رکھا ہے۔ لیکن کفار کا اتباع کر کے سود کھا کر لوگ اتنے بے حس ہو چکے ہیں کہ اس وقت شاید ایک فیصد سرمایہ دار اپنا پیسہ بلاسود بینکوں میں رکھتے ہیں۔ اکثر سرمایہ رکھنے والوں نے بلاسود بینکاری کی

سہولت سے فائدہ اٹھانا پسند نہیں کیا بلکہ سودی کھاتے کھول رکھے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ یہی لوگ پکے نمازی بھی ہیں ہاتھوں میں تسبیح بھی گھومتی رہتی ہے۔ داڑھی بھی رکھی ہوئی ہے لیکن چونکہ انہوں نے کفار کی بات مان رکھی ہے اور کفار کے اتباع میں چلنے کا اثر یہ ہے کہ سود کے حرام محسوس ہونے کا اثر دل سے نکل گیا ہے۔

سود سے دامن بچانے والے کا واقعہ:

جن لوگوں نے سود سے دامن بچا رکھا ہے ان کا واقعہ بھی سن لیجئے۔ ذکر کے ایک ایسے باعمل ساتھی ہیں جو سود سے بچتے ہوئے بزنس کرتے ہیں۔ ان کا بزنس یہ ہے کہ تاجروں کے مال کی بلٹیاں چھڑواتے ہیں اور اپنی کمیشن لیتے ہیں۔ تاجروں کا مال قیمتی ہوتا ہے اور بلٹیاں چھڑا کر ان تک مال بحفاظت پہنچانا خاصہ پرمشقت کام ہے۔ اس پر وہ معاوضہ لیتے ہیں۔ اس مرتبہ ملے تو کہنے لگے کہ دفتری حساب دیکھتے ہوئے پتہ چلا کہ کچھ تاجر مال لے لیتے ہیں معاوضہ دینے میں دیر کرتے ہیں۔ اس سے کاروبار کو نقصان پہنچتا ہے تو انہوں نے اپنے حساب کتاب رکھنے والے آدمی سے پوچھا کہ اس نقصان کو کیسے ختم کیا جائے۔ اس نے کہا آپ کے دوسرے بھائی اور شریک کاروبار ساتھیوں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ جو تاجر بل ادا کرنے میں دیر کرے گا اس سے سود کے ساتھ رقم وصول کی جائے گی۔ یہ سن کر وہ خاموشی سے اٹھ گئے اور اپنے شریک کار بھائیوں بھتیجوں سے ایک خصوصی ملاقات کی اور ان سے کہا کہ مجھے گلبرگ میں ایک کوٹھی خرید دو میں وہاں وسط ایشیائی ممالک سے چند نوعمر لڑکیاں خرید لاؤں گا، وہاں ان کے سرپرست اور والدین بیچتے ہیں۔ انہیں لا کر گلبرگ میں پیشہ کرواؤں گا اور ہم سب مزے سے یہ آمدنی کھائیں گے تو وہ سب بھڑک اٹھے کہ آپ ہمیں ایسا رذیل سمجھتے ہیں اس پر انہوں نے کہا دیکھو پیشہ کر کے کھانے والوں کے ساتھ اللہ نے جنگ کی وعید نہیں سنائی لیکن سود کے ساتھ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کا اعلان قرآن میں موجود ہے۔ اگر تم سود کھا رہے ہو تو پھر پیشہ ور کا پیسہ کھانے میں کیا حرج ہے، حرام ہی کھانا ہے تو یہ حرام کھا لو اس پر اللہ کے ساتھ اعلان جنگ تو نہیں ہے۔ اس پر وہ سب تائب ہو گئے اور سودی کھاتے بند کر دیئے۔

قرآن حکیم میں یہ اعلان موجود ہے۔ فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (البقرہ:279) جو سود سے باز نہیں آتا وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جائے اور اس جنگ کا اثر یہ ہے کہ وجود پلتا رہتا ہے اور روح مرتی جاتی ہے۔ اللہ سے جنگ کر کے موت سے ہی ہمکنار ہوگی۔ روح مرتی جاتی ہے اور گناہ کرنا کوئی عیب نہیں لگتا، عبادات کو رسم اور عادت اور اپنی پارسائی کے لئے شہرت کے لئے کرتا رہتا ہے۔ ڈاک خانے میں بنک کی نسبت سود کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے۔ ڈاک خانے کے ملازم نے بتایا کہ ڈاک خانے میں ایک آدمی

آیا کہ اصل تو مجھے نہیں نکلوانا میرے اصل پر جو سود بنتا ہے اس کا حساب کر دو۔ اس کا حساب کیا تو اس کے سود کی رقم ایک لاکھ دس ہزار بنی۔ اس نے کہا یہ مجھے دے دو اور دستخط کروالو۔ ڈاک خانے کے کارندے نے پوچھا تم اتنی رقم سے کیا کرو گے۔ اس نے کہا حج کی درخواست کے ساتھ جمع کرواؤں گا۔

یہ حکایت نہیں اصل واقعہ ہے۔ انہی باتوں کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک شخص دور دراز کا سفر کر کے بیت اللہ پہنچے گا۔ اس سفر کے آثار اس کے وجود پر ظاہر ہوں گے کپڑے میلے، بال پریشان، تھکاوٹ سے چور ہوگا لیکن سیدھا بیت اللہ جائے گا، بڑے درد سے پکارے گا لبیك اللھم لبیك...... پھر طواف کرے گا لیکن اس کی کسی بات کا اللہ کریم جواب نہیں دیں گے۔ عرض کیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا کیوں ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس لئے کہ اس کا لباس حرام کا ہوگا، غذا حرام سے بنی ہوگی، ایسے شخص کی بات اللہ کریم قبول نہیں فرمائیں گے اور یہ جس نے ڈاک خانے سے صرف سود مانگا ہے تاکہ حج کر سکے اس کا احرام سے لے کر آخر تک کے تمام اخراجات حرام سے ہیں تو وہ اس حد تک کیسے پہنچا کہ وہ کلمہ بھی پڑھتا ہے، نمازیں بھی پڑھتا ہے، اس کے دل میں حج کی آرزو بھی ہے، بیت اللہ جا بھی رہا ہے لیکن سود کو برا نہیں سمجھتا۔ اس کے نزدیک یہ کوئی غلط بات نہیں۔ اسے اس چیز کا احساس نہیں کہ وہ کن پیسوں سے حج کر رہا ہے یہ کس طرح ہو گیا۔ سوچ کس طرح مسخ ہوگئی۔ اس کی وجہ کفار کا اتباع ہے۔ کافروں کی بات ماننے کی وجہ سے اتنے بڑے حرام کو معمولی سمجھ کر قبول کرلیا۔

حرام اور حلال:

یہی بات یہ آیت کریمہ واضح کر رہی ہے۔ اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اگر تم کافروں کی بات ماننے لگ جاؤ گے۔ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ۝۱۴۹ تو پھر تم ناکام ہو کر گمراہ ہو کر بہت بڑے نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ یہ بات تو مشکل ہے کہ کوئی کلمہ گو شرک قبول کرلے عقیدہ بدل کر کفر کرنے لگے ظاہر ہے کافر کی بات عملی زندگی میں ہی مانے گا ان جیسا کردار اپنائے گا ان جیسا لباس پہنے گا ان جیسا رہن سہن اپنائے گا ان جیسے کھانے کے طور اطوار ہوں گے ان جیسا لین دین کرے گا اور مومن اگر ایسا کرنے لگے گا تو کفار کا اتباع اسے واپس دور جہالت میں لے جائے گا اور کیسی حیرت ناک صورتحال بن جائے گی کہ بندہ دن رات تسبیح بھی ہاتھ رکھے داڑھی سے چہرہ مزین ہو، نمازیں پوری پڑھے لیکن سود کو حرام نہ جانے۔ اس شدت سے حرام نہ جانے جس شدت سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام بتایا ہے۔ تو حرام کو حرام نہ سمجھنا بھی کفر ہے۔ حرام کو حلال سمجھنا بھی کفر ہے اور حلال کو حرام جاننا بھی کفر ہے۔ جب موت کے بعد قبر میں آنکھ کھلے گی تو ساری زندگی کے سجدے، نمازیں، بھاگ دوڑ سب ہوا ہو چکی ہوں گی اور فرشتے

کہیں گے کہ تم تو مسلمان ہی نہیں ہو تو اس بندے کی کیا حالت ہوگی۔ وہ شخص جس نے ساری زندگی گناہ کئے اسے تو انجام بد سے حیرت نہ ہوگی کہ اسے پتہ تھا کہ وہ کیا کرتا رہا لیکن جو اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا رہا، عبادات بھی کرتا رہا اسے جب قبر میں بتایا جائے گا کہ تم تو مسلمانوں کی فہرست سے خارج ہو تو کیا کیا کیفیت ہوگی؟ آج دنیا میں رہتے ہوئے مہلت ہے کہ بندہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے تو بندہ توبہ کیوں نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے کافروں کی بات ماننا شروع کر دی ہے اور اسی بات سے اللہ کریم متنبہ فرما رہے ہیں کہ اگر تم کافروں کی بات مانو گے تو وہ تمہیں الٹے قدموں واپس اسی جہالت اور گمراہی میں لے جائیں گے اور تم بڑے خسارے میں چلے جاؤ گے۔

ایک خسارہ تو یہ ہے کہ کسی کو نور ایمان ہی نصیب نہ ہو یہ بھی بہت بڑا خسارہ ہے کہ زندگی ملی، دنیا میں آیا عقل وخرد ملا، اختیار وارادہ ملا، شعور وادراک کی صلاحیتیں ملیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اور ان پر ایمان نہ لایا، اپنے ارادے واختیار کو درست سمت استعمال نہ کیا اور نور ایمان حاصل کئے بغیر دنیا سے چلا گیا، محروم ہوا۔ ایمان نہ لا کر تباہ ہو گیا اور بڑے خسارے میں چلا گیا لیکن جسے ایمان نصیب ہوا پھر کفر کی بات مان کر کافروں کی رائے پر چل کر جو ایمان سے محروم ہو کر جہنم چلا گیا۔

کافروں کا کہنا نہ مانو:

تو یہ اس سے کئی گنا زیادہ بڑا خسارہ ہے اور عظیم نقصان ہے۔ اس لئے فرمایا کہ کافروں کی بات مت مانو، اعمال وکردار میں صرف اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرو پورے خلوص اور پوری دل جمعی کیساتھ اپنی پوری کوشش اس بات پر لگا دو کہ قولاً فعلاً حالاً آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کیا جائے۔ یہی تقاضا مسلمانی ہے اور یہی تقاضا ایمان ہے۔ مسلمان کی زندگی میں صرف نماز روزہ ہی دین نہیں یہی عبادت نہیں بلکہ مسلمان کا ہر لمحہ عبادت ہے، دنیا کا ہر کام عبادت ہے اس کے کمانے کے اوقات عبادت میں شمار ہوتے ہیں وہ اگر لڑتا ہے اور صلح کرتا ہے تو یہ بھی اس کی عبادت ہے اس لئے کہ وہ یہ سب کام نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم اور طریقے کے مطابق کرتا ہے اور جو کام بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہنے پر اور ان کے طریقے پر کیا جائے وہ کام عبادت ہے اور انہی کاموں میں جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع چھوڑ دے۔ دعوئ مسلمانی کے باوجود لوگوں کے حقوق ادا نہ کرے انہیں دھوکہ دے۔ اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے بجائے لوگوں کو پریشان کرے۔ رشوت لے، برائی میں غرق رہے تو وہ غیر محسوس طریقے سے آہستہ آہستہ کفر کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے اور بالآخر گمراہی کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ فرمایا لیکن مسلمان ایسا کیوں کریں گے جبکہ اللہ ان کا دوست ہے۔ اللہ مولیٰ ہے اللہ

مالک ہے اللہ ولی ہے دوست ہے یعنی ہر بندہ مومن ایک درجے میں اللہ کا ولی یعنی اللہ کا دوست ہے۔ کلمہ پڑھتے ہی بندہ ولایت الٰہی میں داخل ہو جاتا ہے۔ بنیادی طور پر مومن کو درجہ ولایت حاصل ہے پھر جوں جوں بندہ اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ میں محنت کرتا ہے، مجاہدہ کرتا ہے تو اس کے مقامات بلند ہوتے جاتے ہیں۔ جنہیں ہم ولی اللہ سمجھتے ہیں یہ ہمارا ان سے حسن ظن ہے ان کی پارسائی دیکھ کر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ولی اللہ ہیں ان کی ولایت کی گواہی نہیں ہوتی۔ یہ اللہ کریم کے علم میں ہوتا ہے۔ نبی کی نبوت کی گواہی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے کہ یہ نبیؑ اور رسول ہیں لیکن ہر مومن اپنے ایمان کے حساب سے اللہ سے دوستی کرتا ہے، اسے اللہ سے دوستی حاصل ہوتی ہے تو ایک دوست کو اللہ کے ولی کو یہ کب زیب دیتا ہے کہ وہ اللہ کی بات چھوڑ کر کافر کی بات مانے۔

قرآن حکیم کا انداز اتنا مشفقانہ اتنا دردمندانہ ہے کہ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جب میں کہوں کہ میں تمہارا دوست ہوں تو تم میری بات چھوڑ کر کافر کی بات پر چل نکلو۔ اس بات کو اپنی ذاتی زندگی پر منطبق کر کے دیکھیں، ہم انسان ہیں اور اللہ کے محتاج ہیں لیکن ہماری غیرت اتنی ہے کہ کوئی دوست ہمیں دھوکہ دے ہم سے دغا بازی کرے تو ہمیں کتنا دکھ لگتا ہے۔ دشمن کرے ایذا پہنچائے تو تکلیف ہوتی ہے گلہ نہیں ہوتا اس سے توقع ہوتی ہے کہ وہ ہمارا بھلا نہیں کرے گا لیکن دوست ایسا کرے تو افسوس ہوتا ہے رنج پہنچتا ہے، دکھ ہوتا ہے۔

پھر جب اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ میں ہر مومن کا دوست ہوں تو جسے اللہ کی دوستی نصیب ہو وہ اللہ کے روبرو اللہ کی کائنات میں اللہ کے دشمنوں کی بات مانے! یہ کتنی عجیب بات ہے جسے ہم سمجھتے ہی نہیں اور ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہمیں سمجھانے والے ہماری رہنمائی کرنے والے علماء، کفار سے دوستی ان سے مشابہت ان کے اتباع کے لئے جواز تلاش کرتے ہیں۔ آیات کے اصل معنی سے ہٹا کر غلط تعبیریں دیتے ہیں یہ دانشور برائی پر سنہری رنگ کر کے سونا بنا کر پیش کرتے ہیں۔ قوموں پر جب عذاب آتا تو ان میں سب سے بڑی خرابی یہی تھی کہ جن لوگوں کا کام رہنمائی کرنا تھا وہ راہزنی پر اتر آئے جس کا کام راستہ دکھانا تھا وہ راستہ بھٹکانے لگے۔ یہ عذاب الٰہی کی ایک صورت ہے۔ ظالم حکومتیں عذاب الٰہی ہیں کہ یہ عوام کے کردار کا عکس ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اعمالکم عمالکم (بغوی) تمہارا کردار ہی تم پر حکومت کرے گا یہی ہماری بدقسمتی ہے ہماری حکومتیں ہمیں کفر کی طرف کھینچ رہی ہیں اور اسے روشن خیالی کہا جا رہا ہے اور علماء بے حیائی کو اپنانے کے لئے دعوت دے رہے ہیں اور اس کے جواز کے لئے آیات واحادیث کی غلط تعبیریں کر رہے ہیں۔ یہ سب اسی لئے ہو رہا ہے کہ بدکرداروں پر بڑا بدکردار ہی حاکم ہوتا ہے اور لوگ ظالم ہو جائیں تو ان پر بڑا ظالم ہی مسلط ہو جاتا ہے۔ اسی انجام بد کی نشاندہی کی جا رہی ہے اس کے اسباب بتائے جا رہے

ہیں اس سے بچنے کی تدبیر بتائی جارہی ہے اس کا علاج بتایا جارہا ہے۔

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ۝ اللہ تمہارا ولی ہے اور وہ سب سے اچھا مددگار ہے سب سے بہتر مددگار ہے تم اتنے بڑے قادر وقیوم کو چھوڑ کر مخلوق کی پناہ میں کیوں جاؤ گے؟ بندہ کسی اور کی بات کیوں مانتا ہے اس لئے کہ اس کی نظر اسباب پر رہتی ہے کہ فلاں شخص فلاں ملک وقوم کے پاس طاقت ہے مادی وسائل ہیں اس کی حمایت سے ہمیں فائدہ ہوگا اسکی بات نہ مانی تو ہمیں نقصان ہوگا۔ یہی کیا اور یہی کہا ہمارے محافظ حکمرانوں نے جن کا کام ہی ملک اور خطہ زمین کی حفاظت کرنا ہے ان پر ذرا سا دباؤ آیا تو انہوں نے امریکہ کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور قوم کے چند باضمیر انسانوں نے جب ان سے یہ سوال کیا کہ امریکہ کی ایسی اطاعت کے کیا معنی؟ تو فوج کے ریٹائرڈ جنرل نے جو اس وقت وزیر مملکت ہیں، نے جواب دیا کہ اگر ہم امریکہ کی بات نہ مانتے تو وہ ہمیں پتھر کے زمانے میں پہنچا دیتے۔ پتھر کے زمانے میں پہنچائے جانے کا خطرہ تو ان وزیروں مشیروں وڈیروں سرمایہ داروں کو ہی ہے عوام تو پہلے ہی پتھر کے زمانے میں رہ رہے ہیں جن کے بچے تعلیم سے محروم ہیں جن کے بزرگ علاج سے محروم ہیں جن کے گھر والے صبح وشام کھانے کو ترستے ہیں اور حکومتی بیان آتا ہے کہ ملک میں اتنے موبائل فون عام ہیں اتنے موٹر سائیکل چل رہے ہیں یہی ترقی کی نشانیاں ہیں۔ موبائل فون ترقی کی دلیل نہیں لوگوں کو ان کے حقوق کا ملنا ترقی کی دلیل ہے، انہیں انصاف ملنا ترقی کی دلیل ہے ان کا فارغ البال ہونا ترقی کی دلیل ہے اور جب حقیقت یہ ہے کہ امیروں کے بچوں کو سکول پہنچانے والے ملازموں کے بچے سکول جانے سے محروم ہوں یا علاج معالجے سے محروم ہوں، کھانے پینے سے تنگ ہوں تو موبائل فون گردش کرتے نظر آرہے ہوں تو کیا یہ خوشحالی ہے ہاں اسے خوشحال ضرور کہہ سکتے ہیں، جس کے پاس گاڑی سرکاری ہو ڈرائیور بھی سرکاری پٹرول بھی سرکار سے مل رہا ہو بنگلہ بھی سرکاری گھر میں استعمال کا سامان بھی سرکاری اور ملازم وراشن بھی سرکاری ہو تو اس کے خوشحال ہونے میں تو کوئی شک نہیں لیکن عوام میں کتنی کثیر تعداد ان کی ہے جنہیں یہ ساری ضرورتیں اپنی آمدنی سے اپنی مزدوری سے اپنی ملازمت سے کما کر خریدنا پڑتی ہیں اور کتنے ہزاروں ایسے ہیں جو سارا دن چوک میں بیٹھ کر شام کو خالی ہاتھ گھر چلے جاتے ہیں۔ انہیں اس دن مزدوری ہی نہیں ملتی اور کبھی مزدوری کے لئے جاتے ہیں اور شام کو ان کی میت گھر پہنچتی ہے مزدوری تو کیا ملتی ناروا قتل ہو جاتے ہیں بعض کی میت گھر آجاتی ہے کچھ کی تو لاش بھی نہیں ملتی۔ کچھ ملازمت پیشہ ایسے ہیں کہ پورا مہینہ صبح سے شام تک ملازمت کرتے ہیں اور بچوں کی فیس دینے کے قابل بھی نہیں۔ ان کے بچے ورکشاپوں پر محنت کرتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے گاڑیوں کے شیشے صاف کرتے ہیں۔ کیا حکومتی بیان اور حقیقی بدحالی کے مناظر ہمیں اپنے

اردگرد نظر نہیں آتے۔ حکومت دعویٰ کرتی ہے کہ سرکاری سکولوں میں اب کتابیں بھی مفت فراہم کی جائیں گی تو لوگ سرکاری سکولوں میں کیوں نہیں پڑھاتے اس لئے نہیں پڑھاتے کہ وہاں پڑھائی ہوتی نہیں صرف ڈنڈے کھا کھا کر زندگیاں ضائع ہوجاتی ہیں۔ اگر سرکاری سکولوں میں تعلیم ہوتی تو کوئی پرائیویٹ سکول نظر نہ آتا۔ایک ایک گاؤں میں چھ چھ پرائیویٹ سکول کیوں چل رہے ہیں اس کا مطلب ہے سرکاری سکول میں محکمہ تعلیم کا نظام نہیں چل رہا وہاں محکمہ تعلیم کام نہیں کرر ہا اور اگر سرکاری سکول کام نہیں کررہے تو کون سی خوشحالی آ گئی ہے۔ زندگی بچانے والی دوائیں جو بے حد مہنگی بھی ہوتی ہیں وہ خرید کر لائیں تو نقلی نکلتی ہیں اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔ غریب نے کس طرح پندرہ سو خرچ کر کے ٹیکہ خریدا اور وہ بھی نقلی ملا۔ عوام کے لئے کیسی خوشحالی ہے۔ پچھلے دنوں فوجی فاؤنڈیشن کی گاڑی نور پور گاؤں آئی اور لوگوں میں مفت دوا تقسیم کر گئی کتنا اچھا کام ہوا کہ غریبوں کو مفت دوا مل گئی۔ دوا کھائے ہفتہ نہیں گزرا اور کسی کو خارش لاحق ہوگئی کسی کو پھوڑے پھنسی نکل آئے اب وہ غریب پھر ہسپتالوں کی طرف دوڑے۔ اس کی وجہ یہ نکلی کہ انہوں نے غرباء میں وہ دوا تقسیم کی جس کی معیاد ختم ہوچکی تھی اس سے کھانسی تو کیا ٹھیک ہوتی، خارش نفع میں مل گئی یہی خوش حالی ہے جو غریب کو تقسیم ہورہی ہے۔ ایسا کیوں ہورہا ہے؟ کیا ہم پر غیرملکی حاکم ہیں یا یہ افسر اور یہ ڈاکٹر اور ان کا عملہ ہم میں سے نہیں ہے کسی اور جگہ سے آ کر یہاں رہائش پذیر ہیں۔ درحقیقت یہ وہ لوگ ہیں جو کافر کی بات مانتے ہیں۔ محمد رسول ﷺ اللہ کی بات نہیں مانتے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو صحت کیلئے جاتا ہے بیماری لے کر آتا ہے جو علم کے لئے جاتا ہے جہالت لے آتا ہے جو انصاف کے لئے جاتا ہے اسے انصاف نہیں تاریخ ملتی ہے۔ تین تین نسلوں تک تاریخ پر تاریخ پڑتی رہتی ہے اور اگر اس کا مطالبہ دس ہزار کا تھا تو اس کی زمین بک کر مقدموں پر خرچ ہوجاتی ہے اور تاریخ پر تاریخ پڑتی جاتی ہے لیکن وہ دس ہزار اسے نہیں ملتے۔

خوفزدہ وہی ہوتا ہے جس کا اللہ پر بھروسہ نہیں ہوتا:

اللہ کریم فرماتے ہیں تم کافروں کے ظاہری اسباب سے مرعوب ہوکران کے پیچھے نہ چلو، ان سے خوف کھانا مسلمان کا شیوہ ہی نہیں۔

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ

مومنو! میں کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دوں گا اس لئے کہ وہ تو میری ذات کے ساتھ شرک کرتے ہیں بلا دلیل شرک کرتے ہیں اور انجام کار جہنم کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ مشرک کا بھروسہ اللہ پر نہیں ہوتا اس لئے وہ بنیادی طور پر خوفزدہ ہوتا ہے مومن کی طاقت اللہ پر بھروسہ ہے اس لئے ان کے دلوں میں مسلمان کا رعب ہوتا ہے وہ تمہارا

کچھ نہیں بگاڑ سکتے وہ تمہیں کیا تباہ کریں گے وہ تو تمہاری پرچھائیں سے بھی ڈرتے ہیں۔ آخرت حقیقت ہے آخرت ابدی ہے، آخرت کا سایہ دنیا پر چھایا رہتا ہے جو کفر کرتا ہے اس پر ایک انجانا سا خوف طاری رہتا ہے۔ یہ ان کے ابدی ٹھکانے جہنم کا خوف ہے۔ اس انجانے خوف کو مغرب کے معاشرے میں جا بجا دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کی زبان میں اسے Fear of the Unkown کہتے ہیں۔ وہ نفسیاتی معالجوں کے پاس علاج اور ادویات کے لئے جاتے ہیں پوچھو کہ کس چیز کا ڈر ہے کیا چور ڈاکو کا ڈر ہے؟ کسی دشمن کا ڈر ہے؟ انہیں نہیں پتہ کس چیز کا ڈر ہے۔ ایک انجانا خوف ہے۔ یہ وہ عذاب الٰہی ہے کہ بندہ دوزخ کی طرف بڑھ رہا ہے اور جہنم کا خوف اس کی زندگی پر چھایا رہتا ہے سو تمہیں کافروں سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک تو اللہ تمہارا ولی ہے دوست ہے سب سے اچھا مددگار ہے اور کافروں کے دل میں تمہارا رعب ڈالتا ہے اس لئے کہ وہ مشرک ہیں ان کی اللہ سے بگڑی ہوئی ہے۔ انہوں نے اللہ سے دشمنی کر رکھی ہے وہ تو ویسے ہی کانپتے رہیں گے۔ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ۝۱۵۱ ان کا انجام تو جہنم ہے۔ جہنم کا سایہ ان پر اثر انداز رہے گا اور ظالموں کے لئے بہت ہی بری جگہ ہے۔

فضائل صحابہؓ :

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۝۱۵۲ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝۱۵۳ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَىْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَىْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِىْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِىَ اللّٰهُ مَا فِىْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِىْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝۱۵۴

واقعہ اُحد کے ضمن میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل بیان ہو رہے ہیں کہ یہ اللہ کے ایسے پسندیدہ بندے ہیں اور ایسے مثالی مسلمان ہیں کہ جنہیں اللہ نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کے

لئے تخلیق فرمایا۔ انہیں اس خدمت کے لئے چن لیا اور یہ ایسے خوش نصیب لوگ ہیں کہ بتقاضائے بشریت جب ان سے غلطی اور لغزش ہوئی تو اللہ کریم نے انہیں اس سے مطلع فرمادیا اور مطلع فرمانے کے بعد ان کی توبہ کو شرف قبولیت بخش کر ان کی لغزش معاف فرمائی اور انہیں ان کی توبہ کی قبولیت کی سند بھی عطا فرمائی اور تمام صحابہ کرامؓ دنیا سے اٹھنے سے پہلے اللہ کی مغفرت اور اس کی رضا کی سند لے چکے جیسا کہ قرآن حکیم میں سورۃ التوبہ: 100 میں اللہ نے رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ فرما کر اپنی رضا کا سرٹیفیکیٹ انہیں جاری کر دیا اور ان آیات کو قرآن حکیم میں مذکور فرمادیا جس کی تلاوت تا قیامت ہوتی رہے گی اور تا قیامت آنے والے مسلمان ان کے حق میں اس فضیلت سے آگاہ رہیں گے۔ لیکن حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جنہوں نے صحابہ کرامؓ کی لغزشوں کو موضوع بحث بنا کر انہیں اپنے جیسا عام انسان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ بہت بڑی بدقسمتی ہے کہ بندہ اتنا دلیر ہو جائے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ملزم ٹھہرائے اور خود جج بن کر ان پر بحث کرے جواب طلبی کرے اور پھر فرد جرم بھی عائد کرے۔ اللہ پناہ دے۔

ہم وہ لوگ ہیں جو اپنے طور پر نیکی تو کرتے ہیں مگر ہمارے پاس اس کی قبولیت کی کوئی سند نہیں ہے ہم ایسے لوگ ہیں کہ غلطیاں ہو جائیں تو ہمارے پاس اللہ کی بخشش کی سند نہیں ہے۔ ہم اللہ سے امید کرم رکھتے ہیں اور صحابہ کرامؓ وہ ہستیاں تھیں کہ ان کی لغزشوں پر اللہ کریم انہیں متنبہ بھی فرماتے اور توبہ کی توفیق عطا فرماتے پھر انہیں بخشش کی نوید بھی بزبان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنادی جاتی۔ صحابہؓ مخصوص لوگ تھے آپ ﷺ کی صحبت میں رہنے والے تھے۔ سوچنا چاہئے کہ کہاں ہم اور کہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحبت یافتہ۔ عالم انسانیت میں عظیم لوگ جن کی عظمت عند اللہ مسلم ہے اور یہ وہ لوگ تھے جن کی عظمت پر ایمان لانا صرف ہمارے لئے ہی شرط نہیں ہے پہلی امتوں کے لئے بھی شرط تھی۔ یہ بات تورات اور انجیل میں موجود تھی کہ جب نبی آخر الزماں ﷺ مبعوث ہوں گے اور پہلی تمام امتوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت پر ایمان لانا فرض تھا اور آپ ﷺ کے ہمراہ اللہ کے سچے بندے ہوں گے ان کی عظمت کا اقرار بھی ضروری تھا اور ان کی ساری تفصیل تورات وانجیل میں موجود تھی۔

اور صحابہ کرامؓ وہ ہستیاں ہیں جن کے بارے میں قرآن حکیم فرماتا ہے جماعت صحابہ اس طرح ہیں جس طرح ایک کونپل نکلتی ہے پھر وہ پودا بنتا ہے، پودے مل کر کھیتی بنتے ہیں کھیتی لہلہانے لگتی ہے اور کاشتکار کو وہ بھلی لگتی ہے تو اللہ کریم کے نزدیک جماعت صحابہ اسلام کی لہلہاتی کھیتی ہیں جن کو دیکھ کر حضور نبی کریم ﷺ خوش ہوتے ہیں۔

ان آیات مبارکہ میں اللہ کریم اپنے ان بندوں کے بارے تذکرہ فرما رہا ہے کہو وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اللہ نے فتح ونصرت کا جو وعدہ آپ کے ساتھ کیا تھا وہ سچ کر دکھایا۔ کفار ومشرکین بدر میں بھی شکست سے دوچار

ہوئے اور یوم بدر نصف دن کی لڑائی نے انسانی تاریخ کا دھارا بدل دیا۔ دنیا کی تاریخ دیکھ لیں جنگوں کی کہانیاں پڑھ لیں فاتح اور مفتوح کے حالات ملتے ہیں یہ پتہ چلتا ہے کہ کس نے کس سے جنگ کی، کون جیتا کون ہارا، کہاں تک ملک کی سرحدیں پھیل گئیں، کون کون سے شہر فتح ہوئے، کون کون سے علاقے چھین لئے گئے یہ سب کچھ تاریخ عالم کی جنگوں میں ملے گا لیکن ایسی جنگ جس نے ایسا انقلاب برپا کیا کہ انسانی ایمان سے لے کر کردار تک اور کاروبار سے لے کر سیاسیات تک نظام عدالت سے نظام حکومت تک ساری انسانیت کو حیات بخش فلاح و کامرانی سے نوازدیا اور یہ اتنا مضبوط انقلاب تھا کہ جو وقتی لمحاتی، دنوں، مہینوں یا سالوں میں مقید نہیں تھا بلکہ تب سے لے کر اب تک اور تا قیامت اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ جلوہ افروز رہے گا۔ اس انقلاب کے نتیجے میں جو تبدیلی آئی وہ بھی قیامت تک چلتی جائے گی۔

غزوہ اُحد میں مسلمانوں کو شکست نہیں ہوئی:

ان آیات میں اللہ پاک صحابہ کرامؓ کو اپنی مدد کے وعدے کی یاد دلا رہے ہیں کہ یاد کرو اللہ کا وعدہ نصرت کس طرح یوم بدر تمہارے کم سامان قلیل راشن محدود افرادی قوت کے باوجود تمہارے سامنے آیا جبکہ تمہارے مقابل ہر طرح کے اسلحے اور دنیاوی ساز و سامان سے لیس لشکر جرار تھا لیکن اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور تمہاری مدد کی، تمہیں فتح عطا فرمائی اب یہی وعدہ اُحد میں بھی پورا کیا۔

حضور نبی کریم ﷺ ایک ہزار کا لشکر لے کر نکلے۔ تین سو منافق ابن ابی کے ساتھ میدان میں پہنچنے سے پہلے الگ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سات سو جانثار رہ گئے۔ ان کے مقابل کفار تین ہزار کا لشکر لے کر پوری تیاری کے ساتھ حملہ آور تھے لیکن اللہ نے اُحد میں بھی فتح حضور ﷺ ہی کو عطا فرمائی۔ مشرکین میدان چھوڑ کر بھاگے مسلمانوں نے بیئر روحاء تک مشرکین مکہ کا تعاقب کیا وہ بھاگ گئے۔ حضور ﷺ کئی روز تک وہیں مقیم رہے اور اللہ نے قرآن حکیم میں واقعہ اُحد میں اپنی نصرت و مدد کے بارے آیات نازل فرمائیں۔

اس سب کے باوجود جو لوگ جنگ اُحد کو مسلمانوں کی شکست لکھتے ہیں وہ کس طرح یہ لکھنے کی جرات کرتے ہیں وہ کس طرح حقائق کو نظر انداز کرتے ہیں جبکہ حقائق یہ ہیں کہ کفار و مشرکین کا لشکر اس لئے مدینہ کی اسلامی ریاست پر حملہ آور ہوا کہ اسے تباہ کر دیا جائے، اس کے رہنے والوں کو قتل کر دیا جائے اور دعوت اسلام کی جو بنیاد توحید باری پر رکھی گئی ہے وہ بنیاد ہی ختم کر دی جائے۔ اس مشن کے ساتھ آنے والے لشکر کو پہلی ناکامی اس وقت نصیب ہوئی جب وہ اپنے ہدف شہر مدینہ تک نہ پہنچ سکا۔ اسلامی فوج نے انہیں مدینہ منورہ سے باہر رہ کر جنگ کرنے پر مجبور کیا سو ان کی پہلی

شکست اپنے ٹارگٹ تک نہ پہنچ پاتا تھا۔ دوسری ناکامی کا منہ انہیں اس وقت دیکھنا پڑا جب میدان اُحد سے بھی انہیں اسلامی فوج نے مار مار کر بھگایا اور بیئر روحاء تک ان کا تعاقب کیا گیا۔ اسے کفار کی فتح تو اس وقت کہا جاتا جب وہ اپنے اہداف پورے کرتے۔ کم از کم مسلمانوں کو اُحد سے دھکیل کر مدینہ منورہ پہنچا دیتے اور اُحد پر مشرکین قابض ہوتے اور فتح کا جشن مناتے لیکن وہ یوں بھاگے کہ بے شمار مال غنیمت لگے ہوئے خیمے، راشن، اسلحہ، اونٹ اور گھوڑے میدان جنگ میں چھوڑ گئے اور اپنے ساتھ واپس بھی نہ لے جا سکے تو پھر کفار کو فاتح لکھنے والا کس طرح فاتح لکھتا ہے۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ لکھنے والا خود کو مسلمان کہتا ہے اور کتنا دیدہ دلیر ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے نام نامی کے سامنے شکست لکھتا ہے۔ کیسا عجیب انسان ہے اور کس طرح کے علماء سے ہمارا سابقہ پڑ گیا ہے۔

ان کا کام امت کی رہنمائی کرنا ہے اور یہ خود راہ گم کردہ ہیں اور اتنی بنیادی سی بات نہیں سمجھتے کہ آپ ﷺ کے ساتھ اللہ کی فتح ونصرت لازم وملزوم ہے۔ اصل میں اس طرح کے علماء صرف سنتے پڑھتے رہتے ہیں عملی طور پر جہاد میں کبھی حصہ نہیں لیتے، نہ جنگ کے قواعد وضوابط نہ اسلحے کا استعمال کچھ بھی نہیں جانتے۔ گلگت میں مجھے کسی نے مسئلہ پوچھا کہ تکبیر پڑھ کر اگر گولی فائر کی جائے تو کیا وہ حلال جانور حلال سمجھا جائے گا۔ میں نے بتایا کہ حلال جانور کو گولی تکبیر پڑھ کر مارنے سے بھی وہ حلال نہیں ہوگا۔ اس پر کسی نے انہی صاحب کا نام لیا جنہوں نے اُحد کی فتح کو شکست کہا ہے کہ ان صاحب نے فتویٰ دیا ہے کہ گولی سے حلال ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا ان سے پوچھ کر بتاؤ کہ بندوق میں گولی کہاں ڈالی جاتی ہے، بندوق فائر کیسے کرتی ہے اور گولی کا اثر کیا ہوتا ہے؟ اگر انہیں یہ سب پتہ ہے تو ان کا فتویٰ صحیح ہے اور اگر انہیں اتنا بھی نہیں پتہ کہ نشانہ کیسے لیا جاتا ہے جہاں گولی لگتی ہے وہاں اس کا اثر کیا ہوتا ہے تو پھر وہ ایسے ہی فتوے دے سکتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ تکبیر پڑھ کر آپ چھری پھینکیں، نیزہ یا تیر پھینکیں یا کوئی ایسی چیز جس کے آگے دھار بنی ہو وہ پھینکیں تو وہ کاٹے گی اگر اس کے لگنے سے جانور مر بھی جائے تو وہ حلال ہو جائے گا کہ اس پر تکبیر پڑھی گئی ہے لیکن اس آلے کے لئے کاٹنا شرط ہے۔ اگر آپ تکبیر پڑھ کر پتھر پھینکتے ہیں اور جانور مر جاتا ہے تو وہ حرام ہو جائے گا اور چونکہ پتھر یا ڈنڈے کی ضرب سے مارنا حرام ہے اس لئے گولی جسم کے پار بھی چلی جائے تو وہ توڑتی ہے کاٹتی نہیں، گولی کے پیچھے بارود کی طاقت ہوتی ہے اگر ہم گولی فائر کریں تو وہ جسم کو توڑ کر پار ہوگی، کاٹے گی نہیں تو اس سے جانور حلال نہیں ہوگا۔ پوچھنے والے خود عالم تھے شکاری تھے اور گولی چلانا بھی جانتے تھے۔ کہنے لگے ہم نے تو بڑا نامور عالم سمجھ کر ان سے فتویٰ لیا تھا انہیں تو معمولی باتیں بھی نہیں پتہ۔ کاش ہمارے علماء نے بھی عملی طور پر کسی جہاد میں حصہ لیا ہوتا کہیں جنگی رموز سے آشنا ہوئے ہوتے خود کوئی زخم کھایا ہوتا، کسی کو زخمی کیا ہوتا تو شاید انہیں ان باتوں کی سمجھ ہوتی۔

اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ جب تم اللہ کے حکم سے کفار کے لشکر کی دھجیاں بکھیر رہے تھے باوجود بہترین تیاری کے جوش دلانے والی عورتوں کے رزمیہ اشعار کے پڑھنے کے جو زیورات سے لدی پھندی اشعار پڑھ کر فوجیوں کو ہمت دلا رہی تھیں کہ ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں، قالینوں پر چلنے والیاں ہیں۔ اگر تم آگے بڑھو گے تو تمہیں گلے لگائیں گی۔ اور پیچھے ہٹے تو تم سے الگ ہو جائیں گی۔

اور باوجود اس کے کہ تین ہزار کے مقابلے پر تمہاری تعداد سات سو تھی۔ تمہیں اللہ نے وہ فتح دی کہ جوش دلانے والی عورتیں اپنے پائنچے چڑھاتی میدان سے بھاگیں اور کفار کو میدان چھوڑتے بنی۔

صحابہ کرامؓ کی لغزشوں اور ان پر اللہ کی بخشش کا تذکرہ:

حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ فرمایا جب اللہ کی مدد فتح و نصرت تمہارے سامنے آ گئی مشرکین بھاگنے لگے تو جن لوگوں کو حضور ﷺ نے درے پر یہ فرما کر متعین کیا تھا کہ فتح ہو یا شکست تم نے درہ تا حکم ثانی نہیں چھوڑنا تو اس کے بعد تمہاری رائے میں کمزوری کیوں آ گئی اور تم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کیوں کی۔ یہاں صحابہؓ کی تین لغزشوں کا تذکرہ آیا ہے۔ فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ ارادے میں کمزوری آ گئی، آپس میں تکرار ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی ان تینوں کے بارے میں واقعتاً کیا ہوا۔ وہ یہ ہے کہ پچاس تیر اندازوں کا دستہ درے پر حضور ﷺ نے متعین فرمایا تھا۔ مشرکین کو بھاگتا اور میدان سے فرار ہوتا دیکھ کر درے پر متعین افراد میں سے تینتالیس افراد کی رائے یہ تھی کہ مشرکین کا تعاقب کرنا چاہئے کیونکہ وہ میدان چھوڑ گئے ہیں، مسلمانوں کو فتح ہو گئی ہے اس لئے یہاں پہرہ دینے کی ضرورت نہیں، باقی سترہ افراد اس بات پر قائم تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اگلے فرمان کے آنے تک درہ نہیں چھوڑنا چاہئے۔ اس پر ان کے درمیان تنازعہ ہوا اور آپس میں تکرار ہوئی اور جنہوں نے درہ چھوڑا انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی اگرچہ ناسمجھی کے باعث کی۔ اجتہادی غلطی کے باعث کی لیکن تھی تو نافرمانی۔ اس بات پر بعض لوگوں نے جو نامور لوگ ہیں عالم فاضل ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ صحابہؓ مال غنیمت لوٹنے کے لئے لالچ میں درہ چھوڑ کر نیچے اتر آئے۔ یہ بات بالکل فضول اور غلط ہے۔ مال غنیمت کسی لوٹنے والے کی ملکیت میں نہیں چلا جاتا تھا بلکہ اللہ نے اسے انعام فرمایا ہے اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت قرار دیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صوابدید پر چھوڑا کہ آپ ﷺ اسے جس طرح چاہیں تقسیم فرما دیں۔ حضور ﷺ نے اس کی تقسیم اس طرح فرمائی کہ چار حصے مجاہدین میں تقسیم فرمائے اور ایک حصہ بیت المال کو دیا پھر اللہ کریم کی طرف

سے حکم آیا کہ پانچواں حصہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت داروں کو دیا جائے اور بیت المال کو بھی دیا جائے جس سے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کیا جائے لہٰذا مال غنیمت کی تقسیم تو آپ ﷺ نے فرمانا تھی مجاہدین کا کام سامان اکٹھا کر کے خدمت اقدس میں پہنچانا تھا تو پھر صحابہؓ پر لالچ کا الزام کہ انہیں مال غنیمت کے لئے بھاگنے کی ضرورت ہی کیا تھی کسی نے بھی سامان اکٹھا کر کے خود تو نہیں لے جانا تھا لیکن اصل بات یہ ہے کہ قربیاں رابیش بود حیرانیاں۔ یعنی جو زیادہ قریب ہوتے ہیں ان کی ہر بات پر کڑی نگرانی ہوتی ہے۔ ان کی چھوٹی غلطی پر بڑی پریشانیاں آتی ہیں۔ جیسے کوئی عام شخص عدالت میں غیر مہذب بات کہے تو اس سے درگزر کیا جاتا ہے اور اگر کوئی وکیل عدالت میں ایسا کام کرے تو اسے عدالت کی توہین سمجھ کر اسے برداشت نہیں کیا جاتا۔

آیت کا درست مفہوم :

فرمایا تمہاری دو جماعتیں بن گئی تھیں کچھ لوگوں کو دنیا کا خیال آ گیا تھا اور کچھ آخرت کے چاہنے والے تھے۔ اسی آیت کے غلط مفہوم نکال کر صحابہؓ کو لالچ دنیا میں مبتلا لکھا گیا ہے۔ اس آیت سے مراد دنیا کی ناموری ہے۔ یہ بہت بڑا جرم ہے کہ بندہ دنیا میں اپنی شہرت چاہے اور اپنی حیثیت کا پرچار کرے کہ وہ کچھ مانا جائے اسے بھی کچھ تسلیم کیا جائے تو ہوا یہ کہ درہ چھوڑنے والوں کے دل میں یہ خیال آیا کہ وہ بھی کفار کا تعاقب کریں ان کا نام بھی کفار کا پیچھا کرنے والوں میں آئے یوں انہیں دنیا کی شہرت پانے کا خیال آ گیا۔ اُحد کی لڑائی کے لئے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشورہ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے تھی کہ شہر کے اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے لیکن چند نو جوان جو بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے انہوں نے عرض کی کہ شہر سے باہر نکل کر لڑیں گے تا کہ اپنی بہادری کے جوہر دکھا سکیں، سو دنیا کو دکھانے کیلئے لڑنا بھی دنیا داری ہے اور دین تو صرف اطاعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمادیا بس وہی دین ہے اسی پر عمل دین ہے۔ فرمایا میں نے تمہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی بنایا ہے تمہیں زیب نہیں دیتا کہ ایسی لغزشیں کرو تم سے ایسی توقع نہیں رکھی جاتی لیکن نادانستہ غلطی اور دنیاداری کی خواہش کی لغزش کے نتائج بھی تمہیں بھگتنا پڑے۔

ثم صرفکم عنھم لیبتلیکم پھر اللہ نے اس لغزش کے سبب حالات پلٹ دیئے، بھاگتا ہوا لشکر پلٹ کر حملہ آور ہو گیا۔ درہ خالی دیکھ کر کفار کا ایک دستہ درے پر موجود صحابہؓ کو شہید کرتا ہوا میدان میں واپس آ گیا اور مسلمان چکی کے دو پاٹوں میں آ گئے، درے سے کفار اتر آئے اور بھاگتا ہوا لشکر بھی پلٹ آیا۔ گھوڑے اور سوار کی بھاگ دوڑ میں اتنی دھول اور گرد اڑی کہ دوست دشمن کی پہچان نہ رہی اور مسلمان کے ہاتھوں بعض مسلمان شہید

ہوئے۔ اللہ نے یہ حالات کس وجہ سے تبدیل کئے کیوں نصرت الٰہی ہٹالی گئیں اور مشکلات درآ ئیں۔ لِيَبْتَلِيَكُمْ اس لئے کہ تمہاری آزمائش کی جائے اور تمہیں بتایا جائے کہ نبی کریم علیہ ﷺ کی رائے مبارک ہی حتمی ہے اس سے اختلاف کا کیا نتیجہ ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ یعنی تمہیں معاف تو کر دیا لیکن غلطی کا خمیازہ بھگتنے کے بعد اور فتح عطا فرمائی نقصان اٹھانے کے بعد۔ غلطی کا اگرچہ بہت ہی خمیازہ بھگتنا پڑا سب سے زیادہ دکھ حضور علیہ ﷺ کے رخ انور کے زخمی ہونے کا تھا پھر میدان جنگ میں اس خبر کا ملنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (معاذ اللہ) وصال فرما گئے اس غم واندوہ میں صحابہؓ پر مختلف کیفیات غم سے گزرنا یہ ایسی پریشانیاں تھیں کہ برداشت جواب دے رہی تھی کہ اللہ کا کرم ہوا، آزمائش تمام ہوئی، تنبیہ کر دی گئی توبہ قبول ہوئی، لغزش معاف کر دی گئی، فتح نصیب ہوئی۔ اللہ نے معاف فرما دیا۔ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٢﴾ اللہ ایمان والوں کے لئے بڑا صاحب فضل ہے، بڑا صاحب کرم اور بخشنے والا مہربان ہے۔ اس میں قیامت تک آنے والوں کے لئے درس عبرت ہے کہ ہر کام میں بہتری صرف اتباع سنت میں ہے۔ رواجات ورسومات بدعات تباہی کا باعث ہیں لہٰذا کوئی بھی شخص جو بدعات میں مبتلا ہو وہ مقبول بارگاہ الٰہی نہیں ہو سکتا بلکہ اس پر دنیوی مصیبتیں بھی آتی ہیں۔ کامیابی ونجات صرف اور صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں ہے۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ جب تم اس طرح بکھر گئے تھے کہ لشکر کی ترتیب ختم ہوگئی تھی ہر کوئی اندھا دھند اپنی سی کوشش کر رہا تھا۔ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب تمہیں جمع ہونے کا حکم فرمایا اور سب مجاہدین جو میدان کارزار میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے۔ دوبارہ سے صف بندی ہوگئی۔

فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٥٣﴾ اللہ کریم نے تمہیں غم دیا اور اس سے تم مغموم بھی ہوئے اور تم نے یہ سمجھا کہ یہ فتح اور کامیابی بھی ہمارے ہاتھ سے نکل گئی لیکن اس نے اپنی رحمت تم پر بھیج دی۔ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَاۗىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ اللہ نے اپنی تجلیات وانوارات کی بارش برسا دی کہ تم سب پر استغراق کی کیفیت آ گئی۔ استغراق اس حالت کو کہتے ہیں جس میں انوارات وتجلیات اس طرح گھیر لیتے ہیں کہ بندہ اردگرد سے باخبر تو ہوتا ہے لیکن بولتا نہیں نہ ہی کام کر سکتا ہے۔ ایک صحابیؓ اس حالت کو یوں بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے ہاتھ سے تلوار گھمانا چاہتے تھے لیکن تلوار تھی کہ ہاتھ سے پھسل پھسل جا رہی تھی۔ فرمایا میں نے اپنی تجلیات میں تمہیں اس طرح

مستغرق کر دیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمہارے حوصلے بلند ہو گئے لیکن یہ رحمت کا نزول کن پر ہوا۔ مخلصین کی جماعت پر ہوا اور نہ اسی میدان میں کفار بھی تھے اور منافقین کی وہ جماعت جو عبداللہ بن ابی کے ساتھ علیحدہ ہو گئی تھی وہ بھی گھروں کو واپس نہیں گئے تھے باہر کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ اللہ کی رحمت کا نزول صرف مومنین پر ہوا تجلیات باری کی بارش صرف مومنین پر ہو رہی تھی اور کافر و منافقین وہیں کھڑے تھے لیکن اس سے محروم تھے۔ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۚ ان کی تو یہ حالت تھی کہ لڑائی میں شریک بھی نہ ہوئے تھے اور پھر بھی اپنی جان کی فکر لاحق تھی موت سے ڈر رہے تھے اور اللہ سے ناحق وہم باندھ رہے تھے کہ اللہ نے مروا دیا اب تو مکے والے چھوڑیں گے نہیں۔ انہیں جاہلیت کے خیال ستا رہے تھے۔

میدانِ اُحد میں تین طرح کے لوگ تھے:

میدان اُحد میں تین طرح کے لوگ تھے ایک لات وعزیٰ کا نعرہ لگانے والے مشرکین و کفار کہ جب انہوں نے اپنے بتوں کا نعرہ بلند کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا انہیں اس نعرے سے جواب دو۔ لنا مولا ولا مولا لکم اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارے ساتھ اللہ نہیں ہے۔ دوسرا طبقہ منافقین کا تھا جنہوں نے جنگ میں بھی حصہ نہ لیا اور پھر بھی مشرکین مکہ سے ڈرتے رہے کہ وہ انہیں قتل کر دیں گے جنہیں ہر صورت موت کا خوف ستا رہا تھا اور تیسرا گروہ اہل حق کا تھا۔ صحابہ کرامؓ کا تھا جن سے بتقاضائے بشریت غلطی ہو گئی تو اللہ نے انہیں اس غلطی سے مطلع کیا، متنبہ کیا غلطی کی سزا دی اور پھر اپنی رحمت سے نواز دیا اس لئے کہ وہ مخلص تھے۔

جب جہاد کا وقت تھا تو منافقین اپنے سردار کے ساتھ جہاد سے باہر رہے جب فتح و کامرانی نے مسلمانوں کے قدم چومے تو ابن ابی کو اپنی سرداری کا خبط دوبارہ سے سوار ہو گیا اور کہنے لگا۔ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ کوئی فیصلہ ہمارا بھی مانا جانا چاہئے ہم تو پہلے ہی اس بات کے خلاف تھے کہ میدان اُحد میں نکل کر لڑائی ہو۔ ہماری بات نہیں سنی گئی اور ہمارے فیصلے پر عمل نہیں کیا گیا۔ فرمایا اس بے دین سے کہہ دیجئے۔ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۚ حکم دینا صرف اللہ کا کام ہے فیصلے کرنا اور امور طے کرنا یہ اللہ کی شان ہے اس نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو یہ عظمت دی ہے کہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ مانا جائے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ وہی ہوگا جو اللہ کا فیصلہ ہوگا اس لئے تم کسی فیصلہ دینے کی حیثیت نہیں رکھتے۔ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ اور اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو یہ کہہ رہے ہیں ان کے دل میں تو اس سے بھی زیادہ کفر اور نفاق و بغض بھرا ہوا ہے جو انہوں نے چھپایا ہوا ہے اور کہتے ہیں۔ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ

اگر ہمارے اختیار میں ہوتا تو آج ہمارے بھائی اس میدان میں اس طرح قتل نہ ہوتے۔ فرمایا ان سے فرما دیجئے۔ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ کہ اگر تم گھروں کے اندر چھپ بھی جاتے تو جن کی موت جہاں لکھی ہے حالات اسے کھینچ کر وہاں لے جاتے اور وہی قتل ہوتا جس کی تقدیر میں اللہ نے لکھا تھا کہ اس نے یہاں قتل ہونا ہے۔

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ یہ ظاہری حالات تو صرف تمہاری آزمائش ہے کہ بندے کا پتہ چل جائے کہ اس کی نیت کیا ہے اس کے اندر کا فیصلہ کیا ہے وہ اطاعت الٰہی کرنا چاہتا ہے یا خود کو اللہ کی جگہ پر رکھ کر زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ ایمان اور کفر میں یہی فرق ہے۔ مومن کا کوئی فیصلہ اپنی پسند سے نہیں ہوتا۔ کام خواہ چھوٹا ہو یا بڑا وہ شریعت کا احکام الٰہی کا طریقہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پابند ہوتا ہے۔

اندر کی کیفیت کو باہر لانے کیلئے انسان آزمایا جاتا ہے:

کافر اس میں اپنی شان سمجھتا ہے کہ وہ ہر کام اور ہر فیصلہ صرف اپنی پسند پر کرتا ہے وہ اپنی مرضی کرنے میں اپنی شان سمجھتا ہے تو اندر کی اس کیفیت کو باہر لانے کے لئے انسان کو آزمایا جاتا ہے ورنہ اللہ تو دلوں کے حال خوب جانتا ہے۔ اس اندر کی کیفیت کو باہر بھی اسی لئے لایا جاتا ہے تا کہ بندہ غلطی کو غلطی جان لے پھر اس کا فیصلہ ہے کہ اگر غلطی کو جان بوجھ کر اپناتا ہے تو پھر میدان حشر میں کہہ نہیں سکے گا کہ وہ تو یہ جانتا نہیں تھا وہ تو جاننے کے بعد جرم کر گیا۔ اسی بات کو قرآن حکیم میں دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ مجرم میدان حشر میں خود کہیں گے کہ وہ غلط کار تھے اور اللہ سے کہیں گے کہ ہم نے کفر و شرک کیا غلط کیا اب ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج تا کہ ہم تیری اطاعت کریں۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ پھر انہیں کہا جائے گا کہ دنیا کا وقت تو ختم ہو گیا لیکن تم نے اپنے کئے کا خود اقرار کر لیا اور تمہارا جرم تمہاری زبان سے خود تم پر ثابت ہو چکا۔

انسانی فیصلوں کا اصل مدار دل پر ہے:

دراصل انسانی فیصلوں کا اصل مدار دل پر ہے۔ آزمائش تو اس لئے آتی ہے کہ دل کا حال باہر نکل آئے۔ دل کی انسانی زندگی میں کیا اہمیت ہے اور یہ انسانی فیصلوں پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے اس کے کام کو جاننے سے پہلے

ذہن اور دماغ کی قوت کا اندازہ لگانا ضروری ہے۔ حال ہی میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں سائنسدانوں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ ساری سائنسی ترقی کے باوجود انہوں نے کائنات کی قوتوں کو جو ذہن کی رسائی میں ہیں صرف دس فیصد سمجھا ہے۔ باقی نوے فیصد پر ابھی سائنس کی دسترس نہیں ہوئی۔ ایک عام تجربے سے ذہن کی قوت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سکول میں ساتھ پڑھنے والے ساتھی کو اگر پچاس برس بعد بھی ملیں تو وہ شخص شناسا سا لگتا ہے اور تعارف کے بعد جلد ہی انسان پہچان لیتا ہے یعنی ذہن ایک کمپیوٹر ہے جس میں چند لمحوں کے اندر اندر اتنی پرانی فائل کھل جاتی ہے جسے اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے ذہن میں سمو رکھا ہوتا ہے۔ اتنی قوت رکھنے والا ذہن بھی دل کے آگے ہتھیار پھینک دیتا ہے۔ یہ بات سمجھنی ہو تو چوروں سے پوچھیں جو سزائیں کاٹ کر واپس پھر وہی کام کرتے ہیں ان سے پیار سے پوچھیں ایسا کیوں کرتے ہو کہتے ہیں بس دل کرتا ہے۔ ایک جواری بھی جانتا ہے بٹیر لڑانے والا مرغے لڑانے والا سب جانتے ہیں کہ زمین، گھر جائیداد ہر چیز داؤ پر لگا دی ہے، نقصان پر نقصان اٹھاتے ہیں جانتے ہیں یہ غلط ہے لیکن کیوں کرتے ہیں اس لئے کہ دل چاہتا ہے۔ سو دماغ اپنی پوری قوت کے باوجود اشیاء اور امور کے اثرات جاننے کے باوجود دل کے آگے ہتھیار پھینک دیتا ہے اور اعضاء و جوارح کو دل کے حکم کی تعمیل میں لگا دیتا ہے۔ دل کو کون سمجھائے، دل کو صحیح اور غلط کی تمیز کون سکھائے۔ دل کو درست عمل کے لئے کون آمادہ کرے؟ یہ کام کرتے ہیں انبیاء کرام۔ حضور ﷺ نے بھی دل ہی کو فتح کیا، دل کی پسند تبدیل کی، دل نے صالح عمل کی خواہش کرنا سیکھی اور حقیقی تبدیلی رونما ہوئی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفر سے لبریز دلوں کو آن واحد میں صحابیت سے سرفراز کیا۔ ان کی سوچ، فکر اور کردار تبدیل ہوا ان کے ہاتھ پاؤں دماغ ذہن نے دل کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔

ہم سے شب و روز شریعت کی نافرمانی ہوتی ہے ہم اس لمحے اس بات سے آگاہ ہوتے ہیں کہ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے پھر بھی ہم کرتے ہیں ہم جانتے ہیں جھوٹ نہیں بولنا چاہیئے ہم بولتے ہیں، سود نہیں کھانا چاہیئے کھاتے ہیں، گالی نہیں دینی چاہئے پر دیتے ہیں۔ جانتے ہیں دوسرے کا نقصان نہیں کرنا چاہئے لیکن کرتے ہیں۔ اس کا سبب کیا ہے؟ ہمارے دلوں میں مرض ہے، دلوں میں جان نہیں، قوت نہیں کہ برائی کے خلاف نیکی پر کاربند ہو جائیں۔ یہ قوت ملتی ہے برکات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ جو آزمائش اور ابتلا من جانب اللہ اس وقت میدان اُحد میں صحابہؓ پر آئی منافقین و مشرکین پر آئی تو اس لئے کہ ہر ایک دل میں جو ہے وہ سامنے آ جائے اور وہ سامنے آ گیا۔ صحابہؓ کو ان کی غلطی پر بخشش کا وعدہ دیا گیا کہ ان کے دل میں خلوص تھا غلطی ضرور ہوئی لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چاہنے والے تھے سو ان کی غلطی معاف کر کے عظمت کی بشارت دی گئی۔ مشرکین کے دل میں اسلام کو ختم کرنے کا مشن تھا ان

پر اللہ کی لعنت برسائی گئی۔ منافقین کے دل میں تھا کہ کسی طرح اسلام کی بنیاد ہی ختم ہو جائے تا کہ وہ مدینہ کے قبائل کی سرداری کر سکیں تو انہیں اللہ کی رحمت سے محروم کر دیا گیا اور وہ اللہ کے غضب کا شکار ہوئے اور جہاں تک علم الٰہی کا تعلق ہے وہ تو بندہ ظاہر کرے یا نہ کرے ہر حالت میں بندے کے ہر حال سے واقف ہے۔ دلوں کی باتوں کا ظاہر کرنا صرف اس لئے ہے کہ تمام حجت ہو جائے۔ روز محشر ہر ایک کے سامنے اس کا کیا ہوا سامنے آ جائے کہ یہ بندے کے افکار تھے اور یہ کردار تھا اور اس کردار کا یہ نتیجہ نکلا لہٰذا ہر ایک کو اللہ کی مغفرت پانے کے لئے سب سے پہلے اپنے دلوں کی اصلاح کرنا ہوگی۔ اپنے قلوب کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ کرنا ہوگا۔ دلوں کو بارگاہ نبوت ﷺ میں نچھاور کرنا ہوگا۔ دلوں میں اللہ کو بسانا ہوگا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۱۵۵﴾ فرمایا جن لوگوں نے مقابلے کے دن پشت پھیری انہیں شیطان نے بہکا دیا تھا۔ یہ واقعہ اُحد میں درے پر متعین لوگوں کے درہ چھوڑنے کی بات ہو رہی ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کو یہ سمجھ کر چھوڑ دیا کہ چونکہ اب فتح مسلمانوں کو ہو چکی ہے لہٰذا پہرہ دینے کی ضرورت باقی نہیں۔ اگرچہ یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی اور انہیں تا حکم ثانی وہاں موجود رہنے کا حکم دیا گیا تھا لہٰذا یہ ان کی اس کمزوری کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ کمزوری ان میں دو طرح سے آئی۔ ایک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی اور حکم عدولی ہوئی دوسری بات یہ ہوئی کہ جب شیطان نے یہ نعرہ لگایا کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے چلے گئے تو کچھ صحابہؓ نے یہ سمجھا کہ اب لڑنے کی ضرورت نہیں۔ یہ دوسری کمزوری تھی۔ اس کا سبب قرآن حکیم یہ بتا رہا ہے کہ جو غلطی ان سے یہاں میدان جنگ میں سرزد ہوئی اس کا سبب ان کا کوئی اور ناپسندیدہ عمل تھا۔ یعنی شیطان کو بھی وسوسہ اندازی کی رسائی تب نصیب ہوئی جب ان لوگوں سے پہلے کوئی ناپسندیدہ کام سرزد ہو چکا تھا۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ ایک گناہ کئی گناہوں کے صدور کا سبب بن جاتا ہے اور شیطان کو وسوسہ اندازی کا موقع فراہم کرتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ خوش نصیب لوگ تھے جنہیں اللہ کریم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کے لئے چن لیا تھا، وہ انسان تھے خطا کا صدور ان سے بھی ہو سکتا تھا اور ہوا لیکن چونکہ وہ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے قرآن کے مثالی مسلمان ہیں اس لئے ان سے غلطی سے جو لغزش ہوئی اللہ کریم نے عین میدان جنگ میں انہیں متنبہ کر کے معاف فرما دیا اور قرآن حکیم میں ان کے لئے معافی نامہ بھی درج ہو گیا۔ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ کہ اللہ نے انہیں معاف فرما دیا۔ صحابہ کرامؓ تو وہ ہستیاں ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد

پاک کا مفہوم ہے کہ صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جو بھی ان میں سے کسی ایک کا دامن تھام لے گا وہ ہدایت یافتہ ہوگا۔

اس کے باوجود انسانی خصوصیات ہر جگہ موجود ہوتی ہیں اور چونکہ یہ وہ لوگ تھے جن سے قیامت تک آنے والی انسانیت نے سبق حاصل کرنا تھا زندگی گزارنے کے اسالیب سیکھنے تھے اتباع شریعت کے انداز سیکھنے تھے لہٰذا ان سے بھی ایسی غلطی پہلے ہو چکی تھی کہ جس کے سبب سے میدان جنگ میں حکم عدولی ہوئی۔ لیکن یہ ہی وہ خوش نصیب لوگ ہیں کہ اگر ان سے لغزش ہوئی تو ان کی معافی کا اعلان بھی وہیں کر دیا گیا۔ اصلاح احوال کی توفیق نصیب ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پاک پر سب کو جمع ہونے کا حکم دیا گیا تو یہی صحابہؓ دوبارہ صف آراء ہوئے۔ یہ لوگ میدان میں منتشر ضرور ہوئے تھے میدان چھوڑ کر بھاگے نہیں تھے اس لئے واپس صف آرا ہو گئے جنگ دوبارہ شروع ہوئی، اہل مکہ کو شکست ہوئی۔ صحابہ نے تین میل تک اہل مکہ کا تعاقب کیا اور فتح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو ہوئی۔

ان آیات مبارکہ میں سبق یہ دیا جا رہا ہے کہ اتنے مقبولان بارگاہ سے کہیں پہلے کوئی غلطی ہوئی جس کے سبب سے شیطان کو میدان جہاد میں ان پر وسوسہ ڈالنے کی رسائی حاصل ہوگئی۔ اگر اتنے عظیم انسانوں سے کوئی چھوٹی بڑی خطا ہو جائے تو وہ بھی دوسری خطا کا سبب بن سکتی ہے تو پھر ماوشما کی کیا حیثیت ہے۔ صحابہؓ تو بہت ہی خوش نصیب تھے کہ ان کے لئے اعلان مغفرت کر دیا گیا اور بذریعہ وحی ان کے لئے معافی نامہ نازل ہو گیا۔ ان کے بعد کسی کے پاس یہ سند نہ رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد وحی منقطع ہوگئی اب قیامت تک کوئی وحی نازل نہ ہوگی اور صحابہؓ کے پاس تو مغفرت کی سند ہے انہیں اللہ نے اسی وقت عطا کر دی اور ہم بعد کے آنے والے لوگ ہیں ہم اثنائے سفر میں ہیں، ہمارے پاس خطائیں ہیں اور اللہ سے امید مغفرت ہے۔ ہمارے پاس اپنی دانست میں کی گئی نیکیاں ہیں لیکن ہماری نیکیوں کی ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں کہ جس کام کو ہم نے نیکی سمجھ کر کیا وہ قبول ہوئی یا نہیں۔ جو گناہ ہم سے ہوتے ہیں ان کا ہمیں پتہ نہیں ہے کہ وہ ہم سے خلاف شریعت ہو گئے لیکن جو کام ہم شریعت کے مطابق کرتے ہیں اس میں ہمارا ایمان ویقین کس درجے کا ہے ہمارا قلبی خلوص کس درجے کا ہے۔ اس پر عمل کا طریقہ سنت کے مطابق ہے یا ہم سے کہیں سنت کا دامن چھوٹ گیا ہے۔ ان باتوں کا ہمیں علم نہیں اور سب سے بڑی ہماری لاعلمی یہ ہے کہ ہماری نیکیاں عند اللہ مقبول ومنظور ہوئیں یا نہیں۔ لیکن صحابہ کرامؓ کے لئے اعلان مغفرت کے بعد اس بات کو زیر بحث لا کر صحابہؓ پر جرح کرنے کا حق ان آیات نے ختم کر دیا اور کسی کو ان پر انگلی اٹھانے کی جسارت سے ہمیشہ کے لئے روک دیا۔ ہمارے لئے ان آیات میں جو سبق ہے وہ یہی ہے کہ ہم سے اگر خطا پر خطا ہو رہی ہے ہمارا کردار

سدھرنے میں نہیں آ رہا تو معلوم کریں کہ اس کا سبب کیا ہے؟

کردار کے نہ سدھرنے کا سبب:

وطن عزیز میں مسلمانوں کی اکثریت سود خور لوگوں پر مشتمل ہے کیونکہ نظام معیشت غیر اسلامی ہے اور سود پر استوار ہے لیکن ہر بینک میں یہ گنجائش ضرور رکھی گئی ہے کہ جو سود نہ لینا چاہے وہ سود نہ لے اور آج کل تو کئی بینک ایسے بن گئے ہیں جن میں بلا سودی کام ہوتا ہے۔ اس سب کے باوجود اکثر سرمایہ داروں کا سرمایہ سود پر ہی ہے۔ اب اگر مسلمان سود بھی کھائے خود کو مسلمان سمجھے نیکیاں بھی کرے تو اس کا اپنے اعمال کو نیکیاں سمجھنا ایک خوش فہمی ہے۔ کسی بزرگ کا شعر ہے۔

شیخ پندارد کہ دارد حاصل
شیخ را حاصل بجز پندار نیست

یعنی شیخ صاحب سمجھتے ہیں کہ انہیں بہت کچھ حاصل ہے اگر چہ انہیں سوائے خوش فہمی کے کچھ بھی حاصل نہیں۔ تو جو مسلمان جان بوجھ کر سود لیتا ہے سودی کاروبار اپناتا ہے سود کھاتا ہے اپنا سرمایہ سود پر رکھتا ہے وہ خواہ نمازیں پڑھے، اعتکاف بیٹھے، تلاوت کرے یا کوئی بھی نیکی کرے حرام حرام ہی رہے گا۔ اگر وہ سود کھانے کو حلال سمجھتا ہے تو پھر وہ مسلمان ہی نہیں اور اگر اس نے سود کا نام بدل کر منافع رکھ دیا ہے یا کوئی اور نام رکھ کر استعمال کرتا ہے تو نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی، کسی کتے یا خنزیر کا نام دنبہ یا بکرا رکھ دیں تو اس کی اصلیت نہیں بدلتی، وہ حرام ہے حرام ہی رہتا ہے۔ گدھے کو گائے سمجھ کر ذبح کر دینے سے گدھا حلال نہیں ہو جاتا اسی طرح سود کا نام مارک اپ رکھ لیں یا منافع یہ حلال نہیں ہو گا تو یہ ان لوگوں کو سوچنا چاہئے جو عبادات میں محنت ومجاہدہ کرتے ہیں۔ ہر سال حج اور عمرے کرتے ہیں لیکن معاملات سب سود پر ہیں سود لے کر کاروبار کرتے ہیں فالتو اور فاضل سرمایہ سود پر جمع کرواتے ہیں تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ ان سے کوئی بھی نیکی صادر ہوتی ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص بیت اللہ آئے گا اس پر سفر کے آثار ہوں گے گرد آلود کپڑوں اور پریشان بالوں کے ساتھ بڑے درد سے پکارے گا۔ اللھم لبیك...... لیکن اسکی پکار کا جواب نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ اس کا کھانا حرام ہو گا لباس حرام ہو گا اس کے وسائل سفر حرام کے ہوں گے لہٰذا عند اللہ اس کی کوئی شنوائی نہیں ہو گی۔ یہ وہی سزا ہے جو قرآن حکیم میں کافر کے لئے مذکور ہے۔

وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ(الرعد:14) کافر اللہ کو پکارتا بھی ہے تو اس کی دعائیں ضائع چلی جاتی ہیں بارگاہ الوہیت میں بازیاب ہی نہیں ہوتیں، منظور ہونا یا نہ منظور ہونا تو بعد کی بات ہے ان کی تو بارگاہ الٰہی میں رسائی ہی نہیں ہوتی۔ سو اس بڑی لعنت جس میں اس وقت اکثریت مبتلا ہے اس سے مسلمانوں کو چاہئے کہ پہلی فرصت میں اس سے نجات حاصل کر لیں۔ پھر اس کے علاوہ پوری زندگی میدان عمل ہے چھوٹی موٹی لغزشیں ہم سے دن بھر صادر ہوتی رہتی ہیں اس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اگر کسی کے گھر کے سامنے نہر ہو اور وہ صبح اٹھ کر غسل کرے پھر نصف دن میں غسل کرلے پھر دن ڈھلے غسل کرلے پھر مغرب کو غسل کرے پھر عشاء کو غسل کرے۔ دن میں پانچ مرتبہ غسل کرنے کے بعد کیا اس کے جسم پر میل رہ جائے گی؟ عرض کیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالکل میل نہ رہے گی تو فرمایا کہ یہی حال پانچ نمازوں کا ہے۔ مومن جب پانچ بار بارگاہ الوہیت میں حاضر ہوتا ہے تو اس کا یہ حاضر ہونا اس کی خطائیں اور لغزشیں معاف کروانے کا سبب بن جاتا ہے لیکن اس کے لئے بنیادی بات یہ ہے کہ اس کا لباس، اس کی غذا رزق حلال ہو اگر وہ حرام کھا کر عبادت کرے گا تو گویا وہ کیچڑ یا دلدل میں نہانے کے برابر ہوگا۔ دلدل میں نہانے سے صفائی تو کیا ہوگی مزید آلائشیں اس پر آ جائیں گی لیکن جو اللہ سے طالب مغفرت ہو اس کے لئے اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ

اللہ کریم بہت معاف کرنیوالے اور بہت برداشت کرنیوالے ہیں:

جس کو برداشت فرماتے ہیں اس کی روزی بند نہیں کرتے اس کے اعضاء شل نہیں کرتے اسے فوری سزا نہیں دیتے بلکہ اسے مہلت دیتے ہیں کہ وہ توبہ کرلے اور بڑے سے بڑے گنہگار کی خلوص دل سے مانگی ہوئی توبہ ایسے قبول فرماتے ہیں کہ گویا اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہ تھا لیکن توبہ وہ ہو جس سے اصلاح احوال ہو یعنی جو خطا ہو رہی ہے بندہ اس کی اصلاح کرلے۔ زندگی کو اپنے کردار کو اطاعت پیغمبر ﷺ کے سانچے میں ڈھال لے۔ ایسے گنہگار توبہ کرنے والے کے بارے فرمایا۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب له او کما قال رسول اللہ ﷺ (ابن ماجہ) تو گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔

سورۃ آل عمران رکوع 17 آیات 156 تا 171

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا
ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ
لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝١٥٦ وَلَىِٕنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ
وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝١٥٧ وَلَىِٕنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۝١٥٨
فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا
مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا
عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝١٥٩ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ
فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١٦٠ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ
يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا
يُظْلَمُوْنَ ۝١٦١ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَاۗءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ
جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝١٦٢ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا
يَعْمَلُوْنَ ۝١٦٣ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ
اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ
وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝١٦٤ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ

اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَاۤ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ
وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۖۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا
قَاتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ
هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ
فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ
وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ
اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ
وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا
يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

اے ایمان والواُن کافروں کی طرح نہ ہوجانا جواپنے (مسلمان) بھائیوں کے لئے جب وہ سرزمین میں سفر پر نکلیں یا غازی بنیں تو کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے (یہ اس لئے) کہ اللہ ان کے دلوں میں اس بات کو حسرت بنادیں اور اللہ ہی زندہ کرتے ہیں اور (اللہ ہی) مارتے ہیں اور تم جو کرتے ہو اللہ دیکھ رہے ہیں ﴿۱۵۶﴾ اور اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مرجاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت اس (مال) سے بہتر ہے جو وہ (لوگ) جمع کرتے ہیں ﴿۱۵۷﴾ اور اگر تم مرگئے یا مارے گئے تو البتہ اللہ ہی کی طرف جمع کیے جاؤ گے ﴿۱۵۸﴾ پس کچھ اللہ ہی کی رحمت سے آپ ان کے لئے بہت نرم مزاج ہیں اور اگر آپ تُند خُو سخت طبیعت ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے پس

ان سے درگزر فرمائیں اوران کے لئے بخشش طلب فرمائیں اوران سے کاموں میں
مشورہ لیا کریں پس جب (کسی کام کا) مصمم ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کریں بے
شک اللہ بھروسہ کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں ﴿۱۵۹﴾ اگر اللہ تمہاری مدد
فرمائیں تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ (اللہ) تمہیں چھوڑ دیں تو پھر کون ہے
جو اُن کے بعد تمہاری مدد کرے اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا
چاہیے ﴿۱۶۰﴾ اور نہیں ہوسکتا کہ نبی خیانت کرے اور جو خیانت کرے گا وہ اپنی
خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن حاضر کرے گا پھر ہر ایک کو اس کے اعمال کا
پورا (بدلہ) دیا جائے گا اوران کے ساتھ بے انصافی نہیں کی جائے گی ﴿۱۶۱﴾ کیا
جو شخص اللہ کی رضا کے تابع ہے وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو اللہ کی ناخوشی میں
مبتلا ہو اور اس کی جگہ دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے ﴿۱۶۲﴾ ان (لوگوں)
کے اللہ کے ہاں (مختلف) درجات ہیں اور اللہ ان کے اعمال کو دیکھ رہے
ہیں ﴿۱۶۳﴾ یقیناً اللہ نے ایمان والوں پر (بہت بڑا) احسان کیا ہے کہ جب ان
میں سے ان ہی میں ایک پیغمبر مبعوث فرمائے جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتے
ہیں اوران کو پاک کرتے ہیں اوران کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور اگرچہ
وہ اس سے پہلے واضح گمراہی میں تھے ﴿۱۶۴﴾ کیا (ایسا نہ ہوا) جب کبھی تم کو
مصیبت پہنچی تو بے شک تم بھی اس سے دوچند مصیبت پہنچا چکے تھے تم نے کہا کہ یہ
کہاں سے آگئی؟ فرما دیجئے کہ یہ تمہاری اپنی طرف سے ہے یقیناً اللہ ہر چیز پہ قادر
ہیں ﴿۱۶۵﴾ اور جو تکلیف تم کو دونوں جماعتوں کے (آپس کے) مقابلہ کے روز
پہنچی سو اللہ کے حکم سے تھی اور اس لیے کہ اللہ ایمان والوں کو جان لیں ﴿۱۶۶﴾ اور
منافقین کو بھی دیکھ لیں اوران سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دفع کرو (دشمن کو)
تو کہنے لگے اگر ہم کو لڑنا آتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ رہتے اس دن وہ ایمان کی
نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے وہ اپنے منہ سے وہ کچھ کہتے ہیں جو ان کے دل میں
نہیں ہے اور جو وہ پوشیدہ رکھتے ہیں اللہ خوب جانتے ہیں ﴿۱۶۷﴾ جو لوگ خود بیٹھے
رہے (شامل نہ ہوئے) اپنے بھائیوں کے بارے (جنھوں نے جانیں قربان

کیں) کہتے ہیں کہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ ہوتے فرمایئے اگر تم سچے ہوتو
اپنے آپ سے موت کو ٹال دو ﴿۱۶۸﴾ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ان کو تم
مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس ان کو رزق دیا جاتا
ہے ﴿۱۶۹﴾ جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے بخشا ہے اس سے خوش ہیں اور جو لوگ
(شہید ہو کر) ان سے نہیں ملے ان کے پیچھے رہ گئے ان کے لئے بھی خوشیاں منا
رہے ہیں یہ کہ (روز قیامت) انھیں کوئی ڈر نہ ہوگا اور نہ ان کو افسوس
ہوگا ﴿۱۷۰﴾ اللہ کے انعام اور فضل سے وہ خوش ہیں اور یہ کہ اللہ ایمان والوں کا
اجر ضائع نہیں فرماتے ﴿۱۷۱﴾

خلاصہ تفسیر و معارف

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا مسلمانوں کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کافروں کی طرح ہو جائیں نہ تو ان کی حرکات کافروں سے مشابہ ہوں، نہ ان کے زبان سے ایسے کلمات نکلیں جو کفر سے مشابہت رکھتے ہوں۔ مسلمان اور کافر میں حد فاصل ہر پہلو سے ہے۔ فکر میں کردار میں سوچ میں عمل میں اور گفتار میں بھی مسلمانوں کو کافروں کی طرح نہیں ہونا چاہیئے۔

وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْیٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾

کافروں کے جو عزیز و اقارب مسلمان ہو کر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے داد شجاعت دے کر شہادت سے سرفراز ہوئے اور ابدی حیات پا گئے ان کے بارے میں یہ کفار بڑے درد سے کہتے کہ اگر یہ لوگ جہاد پر نہ جاتے اسلام کی سربلندی کیلئے جانیں نہ قربان کرتے ہمارے ساتھ رہتے تو یوں سر میدان قتل نہ ہوتے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں ان کے کفر کے باعث ان کے دل میں اللہ یہ حسرتیں پیدا کر دیتا ہے جو انہیں دلی اور ذہنی دکھ میں مبتلا کر دیتی ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۗ زندگی اور موت تو اللہ کے دست قدرت میں ہے۔ وہ چاہے تو میدان کارزار میں مرنے والا گھر پر بھی مر سکتا ہے اگر اسے اسی میدان میں قتل ہونا ہے تو وہ جہاد کے علاوہ ڈاکوؤں کے ہاتھوں بھی مارا جا سکتا ہے۔ زندگی اور موت کے فیصلے اللہ کریم کے دست قدرت میں ہیں اور یہ بات مومن خوب جانتا ہے اس لئے وہ ہر حال

میں شکر ادا کرتا ہے اور اس کی رضا پر راضی رہتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جان ہارنے والے تو شہید ہوتے ہیں جو دونوں جہانوں کی حیات حاصل کر لیتے ہیں جو دونوں جہانوں کی عزت اور اللہ کا قرب پا لیتے ہیں لیکن جن کی موت آ جائے پھر انہیں کوئی نہیں بچا سکتا اور کافروں کے لئے یہی حسرت کافی ہے کہ وہ دل ہی دل میں کڑھتے رہتے ہیں کہ کاش یہ ہمارا عزیز جہاد پر نہ جاتا اور نہ مارا جاتا۔ اللہ اس بات کو ان کے دلوں میں حسرت بنا دیتا ہے جو ان کے قلبی سکون کو غارت رکھتی ہے۔ سو زندگی اور موت اللہ کے دست قدرت میں ہے اور وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ﴿۱۵۶﴾ جو عمل بھی تم کرتے ہو وہ بصیر اسے خود دیکھ رہا ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ جو کچھ تم سوچتے ہو، کہتے ہو، کرتے ہو وہ سب کچھ اللہ کریم کے سامنے ہے وہ بصیر ہے اور خود دیکھ رہا ہے۔ تقاضائے ایمان تو یہ ہے کہ سوچو بھی تو حدود شرعی کے اندر سوچو نیکی کے لئے سوچو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے لئے سوچو۔ فکر کرو تو بھلائی کے لئے کرو زبان سے بات نکالو تو بھلی بات کہو اعضاو جوارح سے عمل کرو تو بھلائی کے عمل کرو اس لئے کہ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ اللہ کریم کے روبرو کر رہے ہو۔ تم کسی حال میں بھی ہو اندھیرے کمروں تہہ خانوں میں ہو یا اور کسی جگہ پر اسکی ذات تمہارے پاس موجود ہے وہ خود تمہیں دیکھ رہا ہے جیسا کہ دوسری جگہ قرآن میں فرمایا۔ وَهُوَ مَعَكُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ ؕ تم جہاں کہیں بھی ہو اسکی ذات تمہارے پاس ہے۔ الحدید:4

فضائل شہادت:

وَلَئِنۡ قُتِلۡتُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَوۡ مُتُّمۡ لَمَغۡفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحۡمَةٌ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ﴿۱۵۷﴾ یہ تو خوش نصیبی ہے کہ کوئی اللہ کی راہ میں شہید ہو جائے اس سے بڑی اور کیا نعمت ہو سکتی ہے۔ آپ ﷺ کے متعدد ارشادات شہادت کے فضائل میں وارد ہوئے ہیں۔ ایک ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ موت کی تلخی اپنی جگہ ہے لیکن شہید سے میدان حشر میں پوچھا جائے گا کہ تمہارے اس عمل کے صلے میں کہ تم نے اللہ کے نام پر اس کے دین کی سر بلندی کے لئے اپنی جان نچھاور کر دی اب تمہیں اجر تمہاری تمنا کے مطابق دیا جائے گا تو بتاؤ کیا چاہتے ہو۔ شہداء جواب دیں گے یا اللہ اپنی دنیا دوبارہ بسا ہمارا پھر سے کفر سے مقابلہ ہو ہم پر پھر وہی کیفیت گزرے جو وقت شہادت گزری تھی۔ جب ہم جان تیری راہ میں لٹا رہے تھے جب جسم کے ٹکڑے ہو رہے تھے تو جو لذت اس وقت نصیب ہوئی دوبارہ اسی لذت سے آشنا کر۔ یہ فرق ہے عام موت میں اور شہادت میں۔ عام موت میں سکرات ہے، تلخی ہے، دنیا سے جدائی کی تکلیف ہے اور شہید کے پاس وقت رخصت لذت ہے قرب الٰہی ہے اور شہید موت کے وقت بھی اتنی لذت پاتا ہے کہ قیامت کو بھی اسی کی آرزو کرے گا، تو ارشاد ہوگا دار دنیا کی بساط تو لپیٹ دی گئی، معمورہ عالم دوبارہ آباد

نہیں ہوگا اتم جنت میں ہو جو چاہو مانگو۔ اب آگے کا سفر ہے زندگی پیچھے نہیں جاتی ہمیشہ آگے بڑھتی ہے کسی پر فراخی کسی پر تنگدستی، کبھی حکومت اور کبھی غلامی زندگی رواں دواں رہتی ہے سو اب کسی کو بھی واپس پلٹایا نہیں جائے گا۔ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ اور جہاد کے لئے جاتے ہوئے تمہیں موت آجائے تو یہ اللہ کی راہ میں قبول ہوگی۔ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ اور زندگی بھر کی لغزشوں اور کوتاہیوں کی معافی کا سبب ہوگی اور عمل میں جو کمی بیشی رہ گئی ہے وہ سب اس کے سبب معاف کر دی گئی۔ اور وَرَحْمَةٌ اس پر مزید انعامات کہ وہ ان سے بہتر ہے جو تم دنیا میں جمع کرتے رہے۔ تمہارا مال و دولت مکان جائیداد جو تم دنیا میں جمع کرتے ہو ان سے خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴿۱۵۷﴾ کروڑوں درجے وہ نعمتیں بہتر ہیں کہ اللہ کی راہ میں موت آئے یا شہادت نصیب ہو کہ وہ ساری کوتاہیوں کی تلافی کا سبب بن جاتی ہے اور اللہ کے مزید انعامات کا اسکی رحمت کا باعث بنتی ہے لہٰذا ایسی موت بہر حال اس مال و زر سے ان رشتوں دوستوں کے تعلقات سے بہتر ہے جنہیں دنیوی زندگی میں آدمی بڑا سنبھال سنبھال کر رکھتا ہے۔ ویسے بھی دنیا اس کی زندگی یہ نظام عالم خود ایک محدود وقت کے لئے ہے اس میں انسان جو زندگی لے کر آتا ہے وہ ایک بہت تھوڑا وقت ہے۔ جتنی دنیا کی عمر ہے اس کے مقابلے میں انسان کی عمر کا کوئی شمار نہیں بنتا۔ معمورہ عالم ان گنت صدیوں سے آباد ہے اور نجانے کتنا زمانہ ابھی باقی ہے۔ اس حساب سے دیکھا جائے تو انسانی زندگی کا دنیا کی عمر سے کوئی تقابل ہی نہیں اور موت بھی حق ہے وقت مقررہ پر ہی آتی ہے۔ پھر بندہ اللہ کی راہ میں مرے، شہید ہو یا عام موت مرے بہر حال جانا ہر ایک کو واپس اللہ کی بارگاہ میں ہے۔ جب نظام عالم خود فانی ہے تو پھر کون اس میں باقی رہ سکتا ہے۔ سب کو جانا ہے مر کر برزخ سے گزر کر میدان حشر میں آنا ہے۔ اگر کسی کو شہادت نصیب ہو جائے تو بہت بڑی خوش قسمتی ہے۔ میدان حشر میں موت کو جانور کی شکل میں لا کر ذبح کر دیا جائے گا اور اعلان کر دیا جائے گا کہ آج موت کو بھی موت آگئی اب جو جس گھر پہنچ گیا وہ وہاں رہے گا جو کامیاب ہوا وہ جنت پہنچا، جنت میں نہ موت آئے گی نہ بیماری۔ ہر بیماری موت کا پیغام ہوتی ہے آخر بیماریاں ہی موت کا سبب بنتی ہیں۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کا واقعہ ہے کہ چونکہ آپ کے زمانے میں ریاست اسلامی دن بدن بڑھتی جارہی تھی۔ ملکی اور بین الاقوامی مسائل جنگیں عدالتیں زمینوں کا نظام اور حقوق العباد و عبادات سب ہی مصروفیتیں ان پر غالب رہتی تھیں تو انہوں نے کچھ لوگوں کی ذمہ داری لگا رکھی تھی کہ وقت پر سحری میں بیدار کر دیا کریں۔ ایک دن سیدنا فاروق اعظمؓ نے ان سے فرمایا کہ اب آپ مجھے اٹھانے کا تکلف نہ کیا کریں اب میں ان شاء اللہ خود اٹھ جایا کروں گا۔ وہ پہرے دار ڈر گئے کہ کیا کوتاہی ہوئی تو سیدناؓ نے فرمایا دراصل بات یہ ہوئی کہ آج میں نے اپنے بالوں میں چند سفید بال دیکھ لئے ہیں اور سفید بال موت کا پیغام

ہیں کہ زندگی کے لمحات اب کم رہ گئے ہیں اس لئے موت کی دستک میں نے سن لی ہے۔اب میں خود اٹھ جایا کروں گا تو جسے آخرت کی کامیابی نصیب ہوگئی اس نے بڑی سعادت پالی۔

وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ﴿۱۵۸﴾ اور اگر مر جاؤ یا مارے جاؤ تو اللہ کے حضور ضرور اکٹھے کئے جاؤ گے۔مومن کے لئے تو موت ایک تحفہ ہے ورنہ مرنا تو ہر ایک کو ہی ہے، مارے گئے تب بھی مر گئے اور طبعی موت آ گئی تب بھی مرنا ہی ہے اور مر کر سب نے اللہ کی بارگاہ میں جمع ہونا ہے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں لیکن خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ کی راہ میں موت آئے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴿۱۵۹﴾ اللہ کریم کا بہت ہی بڑا احسان ہے اور اس کی بے پناہ رحمت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے حد نرم دل، سراپا کرم اور رحمت مجسم ہیں اگر آپ ﷺ سخت مزاج ہوتے یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج میں سختی ہوتی تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہ رہتے، لوگ سختی برداشت نہ کر سکتے اور منتشر ہو جاتے۔ یہ اللہ کریم کی رحمت کی انتہا ہے کہ اپنے کرم کو سمیٹ کر آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں مجسم کر کے مبعوث فرما دیا اور اپنی رحمت و بخشش کا اتنا بڑا خزانہ عطا فرمایا جس کی نظیر تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی۔اللہ کی رحمت کو تقسیم کرنے والی ذات ذات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔تمام انبیائے سابقین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی رحمتیں برکتیں پائیں اور اپنی اپنی امتوں تک پہنچائیں۔ازل میں جب تمام ارواح سے عہد لیا گیا تو تمام انبیاء علیہم السلام سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا عہد لیا گیا جس کی تکمیل شب معراج ہوئی اور تمام انبیاء بیت المقدس میں تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں دوگانہ ادا فرمایا۔ پہلی امتوں کے برگزیدہ صاحب حال اور صاحب دل روشن قلوب کے حامل اور صاحب بصیرت افراد کو اپنے اپنے انبیاء کے توسط اور ان کے وسیلے سے برکات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچتی رہیں۔امت محمد ﷺ وہ خوش نصیب امت ہے جو براہ راست آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہے۔

اس آیت میں اللہ کریم اپنی بے پایاں رحمت کا تذکرہ فرما رہے ہیں کہ جس ہستی کے پاس اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا خزانہ ہے جو خود رحمت الٰہی ہے جو رحمت مجسم ہیں وہ بہت ہی نرم دل اور دونوں ہاتھوں سے لٹانے والے ہیں اور اللہ کی مزید رحمت ہے کہ یہ وہ بارگاہ ہے جہاں ظرف بھی بڑھا دیا جاتا ہے۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا

ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

اس بارگاہ میں کوئی مانگنے والا ہو اگر اس کا دامن تنگ بھی ہے تو اسے بڑھا دیا جاتا ہے وسیع کر دیا جاتا ہے کہ یہ اور بھی سمیٹ لے اور خدانخواستہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت مزاج یا سخت گیر ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین، محبتیں بانٹنے والے اور تمام عالمین کو محبت تقسیم فرمانے والے ہیں جو محبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقسیم فرما رہے ہیں وہ ہی رحمت الٰہی ہے کہ بندہ مخلوق ہو کر اللہ سے محبت کرے۔

محبت:

امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں محبت کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ ایک جذبہ لطیف ہے جسے محبوب کا کرم بڑھا نہیں سکتا اور اس کی سختی گھٹا نہیں سکتی۔ محبت کرنے والا بہر حال محبوب کا مطیع اور فرمانبردار اور اس کی رضا کا طالب رہتا ہے لیکن یہ تجزیہ وہاں کام آتا ہے جہاں محبت برابر کی ہو یعنی ہم انسان جب اپنے جیسے انسان سے محبت کرتے ہیں تو وہاں یہ تجزیہ درست نظر آتا ہے لیکن وہ ہستی جو اللہ جل شانہ کی ہے کہ نہ خیال میں آتا ہے نہ قیاس میں نہ علم میں آتا ہے نہ اس کی کوئی مثل ہے نہ ہی کوئی مثال ہے۔ اس سے کوئی محبت کرے تو کیونکر کرے کس طرح سے کرے۔ دنیا میں کوئی کسی کے سراپا سے محبت کرتا ہے کوئی آواز پر فدا ہے کسی کو شکل سے پیار ہے کسی کو عادات وخصائل سے محبت ہے لیکن جو ہستی ادراک سے بالاتر ہے جس کے نہ خدوخال دریافت ہو سکتے ہیں نہ قدوقامت کی بات کر سکتے ہیں وہاں محبت کیسے ہوگی اس کا اصول قرآن کریم نے بتایا۔ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ جن بندوں کے دل میں اللہ کی طلب پیدا ہو جاتی ہے اور جو کائنات کو دیکھ کر خالق کائنات کے کمالات تخلیق کو دیکھ کر اس کی عظمت کے قائل ہو جاتے ہیں جو اس پیغام کو پا کر جو اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے دیا ہے فدا ہو جاتے ہیں ان کے دل میں طلب الٰہی پیدا ہو جاتی ہے ان کے دل میں رجوع الی اللہ کی تمنا پیدا ہو جاتی ہے اللہ ان سے محبت کرتا ہے۔ بندے کی طرف سے محض انابت ہوتی ہے کہ یہی وہ ہستی ہے جس کی بات مانی جائے اس کا کہا مانا جائے اور اس کریم کی بارگاہ سے بندے سے محبت کی جاتی ہے۔ اس کی محبت اتنی قوی، اتنی طاقتور اور اتنی پر اثر ہوتی ہے کہ جس سے وہ محبت کرتا ہے وہ از خود اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ انسان کی محبت اللہ کی محبت کے جواب میں ہوتی ہے۔ جب بات انابت پر آتی ہے تو یہ بحث چھڑ جاتی ہے کہ بندے کو کیسے پتہ چلے کہ اس میں انابت ہے بھی یا نہیں کیا۔ اللہ کریم اس سے محبت فرمائیں

گے؟ اللہ کریم نے اسے آسان فرما دیا قرآن حکیم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ لوگوں کو اللہ کی محبت پانے کا طریقہ بتا دیجئے۔ان سے کہئے کہ اگر تم اللہ کی محبت پانا چاہتے ہوتو فَاتَّبِعُونِي میرا اتباع کرو۔میری اطاعت اختیار کرو جب تم میرا اتباع کرو گے۔ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ (آل عمران: 31) اللہ تم سے محبت کرے اور تمہاری خطائیں بھی معاف فرما دے گا۔تم سے ہزاروں کوتاہیاں ہو جاتی ہیں، نافرمانیاں کر بیٹھتے ہو، غلطیاں ہو جاتی ہیں وہ سب یکسر معاف کر دے گا۔شرط یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو میری اطاعت پر کار بند کر لو۔سو جو محبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقسیم فرما رہے ہیں جو رحمت الٰہی کا نام پاتی ہے اس کی ناپیدا کنار وسعت کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے اور دلیل دی جا رہی ہے کہ اگر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت مزاج ہوتے تو سختی اور کا جواب بھی محبت سے نہ ملتا۔اس لئے کہ جہاں بھی کوئی سختی کرے گا جواب میں نفرت پائے گا جہاں بھی شدت ہوگی جواب میں محبت نہیں آئے گی۔یہی دلیل کافی ہے کہ جسے محبت پیغمبر ﷺ نصیب ہوئی اس کے لئے دنیا تو دنیا آخرت کے بھی کوئی معنی بجز پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہ رہے لیکن یہ اسے نصیب ہوا جس نے یہ لذت چکھی جسے عشق پیغمبر ﷺ سے کوئی ذرہ نصیب ہوا۔

لذت ایں ے تا شناسی بخدا تا نچشی

جب تک اس نشے کو چکھیں گے نہیں اس کی لذت سے آشنا نہیں ہونگے۔اسے سمجھ نہیں سکتے یعنی جب تک محبت ہو نہیں اسے سمجھ بھی نہیں سکتے ہاں جب محبت ہوتی ہے تو محبت بندے کا اپنا اختیار سلب کر لیتی ہے۔اپنی تجویزیں ختم ہو جاتی ہیں اپنے فیصلے ختم ہو جاتے ہیں صرف ایک راستہ رہ جاتا ہے محبوب کی خوشنودی اور اس کی رضامندی اور محبوب بھی ایسا جس کی رحم دلی، شفقت ومحبت کے دعوے خود اللہ کریم کر رہے ہیں کہ اللہ کی رحمت سے آپ ﷺ بہت ہی نرم مزاج نرم دل اور بے حد محبت کرنے والی ہستی ہیں کوئی ذرا سا آپ کی طرف جھکے تو آپ اللہ کی رحمتیں اس پر نچھاور کر دیتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کل انسانیت سے بے مثال محبت:

فرمایا، رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ آل عمران: 159 اے میرے حبیب ﷺ، آپ ﷺ رحمت مجسم ہیں آپ ﷺ نہایت مہربان ہیں۔دنیا میں اس محبت کا تصور نہیں کیا جا سکتا جو محبت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانیت سے کی ہے حالانکہ انسانیت میں اکثریت ان لوگوں کی رہی ہے جنہوں نے کفر کیا، حضور ﷺ پر بہتان لگائے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زبان طعن دراز کی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی سازشیں کیں

جنہوں نے اسلام کے راستے روکے، ایذائیں دیں، ہجرت پر مجبور کیا، رخ انور زخمی کیا۔ طائف کے دن کی تکلیفیں دیں پھر بھی دست دعا اٹھے تو ان کی ہدایت کے لئے ان کی بخشش کے لئے اٹھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانیت سے وہ محبت کی جس کا تصور کرنا بھی محال ہے اور پھر وہ لوگ جو ایمان لائے ان سے حضور ﷺ کی محبت کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ کریم نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (التوبۃ:128) اے اولاد آدم تکلیف تمہیں پہنچتی ہے اور اسے میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل محسوس کرتا ہے۔ ٹھوکر تمہیں لگتی ہے درد میرا نبی ﷺ محسوس کرتا ہے۔ دو عالم سے وہ بے نیاز ہے لیکن اے اولاد آدم تمہارے معاملے میں حرص کی حد تک چلا گیا ہے کہ تم ایمان قبول کرلو اور اللہ کے عذاب سے بچ جاؤ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ محبت ساری انسانیت کے لئے ہے اور مومن کے لئے تو آپ سراپا بخشش ہیں۔ مومن کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رحمت ولطافت ہے محبت و بخشش ہے۔

چند دن پہلے کسی نے بڑی خوبصورت ای میل مجھے بھیجی جس میں کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بہت پیاری باتیں لکھی ہیں جو احادیث مبارکہ کا انتخاب ہے۔ کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی کے بارے احادیث مبارکہ چن چن کر جمع کی ہیں وہ اس بات سے شروع ہوتی ہے کہ اے مسلمان! تو جانتا ہے؟ کہ آج سے چودہ سو سال پہلے کسی نے تجھ سے محبت کی تھی۔ تب تو نہیں تھا تمہارا وجود نہیں تھا تو ابھی زمین پر نہیں آیا تھا تو کسی کا دل بار بار تیرے لئے بے قرار رہتا تھا کسی کے ہاتھ تیری بخشش کے لئے اٹھا کرتے تھے کسی کے لب مبارک تیری بخشش کے لئے کھلتے تھے۔ کیا تو اپنے اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہیں کرسکتا تجھے اس ہستی سے محبت نہیں ہوسکتی جس نے چودہ سو سال پہلے تجھے ٹوٹ کر چاہا تھا۔ عین وقت وصال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک ام المومنین حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام ارشادات عالیہ پورے اور مکمل ہو چکے تھے لیکن لب مبارک میں حرکت تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم قریب گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت آہستگی سے فرما رہے تھے رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ یعنی وقت وصال بھی جس کی دعائیں تیرے لئے مخصوص تھیں تو تم ان سے دور کیوں جاتے ہو؟ عندالموت ہی وہ رحمت کیوں تلاش کرتے ہو؟ قبر ہی میں رحمت کیوں مانگتے ہو؟ حشر کا انتظار کیوں کرتے ہو؟ جبکہ اللہ کی رحمت مجسم ہوکر ہر لحظہ تمہارے لئے تمہارے حاصل کرنے کے لئے موجود ہے انتظار تو اس بات کا کیا جاتا ہے جو پاس نہ ہو دعا تو اس کے لئے مانگی جاتی ہے جو دور ہو۔ فرمایا میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانیت کے ہر فرد کے لئے رحمت ہیں۔ ہر زمانے کے لئے ہیں ان کے اور بندے کے درمیان بندہ خود حائل ہے

ورنہ اللہ کی رحمت مجسم ہر آن اللہ کی رحمتیں لٹا رہی ہے صرف ایک ہستی کے پاس اللہ کی رحمت کا سارا خزانہ ہے آپ ﷺ نے خود فرمایا۔ اِنَّمَآ اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُؤْتِیْ اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا میں تو بانٹ رہا ہوں اللہ دیئے جارہا ہے اور بانٹنے والا ایسا ہے لِنۡتَ لَهُمۡ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنے نرم خو اور اتنے نرم دل ہیں کہ کسی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر کوئی سخت لفظ آتا ہی نہیں۔ پھر بھی کوئی محروم رہتا ہے تو یہ اس کی اپنی ذات کا فیصلہ ہے اس نے اپنی ذات کو اپنی انا کو دیوار بنالیا ہے وہ اپنے من پسند فیصلے کرتا ہے اور حضور ﷺ کے فیصلے قبول نہیں کرتا اور اپنے فیصلے نافذ کرتا ہے تو پھر اور گناہ کیا ہوگا۔

گناہ کیا ہے:

گناہ کی تعریف ہی یہی ہے کہ ہر وہ فیصلہ جو ہم حضور ﷺ سے نہیں لیتے اپنے آپ کرتے ہیں۔

اسلام کیا ہے:

اسلام کی تعریف یہ ہے کہ بندے کے اپنے ذاتی فیصلے ختم ہو جائیں اور تعمیل ارشادات رسول اللہ ﷺ کی جائے۔

فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لٹا بھی رہے ہیں اور کسی کے لئے سخت جملہ بھی ارشاد نہیں فرماتے ہر ایک پر فدا بھی ہو رہے ہیں ہر ایک سے محبت کئے جا رہے ہیں خواہ معاشرے میں بندے کی کوئی حیثیت بھی نہ ہو جیسا کہ دیکھا جا سکتا ہے اولاد والدین سے بدسلوکی کر رہی ہے۔ والدین اولاد کو نافرمانی پر عاق کر رہے ہیں۔ خاوند بیویوں کو باہر نکال رہے ہیں لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو کبھی نہیں نکالتے۔ معاشرہ کسی کو کوئی حیثیت دے یا نہ دے کوئی کسی کو چاہے یا نہ چاہے کوئی اس سے محبت کرے یا نہ کرے لیکن میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے محبت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامان رحمت ہر ایک پر سایہ فگن ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابر کرم ہر ایک پر برس رہا ہے جو ابر کرم سے حصہ نہیں پا رہا وہ ابر کرم کے آگے خود اوٹ بنے کھڑا ہے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت ہر لحہ سایہ فگن ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک کیلئے باد بہار ہیں:

حتیٰ کہ دشمن کے لئے بھی، کوئی دشمنی لے کر جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے سرفراز لوٹتا ہے۔ تاریخ اسلام ایسی مثالوں سے پُر ہے اور پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمتہ للعالمینی کو بیان کرنے کا حق

کوئی ادا نہیں کر سکا اور نہ کبھی کر سکے گا۔

حضرت شیبہؓ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے ان کا باپ اور بھائی بدر میں مارے گئے تھے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میرے دل میں اس بات کا بڑا قلق تھا اور غزوہ حنین کے موقع پر میں انتقام کی آگ میں سلگ رہا تھا۔ میں اس ارادے سے گھر سے نکلا کہ آج جب گھمسان کا رن پڑے گا میں اپنے باپ اور بھائی کے دکھ کا مداوا کروں گا اور معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وار کر کے اپنے دل کی آگ بجھالوں گا۔ یہ آرزو لے کر میں میدان جنگ پہنچا اور جنگ میں خوب ہنگامہ مچا۔ یوں گرد اڑی کہ فضا طوفان کی طرح نظر آنے لگی، دن کو بھی رات کا سا سماں بن گیا تو میں موقع تاکتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھا دائیں طرف سے گیا تو حضرت عباسؓ موجود تھے بائیں طرف سے گیا تو ایک اور جانثار موجود تھے۔ میں پیچھے پہنچ گیا تو اچانک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا نام لے کر پکارا اور فرمایا شیبہ سامنے آؤ۔ میں دھک سے رہ گیا کہ میں تو پیچھے تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ملاحظہ فرمالیا میں شرمندہ شرمندہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قریب آؤ جب میں اور قریب گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے قلب پر اپنی انگلی مبارک رکھی اور دعا فرمائی۔ اللہ اس کے دل کو بدل دے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس لمحے میں نے یہ محسوس کیا کہ دنیا و مافیہا کو ان قدموں پر نچھاور کیا جا سکتا ہے۔ اب میرے نزدیک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہ رہا۔ مجھے سب کچھ بھول گیا سوائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے جہاد کی طرف متوجہ کیا اور میں پلٹ کر کافروں پر ٹوٹ پڑا خوب دل کی بھڑاس نکالی۔

یہاں سے اندازہ کریں کہ کوئی دشمنی لے کر جاتا ہے اور محبت لے کر آتا ہے۔ عشق لے کر پلٹتا ہے تو جو محبت لے کر جائے گا وہ کیا پائے گا!

مشہور واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا آرام فرما رہے تھے اور اپنی تلوار درخت پر لٹکا رکھی تھی۔ ایک مشرک پہنچا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار اتار لی اور آواز دی کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجھ سے کون بچائے گا کہ نہ تو آپ کا لشکر آپ کے ساتھ ہے نہ آپ کی تلوار۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب پر اس پر ایسا لرزہ طاری ہوا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی۔ حضور ﷺ نے تلوار اٹھالی اور فرمایا اب تم بتاؤ تمہیں کون بچائے گا، تو وہ پریشان ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ سب کا ہے تمہارا ابھی ہے تم بھی کہہ دو اللہ۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ادا پر قربان ہو گیا۔ اسے نور ایمان نصیب ہو گیا اس نے کلمہ پڑھ لیا۔ اس نے کہا ایسا کریم تو کہیں نہیں دیکھا کہ میں تو قتل کے ارادے سے

آیا تھا اور تلوار میرے ہاتھ سے گر گئی۔ انہوں نے اٹھالی چاہتے تو میرا سر قلم کر دیتے لیکن انہوں نے مجھے جہنم میں پھینکنے کے بجائے عشق الٰہی میں لگا دیا۔

جو آپ ﷺ کا اتباع نہیں کرتا وہ اپنے دعوے میں سچا نہیں:

ہر مسلمان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ حضور ﷺ سے محبت کرتا ہے اور واقعی مسلمانوں نے حضور ﷺ سے بے پناہ محبت کی ہے۔ بے پناہ محبت کریں گے اور کرتے رہیں گے لیکن اس دعویٰ محبت کا پیمانہ اور معیار وہی ہے اتباع نبوی ﷺ اور جو آپ ﷺ کا اتباع نہیں کرتا وہ محبت نہیں کرتا۔ وہ اپنے دعوے میں سچا نہیں۔ اس لئے کہ جس سے محبت ہو اس کی خلافِ مرضی کرنے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ کام کرنا تو در کنار محبت تو یہ سوچنے بھی نہیں دیتی کہ محبوب کی پسند کے برخلاف کچھ ہو جائے اور کبھی بتقاضائے بشریت غلطی سے خطا ہو جائے تو راتیں بیت جاتی ہیں روتے ہوئے کہ خطا ہو گئی۔ بندے کو احساس ندامت گھیر لیتا ہے اور وہی ندامت باعث مغفرت بن جاتی ہے۔ ان کی توبہ سے ان کی خطائیں بھی نیکیوں میں بدل جاتی ہیں۔ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ (الفرقان:70) وہ لوگ جنہیں دکھ ہوتا ہے خطاؤں پر ان کے دل پر چوٹ لگتی ہے، وہ خلوص دل سے توبہ کرتے ہیں تو اللہ کریم فرماتے ہیں میں انہیں صرف معاف ہی نہیں کرتا ان کی خطائیں نیکیوں میں بدل دیتا ہوں۔ خطاؤں کی جگہ نیکیاں شمار کرتا ہوں۔

سوچا جائے، غور کیا جائے تو عبادات کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے۔ ہم نمازیں پڑھتے ہیں، سجدے کرتے ہیں، ذکر اذکار کرتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، اعتکاف میں بیٹھتے ہیں، حج کرتے ہیں کیوں؟ یہ ساری محنت اس لئے کہ دل کو صاف کیا جائے دل کو جلاء بخشی جائے دل سے خیالات فاسدہ نکال کر اس پر اللہ کا نام نقش کیا جائے اور وہ اس قابل ہو جائے کہ احمد مجتبیٰ ﷺ کی محبت کو پا سکے۔ محبت کو پائے گا تو اطاعت شعار بن جائے گا محبت کو پائے گا تو اتباع کا اسیر ہو جائے گا۔ اس طرف کی ضمانت تو اللہ نے دے دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ اطہر میں نہ سختی ہے نہ کسی کے لئے عناد و دشمنی ہے بلکہ نہایت ہی نرم دل ہیں کوئی ذرہ برابر بھی جھکے تو اس کا اجر وہ عطا فرماتے ہیں کہ بندہ مزید مانگنے کے قابل نہیں رہتا اسے سمجھ نہیں آتا کہ اب وہ مزید کیا مانگ سکتا ہے۔

ہمارا دعویٰ محبت اور طرز عمل:

دوسری طرف ہم ہیں اور ہمارا دعویٰ مسلمانی ہے۔ دعویٰ محبت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور ہمارا طرز عمل ہے۔ ایک عام آدمی گاؤں کی ایک چائے کی چھوٹی سی دکان پر بیٹھا ہے اور تبصرہ کرتا ہے عالمی طاقتوں کے کردار پر پھر اس کی بات چلتی چلتی اپنے ہم عصروں تک پہنچتی ہے پھر رفتہ رفتہ اپنے بھائیوں، رشتہ داروں اور برادری تک آجاتی ہے

اوران سب میں سے کوئی فرد و بشر کم ہی اس کی تنقید سے بچتا ہے لیکن کوئی یہ تکلف نہیں کرتا کہ ایک لمحے کے لئے دنیا کو بھول جائے کہ ان کا حساب اس نے نہیں دینا۔ اپنے آپ کو سامنے رکھ کر بات کرے کہ وہ خود صبح سے شام تک کیا کرتا رہا کتنی اطاعت کی اور کس حد تک نافرمانی کی جو جملے دن بھر ادا کئے اگر ان کو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دہرایا جائے تو رخ انور ﷺ پر کیا اثر مرتب ہوگا کیا رخ انور خوشی سے کھل اٹھے گا یا ناراضگی کے آثار ظاہر ہوں گے۔ کبھی ہم اپنا تجزیہ بھی کریں جو کام ہم نے کئے یہ کام اگر بارگاہ رسالت پناہی میں پیش کئے جائیں تو کیا حضور ﷺ قبول فرمالیں گے۔ جہاں کام اتباع رسالت میں کئے ہوں گے وہ کام بھی اس بارگاہ میں پیش ہونے کے لائق تو نہیں ہو سکتے کہ ہمارے عہد کے کام ہماری حیثیت کے مطابق ہوں گے لیکن یقیناً ان ﷺ کا کرم پذیرائی بخشے گا لیکن جہاں جہاں نافرمانی ہوگی وہاں وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی دکھ ہوگا۔ قرآن حکیم میں اللہ کریم نے یہ بات ساری انسانیت کے لئے فرمادی۔

عزیز علیہ ما عنتم لوگو! اپنے اوپر ظلم تم کرتے ہو کفر و شرک اور برائی تم کرتے ہو جس کے نتیجے میں تم مصیبتوں میں گرفتار ہو جاؤ گے لیکن اس سب سے میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ پہنچتا ہے تمہاری برائیاں ان پر گراں گزرتی ہیں انہیں یہ دکھ ہوتا ہے کہ ان ﷺ کی بعثت کے بعد یہ بدنصیب جہنم کیوں جا رہا ہے۔ اگر سورج طلوع ہونے کے بعد بھی کہیں اندھیرا ہے تو پھر روشنی کب ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار کی گمراہی دکھ دیتی ہے۔ انہیں کافروں کے کفر پر اور اُن کے انجام بد پر دکھ لگتا ہے تو جب بات مسلمان کی اور مومن کی آتی ہے تو فرمایا بالمومنین رءوف رحیم○ (التوبہ :128) مومنوں کے ساتھ تو آپ درگزر کرنے والے رحم کرنے والے ہیں۔ یہ ایک ہستی ایسی ہیں رحمت للعالمین کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے مہربان ہیں کہ خطائیں ہم کرتے ہیں بخشش وہ مانگتے ہیں اور پھر بھی اتباع کر کے ہم ان کی محبت کا حق ادا نہ کر سکیں تو کیا فائدہ ہمارے دعویٰ محبت کا، دعویٰ مسلمانی کا۔ اور کوشش بھی نہ کر سکیں تو کیا فائدہ اس زندگی کا۔

ثواب کے نام پر رسومات کی پابندی:

کیسی عجیب بات ہے کہ ثواب کے نام پر ہم نے عجیب چیزیں ایجاد کر لی ہیں جیسے یہ ماننا کہ جمعۃ الوداع کو پانچ نمازوں کی قضا پڑھنا ایسے ہے کہ جس سے زندگی بھر کی قضا نمازوں کی ادائیگی ہوگئی۔ ایسا نہیں ہے۔ شرع اسلامی میں اس کی کوئی سند نہیں جو فضیلت جمعہ کی ہے وہ اپنی جگہ مسلم ہے کہ جمعہ ہفتے کے سات دنوں کا سردار ہے اور

رمضان سال بھر کے سارے مہینوں کا سردار ہے پھر کیا فضیلت ہوتی ہے۔ رمضان کے جمعوں کی اور پھر رمضان کا آخری جمعہ کتنی فضیلت رکھتا ہے لیکن اسے ایک نام دے دیا گیا ہے جمعۃ الوداع۔ جس کے معنی یہ لئے جاتے ہیں کہ رمضان وداع ہورہا ہے، جارہا ہے لیکن اس کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ یہ نتیجے کا دن ہے یہ رمضان المبارک کی سعادت بھری ساعتوں میں کی گئی محنتوں مجاہدوں کے نتیجے کا دن ہے۔ اس مبارک مہینے میں ہر عمل کی فضیلت لاکھوں گنا بڑھ جاتی ہے ہر سجدے پہ لاکھوں سجدوں کا ثواب ملتا ہے۔ ہر نماز پہ کئی گنا اجر ملتا ہے ہر نیکی کئی درجے بڑھ کر قبولیت پاتی ہے جس میں بخشش مانگنے والوں کی بخشش عام ہوتی ہے۔ بارگاہ الوہیت سے پکارا جاتا ہے کہ ہے کوئی بخشش چاہنے والا کہ اس کی خطائیں معاف کر دی جائیں۔ اس مبارک مہینے کا پہلا عشرہ رحمت دوسرا بخشش اور تیسرا جہنم سے آزادی کی سند دینے کا وقت ہے۔ عتق من النار آخری عشرے میں جہنم سے آزادی کے پروانے ملتے ہیں اور آخری جمعہ بھی آخری عشرے میں آتا ہے یوں آخری جمعہ وہ مبارک دن ہے جس دن پورے مہینے کے اعمال کا نتیجہ عطا کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے تو بندے کو اس دن اپنا تجزیہ کرنا چاہئے کہ اس نے کیا نتیجہ پایا۔ اس میں کتنی مثبت تبدیلی آئی نہ کہ ان مبارک ساعتوں میں اپنی طرف سے ایجاد کردہ مسائل کے مطابق عمل کر کے گستاخی کا مرتکب ہو۔ جمعۃ المبارک کے ساتھ قضاء عمری کا تصور غلط ہے۔ رمضان کے آخری جمعے کے دن قضا کی نیت سے جو پانچ نمازیں پڑھی جائیں گی ان سے پانچ قضا نمازوں کی ادائیگی ہوگی یہ الگ بات ہے کہ ان پانچ پر اللہ پانچ لاکھ کا ثواب دے دے۔ ثواب پانچ لاکھ کا ہوسکتا ہے ادا ایک دن کی ہوگی۔ ساری عمر کی قضا ان پانچ کے پڑھنے سے نہیں ہوں گی۔ یہ تصور بنا دیا گیا ہے اور یہ درست نہیں۔ ثواب کا ملنا اجر کا ملنا الگ بات ہے اور فرائض کی ذمہ داری اور ان کی ادائیگی علیحدہ بات ہے۔

قضا نمازوں کی ادائیگی کا طریقہ:

علماء حق نے اس کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ بندہ اپنی زندگی کا تجزیہ کر کے اندازہ کر لے کہ سال دو سال یا پانچ سال یا اس سے کم وبیش کی نمازیں چھوٹ گئی ہیں۔ پھر کم از کم ہر نماز کے ساتھ روزانہ ایک نماز قضا کی نیت سے پڑھ لیں تو ہر روز ایک دن کی قضا نمازوں کی ادائیگی ہوجائے گی۔ اس طرح کرتا رہے تو زندگی بھر میں ضرور ادا ہوجائیں گی۔ درمیان میں اللہ کے حکم پر جانا پڑا موت آگئی تو وہ غفور رحیم ہے بندے کے ذمہ تو اصلاح احوال کے راستے پر چلنا ہے بخشش تو اس کی طرف سے ہے عطا تو اسکی ہے لہٰذا قضاء عمری کا یہ تصور جو رمضان کے آخری جمعے سے وابستہ ہے درست نہیں۔ اس دن کی عبادت اور اس دن کے ایک سجدے کا اجر تو شاید عمر بھر کے سجدوں سے زیادہ مل جاتا ہو لیکن یہ تو نتیجے کا دن ہے اور یہ نتیجہ میں کون دے گا کیا کوئی باہر سے لکھ کر سند دے گا یا کوئی ممتحن ہوگا؟ نہیں۔ ہمارا دل اس

بات کی گواہی دے گا کہ ہمیں بارگاہ الٰہی سے قبولیت کا کوئی درجہ نصیب ہوا۔ ہمیں محسوس ہوگا کہ ہم نے رمضان پایا اس میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہو جائے گا۔ اس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پیدا ہو جائے گی جو اتنی شدید ہوگی کہ وہ ہمارے اعضاء و جوارح سے لے کر نظریات تک کی اصلاح کر دے گی۔ کھرے کو کھوٹے سے الگ کر دے گی حق و باطل میں فرق کر دے گی، آئندہ ہم ایک مختلف انسان ہوں گے ہماری سوچ تبدیل ہو جائے گی ہمارا کردار بدل جائے گا اور ہم خود محسوس کریں گے کہ دنیا کی محبت اور دنیا کا لالچ ہر جائز اور ناجائز وسیلے سے دولت جمع کرنے کی خو نکل گئی ہے۔ اب رزق حلال کی تمنا رہ گئی ہے اس بشارت کی خوشی محسوس ہوتی ہے کہ رزق حلال کمانا عین عبادت ہے۔ ان کاموں کے کرنے کا دل چاہتا ہے جن کے کرنے کا اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ اللہ کی کتاب پڑھنے کو جی چاہتا ہے، دل کرتا ہے کہ چند آیات کا ترجمہ ہی کوئی بتا دے کہ میرے رب نے کیا فرمایا ہے۔

اسلام صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں اور آقائے نامدار ﷺ صرف مسلمانوں کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں ہیں بلکہ بعثت عالی سے لے کر قیامت تک کے تمام انسانوں کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ جتنے دروازے بارگاہ الوہیت میں کھلتے تھے اپنے اپنے وقت پر سب بند ہو گئے اب ایک ہی دروازہ اتباع محمد رسول اللہ ﷺ ہے جو بارگاہ الوہیت میں باریاب ہونے کے لئے ہمیشہ وا رہے گا۔ اللہ کی طرف سے رحمت برستی رہے گی۔ تجزیہ تو ہمیں اپنا خود کرنا ہوگا کہ رمضان المبارک کو تو آنا تھا۔ رمضان المبارک کو تو جانا تھا، رمضان المبارک چلا جائے گا لیکن یہ ایک مہینہ عجیب تھا کہ اللہ کریم نے سارے شیاطین قید کر دیئے کوئی شیطان وسوسہ ڈالنے کے لئے باہر نہ رہا سب کو روک دیا گیا۔ سب سے بڑی سہولت تو یہ تھی۔ پھر انعام عطا ہوا انسان کے بہت چھوٹے سے عمل کو بہت بڑے عمل سے نوازا گیا اور بخششوں کے خزانے لٹائے گئے تو ہمیں اپنے افکار کو دیکھنا ہے کتنی سوچیں بدل کر اچھی ہو گئیں، اپنے کردار کو جانچنا ہے مثبت تبدیلی کتنی آئی؟

جو لوگ دین کو نہیں سمجھتے وہ یہ عامیانہ سوال کرتے ہیں کہ اگر شیطان قید ہیں تو یہ اتنی برائیاں کون کر رہا ہے۔ یہ قتل، ڈاکے، بدعنوانیاں، دہشت گردی یہ سب عام ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابلیس اور اس کی اولاد اور جن جو اس کا اتباع کر کے شیطان بن گئے وہ قید کر دیئے جاتے ہیں لیکن جو انسان ابلیس کا روپ دھار لیتے ہیں جو اس کی غلامی کرتے کرتے شیطان بن جاتے ہیں وہ قید نہیں کئے جاتے اور رمضان المبارک میں جتنے مظالم ہو رہے ہیں وہ وہی شیطان کر رہے ہیں جو انسانوں میں سے ہیں۔ یہ وہی ہیں جو شیطان کی غلامی کرتے کرتے مجسم شیطان بن گئے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے شیطانوں سے زیادہ خبردار رہنے کی ہدایت کی ہے۔فرمایا جو شیطان انسانوں میں سے ہے وہ زیادہ خطرناک ہے کہ وہ آپ کو ہاتھ سے پکڑ کر برائی کی طرف لے جاتا ہے یا آپ کے سامنے برائی کرتا ہے تاکہ آپ اس برائی میں شامل ہوں جبکہ ابلیس کو اللہ نے انسان کا ہاتھ پکڑ کر برائی کروانے کی قوت نہیں دی وہ صرف وسوسہ ڈال سکتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو انسانوں سے شیطان بن جاتے ہیں وہ ان شیطانوں سے زیادہ خطرناک ہیں جو جنوں میں سے ہوتے ہیں۔اللہ نے بھی شیاطین الانس اور شیاطین الجن سے پناہ مانگنا سکھایا ہے۔سو ہمارے ملک میں جہاں اکثریت اسلام کا دعویٰ کرنے والوں کی ہے۔انہیں یہ سوچنا چاہئے کہ شیاطین تو شوال کا چاند نظر آنے پر باہر نکلیں گے ان کی زنجیریں تو رمضان ختم ہونے پر کھلیں گی تو رمضان میں جرائم ومظالم کون کر رہا ہے!۔

عید کی خوشی:

جسے ہم یوم عید کہتے ہیں وہ عید کیا ہے؟ عید یہ ہے کہ تم نے گنتی کے دن پورے کر لئے ،رمضان پورا کر لیا تم نے رمضان سے بھرپور استفادہ کر لیا اور اگر اس سے صرف گنتی پوری کرنا مراد ہے تو پھر تو رمضان کا مہینہ آ کر پورے تیس یا انتیس دن رہ کر گزر گیا غیر مسلموں پر بھی گزر گیا اور جنہوں نے مسلمان کہلوانے کے باوجود روزے نہیں رکھے ان پر بھی گزر گیا۔مراد گنتی کے حساب سے گزارنا نہیں ہے۔اس کا مفہوم ہے کہ پورے دن تم نے رمضان کی برکتیں حاصل کیں اللہ کی رحمتیں پائیں اللہ کی بخشش حاصل کی۔اپنے گناہ معاف کروائے۔ اب تمہیں زیب دیتا ہے کہ لباس پہن کر زیب وزینت کر کے خوشبو لگا کے اللہ کی بڑائی بیان کرو اور دو رکعت نماز عید ادا کرو کیونکہ اللہ نے تمہیں رمضان المبارک کو پانے کی توفیق بخشی۔عید ان کی ہے جن کے دل صاف ہو گئے دل بدل گئے سینے روشن ہو گئے۔عید اس کے لئے ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی نصیب ہو جن کے دل پر اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چوٹ پڑتی ہے وہ انقلاب آفرین لوگ ہوتے ہیں۔ان کے انقلاب قتل وغارت گری نہیں ہوتے ان کے انقلاب دوسروں کے لئے پریشانیاں پیدا کرنا نہیں ہوتے بلکہ یہ اس کے مصداق ہوتے ہیں۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
اور دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے

یہ محبتیں بانٹتے ہیں،نفرتیں نہیں۔یہ ایسے عجیب لوگ ہوتے ہیں کہ عین میدان کارزار میں جہاں آگ برس رہی ہوتی ہے وہاں بھی یہ دوسرے کی بخشش کی تمنا کر رہے ہوتے ہیں اس کے لئے ہدایت کی آرزو رکھتے ہیں۔تاریخ اسلام ان واقعات سے پر ہے کہ مجاہد نے تلوار اٹھائی اور کافر نے کلمہ پڑھ لیا تو مجاہد نے تلوار پھینک کر نو مسلم کو گلے لگا

لیا کہ میرا تیری ذات سے تو کوئی جھگڑا نہیں تھا میں تو تجھے ظلم سے روکنا چاہتا تھا۔ اب تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت قبول کرتا ہے تو اس بارگاہ سے تو محبتیں سمندروں کی طرح بہہ رہی ہیں جو محبتیں سینہ اطہر رسول اللہ ﷺ سے تقسیم ہو رہی ہیں اس کی وسعتوں کے سامنے سمندروں کی وسعتوں کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں۔ اس کا حصول تو نصیب کی بات ہے۔ پھر بھی جب کوئی اسی بات کی شکایت کرے کہ رمضان سے اور اسلام سے محبت نہیں ملی تو پھر وہ اپنے آپ کو دیکھے اگر وہ رحمت الٰہی کی برستی بارش میں کہتا ہے کہ اس کے پیالے میں کچھ نہیں آیا تو پھر وہ اپنے پیالے کو دیکھے کہیں اس میں سوراخ تو نہیں کہیں اس نے اس کا رخ الٹا تو نہیں کر رکھا، کیا اس کے پاس پیالہ واقعی ہے کیونکہ دین تو سب کے لئے ہے دین صرف مقدس ہستیوں کے لئے ہی نہیں ہے۔ صرف مولویوں کے لئے ہی نہیں ہے نہ صرف پیر صاحب کے لئے ہے۔ دین اللہ کا فرمان ہے۔ اللہ کا حکم ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں کا نام ہے۔ دین اللہ کے سارے بندوں کے لئے ہے در باب رحمت وا ہے، گناہگاروں کے لئے کھلا ہے کہ آؤ اپنے گناہ نیکیوں میں بدل لو۔ یہاں پل بھر میں ایک مشرک مومن ہو سکتا ہے۔ ایک کافر مسلمان ہو سکتا ہے تو ایک گناہگار مسلمان نیک کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیا وہاں کوئی بورڈ لگا ہوا ہے کہ مولوی صاحب آئیں گے اور پیر صاحب آئیں گے تو انہیں رحمت ملے گی نہیں یہ اللہ کی رحمت کا ناپیدا کنار سمندر ہے۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمت للعالمین بنایا ہے۔ اس بارگاہ سے صدا دی جا رہی ہے کہ آئے جو چاہے آئے بلا روک ٹوک آئے پھر بدنصیب ہے وہ جو مسلمان بھی کہلاتا ہو اسے رمضان بھی نصیب ہوا سے جمعتہ الوداع بھی نصیب ہو اور پھر اس کا دل ویسے کا ویسا رہے اور وہ یہ کہے کہ اسے تو کوئی فرق نہیں پڑا اسے تو کچھ سمجھ نہیں آئی۔ اسے چاہئے کہ وہ دیکھے کہ کہیں نہ کہیں کوئی کمزوری ہے کہیں نہ کہیں کوئی نقص ہے ورنہ اللہ کے کریم ہونے کی تو کوئی حد ہی نہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں، فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اے میرے حبیب ﷺ ان گنہگار مسلمانوں سے درگزر فرمایئے ان سے خطائیں ہوتی ہیں آپ معاف فرما دیجئے۔ آپ ﷺ ان کے امام ہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لئے مجھ سے بخشش طلب کیجئے یہ آپ ﷺ کے امتی ہیں جیسے بھی ہیں کمزور ہیں خطا کار ہیں ان میں لاکھوں انسانی کمزوریاں ہیں لیکن نام تو آپ ﷺ کا لیتے ہیں۔ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر انہیں بخشش طلب کرنے کا شعور نہیں وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ تو آپ ان کے لئے بخشش طلب فرمائیں۔

کیا کرم ہے! اللہ کی رحمت کا انداز دیکھئے منصب رسالت کی کرم فرمائیاں دیکھئے کہ ہم وہ لوگ ہیں جنہیں کوئی جانتا بھی نہیں۔ ہم میں سے ایسے بھی ہیں جنہیں افراد خانہ بھی اہمیت دینے کو تیار نہیں۔ انہیں بھی اللہ اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محروم نہیں فرماتا۔ ہر کلمہ گو کے لئے فرماتا ہے کہ آپ دست دعا اٹھایئے۔ کیا عجیب کرم ہے

کہ ایک بندے پر رمضان بھی گزرا اس پر اللہ نے رحمتیں لٹائیں، پکار پکار کر بلایا، ایک ایک سجدے پر لاکھوں گنا اجر بڑھایا اور پھر بھی بندے کا دل صاف نہیں ہوا اس میں کمی رہ گئی تو میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اس کی خطاؤں سے درگزر فرمائیں کہ وہ آپ ﷺ کے دامن سے وابستہ ہونے کا دعویدار تو ہے۔ آپ ﷺ اس کی خطاؤں ڈسے درگزر فرما کر اپنے دست رحمت اٹھا دیں اس کے لئے بخشش طلب کریں۔

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ ہمیں اپنا حال معلوم کرنا ہے نہ ہم کسی کے دل کا حال جانتے ہیں نہ کوئی ہمارے دل کا حال جانتا ہے ہمیں اپنے قلب کا جائزہ خود لینا چاہئے کہ جن کی بخشش کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ اٹھا دیئے وہ ہاتھ خالی تو نہیں جائیں گے۔ رب کریم انہیں ضرور قبول فرمائے گا اور ان بندوں کو ضرور بخشے گا اور جو بخشے گئے ان کے دل یقیناً بدل گئے ان کی سوچیں بدلیں ان کا کردار بدلا وہ برائی چھوڑ کر نیکی پر آ گئے۔

وہ ظلم سے باز آ کر عدل پر کاربند ہو گئے، فحش کلامی چھوڑ کر اللہ کا نام لینے لگے وہ جس زبان سے لوگوں کی برائیاں کرتے تھے اس زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہو گیا۔ درود شریف کے نغمے جاری ہو گئے اور اگر یہ تبدیلی نہیں آئی تو پھر ہمیں یہ سوچنا ہو گا کہ بخشش کی موسلا دھار بارش ہو رہی ہے اور اس میں بھی ہمارا تن نہیں بھیگا تو ہم کب بھیگیں گے ہماری بخشش کب ہو گی؟

اسلام رسومات ورواجات کا پابند نہیں اسلام قصے اور کہانیوں کا مذہب نہیں۔ اسلام حقیقتوں کا مذہب ہے، اسلام حقائق کی بات کرتا ہے۔ اسلام ہر فرد و بشر کو ایک آزاد اور ذمہ دار فرد سمجھتا ہے اور اس سے توقع کرتا ہے کہ وہ خود کو جانچے۔ اس نے بندے کو اس بات کی استعداد عطا فرمائی ہے۔ اسی اختیار کے سبب اسی احساس ذمہ داری کے سبب اسے اشرف المخلوقات بنا کر عزت بخشی ہے اور اسلام جیسی نعمت قبول کر کے وہ اللہ کی بے حد و حساب نعمتوں میں سے حصہ پانے کے قابل بنتا ہے۔ پھر بشری کمزوریوں کے باعث جو کمیاں کوتاہیاں رہ جاتی ہیں ان کے لئے بھی اتنی شفقت فرماتا ہے کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتا ہے کہ آپ اپنے دست مبارک اٹھا دیجئے۔ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ان کے لئے بخشش مانگیئے وَشَاوِرْهُمْ اور ان سے قومی وملکی معاملات میں مشورہ فرمالیا کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کے لئے بخشش مانگنا انہیں اس رتبہ پر پہنچا دے گا کہ یہ امور سلطنت میں رائے دینے کے قابل ہو جائیں گے۔ یہ قابلیت ان میں کہاں سے آئے گی؟ جب ان کے لئے دست پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلند ہوں گے تو یہ بدل جائیں گے۔ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ان سے مشورہ تو کیا کریں لیکن فیصلہ آپ کا ہو گا پھر جب آپ فیصلہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کریں۔ إِنَّ

اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ کہ اللہ ان سے پیار کرتا ہے جو اس پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ
وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۗ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مسلمانو! اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی
تم پر غالب نہ آسکے گا اور اگر وہ (تمہاری مدد نہ کرے) تم کو چھوڑ دے تو پھر کون ہے کہ اس کے علاوہ تمہاری مدد کر سکے
اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے اور نبیؐ کی یہ شان نہیں کہ کچھ چھپا رکھے اور جو کوئی خیانت کرے گا وہ
قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز کو حاضر کرے گا پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اِنْ
يَّنْصُرْكُمُ اللهُ اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

یہ غزوہ احد کی حکایت ہی چل رہی ہے۔ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فرمایا اگر اللہ تمہاری مدد فرمائے گا تو کوئی تم پر فتح نہیں پا سکتا۔ اور اگر اللہ تمہارا ساتھ نہ دے فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ تو پھر اس کے علاوہ کون ایسی ہستی ہو سکتی ہے جو تمہاری مدد کرے۔ وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ اور ایمان والے لوگ ہمیشہ اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

غزوہ اُحد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا ارادہ مبارک شہر میں رہ کر دفاع کرنے کا تھا لیکن کچھ لوگوں کے اصرار پر جو بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بات قبول فرمالی اور عازم جہاد ہوئے جس پر بزرگ صحابہؓ نے عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے ہی مناسب ہے اسی پر عمل کر لیتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی کام کے لئے قدم اٹھالیتا ہے کوئی فیصلہ کر لیتا ہے تو واپس نہیں لیتا پھر وہ کام اللہ کے بھروسے پر کر لیا جاتا ہے چنانچہ شہر سے باہر اُحد کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ صحابہؓ کی اجتہادی غلطی کی وجہ سے شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ بعض صحابہؓ نے جلد بازی کرتے ہوئے یا بات کو مکمل طور پر نہ سمجھتے ہوئے وہ درہ خالی چھوڑ دیا جس پر حضور ﷺ نے تیرانداز مقرر فرمائے تھے۔ صرف سات آدمی رہ گئے جو بعد میں شہید ہوئے۔ کفار نے درہ خالی دیکھ کر بھاگتے بھاگتے واپس پلٹ آئے اور درے پر سے آکر حملہ کر دیا۔ یوں مسلمان دو پاٹوں کے درمیان آکر بکھر گئے۔ ان کی ترتیب درست نہ رہی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر نعرہ لگایا گیا تو سب مسلمان یکجا ہو گئے اور پھر ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کفار کو شکست ہوئی اور بھاگتے ہوئے مشرکین کا زخمی صحابہؓ نے کئی میل تک تعاقب کیا۔

اس بارے ارشاد ہو رہا ہے کہ جب اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر فتح نہیں پا سکے گا کوئی تم پر غالب نہیں

آسکتا۔ اس آیت کریمہ نے ان لوگوں کی صاف تردید کردی جو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی کیونکہ یہاں اللہ کریم اپنا احسان فرمارہے ہیں کہ یہ میری مدد تھی جس نے تمہیں فتح سے ہمکنار کیا اور اگر اللہ ہی مدد نہ فرمائیں تمہاری قوت توڑ دیں تو پھر اس کے علاوہ کون ہے جو تمہارے کام آسکتا ہے یعنی تقاضا ایمان یہ ہے کہ مسلمان کو ہر کام میں بھروسہ اللہ پر ہی رکھنا چاہئے۔ اس آیت کا شان نزول تو واقعہ اُحد ہے لیکن قرآن کا عمومی بیان تو قیامت تک کے لئے ہے اور یہ اصول ہر زمانے کے مسلمان کے لئے ہمیشہ کے لئے ہے۔

توکل کے معنیٰ:

اللہ پر بھروسہ کرنے اس پر توکل کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے اور انسان ہر طرح کی ضروریات رکھتا ہے لہٰذا جائز ضروریات پوری کرنے کے لئے جائز ذرائع اور اسباب اختیار کئے جائیں ان میں کمی نہ کی جائے۔ ان میں کمی ہوگی تو نقصان ہوگا اور اس وجہ سے نقصان ہو تو اس کا الزام بندہ قدرت باری کو نہیں دے سکتا۔ یہ اللہ کی سنت ہے یہ اس کا طریقہ ہے اس نے اسباب خود بنائے ہیں انہیں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے ان پر نتائج البتہ خود مرتب فرماتا ہے لہٰذا پوری محنت اور دیانتداری سے اسباب اختیار کئے جائیں اور دو باتوں کو یاد رکھا جائے۔ ایک یہ کہ جو سبب اختیار کریں اسے دیکھ لیں کہ وہ شرعاً جائز ہونا چاہئے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ جس کام کے لئے سبب اختیار کیا جارہا ہے وہ درست ہے یا نہیں۔ سو اللہ کے عطا کردہ عقل و شعور کو استعمال کرتے ہوئے جائز اور حلال وسائل اکٹھے کئے جائیں۔ ذی فہم لوگوں سے مشورہ بھی کیا جائے اور پھر فیصلہ کیا جائے اور اس پر عملدرآمد کیا جائے اس کے بعد نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔ اس بات پر بھروسہ نہ کیا جائے کہ میرے پاس بہت اسباب ہیں۔ میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا۔ کامیابی اور ناکامی دونوں اللہ کے دست قدرت میں ہیں۔

توکل یہی ہے کہ اللہ کے سوا نہ کسی سے نفع کی امید ہو نہ نقصان کی۔ پوری ہمت کے ساتھ تمام صلاحیتیں استعمال کرتے ہوئے محنت کے ساتھ اسباب و ذرائع اختیار کئے جائیں اور اس کے بعد بندہ سمجھ لے کہ اس کا کام ختم اب رب العالمین اس محنت پر جو نتیجہ مرتب فرمائے وہی درست اور بھلا ہوگا۔ جو لوگ اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی اطاعت میں کام کرتے ہیں وہ کبھی ناکام و نامراد نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ ان کی وہ ساری محنت اللہ کے نزدیک مقبول ہوتی ہے انہیں دو عالم میں اس کا اجر ملتا ہے۔ اگر دنیا کی کوئی چیز نہ بھی ملے تو بھی کوئی محرومی نہیں ہوتی کیونکہ اس کے بدلے ان کا اُخروی اجر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ انہیں اُخروی رحمتیں بے اندازہ ملتی ہیں۔ اس لئے وہ کبھی بھی محروم نہیں رہتے جسے اللہ کی طرف سے نعمتیں ملیں خواہ آخرت میں ملنی ہوں تو دنیا کی کمی محرومی نہیں ہوتی کہ دنیا کی کوئی چیز آخرت

کوئی چیز آخرت کے نعم البدل کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور مومن جب دنیا میں اللہ کی اطاعت میں وسائل اختیار کرتا ہے تو یہی عبادت ہے، یہی اطاعت الٰہی ہے اور اطاعت الٰہی ہی تو عبادت ہے اور پھر وہ اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو پھر وہ دونوں جہانوں میں سرخرو اور کامیاب رہتا ہے۔ حلال کما کر دنیا میں جائز ضروریات احسن طریقے سے پوری کرتا ہے اور عبادت کا اجر پاتا ہے۔ حلال روزی میں اللہ پاک برکت عطا فرماتے ہیں جس سے اس کے کام رکتے نہیں مکمل ہوتے رہتے ہیں اور اللہ اسے سکون قلب بھی عطا فرماتے ہیں اور اسی نیک عمل پر اس کی آخرت بھی تعمیر ہوتی رہتی ہے۔ یہی فرمایا جارہا ہے کہ جب اللہ کریم تمہاری مدد فرمائے گا تو کوئی بھی تمہیں ہرا نہیں سکتا لیکن جو لوگ اللہ کی پسند کے خلاف لوٹ کھسوٹ کر کے مال جمع کر لیتے ہیں تو پریشانیاں زندگی بھر ان کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ ذلت ورسوائی بے اطمینانی اور بے چینی کے ساتھ زندہ رہتے ہیں اور لوٹا ہوا مال جمع کر کے چھوڑ کر مرجاتے ہیں جو کسی دوسرے کے کام آتا ہے۔

بعض لوگ ملازمت یا کاروبار کو ان کے اصولوں کے مطابق چلانے میں کوتاہی کرتے ہیں یعنی اسباب ووسائل درست طریقے سے اختیار نہیں کرتے اور جب نقصان ہوجائے تو کہتے ہیں کہ کسی نے جادو کر دیا ہے۔ وہ یہ کہتے ہوئے سوچتے نہیں کہ کائنات اللہ کی ہے اس کا سارا نظام اس کے اپنے ہاتھ میں ہے وہ اپنے نظام کو اکیلا چلا رہا ہے اور جادوگر تو خود محتاج ہیں، بیمار بھی ہوجاتے ہیں مر بھی جاتے ہیں تو یہ لوگ اپنا مداوا تو کر نہیں سکتے دوسروں کے لئے کیا کریں گے۔

جادوگر کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے:

کوئی جادوگر کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کہ نظام کائنات اللہ کے دست قدرت میں ہے اور جہاں نقصان ہوتا ہے وہاں دیکھنا چاہئے کہ جو سبب اختیار کیا گیا ہے کیا وہ شرعاً درست ہے؟ اور یہ بھی دیکھنا از حد ضروری ہے کہ کیا تجارتی اصولوں کے مطابق بھی درست ہے؟ اگر کسی نے کپڑے کی دکان لگائی اور ساتھ ہی ہر آنے جانے والے کو سوٹ تحفتاً دیتا رہے تو اس کی دکان کیسے چلے گی۔ اسی قسم کی غلطیاں کی جاتی ہیں اور پھر کہا جاتا ہے کہ کسی نے کاروبار پر جادو کر دیا ہے۔

اگر بندے کا معاملہ اللہ کے ساتھ درست ہے تو بندے کو اللہ پر بھروسہ نصیب ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور نہیں جو نفع دے سکتا ہو یا نقصان سے بچا سکتا ہو لیکن ہوتا یہ ہے کہ اللہ کریم پر بھروسہ بھی تب ہی آتا ہے جب اللہ کی عظمت سے کچھ آشنائی نصیب ہوجائے۔ ہمارے گاؤں کا ایک واقعہ ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کہنے اور ماننے میں کیا فرق ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مزارع کسی پاگل شخص کا مطیع ہوگیا تھا۔ جاہلیت کے سبب لوگ ایسے پاگل لوگوں

کے گرد جمع ہو کر ان کی بے شعور اور بے تکی باتوں سے اپنے لئے مطلب اخذ کرتے رہتے ہیں حالانکہ اس پاگل کا حال یہ تھا کہ اسے اپنے بدن اور اس کی ضروریات کی بھی خبر نہ تھی۔ پاکی ناپاکی سے قطعاً بے بہرہ تھا حلال وحرام کی اسے تمیز نہ تھی لیکن چونکہ ہمارے مزارعے کو اس سے دلی عقیدت تھی تو ایک دن زمینوں پر بیٹھا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی بات کرنے لگا اور اس کا انداز ان کے بارے ایسا تھا جیسا کسی عام سے بندے کا تذکرہ ہو رہا ہے اور جب اپنے پاگل بابا کی بات کی تو کہنے لگا میرے میاں صاحب نے اپنے مبارک ہونٹوں سے فرمایا...... تو اس کا یہ انداز کیوں تھا؟ صاف ظاہر ہے کہ اس کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عقیدت وہ نہ تھی جو اس بابا کی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کون ہستی ہیں؟ وہ ان کے مقام سے آگاہ نہیں تھا۔ وہ جانتا نہیں تھا اس لئے ادب کیسے کرسکتا تھا اور اپنے بابا کو وہ واقعی جانتا تھا اسے اس سے عقیدت تھی خواہ وہ غلط بابا تھا لیکن اس کے نزدیک وہ ولی اللہ تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ کوئی واقعی ولی اللہ ہو اور بڑے سے بڑا ولی اللہ ہو جائے وہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے جوتوں پر جو خاک پڑی اس کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔ لیکن بات جاننے کی ہے۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جانتا نہیں تھا تو بات جاننے کی ہے ہم نے بھی سنا ہوا ہے کہ اللہ ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں لیکن یہ سنی سنائی باتیں ہیں جو ہم بھی کہہ دیتے ہیں ان پر عمل تب ہی ہوسکتا ہے جب کوئی ذرہ معرفت الٰہی کا نصیب ہو جائے، اللہ کو جانا جائے کہ واقعی اللہ ہے واقعی وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ واقعی وہ میرے پاس موجود ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ بندہ واقعی اس کے سامنے اس کی نافرمانی کرے تاکہ وہ غلط ہتھکنڈوں سے وہ نوکری حاصل کرسکے جس کا وہ اہل نہیں یا غلط کام اور طریقوں سے مال حاصل کرے یا یہ سمجھے کہ ایسا کرنے سے اسے عزت حاصل ہو جائے گی۔ ایسا کرنے کا مطلب ہے کہ بات کہنے کی حد تک ہی ہے کہ اللہ ہے اور ہم اس کے بندے ہیں بات تو تب بنے گی جب یہی بات کرنے کی حد تک پہنچے گی۔

صحابہ کرام ؓ مقدس لوگوں کی وہ بے مثال جماعت تھی جو معرفت الٰہی سے یوں سرشار تھے کہ وہ واقعی جانتے تھے کہ ان کا اللہ ان کے ساتھ ہے اور ہر طرح سے ان کی مدد کرسکتا ہے اور وہ توکل کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کریں۔ یہ ممکن ہی نہیں یہ ان کو زیب ہی نہیں دیتا۔ اگر نبی علیہ السلام (معاذ اللہ) خیانت کریں تو پھر دنیا میں امانت کہاں ملے گی کہ خدانخواستہ اگر اللہ کا نبی علیہ السلام ہی خیانت پر اتر آئے تو پھر امانت روئے زمین سے اٹھ جائے گی۔ اس لئے اللہ کے کسی نبی علیہ السلام کو یہ بات زیب ہی نہیں دیتی کہ نبی علیہ السلام کا وصف امانت داری ہی ہے وہ اللہ کے کلام کے امین اس کی رحمتوں اور برکتوں کے امین ہوتے ہیں اور امانت کو اللہ کے بندوں تک پہنچانے کا حق ادا کرتے ہیں۔

مال غنیمت کی تقسیم کا اصول:

یہ آیت واقعہ اُحد میں مال غنیمت کی تقسیم کے بارے ارشاد ہو رہی ہے کہ جب کفار مکہ اُحد کے میدان سے شکست کھا کر بھاگے تو بہت سا مال چھوڑ کر بھاگے چونکہ وہ اپنے ساتھ خواتین کا گروہ بھی لائے تھے جو بجی سنوری گیت گا گا کر ان کی حوصلہ افزائی کر رہی تھیں تو بھاگتے وقت ان کے زیورات اور دیگر قیمتی اشیاء بھی رہ گئیں علاوہ تلوار اور دیگر آلات حرب کے کہ وہ بھی کافی مقدار میں چھوڑ کر بھاگے۔ اس مال غنیمت کی تقسیم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پسند سے فرمائی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلی امتوں میں مال غنیمت تقسیم نہ ہوتا تھا بلکہ طریق کار یہ تھا کہ مال اسباب جمع کر دیا جاتا اور کوئی اسے ہاتھ نہ لگاتا لوگ اسے اچھا نہ سمجھتے تھے۔ اللہ کی طرف سے آسمانی بجلی آتی اور اسے جلا دیتی تو سمجھا جاتا کہ یہ قبولیت کی نشانی ہے۔ بصورت دیگر بھی اسے کوئی ہاتھ لگانا پسند نہیں کرتا تھا۔ حضور ﷺ پر یہ مال حلال فرمایا گیا اور یہ بھی فرمایا گیا کہ یہ مال اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے یہ اللہ کے حبیب ﷺ کو عطا کر دیا گیا ہے اور اس کی تقسیم ان کی پسند سے ہوگی۔

غزوہ اُحد کے مال غنیمت کی تقسیم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشا کے مطابق کسی کو کم اور کسی کو زیادہ عطا ہوا جس پر منافقین جو میدان سے پہلے ہی واپس آ گئے تھے نے شر پھیلانے کی کوشش کی اور کہا کہ یہ کیسی تقسیم ہے کہ کسی کو زیورات ملے ہیں اور کسی کو تلوار، یوں انہوں نے الزام لگایا کہ مال غنیمت کی تقسیم میں خیانت کی جا رہی ہے۔

منافقین کے اس اعتراض کا جواب اللہ کریم نے یہ دیا ہے کہ اِنۡ یَّنۡصُرۡكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمۡ ۚ اللہ جب تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم سے جیت نہیں سکتا۔ اس آیت سے ان دانشوروں کو بھی جواب مل جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی کہ ان کے یہ کہنے سے یہ ماننا پڑے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (معاذ اللہ) اللہ کی مدد نصیب نہیں تھی اور یہ ماننا ناممکن ہے اور جب یہ نہیں مانا جا سکتا تو یہ دعویٰ غلط ہے کہ مسلمانوں کو اُحد میں شکست ہوئی۔ اس سے اگلی آیت میں اللہ نے منافقین کے اعتراض کا یہ جواب دیا۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنۡ يَّغُلَّ ؕ کہ میرے نبی ﷺ کے لئے یہ بات ممکن ہی نہیں کہ وہ خیانت کریں۔ دراصل نبی علیہ السلام جب بھی مبعوث ہوتے ہیں وہ پوری امت کے لئے ایک نمونہ ہوتے ہیں امت کو ان جیسا بننا ہوتا ہے لہٰذا اللہ کا کوئی نبی علیہ السلام کسی معاملے میں کبھی بھی خیانت نہیں کرتا۔

تمام انبیاء کی زندگی اسی لئے بالکل عام انسان کی زندگی کی طرح ہوتی ہے۔ عام آدمی کی سطح پر زندگی

گزارتے ہیں تا کہ عام لوگوں کے لئے بھی عمل کرنے کا نمونہ بنیں۔ لیکن دنیاوی حکمرانوں کو دیکھیں تو ان کی زندگی کا معیار وہ ہوتا ہے جس کے بارے عام آدمی سوچ بھی نہیں سکتا۔ ان کے رہن سہن لباس و آرائش، سہولیات اور عیش وعشرت کے سامان جو انہیں میسر ہوتے ہیں عام آدمی کی رسائی تو دور کی بات ہے ان کے بارے میں عام آدمی سوچ بھی نہیں سکتا لیکن اللہ کے نبی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ہر دور خواہ وہ تنہا تھے یا والئی ریاست تھے۔ ان کی زندگی کا معیار گزر بسر وہ رہا جسے غریب سے غریب تر فرد بھی اپنا سکتا تھا۔ کاشانہ نبوت پر بعض ازواج مطہرات کے گھروں میں ایک کمبل تھا جسے آدھا نیچے بچھایا جاتا اور آدھا اوپر اوڑھتے۔ بعض گھروں میں صرف چٹائی تھی اور اوپر اوڑھنے کے لئے کچھ نہ تھا۔ اسی طرح گھروں کے برتن سادہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صبح وشام کا کھانا بڑا سادہ ہوتا تھا بلکہ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ایک چاند طلوع ہوتا تھا اور پھر دوسرا چاند طلوع ہو جاتا تھا اور اس پورے عرصے میں ہمارے گھروں میں آگ نہیں جلائی جاتی تھی آگ پر پکانے کے لئے کچھ ہوتا نہیں تھا کاشانہ نبوت پر غذا میں دودھ اور کھجور ہوتی تھی۔ لباس میں بھی سادگی کا ایسا ہی عالم تھا اور انداز رہن سہن بھی اتنے سادہ تھے کہ ہر عام آدمی اسے با آسانی اپنا سکتا ہے۔ یعنی فرائض زندگی پورا کرنا نہایت آسان رکھا گیا۔ عبادات میں بھی فرائض ادا کرنا ہمیشہ آسان ہوتا ہے۔ نوافل زائد ہیں لازمی نہیں فرائض لازمی ہیں اسی لئے فرائض ہمیشہ عام آدمی کے معیار پر ہوتے ہیں لہٰذا اسی وجہ ہے کہ ہر آدمی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقلید اور اتباع فرض ہے، ضروری ہے اور اسی لئے ہر آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کر سکتا ہے۔

اگلی آیت خیانت کے نتائج سے خبردار کر رہی ہے۔ وَمَنۡ يَّغۡلُلۡ يَاۡتِ بِمَا غَلَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ: جو خیانت کرتے ہیں وہ روز قیامت اس خیانت سمیت بارگاہ الٰہی میں پیش ہونگے خیانت صرف مال میں نہیں ہوتی یہ ہم نے خود متعین کر لیا ہے کہ مال کے لین دین میں ہی خیانت ہوتی ہے جبکہ زندگی کے ہر شعبے میں یا امانت ہے یا خیانت۔ اللہ کی ہر نعمت جو انسان کو دی گئی ہے وہ انسان کے پاس امانت ہے خواہ وہ دولت ہے، صلاحیت ہے، علم ہے یا مشورہ اور اس نعمت کو لوگوں تک پہنچانا بھی فرض ہے اپنی حیثیت کے مطابق۔ لیکن ہوتا کیا ہے جن کے پاس علم ہے وہ دوسروں کو اس لئے نہیں سکھاتے کہ اس طرح ان کی چودھراہٹ ختم ہو جائے گی ان کی اہمیت کم ہو جائے گی۔ یہ بڑی عجیب بات ہے اور مجھے اس کا بڑا تلخ تجربہ بھی ہوا ہے۔ ہم نے ایک مرتبہ یہ کوشش کی کہ عربی سیکھنے کے لئے ایک آسان کورس ترتیب دیا جائے جس کو پڑھنے سے عام آدمی کو عربی پڑھنا اور سمجھنا آ جائے، لکھ پڑھ سکے۔ اس سلسلے میں بہت سے علماء سے رابطہ کیا لیکن کوئی تسلی بخش تعاون نہ کیا گیا نہ ہی حوصلہ افزائی کی گئی بلکہ حوصلہ شکنی کی گئی تو مجھے بڑی حیرت ہوئی۔

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ مرحوم بھی ساتھ ہوتے تھے بنیادی خیال بھی انہیں کا تھا۔ خیر اسی طرح تلاش کرتے کرتے ہم مفتی محمد حسینؒ سے ملنے مرکز گئے۔ وہ مجھ پر کافی مہربان تھے اور خوب شفقت فرمایا کرتے تھے۔ میں نے یہ منصوبہ ان کے سامنے پیش کیا تو بہت ہنسے اور کہنے لگے کوئی مولوی آپ سے تعاون نہیں کرے گا میں نے کہا حضرت اسکی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ کہنے لگے وجہ صاف ظاہر ہے لوگ عربی پڑھ لکھ جائیں گے تو قرآن وحدیث خود پڑھ لیں گے۔ مولوی کے پاس تعلیم کے لئے نہیں جائیں گے اس لئے اس کام میں کوئی مولوی آپ سے تعاون نہیں کرے گا اور بغیر مولوی کے تعاون کے آپ یہ کام نہیں کر سکیں گے اس لئے آپ یہ کام رہنے دیں۔

خیانت کی صورتیں:

علم ہونے کے باوجود علم کو اپنے تک اس لئے روکے رکھنا کہ اس میں بندے کی اہمیت بنی رہے یہ بھی ایک طرح کی خیانت ہے۔ اسی طرح کسی کے پاس اختیارات ہوں اور لوگ اس کی مدد کے مستحق ہوں اور پھر بھی وہ ان کی مدد نہ کرے تو یہ بھی خیانت ہے۔ ایک آدمی عدالت کی کرسی پر بیٹھتا ہے اور لوگوں کو انصاف فراہم نہیں کرتا تاخیر کرتا ہے، ٹالتا رہتا ہے اور لوگوں کو انصاف سے محروم کرتا ہے تو یہ بھی خیانت ہی ایک قسم ہے۔ بعض اوقات کاروبار میں لین دین میں باپ بیٹوں میں بھائی بہنوں میں رشتے ناطوں میں جہاں کہیں معاملہ درست نہیں وہ سب خیانت کی ہی صورتیں ہیں۔ تقاضا ایمان یہ ہے کہ علمی، عملی، کاروباری، معاشی ومعاشرتی میدانوں میں کہیں بھی خیانت نہ کی جائے۔ بندے میں اتنی اخلاقی جرات ہو کہ بندہ کسی کو کوئی چیز نہیں دینا چاہتا تو آرام سے بتا دے صاف بات کہہ دے۔ اس کے بجائے بات کو گھما پھرا کر جھوٹ بول کر پھر اسے امید دلا کر بعد میں نقلی چیز دے دینا فرمایا یہ بات ایمان کے ساتھ زیب نہیں دیتی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات تو اخلاقی بلندیوں کے کمال پر ہوتی ہے۔ اس لئے نبی علیہ السلام نے جو مال غنیمت کی تقسیم فرمائی وہی درست ہے اور منافقین کا یہ اعتراض بے جا ہے اور وَمَنْ يَّغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ خیانت کرنے والا یوم حشر اس خیانت سمیت حاضر ہوگا اور وہ طوق کی طرح اس کے گلے میں پڑی ہوگی۔ پھر ہر آدمی کو ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ اس کے کئے کے مطابق جزا اور سزا دی جائے گی۔

جزاو سزا اللہ کریم کی طرف سے ہے:

جزا اور سزا دونوں اللہ کریم کی طرف سے ہیں جو بندوں کے افعال پر مرتب ہوتے ہیں۔ اللہ کریم عادل ہیں، رحمان اور رحیم ہیں وہ کسی بندے کو اس کے جرم کئے بغیر سزا نہیں دیتے اور نیکی پر کتنا اجر دیتے ہیں یہ اللہ کی اپنی مرضی کیونکہ اللہ کی عطا اس کی اپنی شان کے مطابق ہوتی ہے اور وہ عمل کی مناسبت سے نہیں اپنی شان کریمی کے

باعث بہت زیادہ عطا کرتا ہے۔

ہمارے لئے غور کرنے سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کے لئے یہی نکتہ ضروری ہے کہ ہم غلطی یا گناہ کو اس نظر سے دیکھیں کہ یہ نافرمانی کس ذات کی ہے۔ مثلاً لین دین میں معمولی سی رقم کی احتیاط نہ کی اور ہم نے کسی کی رقم چندروپے ہی زائد لے لئے ناجائز لے لئے یہ چندروپے بظاہر معمولی چیز ہے لیکن انجام کے اعتبار سے معمولی نہیں۔ اس لئے کہ اس سے نافرمانی کس کی کی جارہی ہے؟ وہ ذات بہت بڑی ہے اس کا کہنا نہ ماننا خواہ چھوٹی سی رقم کے معاملے میں ہی کیوں نہ ہو، ہے تو اس کی ذات کی نافرمانی اس لئے کوئی گناہ صغیرہ نہیں رہتا۔ اگر اس نظر سے دیکھا جائے۔

فرمایا نبی علیہ السلام تو دوسروں کو بھی اللہ کی اطاعت میں لگا دیتے ہیں۔ کوئی ان کے قدموں میں اپنا دل نچھاور کرے، کوئی اپنا سینہ کھولے تو نبی علیہ السلام ایک آن میں گناہوں میں لتھڑے ہوؤں کے دل بدل دیتے ہیں پاک اور صاف کر دیتے ہیں تو نبی علیہ السلام سے خیانت کا تصور ممکن نہیں۔

ہاں جو لوگ خیانت کرتے ہیں وہ حشر میں خیانت سمیت لائے جائیں گے۔ ان کے عمل کے مطابق انہیں سزادی جائے گی۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ ان پر زیادتی نہیں ہوگی۔ جس بندے نے جرم کے بعد دنیا میں ہی توبہ کر لی۔ کسی کا حق اس کے ذمے رہ گیا تھا اس نے تلافی کر لی۔ اللہ سے معافی چاہی۔ آئندہ کے لئے سنبھل گیا تو اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ معاف کرنیوالا ہے لیکن اگر بغیر توبہ کے دنیا سے چلا گیا تو میدان حشر میں اپنے جرم سمیت حاضر ہوگا اور ہر جرم پر سزا مرتب ہوگی۔

تادم واپسیں توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اللہ بندے کے اندازوں سے زیادہ کرم فرمانے والا ہے۔ اللہ کریم معاف فرمائے اور توبہ کی توفیق نصیب فرمائے۔

مخلص اور ریاکار برابر نہیں ہو سکتے:

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾
هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ
رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا
مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ اصولی بات ہے کہ جو لوگ اللہ جل شانہ کی رضا کے لئے کام کرتے رہے اور زندگی کو رضائے باری میں صرف کرتے رہے اور دوسرے جنہوں نے اللہ کی ناراضگی مول لی اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی میں زندگی بسر کر گئے وہ ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔

ہمارے ہاں اللہ کے نیک بندوں کے بارے ایک افسانوی سا تصور بنا دیا گیا ہے کہ اچھے اور نیک لوگ وہ ہیں جو کسی سے نہیں ملتے، نہ دنیا کا کام کرتے ہیں بس جنگلوں میں رہتے ہیں حالانکہ نیکی صرف اسلام میں ہے اور اسلام ایک نصاب حیات ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے اور خود سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی کے ہر کام میں حصہ لیا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں مزدوری سے حکمرانی تک ہر معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقوش کف پا تمام انسانوں کی رہنمائی کے لئے موجود ہیں تو اسلام کا مفہوم یہ ہے کہ زندگی کے سارے کام کمانے خرچ کرنے، معاملات، لوگوں سے تعلقات ذات سے لے کر خاندان تک، خاندان سے لے کر محلے اور شہر تک قومی اور پھر بین الاقوامی سطح تک جہاں جس کا جو رول ہے وہ اسے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق ادا کرے۔

فرمایا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص نے پوری زندگی مجاہدہ کیا، محنت کی، اتباع رسالت پناہی میں زندگی صرف کی اور دوسرا شیطانی راستوں پر چلا اور اسی میں زندگی گنوادی تو اب یہ دونوں برابر تو نہیں ہو سکتے۔ اصل میں راستے تو دو ہی ہیں اللہ کا راستہ اور شیطان کا راستہ اور عجیب بات ہے جہنم کا حصول آسان بات نہیں اور جنت کا حصول آسان ہے۔ جنت کا حصول فطرت کا راستہ ہے آسان ہے، جہنم کا راستہ اس لئے مشکل ہے کہ برائی کرنا ہزار مشکلات کو دعوت دینا ہے۔ ہر نیک کام صرف نفس پر دشوار ہے کیونکہ یہ خواہشات نفس کے خلاف ہوتا ہے ورنہ عملی زندگی میں نیکی کرنا آسان ہے۔ جو لوگ کفر کر کے حرام کھا کر یا قتل وغارت گری اور برائی کر کے اور دوسروں کے حقوق غصب کر کے جہنم جانے کی کوشش کرتے ہیں ان کی اس پر بڑی محنت لگتی ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کی نافرمانی کر کے اس کی ناراضگی مول لی اور اسی میں عمریں ضائع کر دیں تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جو بہت بری جگہ اور بہت برا ٹھکانہ ہے۔ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ نیک و بد سب کے اپنے اپنے درجات ہیں۔ سارے نیک بھی ایک معیار کے نہیں ہوتے، سارے بدکار بھی ایک درجے کے نہیں ہوتے۔

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ اللہ ذاتی طور پر ہر ایک کے عمل کو جانتا ہے دیکھتا ہے جس درجے کی کسی کی نیکی ہے اسی درجے کے اس کے مقامات ہیں اور جس درجے کی کسی کی نافرمانی ہے اسی درجے کے اس کے مقامات ہیں۔ اور اللہ سے کسی کی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔ انسان کو یہ یقین نصیب ہو جائے کہ میری ہر حرکت کو اللہ کریم دیکھ رہا ہے تو اس کی ساری زندگی سنور جائے گی۔

اللہ کا احسان عظیم:

ساری کائنات پر اللہ کے احسانات ہیں۔ ساری کائنات کو عدم سے وجود بخشا اس کی بقا اور اسے قائم رکھنا۔

اس میں مختلف خصوصیات رکھنا اسی کے احسانات ہیں اور عالم انسانیت پر تو اس کے بے پناہ احسانات ہیں کہ ساری مخلوق کو اس کی خدمت پہ لگا دیا اور اسے اشرف المخلوقات قرار دیا اور اسے وہ شعور دیا کہ وہ عظمت الٰہی کو جان سکے اور اللہ کی ذات کو پہچان کر اللہ سے محبت کرے اور اللہ کی اطاعت کرے۔ یہ سب احسانات تو ساری انسانیت پر ہیں لیکن جنہیں نور ایمان نصیب ہوتا ہے ان پر اپنا بہت بڑا اور بہترین احسان فرمایا جو احسان عظیم ہے کہ فرمایا، لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا اس کا بہت بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے مومنین میں اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ ایک ایسی ہستی کو مبعوث فرمایا جو سراپا رحمت اور ساری کائنات کے لئے رحمت ہے۔ کافر یا منکر تو اپنے انکار کی وجہ سے محروم ہے لیکن جسے نور ایمان نصیب ہوا اس پر تو یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی اور پھر فرمایا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ انہی میں سے رسول بنا کر مبعوث فرمایا۔ یہ اس کا بے حد کرم ہے اگر وہ کسی فرشتے کو رسول بنا کر مبعوث کرتا تو فرشتے کو کون دیکھتا کون ان کی بات سن سکتا اور کون ان سے برکات حاصل کرتا تو اللہ نے یہ احسان فرمایا کہ کائنات میں سب سے عظیم ہستی کو انسانوں میں پیدا فرمایا۔ مومنین پر اللہ کا کرم ہے کہ اللہ کا رسول ﷺ بھی انہی میں سے ہے اولاد آدم میں سے ہے لیکن خیر البشر ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

نور و بشر کی حقیقت:

بشریت میں سے وہ ہستی ہیں جیسا کوئی دوسرا بشر ہو نہیں سکتا۔ اسی بات پر بحث چل نکلتی ہے کہ حضور ﷺ نور ہیں بشر ہیں اور اسی پر ہم تقسیم بلکہ در تقسیم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ حضور ﷺ نور ہیں تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولاد آدم میں سے نہیں ہیں معاذ اللہ۔ بلکہ اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں انوارات و برکات الٰہی کے وہ خزانے ہیں کہ آپ ﷺ ساری کائنات میں روشنی کا سبب ہیں ساری کائنات کی رہنمائی کا سبب ہیں، دل کی روشنی کا سبب ہیں، اللہ کی معرفت اور اس کی پہچان کا سبب ہیں۔ اللہ کریم کا بنایا ہوا وہ نور ہیں کہ کائنات اس نور کے سبب سے روشن ہے۔ لیکن آپ ﷺ کی ذات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم انسانیت میں سے ہے اور حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے ہیں اور اللہ کا تخلیق کردہ وہ نور ہیں کہ جس کی کوئی مثل اور مثال نہیں اور بشر بھی ایسے ہیں کہ کوئی دوسرا ان جیسا نہیں۔ حضور ﷺ خیر البشر ہیں، بشریت میں وہ ہستی ہیں کہ جن کے جیسا کوئی دوسرا بشر ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے بشریت پیغمبر رسول اللہ ﷺ کا انکار بھی نبوت کا انکار ہے یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر نہیں ہیں تو پھر اس نے نبوت کا انکار کر دیا کیونکہ نبوت تو صرف اولاد آدم کو بشریت کو اور انسان کو ملی ہے اور اگر کوئی کہے کہ حضور ﷺ کی تخلیق ہی نور سے ہے تو

پھر یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ ایک نور اللہ کا ذاتی نور ہے اور اللہ کی ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں دوسرا وہ نور ہے جو مخلوق ہے۔ اللہ کی تخلیق ہے۔ اللہ نے اسے پیدا کیا ہے تو یہ بات اس طرح ماننا درست ہے کہ حضور ﷺ کی بشریت اس قدر روشن اتنی منور اتنی لطیف ہے کہ تمام تخلیقات سے بلند ترین ہے اور آپ ﷺ کی بلندی ورفعتوں کے بارے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ معاملہ بے حد نازک ہے اور بات بین بین ہے۔

اسی طرح اگر کوئی کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح نور ہیں جس طرح فرشتے نور ہیں تو فرشتے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم ہیں اور فرشتوں کے سردار جبرئیلؑ شب معراج سدرۃ المنتہیٰ پر جا کر رک گئے اور اجازت چاہی کہ اس سے آگے میں ایک قدم بھی بڑھاؤں تو میرے پر جل جائیں گے۔ یہی میری حد ہے آگے آپ تشریف لے جائیں۔ سو فرشتہ جو نوری مخلوق ہے وہ تو راستے میں رہ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بشریت کے ساتھ وجود اطہر کے ساتھ آگے جہاں تک اللہ نے چاہا تشریف لے گئے اور وہ تجلیات جنہیں وہ نوری مخلوق برداشت نہ کر سکی نبی کریم ﷺ ان تجلیات کو وجود عالی میں لئے جہاں تک اللہ نے چاہا تشریف لے گئے۔ قرآن حکیم میں آپ ﷺ کی بشریت کی عظمت یوں بیان ہوئی ہے۔ ما زاغ البصر وما طغی O (النجم: 17) آپ ﷺ نے جب تجلیات باری دیکھیں تو آپ کی نگاہ نہ بھٹکی نہ حد سے بڑھی یعنی جس طرح مشاہدہ ہونا چاہئے تھا ویسا ہی مشاہدہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تو جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت کا انکار کرتے ہیں وہ شاید یہ سوچتے ہیں کہ وہ بھی بشر ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بشر ہیں اس لئے احتراماً کہتے ہیں کہ حضور ﷺ بشر نہیں۔ اپنے آپ پر بشریت کو قیاس کر کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ ایسا کرنے والے بھول جاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیر البشر ہیں۔

ہمارا تو حال یہ ہے کہ ہمیں خود کو بشر ثابت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہمارے وجود تو شاید انسانی ہیں ہمارا کردار، نظریات وعقائد اور اعمال ہمیں انسان ثابت کرتے بھی ہیں یا نہیں۔ برزخ میں بندے کی روحانی شکل اس کے عقائد واعمال کے مطابق ہوتی ہے۔ احادیث مبارکہ میں برزخ کے احوال کثرت سے مذکور ہیں۔ اہل اللہ نے اپنی تصانیف میں انہیں اکٹھا کیا ہے۔ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے جنت اور دوزخ کے احوال ایک جگہ اکٹھے فرما دیئے ہیں۔ مطالعہ کریں تو وہ فرماتے ہیں کہ اگر مرنے کے بعد کسی روح کی شکل انسانی رہے تو یہ اس کے خوش بخت ہونے کی دلیل ہے، اسے اللہ کی بے شمار نعمتیں نصیب ہیں۔ دنیا میں تو ہر شخص کی شکل انسانی ہے لیکن اس کے اندر موجود روح کے باعث روحانی شکل بندے کے عقائد، کردار اور اعمال کے حساب سے بدلتی رہتی ہے۔ کردار کے ساتھ اگر عقائد بگڑ جائیں تو اس کی شکل مسخ ہو جاتی ہے۔ عموماً جس جانور جیسی عادتیں بندے میں پائی جائیں اس جانور جیسی اس

کی روحانی شکل ہوتی ہے۔ اگر بندے کے عقائد بگڑ جائیں تو اس کی شکل مسخ ہو جاتی ہے۔ حرام جانوروں کی شکل ہو جاتی ہے۔ خنزیر، کتے، سانپ، اژدھے، گیدڑ کی طرح ہوتی ہے اور جس کی شکل حلال جانور پر ہو تو اس کی روح کی شکل گائے، بیل، اونٹ پر ہوتی ہے۔ اس کا مطلب ہے یہ بندہ صاحب نجات ہے یعنی صاحب ایمان ہے۔ لیکن کردار میں ایسی کمیاں اور کوتاہیاں رہ گئیں کہ جن کے باعث انسانی شکل قائم نہ رکھ سکا اور اگر کسی کی شکل انسانی ہو تو وہ ایمان کے ساتھ کردار بھی شریعت کے مطابق لے کر دنیا سے گیا ہوگا۔ انسان ہونا بڑی عظمت کی دلیل ہے۔ ایسے لوگ جن کی نجات ہو گئی لیکن کردار کے باعث انسانی چہرہ برقرار نہیں رکھ سکے بلکہ حلال جانوروں کی شکل میں نظر آتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ جس کا چہرہ انسانی ہے تو انسان ہونا خود اتنی بڑی عظمت ہے کہ ایسا شخص برزخ میں بڑا آدمی ہوگا۔ اس طرح ہم اپنے کردار کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہم کس طرح کے انسان ہیں پتہ نہیں ہم بشر ہیں بھی یا نہیں۔ ان لوگوں کے کردار کو دیکھئے جو راستہ چلتے لوگوں کو قتل کر رہے ہیں، غارت گری مچا رکھی ہے، کیا ان کے اندر انسان ہے؟ شاید ان کے اندر کوئی بھیڑیا ہے جو انسانوں کا خون بہانا چاہتا ہے۔ ان کے اوپر انسانی مٹی چڑھی ہوئی ہے، ان کے اندر انسان باقی نہیں رہا۔ لوگوں کو سانپ کی طرح ڈستے ہیں ہر ایک کا نقصان کرتے ہیں ان کی شکل اژدھوں جیسی بن جاتی ہے۔ ہر اس بندے کا چہرہ مسخ ہو جائے گا جسے عذاب ہوگا اور عموماً اس جانور کی شکل پر ہوگا جس کی عادات اس میں پائی جائیں گی اور کسی ایسے شخص کو عذاب نہیں دیا جائے گا جس کا چہرہ انسانی ہوگا کہ یہ چہرہ انبیاء کا ہے۔ محمد رسول ﷺ کا ہے تو فرمایا اللہ کا مومنین پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہیں کی جنس سے عالم انسانیت سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور اپنی رحمت کو یوں عام فرما دیا کہ جب بھی انسان توبہ کر کے خلوص دل سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در اقدس پر آ جائے بھرپور استفادہ کر سکتا ہے۔

احسان عظیم کی تفصیل:

اس احسان کی تفصیل ارشاد فرمائی کہ میرا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مومنین کو اللہ کی باتیں سنائیں۔ یَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ ان پر اللہ کی آیات تلاوت فرمائیں اور ایک عام مسلمان کو بھی اللہ سے ہمکلام کر دیا۔ بندہ نماز میں کھڑا ہو کر ساری دنیا سے کٹ کر صرف اللہ سے گفتگو کر سکتا ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نمازی کے سامنے سے نہ گزرو کہ وہ اپنے رب سے سرگوشیاں کر رہا ہے۔ فَاِنَّهٗ يُنَادِيۡ رَبَّهٗ وہ اپنا درد دل اپنے پروردگار سے کہہ رہا ہے وہ اپنی گزارشات اپنے رب العالمین کی بارگاہ میں پیش کر رہا ہے اس لئے تم درمیان میں مت آؤ۔ ایک حدیث مبارک کا مفہوم ہے کہ کسی کے دل میں یہ آرزو پیدا ہو کہ وہ رب العالمین سے باتیں کرے تو اسے چاہئے

کہ وہ قرآن پڑھے۔ ''فلیقرء القرآن'' ہم قرآن پڑھتے ہیں تو ہمارا انداز یہ ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے یہ تمام لوگوں کے لئے ہے اس میں کچھ آیات کفار کے لئے ہیں کچھ صحابہ کرامؓ کے لئے کچھ اولیاء اللہ کے لئے اور ہمارے لئے اس میں کیا ہے؟ ہمارے لئے ثواب ہے ہم تلاوت کریں گے تو ہمیں ثواب ہوگا۔ ثواب تو یقیناً ہوگا کہ قرآن کو دیکھنا بھی ثواب ہے اسے چھونا بھی باعث ثواب ہے لیکن قرآن پڑھنے کا ثواب یہ ہے کہ اس کو اللہ سے ہمکلامی نصیب ہوتی ہے۔ اس کے مفاہیم دل میں اترتے ہیں اور زندگی میں بہتر تبدیلی کا باعث بنتے ہیں، کردار سدھرنا شروع ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم کو اس طرح پڑھنا چاہئے کہ گویا یہ اللہ کریم کا میرے نام خط ہے۔ جس طرح کسی کو اس کے والد، بھائی یا دوست کا خط آتا ہے اگر وہ پڑھا لکھا ہے تو خود پڑھتا ہے کہ دیکھوں میرے لئے اس میں کیا لکھا ہے۔ اگر پڑھا لکھا نہ ہو تو کسی سے پڑھواتا ہے کہ بتاؤ اس میں کیا بات کہی گئی ہے وہ نہ خود اس لئے پڑھتا ہے کہ اس کے پڑھنے سے ثواب ہوگا نہ کسی سے ثواب کے لئے پڑھواتا ہے وہ تو یہ جاننا چاہتا ہے کہ خط میں کیا ہے؟ میرے سے کیا پوچھا ہے؟ مجھے کیا کرنے کو کہا ہے؟ بالکل یہی صورت تلاوت قرآن کی ہے۔ قرآن حکیم ہر بندہ مومن کے پاس اللہ کریم کا خط ہے۔ یہ سب کے لئے ہے یہ ہمارے لئے ہے ہمیں کفر کرنے سے روک رہا ہے یہ بتا رہا ہے کہ اگر کفر کرو گے تو یہ سزائیں ہیں اور نیکی کی ترغیب دلاتا ہے، بتاتا ہے کہ نیکی آسان ہے یہ تمہاری فطرت میں ہے۔ نیکی کر کے خوش رہو گے برائی کر کے خوش نہیں رہو گے۔ یہ پڑھنے والے کو زندگی کے اسلوب بتاتا ہے۔ اس طرح سے قرآن پڑھنے کا سلیقہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھایا یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فریضہ ہے جسے قرآن کریم نے يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ فرمایا ہے۔ اس طریقے سے پڑھا جائے تو پڑھنے کا مزہ بھی آتا ہے۔ تلاوت آیات کی عظمت کی سعادت نصیب ہوتی ہے، اللہ سے ہمکلامی کا شرف عطا ہوتا ہے اس کے مفاہیم بھی دل میں اترتے جاتے ہیں اور زندگی کو بدلنے کا سبب بنتے ہیں۔

یہ کمال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے کہ

کر دیا ہم سخن بندوں کو خدا سے تو نے

اللہ کی کتاب اس طرح پڑھائی کہ عام بندہ بھی جسے کوئی گھر میں اہمیت دینے کو تیار نہیں محلے معاشرے میں جس کی بات کوئی نہیں سنتا وہ جب چاہے اللہ کی کتاب کھول لے اور اللہ سے باتیں کرے۔ اللہ کریم نے اپنے نبی ﷺ کے طفیل اپنے بندوں کو کتنی عظمت عطا فرمائی۔

تزکیہ:

اسی پر بس نہیں پھر فرمایا وَيُزَكِّيْهِمْ میرا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا تزکیہ فرما دیتا ہے یعنی قبل اسلام کی

ساٹھ ستر یا زیادہ کی زندگی جو کفر میں گزری اس ساری زندگی کے سارے گناہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے اور قبول کرنے سے دھل گئے وہ پاک صاف ہو گیا اس کا تزکیہ ہو گیا۔

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ کافر اگر دائرہ اسلام میں آتا ہے تو اس کا تزکیہ ہو جاتا ہے اور ہم جو نسلاً مسلمان ہیں چودہ صدیوں سے مسلمان باپ دادا کے ہاں پیدا ہوئے ہیں ہماری مسلمانی ایسی ہے کہ ہم جھوٹ بھی بولتے ہیں، حرام بھی کھاتے ہیں، چوری بھی کرتے ہیں، قتل بھی کرتے ہیں۔ ایسا کردار کسی ایسے شخص کا تو نہیں ہو سکتا جس کا تزکیہ ہو چکا ہو۔ تزکیہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پھر وہ اللہ کا بندہ بن جاتا ہے اس کی زندگی اطاعت الٰہی کا مظہر بن جاتی ہے لیکن ہم چودہ صدیوں سے کلمہ پڑھتے چلے آ رہے ہیں کوئی ہمارے سامنے موت کا نام لے تو پسینہ آ جاتا ہے کیوں؟ اس لئے کہ تزکیہ ہوتا ہے محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے۔ یہ بات قرآن بتا رہا ہے کہ اللہ کا نبی ﷺ تلاوت فرماتا ہے۔ اللہ نے کتاب دی اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے مخلوق الٰہی تک پہنچی مومنین تک پہنچی لیکن کوئی ایک گواہ نہیں ہے جو یہ کہے کہ جب وحی نازل ہو رہی تھی تو اس نے بھی سنی۔ وحی الٰہی صرف اللہ کے رسول ﷺ نے سنی، سارا کلام الٰہی اکیلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کلام الٰہی ہے یہ قرآن ہے۔ اس آیت کو یہاں لکھو اور اس آیت کو دوسری جگہ لکھو اس طرح حضور ﷺ کے ذریعے ہی قرآن حکیم انسانوں کو ملا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تعلق کے باعث ہی قرآن فہمی نصیب ہوتی ہے۔ تزکیہ کون کرتا ہے۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ یہ کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے لیکن تزکیہ کے لئے تعلق بالرسول ضروری ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق نہ ہو تو تزکیہ نہیں ہوتا تعلق کی بنیاد اعتماد اور یقین پر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت و نبوت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مراتب پر صرف زبانی قول ہی نہ ہو کہ بس کہہ دیا جائے بلکہ اس پر یقین ہو، یقین کامل ہو۔ یہ یقین کامل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک تعلق اور ایک ربط پیدا کر دے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر کے انوارات کی بارش ہمارے قلب پر بھی پڑے گی۔

جب تک عالم قائم ہے کوئی نئی نبوت نہیں آئے گی کتاب الٰہی بھی یہی رہے گی۔ اسلام بھی یہی ہوگا۔ نبوت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی رہے گی تو جس طرح قرآن کریم کی تلاوت کا فریضہ آیات الٰہی کو بندوں تک پہنچانے کا فریضہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادا کرتے رہیں گے ویسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کا تزکیہ بھی فرماتے رہیں گے۔

تزکیہ تعلیم کتاب سے پہلے ہے:

پھر فرمایا، وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ، میرا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اللہ کی کتاب کی تعلیم دیتا

ہے اور حکمت سکھاتا ہے۔ حکمت یا دانائی کیا ہے؟ سارا ذخیرہ احادیث حکمت ہے جو کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کرنے کا حکم دیا جس طریقے سے کرنے کا حکم دیا یہ کتاب الٰہی کی تفسیر ہے اور یہی کتاب کی تعلیم ہے۔ لیکن قرآن کریم کی ترتیب بتا رہی ہے کہ تعلیم کتاب اور حکمت و دانائی کا علم تب نصیب ہوتا ہے جب تزکیہ ہو۔ **وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ** : جس طرح تعلیمات کتاب وحکمت قرآن وحدیث نسلاً بعد نسلاً ہم تک پہنچی اسی طرح برکات نبوت بھی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جس نے کلمہ قبول کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں ایک لمحے کی حاضری دی اس کی نگاہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑی یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ عالی اس پر پڑی وہ اسی لمحے پاک وصاف ہو گیا یہ ایک نگاہ کا معاملہ تھا۔ ان کا ایسا تزکیہ ہوا کہ سب سے اعلیٰ مقام انہیں نصیب ہو گیا وہ صحابیؓ بن گئے اور ایک آن میں ایک لحظے میں صحابی بن گئے۔ نبوت کے بعد سب سے اعلیٰ مقام صحابیت ہے۔ دیانت، امانت، اخلاق، نیکی اور بھلائی کی انتہا صحابیت ہے۔ غیر نبی کے لئے سب سے اعلیٰ مقام صحابیت ہے تو ایک نگاہ پانے والے کو ایک آن میں درجہ صحابیت نصیب ہو گیا۔ اور صحابیت کا مقام پانے کے لئے ہم زمانہ ہونا شرط ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردہ فرما گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پانا ممکن نہ رہا اس لئے بعد میں آنے والے صحابیؓ نہ بن سکے تو کیا بعد میں آنے والے تزکیہ سے محروم رہیں گے؟ نہیں! اللہ کریم نے اس نظام کو جاری رکھا جو صحابہؓ کی خدمت میں پہنچا وہ تابعی بن گیا جو تابعی کی خدمت میں پہنچا وہ تبع تابعی بن گیا۔ جس طرح اللہ نے بڑے بڑے حفاظ اور قاری پیدا فرمائے کہ آج تک قرآن کو حفظ کر کے اس کی حفاظت کی خدمت انجام دے رہے ہیں جس طرح علماء حق پیدا فرمائے جو علم کا خزانہ لئے مخلوق خدا میں بانٹتے رہتے ہیں اسی طرح ایسے بندے پیدا فرمائے اہل اللہ پیدا فرمائے جنہوں نے زندگی بھر محنتیں اور مجاہدے کر کے وصف تزکیہ حاصل کیا اور پھر اسے اللہ کی مخلوق میں بانٹتے رہے، قلوب سے قلوب روشن ہوتے رہے۔ یہ نظام نبوت یہ فرائض رسالت قیامت تک جاری رہیں گے۔ قرآن حکیم بھی رہے گا۔ حدیث پاک بھی رہے گی۔ علماء ربانی بھی رہیں گے تزکیہ کا شعبہ اور ذکر اذکار کا سلسلہ بھی قائم رہے گا اور یوں دین اسلام اپنی مکمل شکل میں موجود رہے گا جب تک سورج طلوع وغروب ہوتا رہے گا یہ تمام نعمتیں قائم رہیں گی جاری وساری رہیں گی۔

تزکیے کا نتیجہ یہ تھا کہ قرآن حکیم صحابہؓ کے تزکیے کی بات کرتے ہوئے فرماتا ہے، **ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ** (الزمر:23)

کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک ہر ذرہ وجود ذاکر ہو گیا۔ وجود ہر سیل ذکر کرنے لگ گیا۔ ایک سیل اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ ایک چھوٹی سی جگہ پر کروڑوں سیل آجاتے ہیں تو اگر وجود کا ہر سیل ذاکر ہو جائے تو ایک آن میں وہ کتنی

دفعہ اللہ کہے گا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ تزکیے کی نعمت اتنی بڑی نعمت ضائع نہیں ہوتی نہ یہ گم ہوتی ہے یہ ہمیشہ موجود رہتی ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی۔ یہ الگ بات ہے کہ لوگ خواہشات نفس کے اسیر ہو گئے۔ اس کے طالب نہ رہے اس کے متلاشی نہ رہے۔ یہ کم یاب ہو سکتی ہے نایاب نہیں کیونکہ یہ اللہ کی رحمت ہے۔ سو فرمایا اللہ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ مومنین میں سے نوع بشر میں سے اپنے عظیم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت فرماتا ہے۔ ان کا تزکیہ فرماتا ہے اور پھر انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ اور بعثت عالی سے پہلے وہ خود بھی جانتے تھے کہ وہ گمراہ تھے ضلل مبین سے مراد ہے کھلی ہوئی گمراہی۔ یعنی اپنے بے راہ رو ہونے کو وہ خود بھی جانتے تھے انہیں پتہ تھا کہ اس کے پاس حق نہیں ہے۔ ان کے سامنے یہ حقیقت کھلی ہوئی اور عیاں تھی کہ جو رسومات انہوں نے بنا رکھی ہیں وہ حق نہیں ہے۔ یعنی اس قدر بھٹک چکے تھے کہ خود انہیں بھی یقین تھا کہ ناحق زندگی ضائع کر رہے ہیں۔ اس حال میں میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رہنمائی فرمائی اور ایک عام آدمی کو جس نے دعوت حق قبول کی تزکیہ فرما کر میری بارگاہ میں پہنچا کر میرے روبرو کھڑا کر دیا۔

نبی کریم ﷺ کے صحبت یافتہ خوش نصیبوں کی عظمت:

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ښ وَقِيْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّااتَّبَعْنٰكُمْ ۭ ھُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْھُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِھِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

اس سے پہلے کی آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر خیر اللہ کریم کے احسان عظیم کے طور پر آیا کہ اللہ نے ایمان والوں پر سب سے بڑا احسان فرمایا کہ ان میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا جس نے انہیں اللہ کے کلام سے آشنا کیا، ان کا تزکیہ فرمایا اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم فرمائی۔ پھر یہ بات بیان ہوئی کہ جہاد یا دین کے لئے محنت کی جائے اور اسے بیگار نہ سمجھا جائے۔ مومنین پر یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ اس نے اپنے عظیم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرما کر اس کی رفاقت کا شرف عطا فرمایا اور صحابہ کرامؓ اللہ کے اس کرم سے بہرہ ور ہوئے اور صحابہ کرامؓ ہی وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے مشن کو پھیلایا۔ حضور اکرم ﷺ کی بعثت

عالمی تو قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرما دیا تھا۔ ''اے اولاد آدم تم جہاں کہیں بھی ہو میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں۔'' لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ جتنا عرصہ اس عالم فانی میں قیام پذیر رہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جزیرہ نمائے عرب سے باہر تشریف نہیں لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نامہ مبارک اپنے زمانے کے حکمرانوں کو بھیجے انہیں دعوت حق دی لیکن ذاتی طور پر جزیرہ نمائے عرب سے باہر کی زمین کو یہ خوش بختی نہ ملی کہ وہ قدوم اقدس کو چومتی۔ یہ سعادت عرب کی سرزمین کے مقدر رہی اور ہمیشہ اسی نے پائے اقدس کو بوسے دیئے۔

دین تو ساری انسانیت کے لئے تھا۔ تیئس برسوں میں دین مکمل ہو گیا اور حضور اکرم ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمایا تو یہی وہ مقدس جماعتِ صحابہؓ تھی جس پر اللہ نے اعتماد کیا جس کام کے لئے انہیں پیدا کیا اس کام کی تکمیل کی توفیق بھی انہیں بخشی۔ وصال نبوی ﷺ کے بعد تیئس برسوں میں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اللہ کا پیغام پہنچ چکا تھا بلکہ ایک ایسی ریاست اسلامی وجود میں آ گئی جس کی شمالی سرحدیں سائبیریا سے جا ملتی ہیں اور جنوبی افریقہ سے جا ملتی ہیں۔ مغرب میں ہسپانیہ سے اور مشرق میں چین سے جا ملتی ہیں۔ اتنی بڑی ریاست تاریخ انسانی میں نہ اس سے پہلے کبھی ہوئی نہ بعد میں۔ یہ ساری اسلامی ریاست خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد مبارک میں وجود پذیر ہوئی اور وہ پیغام جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لائے تھے وہ فقیر کی جھونپڑی سے لے کر شہنشاہ کے محل تک ہر فرد و بشر تک پہنچ گیا اور یہ سعادت صحابہ کرامؓ کے حصے میں آئی اور یہ آسان بات نہ تھی۔ تیرہ سالہ مکی زندگی تو مصائب سے پُر ہے۔ مدینہ منورہ کے دس سالہ عہد نبوی ﷺ میں بھی چوراسی کے قریب غزوات و سرایہ ہیں۔ ایک نوزائیدہ مملکت جو تین ہزار گھروں کے ایک گاؤں سے شروع ہو کر جزیرہ نمائے عرب میں پھیل گئی اسے اپنے ابتدائی دس سالوں میں چوراسی کے قریب جنگیں لڑنا پڑیں۔ جن خوش نصیبوں نے وہ زمانہ پایا اور جنہیں وراثت نبوی حاصل ہوئی اور جنہیں اسلام کو پھیلانے کی ذمہ داری دی گئی انہوں نے اس کام کی تکمیل کے لئے جانیں دیں، مال دیا، قربانیاں دیں، زخم کھائے، سینے چھلنی کروائے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے شہدائے کرام میدان حشر میں اس طرح اٹھیں گے کہ لباس خون آلود ہو گا، بدن زخموں سے چور چور ہوں گے اپنی ذرہ اور اسلحہ سمیت اٹھیں گے اور جنت کے دروازے کو اپنی تلوار کے دستے سے کھٹکھٹائیں گے۔ جنت کا دربان رضوان کہے گا حضور ابھی تو محشر بپا ہوا ہے ابھی تو اعمال کا وزن ہو گا حساب کتاب کے بعد فیصلہ ہو گا ابھی آپ میزان عدل کی طرف تشریف لے جائیے۔ وہ وہیں اللہ کریم کے آگے دست بدعا ہو جائیں گے اور کہیں گے یا اللہ تیرا بہت احسان ہے کہ تو نے اپنی نعمتیں ہمیں عطا کیں پھر یہ احسان فرمایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت عطا

فرما کر شرف صحابیت عطا فرمایا۔ تیرا بے حد احسان ہے کہ تو نے گھر دیئے، اہل وعیال دیئے لیکن جب تیرا نبی علیہ السلام مبعوث ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حکم جہاد دیا تو ہم نے تیری راہ میں اولادیں شہید کروادیں گھر لٹوا دیئے جان بچی تو وہ بھی تیری راہ میں ہار آئے ہمارے تو وجود بھی سلامت نہیں ہم سینوں پر زخم کھا کر جگر چھلنی کروا کر شہید ہو گئے۔ ہم نے تو کچھ بچایا ہی نہیں تو تیرا رضوان ہم سے کس حساب کی بات کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ کریم کا ارشاد ہوگا کہ ان کے لئے جنت کے سارے دروازے کھول دو یہ ان کی پسند ہے کہ کس دروازے سے داخل ہوتے ہیں اور کہاں رہنا چاہتے ہیں۔

یہ ہے عظمت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان سے اللہ کریم ان آیات مبارکہ میں مخاطب ہو رہے ہیں کہ اے مسلمانو! یوم اُحد جو نقصان تمہیں پہنچا اس سے دو چند نقصان یوم بدر کفار کا ہو چکا تم انہیں دگنا صدمہ پہنچا چکے ہو پھر اس پر پریشانی کیسی؟ اصل بات یہ ہے کہ آپ حضرات نے غیر ارادی طور پر ہی سہی درہ خالی کر کے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں کوتاہی کی ہے اس کا نتیجہ بھی سامنے آنا تھا اور یہ وجہ بھی ہے کہ اس مصیبت میں ڈال کر اللہ مومنین میں سے بعض کو شہادت سے سرفراز فرمانا چاہتا تھا باقیوں کو غازی بنا کر سرفراز کرنا چاہتا تھا اور منافقین کی شناخت کا باعث بھی یہی بات بنی۔

فرمان نبوت کی عظمت:

معرکہ اُحد میں مسلمانوں کو بہت جانی نقصان ہوا خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زخم آئے لیکن میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ فتح بہر حال مسلمانوں کی ہوئی مشرکین مکہ کا تعاقب کیا گیا۔ جن دانشوروں نے یہ لکھا ہے کہ اُحد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی انہیں فتح و شکست کے مفہوم سے آشنائی ہی نہیں۔

اس نقصان کا سبب مسلمانوں کی ایک اجتہادی غلطی تھی ہوا یوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درہ پر پچاس تیر اندازوں کا دستہ مقرر فرما دیا اور حکم دیا کہ فتح ہو یا شکست تم لوگ تا حکم ثانی درہ نہیں چھوڑو گے۔ مقابلہ ہوا گھمسان کا رن پڑا کفار میدان چھوڑ کر بھاگے۔ انہیں میدان سے فرار ہوتے دیکھ کر درے پر موجود لوگ جوش جہاد میں فتح دیکھ کر خوش ہو کر نیچے اتر آئے کہ ہم بھی بھاگتے ہوئے دشمن کا تعاقب کرتے ہیں کیونکہ جنگ تو اب ختم ہو چکی ہے۔ درے پر موجود ان کے امیر نے انہیں روکا لیکن اکثریت نے نہ سنی امیر سمیت صرف سات آدمی درے پر رہ گئے۔ حضرت خالد بن ولید اس وقت تک اسلام سے بہرہ ور نہ ہوئے تھے اور جنگی حکمت عملی کے ماہر تھے انہوں نے درہ خالی دیکھ کر سواروں کا دستہ لے کر عقب سے حملہ کر دیا تو جو مسلمان بھاگتے ہوئے کفار کا تعاقب کر رہے تھے وہ

واپس پلٹے تو پیچھے سے خالد بن ولید اور سوار اور آگے سے بھاگتے ہوئے کفار۔ پلٹ آئے اور یوں مسلمانوں کا کافی جانی نقصان ہو گیا۔ اسی اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر آواز دی گئی اور تمام صحابہؓ ایک جگہ جمع ہوئے نئے سرے سے فوج کی ترتیب بنائی گئی اور حملہ بولا گیا جس سے دشمن ایک مرتبہ پھر مغلوب ہوا اور تیزی سے میدان سے بھاگا۔ اس دوران بہت سے صحابہؓ شہید ہوئے اور زخمی ہوئے۔ زخمی صحابہؓ نے ایک دوسرے کا سہارا لے کر دشمن کا پیچھا کیا اور بیئر روحاء تک مسلمانوں نے مشرکین مکہ کا تعاقب کیا۔ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا اس نقصان کی بات ان آیات میں بیان ہو رہی ہے۔ اے مسلمانو! اگر تمہیں مشکل پیش آئی ہے تو بدر میں تم نے بھی مکہ والوں کو اس سے زیادہ نقصان پہنچایا تھا۔ ان کے ستر قتل ہوئے اور ستر قید ہوئے تھے انہیں اس روز شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ آج بھی انہیں شکست ہوئی ہے تو زیادہ برا حال تو مشرکین کا ہوا۔ آج اگر تمہارے ستر بندے شہید ہو گئے تو تمہارے لوگ ضائع تو نہیں ہوئے وہ تو شہید ہو کر قرب الٰہی پا گئے۔ دائمی حیات پا گئے لیکن ان کے ستر جو مارے گئے وہ واصل جہنم ہوئے اور بدر کے مقام پر ایک گڑھے میں پھینکے گئے۔

صحابہ کرام کی اجتہادی غلطی کا نتیجہ:

قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٦٥﴾ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں فرما دیجئے اس کا سبب تم خود ہو۔ تمہاری اپنی غلطی کی وجہ سے تمہارے ساتھ ایسا ہوا۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اس نے غلطی کی وجہ سے یہ مصیبت تم پر بھیج دی لیکن فتح بہر حال تمہیں عطا کی اس لئے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس تمہارے درمیان جلوہ افروز تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہوتے ہوئے ایسا ہو نہیں سکتا اللہ کو ایسا منظور نہیں۔

یہ ان اکابر صحابہؓ سے کہا جا رہا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم رکاب میدان جنگ میں اپنی جانیں پیش کئے ہوئے تھے ان کے جوش جہاد میں درے سے اتر آنے کی اجتہادی غلطی کا نتیجہ بتایا جا رہا ہے کہ فرمان نبوت کی عظمت یہ ہے کہ کوئی غیر ارادی طور پر بھی اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق نہیں کرتا تو اس کی آخرت تو بچ جائے گی لیکن دنیوی تکلیف ضرور آئے گی اور جو جان بوجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو کوئی اہمیت نہیں دیتا، لاپرواہی کرتا ہے تو اس کے دونوں جہان جائیں گے اور یہی خمیازہ آج ہم بھگت رہے ہیں ہم بم دھماکوں میں مارے جا رہے ہیں، ہمیں یہودی مار رہا ہے یا امریکہ مار رہا ہے کیوں؟ اس لئے کہ ہمارے دلوں میں دین کی اہمیت نہیں ہمیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرواہ نہیں اس لئے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کو بھی ہماری پرواہ نہیں۔

ہر بات تو حکومت پر جا کر نہیں ٹھہرتی کچھ رویوں کے تو ہم خود بھی ذمہ دار ہیں۔ عام آدمی کی زندگی سے مثال دیکھی جاسکتی ہے۔ غریب مزدور کے پاس بھی فرصت نہیں کہ وہ نماز ادا کرے۔ اور جو نمازی ہیں جب ذرا زکام ہو جائے تو سب سے پہلے نماز چھوٹے گی باقی سارے کام طبیعت خراب کے ساتھ ہوں گے کھانا کھا لیا، سو گئے، دکانداری بھی کر لی صرف چھوٹی تو نماز اور جو پڑھتے ہی نہیں وہ بالکل ہی بادشاہ ہیں کہ انہیں اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرنے کی ہی فرصت نہیں تو پھر یہ اہمیت ہے دین کی اسی لئے آوارہ گولیوں سے مارے جاتے ہیں۔ خودکش حملوں میں مارے جاتے ہیں زندہ رہیں تو زندگی بسر کرنا مشکل ہے۔ جب دین سے لاپرواہی ہوگی تو یہ نتائج ضرور نکلیں گے ورنہ روئے زمین کا یہ ٹکڑا جسے ہم پاکستان کہتے ہیں اس میں سے مشرقی پنجاب کا کچھ حصہ ہندوستان میں ہے باقی سارا یہ وہی حصہ ہے جس کی وجہ سے سارا ہندوستان دنیا کی اقوام کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ یہ ایک ایسا عجیب خطہ ہے کہ سطح سمندر کے برابر ریتلے میدانوں سے لے کر دنیا کے بلند ترین پہاڑ تک اس خطے میں موجود ہیں۔ دنیا کا ہر موسم یہاں سارا سال رہتا ہے۔ دنیا کا کم وبیش ہر پھل یہاں اگتا ہے۔ دنیا بھر کے جانوروں کی اکثر اقسام یہاں پائی جاتی ہیں ساری فصلیں یہاں ہوتی ہیں۔ زیر زمین خزانوں سے زمین پُر ہے اس کے باوجود عام آدمی نان جویں کو ترس رہا ہے۔ اس کی صرف ایک وجہ ہے بدانتظامی۔ حکومتی دعوے اور ان کے ترقی کے اعداد و شمار اپنی جگہ لیکن بدانتظامی کا یہ عالم ہے کہ جہاں لوگوں کو آٹا نہیں مل رہا وہاں ان علاقوں میں گلیاں اور سڑکیں پختہ کروائی جا رہی ہے، وسائل کو ترجیحات کے مطابق استعمال نہیں کیا جا رہا۔ جو رقم بجری ریت پر استعمال ہوئی اسی سے ان کے لئے آٹے کی کم قیمت پر بہتر ترسیل ہونا ضروری تھا۔ اس کے بعد پکی گلیاں بنائی جاتیں۔ اسی طرح جن سڑکوں پر آمد و رفت کم ہے وہاں سڑکوں کو کارپٹ کیا جاتا ہے جہاں بے حد ٹریفک ہے وہاں سڑکیں ٹوٹ پھوٹ کر گڑھوں کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے اور سال ہا سال سے اسی طرح گزارا ہو رہا ہے۔ ان کی مرمت کی طرف بھی توجہ نہیں کی جاتی یعنی جہاں ضرورت ہو وہاں خرچ نہیں کیا جاتا اور جہاں ضرورت نہیں وہاں پیسہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ اسی بدانتظامی نے اس حال کو پہنچا دیا ہے کہ عام آدمی نہ دو وقت کے کھانے کا صحیح انتظام کر سکتا ہے نہ علاج معالجے کا نہ بچوں کی تعلیم کا۔ زندگی کے سارے راستے آہستہ آہستہ مشکل سے مشکل ترین ہوتے چلے جا رہے ہیں حالانکہ یہی زمین سونا اگلتی تھی اور اس کے رہنے والے ہمیشہ خوشحال رہے بلکہ اقوام عالم اسی خوشحالی کی خاطر معاش کی تلاش میں اس طرف دوڑتی تھیں خواہ وہ فرانسیسی تھے برطانوی یا امریکن۔

اسلام نہ خودکش حملے کی اجازت دیتا ہے نہ ملکی فوج کو عوام پر فوج کشی کی اجازت دیتا ہے:

یہی خطہ زمین آج اپنے رہنے والوں کو خودکش حملوں کی زد میں دیکھ رہا ہے۔ اسلام سلامتی کا مذہب ہے اس میں ہر ایک کے لئے سلامتی ہے یہ کسی انسانی جان کو ضائع کرنے کی اجازت نہیں دیتا یہ کسی فرد کو بم باندھ کر اپنی اور دوسروں کی جان لینے کا حق نہیں دیتا۔

حکومت بہت مضطرب ہے کہ فوجی مارے جا رہے ہیں تو اس کا سبب تلاش کرنا چاہئے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ یہ فوج تو ملک کے دفاع کے لئے بنی تھی اسے یتیم بچیوں اور بے کس بچوں کو مارنے پر لگا دیا۔ اپنے ہی ملک کی فوج اپنے ہی لوگوں پر آگ اگلنے لگی۔ ملکی ایئر فورس اپنے ہی ملک کے لوگوں کو مارنے لگی جب فوج جو سلامتی کی ضامن تھی وہ فوج عوام پر چڑھ دوڑی تو لوگ سینے پر بم باندھ کر فوج پر چڑھ دوڑے ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے۔ اسلام نہ کسی خودکش حملے کی اجازت دیتا ہے نہ ملک کی فوج کو اجازت دیتا ہے کہ وہ ملک پر عوام پر فوج کشی کرے۔ لیکن یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ پہل کس طرف سے ہوتی ہے۔ فطری بات ہے کہ جب مظلوم بدلہ لینے پر آتا ہے تو وہ ظالم پر ظلم کرنے سے بڑھ جاتا ہے۔ مظلوم کو اس حد تک کونے میں نہ لے جاؤ کہ پھر وہ جان ہارنے پر آجائے۔ جب کوئی جان ہارنے پر آجائے تو پھر اسے اللہ ہی روکے اور کوئی نہیں روک سکتا۔

اتنا خطرناک قدم وہی اٹھا سکتا ہے جو ظلم سہتے سہتے اس حد کو پہنچے جس پر ظالم کے مظالم کی حد ہو چکی ہو، تخریب میں اتنا آگے نکل جانے والے کے ذہن کو اگر تعمیر پر لگایا جاتا تو اس سے کتنا اچھا اور مثبت کام لیا جا سکتا تھا لیکن حال یہ ہے کہ چوکیدار سے لے کر جناب صدر تک حکومت کا کوئی کارندہ بغیر سفارش اور رشوت کے کسی سے بات کرنے کو کسی کی سننے کو تیار نہیں۔ اپنے انگریز آقاؤں سے ہی سیکھ لیتے کم از کم اتنا انصاف تو کرتے جتنا انگریز نے اس ملک کے عوام سے کیا۔ وہ اس ملک کے وسائل لوٹتا رہا اور اپنی کالونی پر قبضہ مضبوط رکھنے کے لئے عوام کی ضروریات کا بھی خیال رکھتا رہا۔ اس کے عوام میں ہندو، سکھ، مسلمان، دیوبندی، بریلوی، شیعہ، سنی سب تھے۔ مساجد، مندر، گوردوارے سب کا احترام تھا ان پر گولہ باری نہیں کی جاتی تھی۔ آزادی کے بعد مسلمان ہی حکمران اور مسلمان ہی عوام رہ گئے تو پھر یہاں ایک دوسرے کا گلا کیوں کاٹا جاتا ہے؟ اور حکومت اس کا سبب تلاش کرنے باہر جاتی ہے حالانکہ اس سارے ظلم کا سبب حکومت خود ہے۔ اس کی ہر روش دین کے خلاف ہے۔ یہ پہلی حکومت ہے جس نے مساجد پر گولہ باری کی اور بچوں کے پرخچے اڑا دیئے۔ اگر حکومت یہ جبر کرے گی خانہ خدا کی عظمت بھی مانع نہیں ہوگی، فوج لے کر اپنی رعیت پر چڑھ دوڑے گی تو یہی سب کچھ ہوتا جو ہو رہا ہے۔ ملکی عدالت موجود ہے اگر کوئی بھی

شخص غلط کرے تو اسے عدالت میں پیش کریں، عدالت انصاف کرے لیکن حکومت اپنے عوام میں سے جسے چاہے ڈالروں کے عوض امریکہ کے ہاتھ بیچ دے تو پھر یہی ردعمل آئے گا۔ ایسا ہی ہوگا۔

آج ہم یہ بھول رہے ہیں کہ ایک صدر نہیں یہاں کتنے صدر آئے اور کس انجام کو پہنچے

وطن عزیز اور ہمارے ہمسایہ ملک کے حکمران اور کتنے بڑے بڑے نامور لوگ تھے اور ان کے انجام کیا ہوئے۔ ایسی صدارتیں اور وزارتیں جو سیاسی رشوت کے طور پر ملی ہوئی ہیں ان کے اندر جو فیڈ کر دیا جاتا ہے وہی ان کی زبانوں سے نکلتا رہتا ہے تو صدارت ہو یا وزارت یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ہر آدمی کے سر پر موت کھڑی ہے ہر زندگی ایک کچی ڈور سے بندھی ہوئی ہے۔ میری بھی آپ کی بھی اور شاہ وفقیر کی بھی، ہم سب اپنی اپنی کوشش کریں اگر صدر صاحب ہمارے کہنے سے نہیں مانتے، وزراء نہیں مانتے تو کم از کم ہم اللہ کے حضور توبہ کرلیں۔ ہم اللہ سے دعا کرلیں کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی توفیق عطا فرما۔ ہم پاکستان کے سولہ کروڑ عوام پاکستان کے سولہ کروڑ حصے ہیں ہم ہی پاکستان ہیں۔ زمین کے حصوں کی قیمت ان پر بسنے والے انسانوں سے ہوتی ہے۔ مکان کی عزت مکین سے ہوتی ہے۔ ملک مٹی سے نہیں افراد سے بنتے ہیں جہاں انصاف ہوتا ہے وہاں لوگ خوشحال ہوتے ہیں جہاں لوگ تباہ حال ہوں وہ ملک تباہ حال ہوتا ہے۔

مسائل حاضرہ کا حل:

میں، آپ اور پاکستان کا ہر شہری اس ملک کا سولہواں کروڑواں حصہ ہے، کم از کم ہم اپنی ذات پر کوشش کریں کہ میری ذات کی وجہ سے جو بدبختی آرہی ہے وہ ٹل جائے، میں تو توبہ کروں لیکن ہر بندہ دوسرے کو توبہ کی تلقین کرتا ہے اپنے لئے کوئی نہیں سوچتا حالانکہ صرف یہی ایک راستہ ہے جو امن کی ضمانت دیتا ہے۔ آج بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ آج بھی اصلاح کی یہی ایک صورت ہے۔

کسی یکجائی سے اب عہد غلامی کر لو
ملتِ احمد مرسل ﷺ کو مقامی کر لو

آج بھی ہم اللہ کے آگے توبہ کر کے وہ راستہ اپنالیں جو سید المرسلین آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنانے کا حکم دیا۔

ہم آج جس بڑی تباہی سے ہمکنار ہیں اس کا علاج اس آیت کریمہ میں موجود ہے کہ یہ خطاب اکابر صحابہؓ

کو ہے یہ وہ لوگ تھے جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلافت دی۔ جنہیں روئے زمین پر اللہ کا دین پھیلانے کی سعادت ملی۔ دین کی سربلندی کا اتنا بڑا کام صحابہ کرامؓ سے لیا گیا ان کی غفلت پر کتنی بڑی بات کہی گئی حالانکہ انہوں نے یہ غلطی سمجھنے میں کی۔ معاذ اللہ بد دیانتی سے نہیں کی۔ اس پر اتنے نقصان سے دوچار ہوئے ستر صحابہؓ شہید ہوئے باقی سب ہی زخمی ہوئے اور سب سے بڑا نقصان یہ کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسار عالی زخمی ہوئے۔ آپ ﷺ کو زخم آنا تمام صحابہؓ کے کٹ جانے سے زیادہ تکلیف دہ امر تھا۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے وہ اپنی ذات پر ہر دکھ سہہ سکتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ذرا سی تکلیف بھی آنا انہیں برداشت نہ تھا۔ حضرت خبیبؓ کو اہل مکہ دھوکے سے لے گئے اور بدر کے مقتولوں کے انتقام میں انہیں سولی چڑھایا گیا جب انہیں سولی دینے لگے تو مکے کے ایک سردار نے کہا کہ آج جب تمہیں یہ سزا دی جانے والی ہے تم پر تیر اندازی ہونے والی ہے پھر تم سولی لگائے جاؤ گے تو آج تو تمہارے دل میں آتا ہوگا کہ جسے تم نے رسول ﷺ مانا ہوا جس کے کہنے پر تم یہ سب کچھ کرنا چاہتے ہو۔ یہ ساری مصیبتیں وہ برداشت کرے اور تم بچ جاؤ تو حضرت خبیبؓ نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر فرمایا، اللہ کی قسم اللہ اگر مجھے ہزار زندگیاں دے اور ہزار بار اسی طرح موت سے دوچار ہو جاؤں تو مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک میں ایک کانٹا بھی چبھے۔

یہ خطاب ان لوگوں سے ہوا جن کا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مثالی تعلق تھا انہیں حضور ﷺ کے زخمی ہونے کا دکھ اپنے اور اپنے عزیزوں کے دنیا سے چلے جانے کے دکھ سے زیادہ تھا۔ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ان سے درہ چھوڑنے کی غلطی اگرچہ ارادتاً نافرمانی نہیں تھی۔ سمجھ کی غلطی تھی جوش جہاد میں آ کر یہ غلطی ہوئی تھی لیکن اس پر بھی انہیں دنیاوی مصیبت سے دوچار ہونا پڑا اگرچہ ان کے خلوص کے باعث ان کا ایمان بچ گیا۔ سو فرمایا

میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں کہئے کہ اس دنیوی مصیبت کا سبب تم خود ہو تم حضور ﷺ کے حکم کے مطابق درے پر موجود رہتے تو یہ مصیبت نہ آتی اس کا سبب تو تم خود بنے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اس نے تمہیں تکلیف بھی پہنچا دی اور فتح بھی عطا کر دی اور فتح بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے عطا ہوئی۔ اللہ کو یہ گوارا ہی نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام نامی کے ساتھ شکست لکھا جائے۔

اگر صحابہ کرامؓ اس اجتہادی غلطی میں قدرت کی سزا سے نہیں بچ سکے تو ہم کون ہیں؟ ہماری حیثیت ہی کیا ہے؟ ان کی غلطی عمداً نہیں تھی، ہم جان بوجھ کر نافرمانی کرتے ہیں ہم عمداً بددیانتی کرتے ہیں، ہم سارا دین چھوڑے بیٹھے ہیں اور تمنا یہ رکھتے ہیں کہ فرشتے ہماری مدد کو آئیں گے، ہمارے گھروں کے صحنوں میں پھول کھلیں گے، امن اور

سلامتی ہوگی۔ یہ تو صرف ایک صورت میں ممکن ہے کہ ہر بندہ اپنے آپ سے شروع کرے۔ میں بھی کروں آپ بھی کریں جو غلطیاں ہم کر رہے ہیں وہ چھوڑ دیں اور اللہ سے دعا بھی کریں کہ یا اللہ ہم کمزور ہیں تو قادر ہے کریم ہے تجھے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کرنے کی توفیق عطا فرما۔ جو یہ ارادہ دل کے خلوص اور اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے کر لے اللہ اسے اس کی توفیق بھی عطا کر دیتا ہے۔

اب ان شاء اللہ حالات بدلیں گے جو کچھ ہو رہا ہے اس کے نتیجے میں کفر اور حق کی طاقت میں مقابلہ ہوگا۔ حق انشاء اللہ غالب ہوگا شیطنت کو شکست ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرزمین ہند پر غزوۃ الہند کے برپا ہونے کی بشارت دی ہے۔ دنیا بھر کا کفر ایک طرف ہو جائے گا ایمان والے متحد ہو جائیں گے، گھمسان کا رن پڑے گا لوگ شہید بھی ہوں گے، کافر واصل جہنم بھی ہوں گے۔ فتح حق کو ہوگی اور اسی سرزمین سے احیائے حق ہوگا۔ اللہ کریم اس میں شمولیت کی توفیق دے ہماری زندگی میں ہو تو ہمیں شرکت کی توفیق دے اور شہادت سے سرفراز فرمائے اور اگر ہماری زندگی کے بعد ہو تو اللہ قادر ہے ہمیں ان میں شامل فرما لے۔ اس وقت مہلت ہے زندگی ہے ارادہ واختیار ہمارے ہاتھ میں ہے خلوص دل سے حق کی حمایت کا فیصلہ کر لیں اور حق کی حمایت میں سب کچھ قربان کرنے کا دل سے فیصلہ کر لیں اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں۔ علامہ مرحوم نے کہا تھا کہ

کسی یکجائی سے عہد غلامی کر لو
اور ملتِ احمد مرسل ﷺ کو مقامی کر لو

وَمَآ اَصَابَكُمۡ يَوۡمَ الۡتَقَى الۡجَمۡعٰنِ فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ وَلِيَعۡلَمَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿١٦٦﴾ وَلِيَعۡلَمَ الَّذِيۡنَ نَافَقُوۡا ۖۚ وَقِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا قَاتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَوِ ادۡفَعُوۡا ؕ قَالُوۡا لَوۡ نَعۡلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعۡنٰكُمۡ ؕ هُمۡ لِلۡكُفۡرِ يَوۡمَئِذٍ اَقۡرَبُ مِنۡهُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ ۚ يَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِهِمۡ مَّا لَيۡسَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يَكۡتُمُوۡنَ ﴿١٦٧﴾

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع اور احکام شریعت کی پیروی میں آج بھی ہمیں آرام، عدل، عزت واحترام، دنیا وآخرت نصیب ہو سکتا ہے۔

غزوہ اُحد میں مسلمانوں پر جو سختی آئی جس میں بہت سے اکابر صحابہؓ شہید ہوئے کم وبیش سارا لشکر زخمی ہوا لیکن سب سے زیادہ دکھ کی بات جو مسلمانوں کے دلوں کو پارہ پارہ کر رہی تھی وہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخ

انور زخمی ہوناتھا۔ اگر چہ اللہ نے کرم فرما کر فتح نصیب فرمادی مگر مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخ انور کے زخمی ہونے کی وجہ سے بے حدوبے انتہادکھ تھا۔ انہی واقعات کے تناظر میں یہ آیات مبارکہ بتارہی ہیں کہ اللہ نے یہ مصیبت بھیجی یہ مصیبت آئی تو اللہ کی اجازت سے تھی کہ کوئی کام اللہ کے حکم کے بغیر نہیں ہوتا لیکن چونکہ دنیا عالم اسباب ہے اس لئے ہر کام کا ایک سبب بن جاتا ہے اور اس مصیبت کا سبب مسلمانوں کا درہ چھوڑنا تھا۔ اگر چہ مسلمانوں نے ارادتاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکم عدولی نہیں کی، سمجھنے میں غلطی ہوئی حالات کو سمجھنے میں غلطی ہوئی، سہواً ہوئی، اجتہادی غلطی ہوئی۔ غلطی سے غلطی ہوئی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی بھول کر بھی ہو جائے سہواً ہو جائے تب بھی یہ نافرمانی اور حکم عدولی ہی ہے۔ سہواً ہو جانے والی خطا میں ایک فرق ضرور ہے کہ بندہ چونکہ مخلص ہوتا ہے جان بوجھ کر ارادتاً حکم عدولی نہیں کرتا لہٰذا اللہ اسے توبہ کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں وہ اُخروی عذاب سے بچ جاتا ہے لیکن دنیا کی تکلیف اور دنیا کی پریشانی اس پر ضرور آتی ہے اور اُحد کے دن کی پریشانی کا سبب بھی مسلمانوں کی یہ سہواً کی گئی خطا تھی جو کسی بھی وجہ سے سرزد ہوئی۔ کتنے اخلاص کے ساتھ انہوں نے مشرکین کے وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا تعاقب کی خواہش میں درہ چھوڑا لیکن یہ عمل جو سرزد ہوا وہ خلاف منشا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرزد ہوا جو دنیاوی پریشانی کا باعث ہوا تو اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ ہم نے مسلمانوں کو اپنے حکم سے یہ مصیبت بھیجی اور ایسی صورتحال بن گئی کہ مومن کھل کر سامنے آجائیں اور جن کے دلوں میں نفاق ہے انہیں بھی لوگ جان لیں۔ اللہ کریم کا علم تو ہر حال میں ان کی بارگاہ میں حاضر رہتا ہے لیکن اللہ کریم نے قادر مطلق نے لوگوں کو نیکی و بدی دونوں راستے دکھا دیئے ہیں، کام کرنے کا اختیار دے دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرما کر حق کا راستہ واضح اور متعین کر دیا ہے۔ اب جو چاہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرلے اور جو نہ چاہے وہ نہ کر کے دیکھ لے اسے اس کے نتائج بھگتنا پڑیں گے اور مومن اور منافق کو اللہ کریم دنیا میں علیحدہ علیحدہ کر دے گا۔ آزمائش اور امتحان میں کھرا اور کھوٹا الگ الگ ہو جائے گا۔ ہر کوئی اپنی نیت اور اپنے اندر کے خلوص یا نفاق کے مطابق عمل کرتا ہے اور مخلص ہو تو توبہ کی توفیق پا کر اصلاح احوال میں مصروف ہو جاتا ہے اور منافق ہو تو اپنے کردار کے نتائج بھگتتا ہے۔ اللہ کریم یہاں یہی فرما رہے ہیں کہ اللہ نے لوگوں کو ان کی اپنی نظروں میں یہ دکھانا تھا کہ کس کا کردار مومنانہ و مخلصانہ ہے اور کس کا منافقانہ کون مخلص ہے اور کون منافق؟

ظلم کا علاج عدل:

آج ہم میں سے ہر شخص انفرادی اور اجتماعی سطح پر پریشانیوں میں گرفتار ہیں اور مسلمان اللہ سے شا کی نظر

آتے ہیں کہ ہم تو مسلمان ہیں اور ہم پر ہی ہر روز ایک نئی مصیبت آ پڑتی ہے۔ ہمارے حالات بے حد غیر یقینی صورتحال سے دوچار ہیں۔ فوج ملک کی حفاظت کے لئے تھی وہ اپنے شہریوں کو مار رہی ہے۔ شہریوں نے تعمیر ملک میں حصہ لینا تھا وہ اپنی فوج کے ساتھ الجھ رہے ہیں کیا یہ اللہ کا عذاب نہیں؟ اور کیا ہم یہ تکلف کریں گے کہ ہم یہ سوچنے کی کوشش کریں کہ ہم اطاعت پیغمبر ﷺ کر رہے ہیں؟ کیا ہم اپنے احوال پر نظر رکھے ہوئے ہیں کہ ہم نے کمانے کھانے ملنے ملانے میں ان حدود کو قائم رکھا ہوا ہے جو آقائے نامدار ﷺ نے عطا فرمائی ہیں کیا ہم نے اپنی پریشانیوں کا سبب خود اپنی کوتاہیوں کو سمجھا ہے یا اس کے لئے دوسروں کو ہی ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ اگر آج دہشت گردی ہو رہی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت عالی کے وقت پورا نظام ظالمانہ نہیں تھا اس وقت کے حالات کے لئے دہشت گردی تو معمولی اصطلاح ہے، اس وقت کے بارے قرآن حکیم فرماتا ہے کہ دنیا کا ہر شخص دوسرے کا دشمن تھا۔۔۔۔۔تم سب ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ باپ بیٹے کا دشمن بھائی، بھائی کا دشمن، خاندان خاندانوں کے دشمن، قوم قوموں کی دشمن تھے دنیا میں صرف دشمن ہی تھے اور کفر کا فلسفہ جنگ ہمیشہ سے یہی ہے۔ جنگ دشمن کو تباہ وبرباد کرنے کے لئے کی جاتی رہی ہے۔ جنگ عظیم میں برما کے محاذ پر کسی جرنیل سے ایک صحافی نے سوال کیا کہ آپ کی ڈویژن کا یہاں کیا پروگرام ہے؟ وہ ان کے ہدف کے بارے پوچھ رہا تھا لیکن جرنیل نے نہایت سادہ جواب دے کر اپنا فلسفہ جنگ بیان کر دیا، اس نے کہا۔ Every body here is to kill every body یہاں ہر بندہ دوسرے کو قتل پر لگا ہوا ہے۔

تو بعثت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت پوری دنیا کی یہی حالت تھی، ہر متنفس دوسرے کے قتل کے درپے تھا پھر اس طوفان ظلم وجور میں ایک چھوٹی سی ریاست مدینہ نمودار ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے اس کی بنیاد پڑی اور جس طرح نمرود کے بنائے ہوئے آتش کدے کے الاؤ میں حضرت ابراہیمؑ کے لئے ایک گلزار نمودار ہوا تھا اسی طرح دنیا کی دشمنیوں کے جلتے الاؤ کے جہان میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد ایک جنت پیدا ہوئی ایک گلشن آباد ہوا، ایک گلزار پیدا ہوا چھوٹی سی ریاست مدینہ منورہ بنی جس میں باد نسیم چلتی تھی، گل کھلتے تھے جس میں بہاریں ہی بہاریں تھیں اور پھر یہ ریاست پھیلتی ہی چلی گئی۔ وہ جزیرہ نمائے عرب جسے اس وقت کی حکومتیں اپنے ساتھ شامل کرنے کو تیار نہیں تھیں وہی عرب دنیا کے لئے ایک مثالی ریاست بن گیا۔

حضرت عدی بن حاتم بن طائی نے فتح مکہ سے پہلے حضور ﷺ سے عرض کی کہ حضور یہاں اتنا ظلم ہو رہا ہے خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات تک کو حرم میں داخل نہیں ہونے دیا جا رہا تو کسی اور کو کیا پوچھنا۔ باقی

لوگوں کا کیا حال ہوگا؟ کیا کبھی یہاں بھی امن ہوگا؟ حضور ﷺ نے فرمایا، مفہوم یہ ہے کہ اے عدی اگر تم زندہ رہے تو تم دیکھو گے کہ ربع الخالی سے ایک خاتون اکیلی اللہ کے بھروسے پر روانہ ہوگی اس کے ساتھ دوسرا کوئی نہیں ہوگا اپنی پوٹلی بغل میں دبائے بخیر و عافیت سفر طے کر کے بیت اللہ پہنچے گی۔ بیت اللہ کا طواف کرے گی اور بخیر و عافیت اکیلی سفر کر کے واپس چلی جائے گی۔ ربع الخالی عرب کے جنوب مشرقی حصے میں ایک بہت بڑا صحرائی علاقہ ہے صحرا کا تقریباً چوتھا حصہ ہے جہاں آبادی نہ ہونے کے برابر اور اس کے راستوں میں ایسے قبائل آباد تھے جو پیشہ ور ڈاکو تھے۔ بنو طے کے قبائل بھی اسی علاقے کے تھے جن کے ایک فرد مسلمان ہوئے حضرت عدی بن حاتمؓ اور حاتم کو طائی اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ قبیلہ طے کے سرداروں میں سے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ وصال نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد انہوں نے ایک عمر رسیدہ خاتون کو بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا اور اسے پوچھا کہ کون اور کہاں سے آئی ہو تمہارے ساتھ کون ہے؟ خاتون نے جواب دیا میں ربع الخالی سے آئی ہوں، اکیلی آئی ہوں مگر میرا اللہ میرے ساتھ ہے۔ انہوں نے پوچھا واپس کیسے جاؤ گی۔ خاتون نے جواب دیا جیسے آئی ہوں ویسے ہی واپس بھی جاؤں گی۔ انہوں نے پوچھا کیا راستے میں کوئی خطرہ تو نہیں خاتون نے کہا مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ عدیؓ بیان فرماتے ہیں حضور ﷺ کا ارشاد پاک حرف حرف سچ ثابت ہوا۔ انہوں نے اس وقت حضور ﷺ سے عرض کی تھی کہ حضور ایسے وقت جب وہ خاتون اکیلی سفر کرے گی تو بنو طے کے ڈاکو کہاں جائیں گے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا تم اس وقت کے امن و امان کو خود دیکھ لو گے اور عدیؓ نے وصال نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئی درست ثابت ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھی کہ قبیلہ طے کے ڈاکو قبول اسلام کے بعد محافظوں میں تبدیل ہو گئے۔ یہ تھا اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عدل و انصاف کا نتیجہ۔ جہاں ظلم ہو رہا تھا وہاں آپ ﷺ نے اس کا علاج عدل مہیا فرما کر کیا، حقوق کی ادائیگی کروائی ہر ایک کو اس کا حق دلوایا ہر ایک پر اس کے فرائض نافذ کروائے اس طرح باہمی محبت پیدا ہوئی۔ لوگ حقوق چھینتے رہے تھے اس لئے ظلم بڑھتا رہا، مظلوموں کو ان کے حقوق دلوائے ظالموں کے ہاتھ روک کر عدل مہیا کیا اور انسانیت بہار آشنا ہوئی۔

آج جب ارباب اختیار لوگوں پر ظلم کرتے ہیں عوام کی آبرو ان کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتی ہے، لوگوں کا جینا دو بھر ہے حکومت عوام پر بم گراتی ہے تو مظلوم انتقاماً ظالم بن جاتے ہیں۔ اگر فوجی بم گراتے ہیں تو ان میں سے جو بچ جاتا ہے وہ بم باندھ کر اور لوگوں کو بھی مار دیتا ہے خود بھی مر جاتا ہے۔ اگر ہم واقعی اس موضوع پر سوچنا چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے تو ہمیں ضرور سوچنا چاہئے کہ اللہ کا سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ ہمیں دست و گریبان کر دیا گیا ہے وہ گھر تب ہی اجڑتے ہیں جب بھائی بھائیوں کا گلا کاٹتے ہیں۔ جب ایک ہی گھر کے افراد ایک دوسرے کو

لوٹنے پر تُل جاتے ہیں ایسے گھر کبھی آباد نہیں رہ سکتے۔ آج ہمارے ملک میں یہی ہو رہا ہے پورے ملک میں لوگ ایک دوسرے کا گلہ کاٹ رہے ہیں۔ کیا ہم یہ تکلف کریں گے کہ ہم یہ سوچیں کہ کہیں وہ جرم جسے حضور ﷺ کی نافرمانی کہتے ہیں وہ ہم سے تو صادر نہیں ہو رہا کیا ہم نے انفرادی سطح پر یہی جرم تو نہیں اپنا رکھا، کیا ہمارے حکمرانوں نے بھی اسی جرم کو وطیرہ بنا نہیں لیا جس کے جواب میں مظلوم انتقاماً ظلم پر آمادہ ہو چکا ہے تو من الحیث القوم ہمیں انفرادی اور قومی و ملکی سطح پر کچھ لمحے تو نکالنے چاہئیں کہ ہم اپنے آپ کو پہچان سکیں کہ ہم کس جگہ کھڑے ہیں۔

قرآن حکیم نے بعثت عالی کا نقشہ یوں کھینچا ہے کہ وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ تم لوگ دوزخ کی بھڑکتی آگ کے کناروں پر گھوم رہے تھے فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا میں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرما کر تمہیں وہاں سے اچک لیا۔ فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ (آل عمران:103) اور تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی یعنی دوزخ سے بچنے کا راستہ جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اللہ نے دیا وہ یہ تھا کہ جہاں غصہ اور نفرتیں تھیں جہاں عناد اور دشمنی تھی وہاں دلوں میں محبتیں بھر دیں جو ظلم کر رہے تھے وہ عدل کرنے لگے اور جو ظالم تھے وہ ظلم کے خلاف سینہ سپر ہو گئے اور پھر انہی لوگوں نے روئے زمین کو عدل سے بھر دیا۔ وصال نبوی ﷺ کے بعد تیس برسوں کے اندر اندر صحابہ کرامؓ نے سائبیریا سے افریقہ تک اور ہسپانیہ سے چین تک اسلامی عدل، اسلامی معیشت، اسلامی معاشرے سے لوگوں کو روشناس کروا کر اسلامی ریاست کو پھیلا دیا۔

سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانے میں اسلامی افواج نے چھبیس لاکھ مربع میل علاقہ فتح کیا جس میں دنیا کے بہترین شہروں کی تعداد پینتیس ہزار تھی اور کتنی آبادی ان علاقوں میں تھی۔ لیکن کمال یہ ہے کہ فاتحین اسلام افواج اسلام جب کسی بھی علاقے میں داخل ہوئیں تو امن و سلامتی کے ساتھ داخل ہوئیں کسی کو رسوا نہیں کیا گیا کسی کو لوٹا نہیں گیا کسی کی آبرو نہیں ضائع ہوئی کوئی تباہی نہیں پھیلی بلکہ جو صدیوں سے ظلم و جور کا نشانہ تھے انہیں عدل ملا۔ افواج اسلامی جہاں جہاں سے گزریں انصاف عدل اور امن پھیلاتی چلی گئیں۔ عوام جو باطل مذاہب کے ہاتھوں ظلم کی چکی میں پس رہے تھے انہوں نے داعیان اسلام کا کردار دیکھا ان کے معاملات دیکھے ان کی محبتیں دیکھیں تو وہ کلمہ پڑھنے لگ گئے۔ تاریخ اسلام ان مثالوں سے پُر ہے۔ محمد بن قاسم جب دیبل کی بندرگاہ پر اترے جو اَب کراچی ہے ان کا مقابلہ ساحل مکران پر راجہ داہر کے جرنیل سے ہوا۔ راجہ داہر کا جرنیل اپنے فوجی ساز و سامان افرادی قوت میں زیادتی کے باوجود اپنی ہی سرزمین پر محمد بن قاسم کے ہاتھوں شکست کھا گیا۔ قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا اور قلعے پر اسلامی جھنڈا لہرایا گیا۔ راجہ داہر کا جرنیل زخمی ہو کر گرفتار ہو گیا، وہ صرف جرنیل ہی نہ تھا اپنی افواج کے سپہ سالار کا بیٹا بھی تھا۔ محمد بن قاسم نے اسے جرنیلی احترام بھی دیا اور اس کے لئے ایک آرام دہ خیمہ لگوا کر اس کے علاج کے لئے بہترین

معالج کا بندوبست کیا اور نہایت اچھے طریقے سے اس کی دیکھ بھال کی۔ وہ اس عزت واحترام اور علاج معالجے کو یہی سمجھتا رہا کہ یہ اسے صحت مند کر کے اس سے فوجی راز اگلوانا چاہتے ہیں کیونکہ وہ فوج کے اعلیٰ عہدے پر فائز تھا۔ اس لئے یہ اس کا علاج کر کے پھر اس سے تفتیش کریں گے۔ بہر حال وہ بہترین علاج معالجے کے بعد جلد ہی تندرست ہو گیا۔ محمد بن قاسم کو رپورٹ دی گئی کہ وہ اب ٹھیک ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کی وردی کو درست کر کے لاؤ، اس کا اسلحہ لاؤ اور اس کے لئے بہترین گھوڑا لاؤ۔ یہ چیزیں ساتھ لے کر محمد بن قاسم اس کے لشکر میں تشریف لے گئے اسے صحت مند ہونے پر مبارکباد دی اسے اسکی وردی اسلحہ گھوڑا اور اس کے چند سپاہی بھی ساتھ کئے اور کہا اب تم آزاد ہو، تم جاسکتے ہو۔ وہ ششدر رہ گیا لیکن اس نے کہا اس نے اپنے اس علاج معالجے کے دوران مسلمانوں کے انداز فن حرب دیکھ لئے ہیں اب وہ اپنی فوج میں واپس جا کر انہیں ان طریقوں سے نئی جنگ لڑنے کے انداز کی تربیت دے گا اور پھر مسلمانوں کے مقابلے میں پوری اور نئی تیاری کے ساتھ آئے گا۔ محمد بن قاسم نے فرمایا۔ ہماری تمہارے ساتھ کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے نہ ہم تمہیں غلام بنانے آئے ہیں بلکہ ہم تو تمہیں اور تمہاری قوم کو اس غلامی سے آزاد کرانے آئے ہیں جو تم پر تمہارے مذہبی پیشوا اور ظالم حکمران کرتے ہیں ہم تمہیں عدل وانصاف اور امن سے آشنا کر کے آزادی رائے کے احترام کے ساتھ زندگی گزارنے کا موقع دینا چاہتے ہیں لہٰذا ہم نے ظالم کا ہاتھ روک کر مظلوم کے آنسو پونچھے ہیں۔ ہم نے اپنے حصے کا کام کر دیا تم ظلم کی طرف سے لڑ رہے تھے ہم نے تمہیں شکست دی تم زخمی ہوئے تمہارا علاج کیا ہم تو چاہتے ہیں تم اللہ کی زمین پر اللہ کے آزاد بندے بن کر جیو۔ رہی بات مقابلے کی توفی الحال یہ سب کچھ لے کر تم جاؤ اگر پھر مقابلے پر آنا چاہو تو آ جانا ہم پھر مقابلہ کر لیں گے لیکن یاد رہے ظلم کا راستہ شکست کا راستہ ہے۔ حق کے مقابلے پر باطل جب بھی آئے گا سرنگوں ہی ہوگا۔ ہم بہر حال تمہاری بہتری کے خواہاں ہیں۔ یہ سن کر وہ سیدھا راجہ داہر کے دربار پہنچا اور راجہ سے کہا کہ تم نے بہت ظلم کر لئے۔ اب ظلم کا راستہ چھوڑ دو۔ میرا مشورہ ہے کہ تم بھی اسلام قبول کر لو۔ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے یہ کہہ کر اس نے بادشاہ کے سامنے کلمہ پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ راجہ بہت ناراض ہوا اور کہا کہ اگر تم نے اسلام قبول کرنا تھا تو وہیں کر لیتے۔ اس نے جواب دیا کہ وہاں کر لیتا تو تم لوگ کہتے جان بچانے کے لئے اسلام قبول کیا لیکن میں نے وہاں حق وانصاف دیکھا، عدل واحسان دیکھا، آدمیت کا احترام دیکھا وہاں ہر آدمی عزت واحترام کا مستحق ہے۔ اللہ نے ہر ایک کو فطری آزادی دی ہے وہاں اس آزادی کا حق ہر ایک کو نصیب ہے اور ان کے حکمران کسی کو یہ حق نہیں دیتے کہ وہ انسانوں کی آزادی چھینے یا اس کے حقوق ضائع کرے یا ان کی جان مال وآبرو لوٹے۔ انہوں نے اس کا انتظام نہایت احسن طریقے سے کر رکھا ہے۔

چنانچہ یہ سب کچھ سن کر راجہ داہر نے اس جرنیل کو اس کے باپ کو جو اس کی فوج کا سپہ سالار تھا انہیں قید خانے میں ڈال دیا اور یہ تاریخ کا حصہ ہے کہ جب دیبل فتح ہو گیا تو مسلمان قیدیوں میں جو راجہ داہر کی قید سے چھڑائے گئے ان میں سپہ سالار اور جرنیل دونوں باپ بیٹے بھی شامل تھے جو آزاد ہوئے۔

اسلام نے دہشت گردی، ظلم کی تباہی کا جواب عدل مہیا کر کے دیا جس طرح آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے اسی طرح ظلم و جور کو انصاف سے ختم کیا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے۔

نئے دستور ہیں نئے زمانے کے لئے
آگ ہی لائی گئی آگ بجھانے کے لئے

آج وطن عزیز میں یہی ہو رہا ہے۔ ایک دہشت گرد نے دس آدمیوں کو قتل کیا جواباً فوج نے دو بم پھینک کر دس ہزار آدمی مار دیئے۔ کیا اس طرح کے جواب دینے سے دہشت گردی ختم ہو جائے گی۔ امریکہ نے پوری دنیا میں تباہی مچا رکھی ہے تو جہاں جہاں اس کی افواج پہنچ چکی ہیں کیا وہاں امن و امان قائم ہو گیا ہے بلکہ آگ تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے۔

ہمیں بحیثیت مسلمان یہ سوچنا ہو گا کہ اگر صحابہ جیسے علوشان عظیم المرتبت اللہ کے پسندیدہ بندوں سے چھوٹی سی نادانی کے باعث غلطی ہو جاتی ہے اور انہیں زخم جھیلنے پڑتے ہیں بہت سی تکالیف اور پریشانیوں سے گزرنا پڑتا ہے، انہیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخ انور کے زخمی ہونے کا غم جھیلنا پڑتا ہے تو ہم نے اگر اتباع رسالت کو اپنی زندگیوں سے سرے سے ہی نکال دیا ہے۔ بے تکلفی سے سود کھائے چلے جا رہے ہیں اور صرف کھا ہی نہیں رہے اسے حلال بھی سمجھ رہے ہیں۔ نوے فیصد سے زائد تجارتی پیشے سے منسلک لوگ حاجی ہیں اور کسی خال خال کو چھوڑ کر باقی سب ایسے ہیں کہ بددیانتی، جھگڑے اور فریب کو تجارت کے اصول کے طور پر اپنائے ہوئے ہیں۔ جب یہ کردار کا حال ہے تو اس کے نتیجے میں تباہی و دہشت گردی نہیں آئے گی تو کیا آئے گا؟ جن اداروں کے ذمے امن امان قائم رکھنا ہے دہشت گردی ختم کرنی ہے ان کا عالم یہ ہے کہ اگر ملکی عدالتیں انصاف کرنے لگیں تو ان عدالتوں کو ان جج صاحبان کو بند کر دیا گیا یعنی انصاف کرنا ہی ان کا جرم بن گیا۔ عدالتیں پہلے اسی طرف چل رہی تھیں کسی ایک فرد کو انصاف کا خیال آ گیا اس کے ہم خیال لوگ عوام کو انصاف مہیا کرنا شروع ہوئے تھے کہ حکمرانوں نے عدالت ہی ختم کر دی۔ اگر انصاف کے فیصلے نہیں ہوں گے اگر عدل کو پنپنے کا موقع نہیں دیا جائے گا تو پھر دہشت گردی بڑھے گی کم نہیں ہو گی۔ اللہ کے لئے اس ملک پر رحم کیجئے، آدھا آپ پہلے ضائع کر چکے ہیں باقی آدھے پر تو رحم کریں۔ کل مجھے بھی آپ کو بھی قبر میں اترنا ہے وہاں نہ کوئی جرنیل ہو گا نہ فوج کا سربراہ نہ کوئی امیر ہو گا نہ فقیر۔ ہر کسی کے ساتھ اس کے

اعمال ہوں گے اوران کی جوابدہی کرنا ہوگی ۔ ہر کسی کو زیرزمین ہی جانا پڑتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ غریب مرجائے تو اسے زمین میں دفن کیا جاتا ہے اور امیر مرجائے تو اسے رکھ دیتے ہیں کہ آسمانوں سے فرشتے آکر اٹھا کر لے جائیں ۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا سب طاقتوروں کی طاقت سب امیروں کی امارت اور سب حاکموں کی حکومت موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے ۔ سب کو زیرزمین ہی جانا پڑتا ہے یہی مٹی سب کو چھپاتی ہے اور سب کو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا پڑتا ہے ۔ عدل کی ابتداحکومت سے ہوگی تو کام شروع ہوگا لیکن ہمارے ہاں عدل بھی صرف غریبوں سے ہی شروع ہوتا ہے ۔ پٹواری نے رشوت لے لی تو تھانیدار اور پٹواری پکڑا گیا اور اربوں روپے بینکوں سے لے کر کھانے والے وزیر بن گئے ۔ چور ہی حکمران ہیں تو وہ چوروں کا کیا محاسبہ کریں گے ۔

توبہ کر کے اتباع نبوی ﷺ میں آجانا ہی علاج ہے:

اس سب کا علاج بہت سادہ اور آسان ہے ۔ عام فرد سے لے کر حکمران تک سب کلمہ گو ہیں ہم سب عہد کریں کہ اے اللہ جو ہو گیا اسے معاف کردے آئندہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کی توفیق دے دے کتنا آسان سا راستہ ہے ۔ اس کے لئے نہ کسی دانشور کی نہ کسی علامہ کی نہ کسی مولوی کی ضرورت ہے ۔ سادہ سی کوشش ہے کہ اللہ ہم سے جو گناہ بھی ہو گئے تیری رحمت کو عاجز نہیں کر سکتے جو ہم سے ہوا اسے معاف کردے ہمیں توبہ کی توفیق عطا فرما ۔ ہماری توبہ قبول فرما ۔ ہمیں عادلانہ زندگی گزارنے کی توفیق نصیب فرما ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرنے کی توفیق نصیب فرما اور یہ ہم سب کے لئے ضروری ہے میں اور آپ پاکستان کا سولہ کروڑ واں حصہ ہیں ۔ اگر کوئی بھی یہ عہد نہیں کرتا تو ہم کر لیں میں اور آپ کر لیں تو جو عذاب میری اور آپ کی وجہ سے ہے وہ تو کم ہو جائے ۔ ایک جگہ آگ بھڑک رہی ہے اس میں آپ اور میں بھی لکڑیاں رکھ دیں گے تو وہ مزید بھڑکے گی اگر ہم اس میں سے کچھ لکڑیاں کم کر دیں تو یقیناً آگ کے شعلے دھیمے پڑ جائیں گے ۔ تو ہم ہی توبہ کر کے اس کے ایندھن میں کمی کر دیں ہم تو یہ کوشش کریں ۔ اور پھر اپنی دن بھر کی کوشش اس پر مرکوز رکھیں کہ اپنے فکروشعور زبان وذہن، کردار وعمل میں ہر کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں کریں ۔

یہی طریقہ اصلاح ان آیات میں بتایا گیا ہے اور آج بھی ہمارے پاس ہے ۔ ہم اس آگ اور تباہی سے اسی صورت نکل سکتے ہیں کہ اس طریقے پر اپنی اصلاح کر لیں ۔ ہم اللہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کرتے بہت دور نکل گئے ہیں ہمارے عقائد مجروح ہو چکے ہیں ہم بدعات میں گرفتار ہیں ہمارا تعلق نبی کریم ﷺ سے مجروح ہو چکا ہے ۔ ہم ایک عقیدے پر متفق نہیں رہے ایک مسجد والا دوسری مسجد کے نمازیوں کو کافر کہہ رہا ہے حالانکہ

ہر جگہ صلوٰۃ میں وہی تکبیر ہے وہی سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے وہی رکوع وسجود ہیں جو سارے مسلمان کرتے ہیں تو پھر ایک دوسرے کو کافر کہنا یہ ہمارے گناہوں کی سزا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی سزا ہے یہ ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اللہ ہمارے حال سے بے خبر تو نہیں لیکن وہ ہر زمانے میں کھرے اور کھوٹے مومن اور منافق چھانٹ کر علیحدہ کر کے دکھا دیتا ہے۔ آزمائشیں اسی لئے آتی ہیں کہ صاحب ایمان روز روشن کی طرح نظر آئے اور جو بظاہر مسلمان بنا ہوا ہے اور عملاً اسلام کو نہیں اپنانا چاہتا وہ کھل کر سامنے آجائے اور منافقوں کا تو کردار یہ ہے کہ جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کی راہ میں قتل کرو۔ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۚ اپنے عقائد، نظریات، اپنی ریاست اور اس کے امن کا دفاع کرو تو کہتے ہیں۔ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ۚ اگر یہ جنگ ہوتی تو ہم آپ کے ساتھ شامل ہوتے لیکن یہ تو خودکشی ہے کہ اہل مکہ اتنے زور آور ہیں ان کا مقابلہ کرنا تو خودکشی ہے اور خودکشی میں ہم آپ کا ساتھ نہیں دیتے۔ یہ بات منافقین نے اس وقت کہی تھی جب وہ اُحد میں حضور ﷺ سے الگ ہو گئے تھے۔ اللہ کریم نے فرمایا، هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ یہ جملہ کہنا کافروں کا شیوہ ہے ایسا کہنے والے ایمان سے نہیں کفر سے قریب تر ہیں۔ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ

اور یہ زبان سے جو کہتے ہیں وہ ان کے دل میں نہیں ہے یہ کسی طور بھی جنگ میں حصہ نہیں لینا چاہتے۔ یہ سرے سے منافق ہیں اور یہ ریاست کا دفاع بالکل نہیں کرنا چاہتے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿١٦٧﴾ اور جو کچھ یہ چھپا رہیں اللہ اسے جانتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۚ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٦٨﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۚ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿١٦٩﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١٧٠﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٧١﴾

منافقین کا عمل ان کے نفاق کو دنیا میں ہی ظاہر کر دیتا ہے:

منافقین کا تذکرہ ہے کہ مشکل حالات اور تکالیف کے آنے سے ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ کھرا اور کھوٹا الگ

ہوجاتا ہے۔ اللہ کریم قادر ہیں وہ اپنے نبی ﷺ کو بذریعہ وحی بتا دیں گن کر اور نام لے کر بتا دیں اور یقیناً اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا بھی دیا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کا نام لے کر اعلان نہیں فرمایا بلکہ عملی زندگی میں ان کے کردار نے ان کے دعویٰ اسلام کی قلعی کھول دی، ان کی منافقت ظاہر ہوگئی وہ موت سے ڈر کر میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے اور پہچانے گئے۔ خود کو مومنین سے الگ کر لیا اور اس طرح ان کا نفاق ظاہر ہوا کہ وہ اس قابل بھی نہ رہے قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۶۸ وکہ کہہ سکیں کہ ہم تو کھرے مومن ہیں ہمارا نام خواہ مخواہ لیا جاتا رہا ہے۔ ان آیات میں فرمایا جارہا ہے کہ یہ ایسے بدنصیب ہیں کہ کہتے ہیں کہ مسلمانو! تم ہماری بات سنتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک نہ ہوتے تو تم قتل نہ ہوتے لیکن تم نے ہماری بات نہ مانی جہاد میں شریک ہوئے، تمہارے بھائی بند مارے گئے نقصان ہوا ہم تو پہلے ہی کہتے تھے یہ جنگ نہیں خودکشی ہے۔

اللہ کریم نے فرمایا انہیں یہ جواب دیجئے۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ تمہارا ساتھ دیتے تو قتل نہ ہوتے تو تم خود کیوں مرے جاتے ہو؟ تم میں سے بھی کئی لوگ وقت مقررہ پر موت کی نذر ہو رہے ہیں تو ان کو مرنے سے بچا لو۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو پھر تمہیں نہیں مرنا چاہئے لیکن مرتو تم بھی رہے ہو!

فلسفہ موت وحیات:

ان آیات میں فلسفہ موت وحیات بیان ہو رہا ہے، موت کیا ہے؟ عام آدمی کی نظر میں موت شاید زندگی کا خاتمہ ہے لیکن درحقیقت موت زندگی کا خاتمہ نہیں۔ زندگی کے کئی حصے ہیں ایک حصہ عالم امر ہے جہاں تمام روحیں زندہ ہیں، وہیں سے روحیں باری باری وارد دنیا میں مادی وجود میں شکم مادر میں منتقل ہوتی ہیں۔ جتنا عرصہ روح ماں کے پیٹ میں رہتی ہے وہ اس کی زندگی کا ایک حصہ ہے پھر شکم مادر سے وارد دنیا میں منتقل ہوتی ہے بدن غذا کھاتا ہے، وجود بڑھتا ہے، عقل وشعور ادراک ومحسوسات سب کے ساتھ کام کرتا ہے یہ اس کی زندگی کا اس سے اگلا حصہ ہے۔ دنیا سے جانے کے لئے اس پر موت وارد ہوتی ہے برزخ میں داخلے کے ساتھ اس کی زندگی کا ایک اور حصہ شروع ہوجاتا ہے۔ قیامت بپا ہوگی، میدان حشر میں ساری مخلوق جمع ہوگی، عرصہ محشر بھی زندگی کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے، وہاں فیصلہ ہوگا، ابدی ٹھکانے نصیب ہوں گے، اہل نار دوزخ میں اور اہل جنت جنت میں جائیں گے۔ وہاں حقیقی زندگی شروع ہوگی جو کبھی ختم نہ ہوگی یہ زندگی کی منزل ہے اور اس سے کسی کو مفر نہیں کوئی مومن ہے یا کافر نیک ہے یا بد پڑھا

لکھا ہے یا ان پڑھ اسے زندگی کے ان تمام مراحل سے گزرنا ہے۔ اور یہ منافق جب کہتے ہیں کہ جہاد پر نہ جاؤ کہ جہاد پر جانے سے مارے جاؤ گے تو کیا جو جہاد پر نہیں جاتے وہ موت سے دوچار نہیں ہوتے؟

خوش نصیبی کا نسخہ:

خوش نصیب لوگ زندگی کے ان تمام مراحل کو سمجھ کر اگلے مرحلے کی تیاری کرتے ہیں۔ اللہ جل شانہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں۔ صدق دل اور خلوص نیت سے اتباع کرتے ہیں ان کے لئے دار دنیا کی زندگی ہو مرحلہ موت ہو مابعد الموت ہو برزخ یا میدان حشر ہو کوئی مرحلہ بھی مسئلہ نہیں ہوتا۔ انہیں دار دنیا میں بھی احترام نصیب ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف سے عزت نصیب ہوتی ہے۔ ان کی موت بھی آبرومندانہ ہوتی ہے۔ برزخ میں بھی انہیں خوشی اور مسرت نصیب رہتی ہے۔ میدان حشر میں انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لوائے حمد کے زیر سایہ جگہ نصیب ہوگی۔ جنت میں داخلہ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امن سلامتی خوشی اور مسرت نصیب رہے گی لیکن جو لوگ اللہ پر ایمان سے محروم رہتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت سے محروم رہتے ہیں وہ اپنے کئے کا انجام پاتے ہیں، بے شمار دنیاوی سہولتوں کی موجودگی میں بے سکون رہتے ہیں۔ ان کی بداعمالیاں ان کے لئے دنیا میں دشواریوں اور مصائب کا سبب بنتی ہیں، بدکار کو زندگی میں سکون نہیں ملتا، موت اسے بے آبرو کر دیتی ہے، مرنے کے بعد عذاب الگ ہوتے ہیں پھر میدان حشر کی رسوائی اور جہنم کے عذاب اللہ اس سے پناہ میں رکھے اور ہر مسلمان کو حقیقی ایمان عطا فرمائے۔

ایمان کیا ہے؟

ایمان نام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتبار کرنے کا۔ اس یقین کا نام ایمان ہے کہ حضور ﷺ نے جو فرمایا ہے وہ سچ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں یہ سچ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ وحدہ لاشریک ہے یہ سچ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت ہے سچ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عذاب وثواب ہے سچ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ کام کرو اور اس کام سے رک جاؤ یہ بھی سچ ہے۔ ان سب باتوں کو سچ ماننے کا دعویٰ تو ہر ایک کو ہے۔ ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتماد ہے لیکن اس دعوے کی سچائی کا پتہ تب چلتا ہے جب حضور ﷺ فرماتے ہیں اس راستے پر چلو اور اس راستے پر مت چلو۔ جب ہم وہ راستہ چھوڑ دیتے ہیں جس سے روکا گیا ہے اور وہ راستہ

اپناتے ہیں جس پر چلنے کو کہا گیا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات پر اعتماد ہے، جس بات سے روکا گیا ہے وہ ہمارے لئے یقیناً نقصان دہ ہے اور وہ راستہ یقیناً پرامن ہے جس کے لئے اجازت دی گئی ہے اور جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے خلاف کرتے ہیں تو پھر ہم صرف زبانی ہی کہتے ہیں کہ ہمیں حضور ﷺ پر اعتماد ہے، اندر سے ہم نہیں مانتے اور جب اندر یقین نہ ہو تو یہی زندگی اور اس کی لذتیں دائمی لگتی ہیں اور بندہ موت سے بچنا چاہتا ہے۔

شہید مردہ نہیں:

فرمایا ان سے کہو موت سے تو تم بھی نہیں بچ سکتے، ہاں تمہاری موت کے بعد کے انجام میں اور مومنین کے انجام میں بہت فرق ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جہاد میں شریک ہونے والے اور جام شہادت سے سرفراز ہونے والوں کے بارے جنہیں تم کہتے ہو کہ اگر وہ نہ جاتے اور تمہارے ساتھ بیٹھے رہتے تو موت سے بچ جاتے تو وہ خوش نصیب تو ایسے ہیں کہ وہ قتل ہو کر مر نہیں گئے اللہ کی راہ میں جان دینے سے کارگاہ الفت میں شہید ہو جانے سے یہ فلسفہ موت اس طرح بدل جاتا ہے کہو وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ جو اللہ کی راہ میں قتل ہوتا ہے اس کے بارے میں یہ سوچو بھی نہیں یہ گمان بھی مت کرو کہ وہ مر گیا۔ ایسا کہنا تو دور کی بات ہے ایسا سوچنے سے بھی منع کر دیا گیا۔ حالانکہ لفظ قتل کا اطلاق ہی وجود کے ختم ہونے پر ہوتا ہے۔ بندے کے وجود کو گولی لگتی ہے یا کوئی اور ہتھیار لگتا ہے سینہ پھٹتا ہے یا گردن کٹتی ہے جدید ہتھیاروں سے تو جسم کے پرخچے اڑ جاتے ہیں ورنہ تو لوگ بیمار ہو کر فوت ہو جائیں یا دل کے عارضے سے فوت ہو جائیں۔ انہیں کوئی قتل ہونا نہیں کہتا۔ قتل ایک ایسا لفظ ہے جس سے بدن ٹوٹ پھوٹ کر موت سے دوچار ہوتا ہے۔ اس آیت مبارک میں بھی قُتِلُوْا کا لفظ استعمال ہوا ہے کہ وہ جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائے اسے مردہ نہ کہو وہ مرا نہیں بلکہ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وہ اپنے رب کے پاس پہنچ گیا اور وہ زندہ ہے يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ اسے رزق دیا جاتا ہے۔

یہاں قرآن حکیم نے واضح کر دیا عام انسان کی موت میں اور شہید کے قتل ہو کر عالم برزخ میں جانے میں کیا فرق ہے۔ روح تو ہر مرنے والے کی زندہ رہتی ہے، روح پر موت وارد نہیں ہوتی۔ موت نام ہے بدن اور روح کے تعلق کو توڑ دینے کا۔ بدن سے روح الگ کر دی جاتی ہے لیکن روح زندہ رہتی ہے، کافر کی روح بھی زندہ رہتی ہے اگرچہ عذاب میں رہتی ہے۔ تو اگر شہید کو یہ مانا جائے کہ اس کی صرف روح زندہ رہتی ہے تو پھر غیر شہید اور شہید میں کیا فرق ہوا۔ فرق یہ ہے کہ شہید کی روح کا تعلق اس کے بدن سے اتنا مضبوط رہتا ہے کہ اس کا بدن گلتا سڑتا نہیں وہ اس

دنیا سے چلا جاتا ہے۔ اسے اس دنیا کی گرمی سردی نہیں لگتی وہ اس دنیا کی غذا نہیں کھاتا لیکن اس کا بدن قائم رہتا ہے۔ اسے اللہ کی طرف سے غذا دی جاتی ہے اور اس کا بدن ویسے ہی سلامت رہتا ہے جیسا کہ روح کی موجودگی سے ہوتا ہے۔ صرف عالم بدل جاتا ہے اس عالم کی غذا کی بجائے برزخ میں غذا عطا ہوتی ہے۔ ہر مومن کا ایمان ہے کہ جب اللہ نے شہید کو مردہ کہنے سے منع کر دیا تو وہ زندہ ہیں۔ یہی یقین ہے اور اس پر تاریخی شہادتیں ہر زمانے کی موجود ہیں جو باعث تقویت ایمان ہیں۔

فرمایا یہ دکھ نہ کرو کہ بھائی مارا گیا، نہیں، جو شہید ہوا اسے اللہ کی راہ میں موت آئی۔ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس۔ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ رزق دیئے جاتے ہیں کھاتے پیتے ہیں۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ اور اللہ نے ان پر جو انعامات کئے ہیں ان سے بے حد خوش ہیں۔ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اور جو لوگ پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں وہ ان کے لئے بھی تمنا رکھتے ہیں کہ اللہ انہیں بھی اس سعادت سے سرفراز کرے کہ وہ شہید ہوں اور دائمی زندگی کی لذتوں کو پائیں وہ تو اپنے پچھلے لوگوں کیلئے بھی اس بات کی تمنا رکھتے ہیں کہ اللہ شہادت کو ان کے لئے بھی عام کر دے اور منافقین کہتے ہیں کہ وہ مارے نہ جاتے۔

مومنین چاہتے ہیں کہ اللہ انہیں بھی نور ایمان دے۔ ان پر بھی اللہ یہ مہربانی فرمائے کہ وہ اللہ کے دین پر اللہ کے رسول ﷺ کے حکم پر مرمٹیں۔ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ شہداء کو نہ گزری ہوئی بات کا دکھ ہوتا ہے نہ آئندہ کا ڈر اور خوف ہوتا ہے بلکہ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ وہ اللہ کی مہربانیوں اور عنایات سے خوش ہوتے ہیں اور اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

شہید کون:

قرآن حکیم کے مطابق یہ شہادت کا فلسفہ ہے اور ہر مرنے والا شہید نہیں ہوتا۔ شہید صرف وہ ہوتا ہے جسے اللہ پر اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کامل اعتماد ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں احکام دین کے نفاذ کے لئے جان دیتا ہے۔

ہمارے ہاں اس لفظ کا بہت غلط استعمال ہوتا ہے اور بعض اوقات بات بڑے غلط رواج بنا ڈالتی ہے۔ اندرا گاندھی نے جب سکھوں کے گولڈن ٹیمپل پر چڑھائی کی اور بہت سے سکھ مارے گئے تو ضیاء الحق مرحوم نے بڑی غلطی کی اور پہلی بار کسی نے یہ کہا کہ سکھ شہید ہو گئے۔ کافر کے لئے لفظ شہید استعمال کرنا جرم ہے، شہادت کی توہین ہے

لیکن ہندوؤں نے اسے ایسا اپنایا کہ اب وہ اپنے مرنے والے فوجیوں کیلئے شہید کا لفظ استعمال کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس حیات بعد الموت کا کوئی تصور ہی نہیں ان کا تصور تو یہ ہے کہ ہر مرنے والا کسی نہ کسی شکل میں دنیا میں دوبارہ پیدا ہوتا ہے اگر مرنے والے کے اعمال اچھے ہوں تو وہ کسی امیر کے گھر پیدا ہو جاتا ہے اور اعمال برے ہوں تو کسی جانور کی شکل میں پیدا ہو جاتا ہے وہ آخرت قیامت جنت یا دوزخ کے قائل نہیں بلکہ آواگون یعنی Recarnation کے قائل ہیں تو ان کے ہاں شہادت کا کیا مطلب؟ یہ تو عقیدہ ہی اسلام کا ہے صرف حضور ﷺ کی اطاعت میں جان دینے والا ہی شہید کہلاتا ہے۔

ہمارے ہاں ایک مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے جب دو مسلمان آپس میں لڑتے ہیں تو ان دونوں میں سے شہید کون ہے؟ جیسے ہماری فوج سرحد کے لوگوں سے لڑ رہی ہے دونوں طرف کے لوگ کلمہ پڑھتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں فوجی کہتے ہیں کہ فوجی شہید ہو گئے اور سرحد کے لوگوں کو تخریب کار عسکریت پسند یا دہشت گرد کا نام دے کر کہتے ہیں وہ ہلاک ہو گئے۔ سرحد کے لوگوں سے پوچھو تو وہ کہتے ہیں ہمارے لوگ شہید ہو گئے اور اتنے فوجی ہلاک ہو گئے۔ اب اس کا فیصلہ کون کرے گا؟ اس کا فیصلہ وہی کرے گا جس کی عدالت میں جائیں گے کہ کون اس کی ذات کے لئے اس کے دین کے نفاذ کے لئے یا حق کے نفاذ کے لئے اتباع رسالت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم مانتے ہوئے خلوص دل کے ساتھ لڑتا ہوا موت سے ہمکنار ہوا اور شہید ہوا اور کون محض افراتفری میں مارا گیا جسے نہ دین سے غرض نہ حق سے آشنائی۔ سادہ سا اصول ہے کہ شہادت ہوتی ہے ظلم کے خلاف لڑنے میں اور عدل کے نفاذ کے لئے اور جو کفر یا بے دینی کی ترویج کے لئے لڑ رہا ہے اسے شہادت کیسے مل سکتی ہے۔

میرے خیال میں اس کا فیصلہ میدان کربلا کی مثال سے ملتا ہے۔ میدان کربلا میں دونوں طرف کلمہ گو تھے ایک طبقے کو ہم شہید مانتے ہیں اور دوسری طرف کے مرنے والوں کو کوئی شہید نہیں مانتا حالانکہ وہ بھی کلمہ پڑھتے تھے تو ان میں شہید تو صرف وہی تھے جو حق پر تھے، اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے حق کو قائم کرنے کے لئے جان کی بازی لگا گئے اور خاندان رسالت دین کے غلبہ کے لئے شہادت سے سرفراز ہوا۔

یہی فلسفہ شہادت بیان ہو رہا ہے کہ ہر مرنے والا ختم نہیں ہو جاتا۔ موت زندگی کا خاتمہ نہیں۔ موت کے ساتھ نئی زندگی کی صبح ہوتی ہے۔ اس زندگی کی جو دائمی ہے جسے ختم ہونا ہی نہیں۔

موت کو سمجھا ہے غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

اس زندگی کے بعد دائمی زندگی شروع ہوگی۔ انسان کی روح عالم خلق سے نہیں ہے۔ یہ عالم امر کی چیز ہے۔ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ (بنی اسرائیل:85) امر باری تعالیٰ کی صفت ہے اور روح امر سے تعلق رکھتی ہے۔ روح اوصاف باری سے ہے اور صفت باری پر موت ممکن نہیں۔ موت تو خلق پر آتی ہے موت تو خود مخلوق ہے غیر مخلوق کو احاطے میں نہیں لے سکتی۔ موت بدن سے رشتہ توڑ دینے کا نام ہے لیکن شہید کا رشتہ عام آدمی کی طرح نہیں منقطع کیا جاتا بلکہ وہ زندہ رہتے ہیں اور ان کی روح کا بدن سے ایسا رشتہ اور تعلق رہتا ہے کہ بدن قیامت تک تر و تازہ رہتا ہے اور شہادت عند اللہ اتنی عظیم نعمت ہے کہ ان کے لئے موت بھی سختی یا شدت نہیں لاتی بلکہ ان کا بڑا پر جوش استقبال کیا جاتا ہے۔ تاریخی اعتبار سے بے شمار شہادتیں موجود ہیں۔ شہداء کی قبریں ضرورت پڑنے پر کھولی گئیں تو وجود تر و تازہ تھے۔ ایک شہید تو یہ تھے جو اللہ کی راہ میں جان ہار گئے اور وہ لوگ بھی ایک درجے میں شہید تھے جو اطاعت الٰہی میں زندگی بسر کر گئے۔ وہ بھی اللہ کے ایسے مقبول بندے تھے ان کے اجسام بھی پرانے نہیں ہوتے۔ ان کی ارواح کا تعلق ان کے بدنوں سے اتنا مضبوط رہتا ہے کہ ان کے اجساد تر و تازہ رہتے ہیں جیسے بیشتر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ مسجد نبوی کی توسیع میں کئی شہداء کے وجود نکلے۔ واقعہ اُحد کے بعد چالیس سال بعد وہاں سے نہر گزاری گئی اور اُحد کے شہداء کو عہد نبوی کے مدفن سے نکال کر باہر دفن کیا گیا اگر کسی شہید کا زخم تھا تو اس وقت بھی اس سے خون رس رہا تھا اور وجود ویسے ہی تر و تازہ تھے۔ 1970ء کی دہائی میں مسجد نبوی کی توسیع کے دوران مدینہ منورہ کے قبرستان سے حضور ﷺ کے والد گرامی اور چند صحابہ کرامؓ کے وجود نکال کر جنت البقیع میں دفن کئے گئے تو تمام وجود گرامی درست حالت میں اور دنیاوی زندگی کی طرح تر و تازہ تھے۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

اگر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت پر کوئی جان دیتا ہے تو اس کے لئے حکم ہے کہ اسے مردہ نہ کہو وہ زندہ ہے تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ لفظ کیسے استعمال کیا جاسکتا ہے جو حضور ﷺ کی اطاعت میں جان دیتا ہے وہ زندہ ہے اس کا وجود بھی قائم ہے تو خود نبی ﷺ کی حیات کیسی ہوگی؟ اور اس کے لئے یہ لفظ استعمال کرنا کس طرح جائز ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام کا دنیا سے تشریف لے جانا غیر انبیاء کی موت کی طرح نہیں ہوتا۔ ان کی ارواح مبارکہ کا گھر ان کا وجود عالی ہی رہتا ہے۔ اگر معاذ اللہ یہ تصور کیا جائے کہ خود حضور ﷺ کی روح مبارک بدن اطہر سے جدا کر کے علیین میں رکھ دی گئی تو علیین میں کونسی ایسی جگہ ہے جو بدن اطہر رسول اللہ ﷺ سے افضل ہے۔

حق یہ ہے کہ جس طرح حضور ﷺ کی روح تمام ارواح میں افضل ہے اسی طرح حضور ﷺ کا بدن مبارک بھی اللہ کی ساری مخلوق میں افضل ترین ہے۔ بلکہ علمائے حق فرماتے ہیں کہ روئے زمین پر بہترین جگہ بیت اللہ

شریف ہے کہ تجلیات ذاتی کا مہبط ہے لیکن مدینہ منورہ میں روضہ اطہر کا وہ ٹکڑا زمین جہاں نبی کریم ﷺ استراحت فرما رہے ہیں اور بدن مبارک سے مس ہو رہا ہے وہ حصہ زمین بیت اللہ سے افضل ہے اس لئے کہ مکان کی عزت مکین سے ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود عالی کائنات کی ہر تخلیق سے افضل ترین ہے تو جو حصہ زمین حضور ﷺ کے بدن عالی سے مس ہو رہا ہے وہ بھی ہر شے سے افضل ہے۔ بیت اللہ شریف سے بھی افضل ہے لہٰذا علیین ہو تو بھی وجود اطہر سے افضل ہو نہیں سکتی۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی غور کرنے کے لائق ہے کہ شہید کو مرنے کے بعد ترقی نصیب ہو اور ان کی ارواح دنیا سے اعلیٰ جگہ پر ترقی پائیں تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وصال نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضور ﷺ کی روح مبارک اعلیٰ جگہ کو چھوڑ کر کم تر جگہ پر تشریف لے جائے۔ حیات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی ہے کہ آپ ﷺ کا اس دنیا سے انتقال ہوا۔ عالم دنیا کے ساتھ مادی رشتہ منقطع ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برزخ میں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ ﷺ کا وصال ایسا نہیں جیسے عام انسان پر موت وارد ہوتی ہے جس طرح بدن اطہر کے ساتھ حضور ﷺ دنیا میں جلوہ افروز تھے اسی طرح برزخ میں جلوہ افروز ہیں جو ادب حیات دنیا میں بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا آج بھی روضہ اطہر کا وہی ادب ہے آج بھی اسی ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے سلام پیش کیا جاتا ہے۔ وہاں آواز بلند کرنا حرام ہے، بے ادبی ہے اور توہین کرنا کفر کے زمرے میں لے جاتا ہے۔

فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کی راہ میں قتل ہو جانے والوں کے بارے سوچو بھی نہیں کہ وہ مر گئے وہ زندہ ہیں اپنے رب سے رزق پاتے ہیں کھاتے پیتے ہیں، انہیں اللہ کی نعمتیں حاصل ہیں وہ ان نعمتوں پر بڑے خوش ہوتے ہیں اور جو لوگ ان کے پیچھے رہ گئے ہیں وہ ان کے لئے بھی تمنا کرتے ہیں کہ اللہ انہیں بھی شہادت سے نوازے تاکہ انہیں دائمی زندگی کی نعمتیں اور عزت نصیب ہو۔ اللہ کے ہاں ان کی قدر و منزلت ہو اور انہیں نہ گزشتہ کا دکھ ہوتا ہے نہ آئندہ کا خوف۔ اللہ خلوص دل سے اطاعت الٰہی اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرنے والوں پر مہربانیاں فرماتا ہے اور اللہ ایمان والوں کا اللہ پر یقین رکھنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

سورۃ آل عمران رکوع 18 آیات 172 تا 180

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ
اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ
النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ
وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ
وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ
يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَا
يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ
اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾
وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ
لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى
مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ
عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ
يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ

سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

جن لوگوں نے زخم کھانے کے بعد اللہ اور رسول کے حکم کو قبول کیا ان میں سے ان
لوگوں کے لئے جو نیکی اور پرہیز گاری اختیار کرتے ہیں بہت بڑا ثواب
ہے ﴿۱۷۲﴾ وہ لوگ کہ جن کو لوگوں (کافروں) نے کہا کہ بے شک لوگوں نے
تمہارے مقابلہ کے لئے سامان جمع کر رکھا ہے سو ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زیادہ
(تازہ) ہو گیا اور انھوں نے کہا کہ ہمیں اللہ کافی ہیں اور وہی بہتر کارساز
ہیں ﴿۱۷۳﴾ پھر وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ (سلامت) واپس آئے انھیں
کوئی ناگواری پیش نہ آئی اور وہ اللہ کی رضامندی کے تابع رہے اور اللہ بڑے فضل
کے مالک ہیں ﴿۱۷۴﴾ یقیناً یہ شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے خوفزدہ کرتا ہے
پس تم ان سے مت ڈرو اور اگر تم ایمان والے ہو تو صرف مجھ سے ڈرو ﴿۱۷۵﴾ اور
جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں (زیادتی کرنے میں) ان کی وجہ سے آپ غمگین نہ
ہوں یقیناً وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ چاہتے ہیں کہ ان کو آخرت میں کوئی حصہ نہ
دیں اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے ﴿۱۷۶﴾ یقیناً جن لوگوں نے ایمان کے
بدلے کفر خریدا وہ ہرگز اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور ان کے لئے دردناک عذاب
ہے ﴿۱۷۷﴾ اور کافر لوگ یہ گمان نہ کریں کہ ہم ان کو جو مہلت دیتے ہیں وہ ان
کے لئے اچھی ہے بے شک ہم ان کو اس لئے مہلت دیتے ہیں کہ وہ اور گناہ کر لیں
اور ان کے لئے ذلت والا عذاب ہے ﴿۱۷۸﴾ اللہ کو سزاوار نہیں ہے کہ مومنوں کو
اس حال پر چھوڑ دیں جس پر تم ہو یہاں تک کہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دیں اور
اللہ کو زیب نہیں دیتا کہ تم کو غیب پر اطلاع دیں ولیکن اللہ اپنے پیغمبروں میں سے
جسے چاہیں منتخب فرما لیتے ہیں پس اللہ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ ایمان لاؤ اور
اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیز گاری اختیار کرو تو تمہارے لئے بڑا اجر ہے ﴿۱۷۹﴾ اور

جولوگ اللہ کے دیے گئے مال میں بخل کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کے حق میں اچھا ہے بلکہ وہ ان کے لئے بہت بُرا ہے جس چیز کے ساتھ انھوں نے بخل کیا قیامت کے روز انہیں اس کے طوق پہنائے جائیں گے اور آسمانوں اور زمین کے وارث اللہ ہیں اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہیں ﴿۱۸۰﴾

خلاصہ وتفسیر ومعارف

کمال ایمان:

فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ پر اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کمال اعتماد کا کمال یقین وایمان کا مظاہرہ کیا باوجود اس کے کہ انہیں دکھ پہنچائے گئے۔ تیرہ برس مکہ مکرمہ میں ایذائیں برداشت کیں، اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۚ﴿۱۷۲﴾ ہجرتیں کیں، گھر بار مال ومنال عزیز ورشتہ دار چھوڑ کر مہاجر ہو گئے لیکن اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر اعتماد میں فرق نہ آیا۔ ان آیات میں اسی کمال ایمان کی بات ہو رہی ہے کہ مومن کو اعتماد اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر ہر چیز سے بڑھ کر ہوتا ہے اور یہی فرق ہے اسلامی طرز فکر اور کفر کے طرز فکر میں۔ دنیائے کفر کا اعتماد صرف اسباب پر ہوتا ہے اور اسلامی طرز فکر میں اعتماد اللہ کی ذات اور نبی کریم ﷺ کے احکام پر ہوتا ہے۔ اسلام اسباب ظاہری کو اہمیت دیتا ہے لیکن اسباب پر بھروسہ کرنا نہیں سکھاتا۔ دنیا چونکہ عالم اسباب ہے اور نتائج اسباب اختیار کرنے کے بعد مرتب ہوتے ہیں لیکن مومن کے ساتھ برکات الٰہی بھی ہوتی ہیں اور اس سبب سے تھوڑے وسائل میں اللہ کریم برکت عطاء فرما دیتے ہیں۔

برکت کے معنی:

برکت کا معنی ہے تھوڑی چیز کا زیادہ اور کافی ہو جانا کم وقت میں زیادہ کام ہو جانا تھوڑے کھانے کا بہت لوگوں کیلئے کافی ہو جانا اور کم وسائل سے زیادہ اور اچھے نتائج حاصل ہو جانا جیسے غزوہ خندق میں ایک صحابیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بھوک کی شکایت کی اور اپنا پیٹ دکھایا جس پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنی حالت سے مطلع کیا کہ آپ ﷺ کے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ ایک اور صحابیؓ نے آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھی تو گھر گئے اہلیہ کو کچھ اناج اور ایک بکری کا بچہ ذبح کر

کے دیا کہ اسے تیار کر دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ کے لئے کھانے کا اہتمام کیا ہے آپ تشریف لائیں اور تناول فرمائیں آپ ﷺ نے سارے لشکر میں اعلان فرما دیا کہ لوگ باری باری آتے جائیں اور ان صحابی کے ہاں کھانا کھالیں۔ وہ صحابیؓ اس اعلان سے پریشان ہو گئے اور آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کی کہ کھانا تو قلیل ہے اور لشکر کی تعداد زیادہ ہے آپ ﷺ نے فرمایا روٹیوں کو چادر سے ڈھانپ دو کپڑے کے نیچے سے نکال کر دیتے جاؤ اور جس برتن میں گوشت پکایا ہے اس برتن کو ننگا نہ کرنا اسی میں سے نکال نکال کر کھانا تقسیم کرتے جاؤ انہوں نے ایسا ہی کیا حتٰی کہ سارے لشکر نے کھانا کھالیا آپ ﷺ اور اکابر صحابہؓ نے سب سے آخر میں تناول فرمایا اسے کہتے ہیں برکت۔ اسی طرح بدر میں آپ ﷺ نے تمام ممکنہ اسباب اختیار فرمائے اور پھر عریش بدر میں دعا فرمائی جس میں صحابہ کرامؓ کو افراد نہیں نظریہ اسلام قرار دے کر عرض کی اللہ آج میں سارے کا سارا اسلام لے آیا ہوں یعنی ایمان کا انتہائی درجہ یہ ہوا کہ بندے کی اپنی ذات فنا ہو جائے اور صرف وہ یقین اور اعتماد علی اللہ رہ جائے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم عطاء کرتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو عطاء فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان نے ان تین سو تیرہ کو سارا اسلام قرار دیا۔ انہیں ایمان باللہ کا اعلیٰ ترین درجہ نصیب ہوا۔ ایمان باللہ کیا ہے؟ جبکہ ہم نے اللہ کریم کو کب دیکھا ہے؟ اللہ کریم کی بات کب سنی ہے ہمارے پاس تو اللہ کریم کو جاننے کا واحد ذریعہ ارشادات و برکات رسول اللہ ﷺ ہیں آپ ﷺ کے بتانے پر ہم جانتے ہیں کہ اللہ ہے اور اس کی صفات وہ ہیں جو نبی کریم ﷺ نے بتائی ہیں لہذا نبی کریم ﷺ کی بات پر یقین و اعتماد ہی ایمان ہے اور اس یقین میں اتنی پختگی آجائے کہ درمیان میں سے اپنا وجود نفی ہو جائے اور صرف یقین کا فلسفہ رہ جائے یہی کمال ایمان ہے اور اسی کی بات ان آیات میں ہو رہی ہے۔

صحابہؓ کی تمنائیں اور ہماری آرزوئیں:

الحمد للہ ہم بھی مسلمان ہیں اور آپ ﷺ کی ہی امت ہیں ہمارے پاس بھی من وعن وہی کتاب ہے پورے کا پورا قرآن حکیم بسم اللہ سے والناس تک ہمارے پاس ہے اس میں اللہ کے وہی وعدے درج ہیں جنہیں سن کر صحابہؓ نے عمل کئے اور اللہ کی رضا کی سند پا گئے لیکن ہمارا کردار کیا ہے؟ ہمارے عقائد کیا ہیں؟ آج ہمیں اللہ کی عظمت پر یقین نہیں ہے اس کی رزاقیت پر یقین نہیں اس کے قادر مطلق ہونے پر یقین نہیں ہے آج ہم اسباب و وسائل کو ہی سب کچھ سمجھ کر انہی میں کھو گئے ہیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ کفار کے پاس وسائل زیادہ ہیں تو ہم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت سے منہ موڑ کر کافروں کی غلامی کر لیتے ہیں۔

کیوں کرتے ہیں؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ ہم ان کی مال و دولت سامان حرب و جنگ سے مرعوب ہو جاتے ہیں لیکن قرآن کے مثالی مسلمان جب کفار کے مقابل صف آراء ہوئے تو تب بھی تین سو تیرہ مسلمانوں کے مقابل اس وقت بھی سامان حرب مکے والوں کے پاس زیادہ تھا، افرادی قوت ان کے پاس زیادہ تھی دولت اور راشن بھی ان کے پاس زیادہ تھا اور مسلمانوں کی طرف کیا تھا؟ آپ ﷺ نے جب صف بندی فرمائی تو ہر مجاہد کا دن بھر کا راشن پانچ کھجوریں تھیں ان میں بھی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ ایک صحابیؓ نے یہ راشن لے کر عرض کی حضور ﷺ اگر میں اس مقابلے میں مارا گیا تو کیا میں جنت میں جاؤں گا آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم شہید ہوئے تو بلا شک جنت میں جاؤ گے تو انہوں نے عرض کی کہ پھر یہ کھجوریں کسی اور کے کام آجائیں گی میں تو اب ان شاء اللہ جنت میں جا کر کھاؤں گا۔ قرآن حکیم اس اعتماد و یقین کی بات کر رہا ہے۔ جنہوں نے اللہ کی بات کو مانا جنہوں نے میرے رسول ﷺ کے بتانے پر میری بات کو مانا جنہوں نے رسول ﷺ پر اعتماد کیا باوجود اس کے کہ ان کے پاس دنیاوی اسباب و وسائل کی کمی تھی انہیں دکھ بھی پہنچے **اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ** وہ زخمی بھی ہوئے اللہ کی راہ میں شہادت بھی پائی جانیں ہار دیں لیکن اعتماد علی الرسول میں کمی نہیں آئی **لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ** ﴿۱۷۲﴾ وہ لوگ جنہوں نے پورے خلوص سے اطاعت رسول پر استقامت دکھائی اپنے اختیار کو چھوڑ دیا اور اللہ سے ایسا تعلق استوار کیا کہ ہر کام میں اللہ کی رضا کے طالب رہے اور قرآن نے ان کے اعمال کو قبول فرما کر اجر عظیم کی بشارت سنائی مفسرین کرام نے یہاں **منھم** کی من، کو بیانیہ کہا ہے یعنی سب صحابہ خلوص دل سے اطاعت رسول ﷺ پر کاربند رہے۔

حیرانی ہوتی ہے آج کے دانشوروں اور مفسر کہلانے والوں پر کہ جنہیں اللہ مخلص و محسن قرار دے کر انہیں اجر عظیم کی بشارت سناتا ہے انہیں یہ مفسر ایک عدالت بنا کر خود منصف بن کر صحابہؓ کو ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کر کے جرح کرتا ہے کہ حضرت عثمانؓ سے یہ غلطی ہوئی معاذ اللہ اور فلاں صحابی نے یہ غلطی کی (معاذ اللہ)۔ صحابہؓ کے یقین و ایمان، اخلاص و احسان سے تاریخ کے اوراق پر ہیں اور ایک عمر رسیدہ صحابی عمرو بن الجموحؓ کا ذوق شہادت اور اعتماد علی اللہ ہی ظاہر کرتا ہے انہیں آپ ﷺ کے بتانے پر کس درجے کا یقین حاصل تھا کہ انہوں نے احد میں شہید ہونے اور وہیں دفن ہونے کی دعا کی تھی اور بعد شہادت ہر سواری نے ان کے وجود کو اٹھانے سے معذوری کا اظہار کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار پر معلوم ہوا کہ انہوں نے احد میں ہی دفن ہونے کی دعا کی تھی جو بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوئی۔ قرآن حکیم اس یقین و ایمان کی کیفیت کو بیان کر رہا ہے جو ایک مومن کا سرمایہ ہے۔

ہم بھی ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں کیا قرآن حکیم کی یہ آیات ہم نہیں پڑھتے یا سنتے ہمارے پاس آپ ﷺ کے ارشادات کا ذخیرہ ہے ہمیں خبر ہے کہ حلال وحرام جائز وناجائز کیا ہے لیکن کرتے اس کے الٹ ہیں کیوں کرتے ہیں؟ ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے پر اعتماد نہیں اس لئے ہم کافروں سے ڈرتے ہیں اوران کے طرز زندگی کو اپناتے ہیں۔

اللہ کریم نے قرآن حکیم میں ایک اصول دیا ہے کہ اگر مسلمان دس ہوں گے تو ہزار پر بھاری ہوں گے پھر فرمایا اگر کمی بھی آ گئی تو دس مسلمان بیس پر بھاری ہوں گے اگر سو ہوں گے تو دوسو پر بھاری ہوں گے اور یہ نسبت قیامت تک کیلئے ارشاد فرمادی گئی ہے۔اس وقت پوری دنیا کی آبادی لگ بھگ چھ ارب ہے اس میں تقریباً دوارب مسلمان ہیں یعنی آج بھی دنیا میں مسلمان اور کافر کی ایک اور دو کی نسبت ہے اور وعدہ الٰہی بھی موجود ہے کہ ایک مسلمان دو کافروں پر بھاری ہوگا سو مسلمان دوسو کافروں پر بھاری ہونگے اس کا مطلب ہے دوارب مسلمان چار ارب کافروں پر بھاری ہونے چاہئیں لیکن یاد رہے یہ وعدہ مسلمان کے ساتھ ہے سوآج اگر ہم پر کافر بھاری ہیں کافروں نے ہمیں غلام بنا رکھا ہے ہمیں رسوا کررہے ہیں قتل کر رہے ہیں تو اس کا مطلب ہے ہم نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر اعتماد کرنا چھوڑ دیا ہے ہم نے اپنی امیدیں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے توڑ کر کافروں سے وابستہ کر لی ہیں اور ہمارے حکمران اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ان کی حکومت نے فلاں کافر ملک سے اتنی خیرات لے لی ہے بلکہ پچھلے ساٹھ سالوں کے حکمران اس بات میں ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں کہ موجودہ حکومت نے اتنا بڑا کارنامہ کیا کہ پچھلی تمام حکومتوں سے زیادہ خیرات کافروں سے لے لی۔

جب مومن کا گزارہ کافر کی خیرات پر ہو تو اس کا ایمان کیا ہوگا اور وہ اپنے آپ کو مومن کہلانے کا مستحق کیسے ہوگا؟ سید عطاء اللہ شاہ بخاری فرمایا کرتے تھے کہ لوگ زندگی تو فرعون کی طرح جینا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ موت موسیٰ جیسی مل جائے۔ساری زندگی قرآن کے خلاف بسر کرنا پسند کرتے ہیں اور مرتے ہی لوگوں کو فکر لاحق ہو جاتی ہے کہ ان پر قرآن پڑھاؤ۔قرآن مرنے والوں پر ہی پڑھنے کے لئے تو نازل نہیں ہوا قرآن تو زندہ انسانوں کے لئے لائحہ عمل کے طور پر نازل ہوا ہے۔علامہ نے کہا تھا کہ مسلمان نے قرآن کا مصرف یہ سمجھا ہے کہ سورہ یٰسین پڑھو کہ مرنے والے کی جان جلدی نکل جائے قرآن تو آب حیات ہے زندگی کا نسخہ ہے۔کیا قرآن پڑھنے سے موت آتی ہے یا قرآن زندگی کی دوا ہے؟ قرآن تو مردہ قوموں کو حیات نو بخشتا ہے مردہ دل انسانوں کو حیات نو کی نوید سناتا ہے یہ ایک لائحہ عمل ہے ضابطہ حیات ہے یہ کتاب سمجھنے کیلئے ہے اس میں اللہ کریم اپنے بندوں سے باتیں کرتا ہے اس آیت مبارکہ میں بھی اللہ کریم یہ بات سمجھا رہے ہیں

کہ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت یافتہ افراد نے کس طرح اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات پر یقین کیا اور دکھ اٹھا کر ساتھیوں کو شہید کروا کر تکلیفیں برداشت کرتے رہے لیکن خلوص دل سے اطاعت الٰہی میں لگے رہے تم زندگی کی بھیک مانگتے پھرتے ہو وہ شہادت تلاش کرتے رہے کتنا فاصلہ ہے تمہاری تمناؤں میں اور ان کی آرزوؤں میں تم کافر سے خیرات مانگ کر خوش ہو وہ کافر سے مقابلہ کر کے انسانوں کیلئے بہار آفرین گلشن بنانے پر جانیں ہارتے رہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

انہیں کسی کی سلطنت و ریاست اور اس کے مال و زر سے کوئی غرض نہ تھی ان کے پاس اللہ کی دی ہوئی جان تھی وہ اسے اللہ کی راہ میں قربان کرنے کی تمنا لئے پھرتے تھے اور ان سب نے نہایت خلوص کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حق ادا کر دیا اور واتقوا اور وہ ایسے متقی تھے کہ ان کا تعلق اللہ کریم کے ساتھ ایسا تھا کہ ان کا جینا مرنا اللہ کے لئے تھا تقویٰ کا مطلب ہے اللہ سے ایسا تعلق جو بندے کو اس کی نافرمانی سے روک دے ایسے متقین کے لئے اجر عظیم ہے اور بڑا ثواب ہے۔ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں لوگوں نے دنیاوی اسباب و وسائل کی کمی سے ڈرایا جنہیں یہود و منافقین نے کہا ڈرو اس بات سے کہ مدینۃ النبی کیا ہے صرف تین ہزار لوگوں کے کچے گھروں کی آبادی تم گنتی کے لوگ ہو اور تمہارے مقابل مشرکین عرب جمع ہیں جن کے پاس سواریاں اسلحہ اور مال اسباب کے ڈھیر ہیں تمہیں اس بات کا احساس نہیں کہ وہ زور آور ہیں اور تمہارے گھر لوٹ لیں گے تمہیں اور تمہارے اہل و عیال کو تباہ کر دیں گے تو تم اس تباہی کو مول لینے پر کیوں تل گئے ہو؟ منافقین و یہود نے جب یہ منظر کشی کی تو صحابہؓ کے ایمان میں اور اضافہ ہو گیا فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا انہوں نے کہا کہ یہ تو اللہ کا احسان ہے کہ اگر اللہ ہمیں یہ سعادت بخشے کہ ہمارے اہل و عیال کو اپنی راہ میں قبول کر لے ہمارے بیٹے شہید ہو جائیں ہماری جانیں اس راہ میں قربان ہو جائیں۔ یہ تھا اپنے نبی ﷺ کے بتانے پر اعتماد کہ قرآن نے گواہی دی فزادھم ایمانا منافقین نے تو انہیں ڈرایا اور ان کے ایمان میں مزید اضافہ ہو گیا اور انہوں نے کہا کہ اس سے بڑی اور کیا سعادت ہو گی کہ اللہ ہمارے گھر بار مال و منال آل و اولاد اور خود ہماری جانیں اپنی بارگاہ میں قبول کر لے۔

آج ہم نعت نبی ﷺ پڑھتے ہیں تو آداب نبوی ﷺ کے خلاف فلمی طرز پر لاؤڈ سپیکر لگا کر پڑھتے ہیں پھر نعتوں میں کیا کہتے ہیں؟ ہم کہتے ہیں حضور ﷺ ہمارے بیمار ٹھیک ہو جائیں یا رسول اللہ ﷺ ہمیں

روزی مل جائے مال و دولت عطا ہو جائے ہماری مشکلات دور ہو جائیں حالانکہ ان باتوں کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں یہ فلاسفی غیر مسلموں کی ہے باطل مذاہب جس بت کی پوجا کرتے ہیں اس سے دنیوی فوائد کی تمنا رکھتے ہیں۔ مومن کا ایمان یہ ہے کہ دنیا و آخرت کا ہر کام اس کا رب العالمین کر رہا ہے اس کی ساری ضرورتیں وہی پوری کر رہا ہے وہ بھی جسے بندہ جانتا ہے اور وہ ضروریات بھی جنہیں بندہ نہیں جانتا اپنے اردگرد ان باتوں کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کتنے حادثات سے اللہ کریم ہمیں بچا لیتا ہے ہمیں اپنی رحمت سے صحت دے رکھی ہے اولاد دے رکھی ہے دولت دے رکھی ہے عزت دے رکھی ہے اور کئی نعمتیں جن کا ہمیں احساس ہی نہیں وہ سب دے رکھی ہیں۔ اللہ کریم اپنے مومن بندوں سے جس چیز کی توقع کرتا ہے وہ یہ بات ہے کہ بندہ یہ آرزو کرے اس کی بارگاہ میں یہ دعا کرے کہ اللہ تو نے مجھے سب کچھ دیا اب کوئی چیز میری طرف سے اپنی ذات کے لئے قبول کر لے۔ میرا بھی کوئی عمل قبول کر لے مجھے کسی کھرے سجدے کی توفیق دے دے۔ ساٹھ ستر برس کی عمر میں کوئی ایک سجدہ تو خلوص کے ساتھ ادا کرلوں میرے مال میں سے کوئی چیز اپنے لئے قبول کر لے کہ میں کسی مسکین کو دے دوں جہاد میں خرچ کروں الٰہی میری اولاد کو اپنی راہ میں قبول کر لے۔ اللہ کریم ہم سے اس تعلق کا مطالبہ کرتے ہیں اور ہمارے نظریہ و عمل میں اس کا کہیں شائبہ بھی نظر نہیں آتا جنہیں یہ تعلق نصیب تھا اور اعلیٰ درجے کا نصیب تھا وہ صحابیؓ اور صحابیاتؓ تھے حضرت خنساؓ ایک صحابیہؓ تھیں اور شاعرہ تھیں شاعر ویسے بھی بڑے حساس لوگ ہوتے ہیں چھوٹی چھوٹی چیزوں کو محسوس کرتے ہیں اور اس کا اظہار شعر میں کرتے ہیں ان کا ایک نوجوان بھائی جوانی میں مر گیا تو انہوں نے اس کیلئے مرثیہ کہا جو عربی میں بڑا معروف ہے اس کا ایک شعر ہے......

یذکرنی طلوع الشمس صخرا

واذکرہٗ نکل غروب الشمس

کہ جب بھی سورج نکلتا ہے تو مجھے میرے بھائی صخر کی یاد دلاتا ہے اور سورج اپنے دن بھر کا سفر طے کر کے ڈوب جاتا ہے لیکن میں صخر کی یاد میں مستغرق رہتی ہوں یہی حضرت خنساؓ عہد فاروقیؓ میں حیات تھیں اور ایک جنگ میں ان کے چار جوان بیٹے شہید ہوئے خود بھی مسلمان خواتین کیساتھ زخمیوں کی دیکھ بھال کے فرائض ادا کرتی رہیں جب ان کے چاروں بیٹوں کو ان کے خیمے کے سامنے رکھا گیا تو انہوں نے اس مرتبہ نہ کوئی شعر کہا نہ مرثیہ بلکہ ہاتھ اٹھا کر کہا بار الٰہا تو نے مجھے اتنی عزت بخشی کہ میرے سارے بیٹے قبول کر لئے اب میں قیامت کے دن سر اٹھا کر شہیدوں کی ماؤں کی صف میں کھڑی ہوں گی۔ یہ تبدیلی تھی اسلام میں آنے کے بعد یعنی جب مسلمان نہیں تھیں تو بھائی کے غم میں کس طرح افسردہ تھیں۔ اسلام نے رشتوں کو کس صورت

میں بدل دیا ایک بھائی کے مرنے پر اتنے دردناک شعر کہے اور چاروں نوجوان بیٹوں کی شہادت پر سجدہ شکر بجالائیں کہ اسلام میں آکر انسان کچھ دینے پر خوش ہوتا ہے وہ اس پر راضی رہتا ہے کہ اس کا رب اس سے کچھ قبول کرلے بات یہ ہے کہ اس کے دینے کی کوئی حد نہیں اور نبی کریم ﷺ رحمۃ العالمین ہیں ان کے کرم کی کوئی حد نہیں۔

ان ﷺ کا کرم بس ان ﷺ کا کرم ہے

ان ﷺ کے کرم کی بات نہ پوچھو

اور ہم کیا ہیں ہم دینے کی بات ہی نہیں کرتے ہم یہ نہیں کہتے کہ اللہ کریم ہمیں توفیق ہو کہ ہم آپ ﷺ کی اطاعت کرسکیں آپ ہمارا مال قبول فرمالیں جان قبول فرمالیں آپ کی دی ہوئی بے شمار نعمتیں ہمارے پاس ہیں کوئی نعمت ہماری طرف سے قبول کرلیں۔

صحابہ کرامؓ کے بارے یہ آیات گواہی دے رہی ہیں کہ ان کے ایمان میں اضافہ ہوگیا انہوں نے کہا کہ اللہ یہ تو تیرا بڑا احسان ہے کہ تو نے ہمیں قبول کرلیا اب تیری راہ میں گھر لٹ جائیں تو خیر ہے کہ جن چیزوں کا حساب ہمیں میدان حشر میں کھڑا ہو کر دینا ہے وہ چیزیں آج تیری راہ میں قربان ہو جائیں تو ہم حشر کی جوابدہی کے بارگراں سے سبکدوش ہو گئے۔

وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۝ انہوں نے جواب دیا ہمیں اللہ کافی ہے۔ اگر کافر کے پاس اسلحہ ساز و سامان وافر ہے تو ہمیں اللہ کافی ہے اگر کافر کے پاس افرادی طاقت ہے تو ہمارے پاس اللہ ہے ونعم الوکیل اور اللہ بہترین کارساز ہے پھر انہوں نے تھوڑے وسائل کے ساتھ کفر کی وسائل سے پُر طاقت کو شکست دی اور صحابہؓ نے تئیس برسوں میں اللہ کے پیغام کو روئے زمین پر پھیلا دیا یہ ان کی قوت ایمانی تھی اور آج ہمارے ایمان کمزور ہیں اتباع رسالت کا دامن ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے آج بھی وہی اللہ ہے وہی نبی ﷺ ہیں وہی قرآن ہے اگر کوئی بدل گیا ہے تو ہم مسلمان کہلوانے والے بدل گئے ہیں۔

اللہ کی بارگاہ میں توبہ کا دروازہ آج بھی کھلا ہے اگر ہم آج بھی واپس آجائیں تو وہ قبول کرلے گا ضروری نہیں کہ ساری دنیا توبہ کرلے لیکن یہ طے ہے کہ جو بھی خلوص سے توبہ کر کے اللہ کی اطاعت شروع کر دے گا وہ اس فساد سے بھری ہوئی دنیا میں پرسکون ہو جائے گا اس کے لئے آتش نمرود میں گلزار ابراہیم بن جائے گا اللہ کریم توبہ کی توفیق دے اطاعت الٰہی واطاعت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام نصیب فرمائے۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ
فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاۗءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّھُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا
يَجْعَلَ لَھُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ
يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَـيْـــًٔـا ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَھُمْ خَيْرٌ
لِّاَنْفُسِھِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَھُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ
عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِھٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِھٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ
عَظِيْمٌ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِھٖ ھُوَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ بَلْ ھُوَ شَرٌّ
لَّھُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

تقاضائے ایمان

غزوہ احد میں صحابہ کے خلوص کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے کہ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ صحابہ کرام انجام کار فتح یاب ہوئے عنداللہ مقبول ہوئے اور اللہ کا مزید احسان بھی عطاء ہوا اور دنیوی طور پر عزت و آبرو بھی نصیب ہوئی اہل مکہ کو شکست ہوئی اور وہ میدان سے بھگائے گئے صحابہ اور صحابیات ؓ نے جانثاری اور محبت کی عظیم داستانیں رقم کیں ایک خاتون کو حضور ﷺ کی تلاش میں آپ کی خیر و عافیت معلوم کرتی ہوئی بے قراری میں ہر ایک سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پوچھتی بے تابانہ آپ ﷺ کو تلاش کر رہی تھی چونکہ آپ ﷺ زخمی ہوئے تھے تو وہ آپ ﷺ کی خیر و عافیت جاننے کیلئے ایسی بے قرار تھی کہ اس کی بیقراری تھمنے میں نہیں آ رہی تھی حتیٰ کہ آپ ﷺ سامنے سے گھوڑے پر سوار تشریف لے آئے اور شرف ملاقات بخشا اس نے حضور ﷺ کی زیارت سے دل کی آنکھوں کو روشن کیا پائے اطہر پر بوسہ دے کر کہنے لگیں جب آپ ﷺ موجود ہیں تو کوئی مصیبت مصیبت نہیں رہی کوئی دکھ دکھ نہیں رہا حالانکہ اس کے بھائی، بیٹا اور شوہر سب اُحد میں شہادت پا چکے تھے۔ اسے آپ ﷺ کا رخ انور دیکھ کر ساری قربانیاں ہلکی نظر آنے لگیں۔ ان آیات مبارکہ میں اللہ کے اسی فضل و کرم کی بات ہو رہی ہے کہ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وہ اللہ

کی نعمتیں اور اس کا فضل سمیٹ کر وہاں سے واپس ہوئے۔

یہاں ان دانشوروں کے سوچنے کا مقام ہے جنہوں نے صحابہ کرامؓ پر اعتراض کئے اور غزوہ احد میں مسلمانوں کے لئے شکست کا لفظ استعمال کیا یہ کہنا کتنی دیدہ دلیری ہے کہ نبی کریم ﷺ بنفس نفیس قیادت فرمارہے ہوں آپ ﷺ جلوہ افروز ہوں اور مسلمانوں کو شکست بھی ہو جائے یہ بات ناممکن ہے۔

فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ ۙ وہ اللہ کا فضل اور اس کی نعمتیں سمیٹ کر واپس ہوئے اور ان کے دل میں رائی برابر بھی تکدر نہ آیا اور انہیں کوئی ناگواری محسوس نہ ہوئی حالانکہ احد میں بہت سے صحابہ کرامؓ شہید ہوئے۔ حضرت حمزہؓ جیسے عظیم اور جلیل القدر جری مجاہد اور حضور ﷺ کے محبوب چچا شہادت سے ہمکنار ہوئے اس کے باوجود کسی کے دل میں تکدر آیا نہ ناگواری کہ ہم نے یہ کام کر کے بڑا نقصان اٹھایا اور بڑی تکلیف اٹھائی۔ ان پر تو اللہ کا بڑا انعام اور اتنا کرم تھا کہ اللہ کریم فرما رہے ہیں کہ وہ اللہ کی نعمتیں لے کر پلٹے۔ یوں اللہ کریم کی تمام نعمتیں اتنی ہیں اور اس قدر ہیں کہ اللہ خود فرماتا ہے۔ (النحل: 18) کہ اللہ کی اتنی نعمتیں ہیں کہ اگر تم گننا بھی چاہو تو گن نہیں سکتے۔

وہ نعمتیں کیا تھیں جو صحابہ کرامؓ اُحد سے سمیٹ کر لائے:

لیکن جن مخصوص نعمتوں کا ذکر ان آیات میں آیا ہے ان کی شان جدا ہے کہ انہیں اللہ خود فرمارہے ہیں کہ وہ میرا کرم اور فضل لے کر پلٹے سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا کر پھر بھی بغیر کسی تکدر کے واپس آئے جن کا بیٹا شہید ہوا وہ اس کی شہادت پر خوش تھا جسے زخم لگے اسے وہ اپنی سعادت سمجھتا تھا جس پر جو بھی بیتی اس کے بدلے اسے اتنا قرب الٰہی نصیب ہوا کہ وہ اس بات پر خوش تھے کہ جو کچھ انہوں نے اللہ کی راہ میں دیا وہ بہت کم تھا اور جو اللہ نے عطاء فرمایا وہ بہت زیادہ اس لئے کہ ان لوگوں کو اللہ کی نعمتوں میں سے جو بہت بڑی نعمت حاصل تھی وہ تھی اللہ کی رضا اور نبی کریم ﷺ کا اتباع۔ وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ ؕ انہوں نے اللہ کی رضا کے تابع رہ کر حق اطاعت ادا کر دیا۔

زندگی گزارنے کے دو اصول ہیں جس پر لوگ اپنی اپنی زندگیاں گزارتے ہیں ایک ہے اصول تجویز جس میں آدمی خود تجویز کرتا ہے کہ اسے یہ مل جائے اس کے بچے کو دولت مل جائے عہدہ مل جائے اس اصول کے تحت وہ اپنے لئے خود چیزیں تجویز کرتا ہے اور پھر اسباب پر بھروسہ کر کے ان کے حصول کو ہی مقصد حیات بنا لیتا ہے دوسرا ہے اصول تفویض اس اصول کے تحت زندگی گزارنے والا ہر کام اور ہر محنت اللہ کی

اطاعت کے لئے کرتا ہے اسباب وسائل وہ بھی اختیار کرتا ہے دکان، تجارت، کاروبار ملازمت وہ بھی کرتا ہے لیکن اس کا سہارا اسباب نہیں ہوتے اس کی امیدیں مسبب الاسباب سے وابستہ ہوتی ہیں وہ محنت کر کے نتیجہ اللہ کے سپرد کر دیتا ہے کہ جو اللہ مجھے عطاء کرے گا وہی میرے لئے بہتر ہوگا۔

مومن کا طرز حیات اصول تفویض پر مبنی ہوتا ہے اور صحابہ کرامؓ کے بارے یہ آیت وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ میں صحابہ کا طرز عمل اصول تفویض بتایا جا رہا ہے یہ اللہ کی رضا کے طالب لوگ تھے یہ اپنے حصے کی محنت کر کے ہر حال میں خوش تھے اس لئے کہ ان کا مطمع نظر رضائے الٰہی تھا وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اور اللہ بڑے مرتبہ کا مالک ہے دنیا کا کوئی آلہ ایسا نہیں جو اس کے کرم کو شمار کر سکے وہ بے حد و بے حساب کرم کا مالک ہے انسانی اندازوں اور شمار سے اس کا کرم بے حد وسیع ہے۔

شیطان کی صحبت میں سکون نہیں:

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

فرمایا بے شک شیطان اپنے دوستوں کو ہمیشہ ڈراتا رہتا ہے۔ شیطان چونکہ انسان کا، بنی آدم کا ازلی دشمن ہے اس لئے یہ ہر ایک کے ساتھ محنت کرتا ہے جو اس کے مخالف ہوں ان کے ساتھ بھی محنت کرتا ہے انہیں ورغلانے کی کوشش کرتا ہے اور جو اس کی پوجا کرتے ہیں اس کے کہنے پر عمل کرتے ہیں انہیں بھی ڈراتا رہتا ہے۔ یعنی شیطان کی صحبت میں سکون نہیں بلکہ اس کے پیروکاروں کی زندگی خوفزدہ طریقہ زندگی ہے اور یہ بات دنیا میں دیکھی جا سکتی ہے کہ جو انسان ایمان سے آشنا نہیں ہیں ان کا طریقہ کار بھی یہی ہے کہ لوگوں پر کسی نہ کسی چیز کا خوف مسلط رہے تا کہ ان کی بات مانی جائے ارباب حکومت میں بھی ایسے لوگ ہیں جو مختلف طریقے سے لوگوں کو ڈرا کر ان پر مسلط رہنا چاہتے ہیں۔ یہ شیطانی طریقہ ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ شیطان کے ساتھ کسی کو کتنا بھی قرب ہو جائے وہ شیطان کی کتنی بھی پوجا کرے بالآخر وہ ڈرتا رہتا ہے دل خوفزدہ رہتا ہے اور کبھی بھی وہ شیطان کی دوستی کے باوجود خوف سے آزاد نہیں ہوتا حضرتؒ تقسیم ہند سے پہلے ایک ہندو جوگی کا واقعہ سنایا کرتے تھے کہ وہ لوگ انتہائی کم خوراک لیکر تنہا کسی تنگ سی جگہ پر بیٹھ جاتے تھے اور تیس تیس چالیس چالیس سال نہ اٹھتے نہ لیٹتے بہت کم سوتے بہت کم کھاتے تنہائی میں ہی رہتے اتنی سخت محنت کا حاصل کیا ہوتا؟ اس جوگی نے حضرتؒ کو بتایا کہ اس کے پاس ایک صورت آتی ہے اور اس کے کہنے پر دنیا بھر میں جہاں وہ کہے پلک جھپکنے میں پہنچا دیتی ہے۔ یہ تھا اس سارے مجاہدے کا کمال۔ حضرتؒ نے اس سے پوچھا کہ جب وہ

صورت اس کے سامنے آتی ہے تو کیا اس سے وہ خوفزدہ ہوتا یا اس سے انس محسوس کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ ڈر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں رواں رواں لرز اٹھتا ہے بڑا خوف طاری ہو جاتا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا پھر وہ شیطان ہے شیطان چونکہ تمام انسانوں کا دشمن ہے اس لئے بندہ ایمان لائے یا کافر ہے اس سے فرق نہیں پڑتا وہ انسان کا دشمن ہے لہذا ہر ایک انسان اس سے خوفزدہ ہوتا ہے شیطان کے ساتھ دوستی ہو تب بھی ڈر لگتا ہے اس سے دشمنی ہو تو دشمن سے دشمنی ہی ہوتی ہے اس کا مطلب ہے اتنی محنت کر کے جو صورت تمہارے سامنے آتی ہے وہ تو شیطان ہے اور اس قدر مشقت کے بعد تم شیطان کے قریب ہوتے جا رہے ہو اس کا کیا فائدہ؟ اگر کوئی فرشتہ ہوتا یا اللہ کی طرف سے کوئی بھلائی کی صورت ہوتی تو تمہیں اس سے محبت ہوتی شفقت ہوتی دل میں انس پیدا ہوتا اور سکون حاصل ہوتا۔

یہی بات یہاں ارشاد ہو رہی ہے کہ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ شیطان تو یقیناً ایسا ہے کہ وہ اپنوں کو بھی خوفزدہ رکھتا ہے

شیطان کو بندہ مومن سے خطرہ ہونا چاہیے:

تقاضائے ایمان یہ ہے کہ مومن کو شیطان سے نہیں ڈرنا چاہیئے بلکہ اللہ کی عظمت کو ملحوظ رکھنا چاہیئے اس بات کا خوف کرنا چاہیئے کہ اللہ کریم ناراض نہ ہو۔ شیطان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں بلکہ شیطان کو بندہ مومن سے خطرہ ہونا چاہیئے وَخَافُوْنِ فرمایا میری ذات کی ناراضگی سے ڈرو میری رضا حاصل کرو۔ جیسے صحابہؓ نے اللہ کی رضا حاصل کی اللہ کا فضل اور اس کی نعمتیں حاصل کیں۔

اللہ کا کرم اور فضل کیا ہے؟

اللہ کی رضا کا حصول یعنی مومن کا تقاضا ایمان یہ ہے کہ بندہ اللہ کے روبرو ہو جائے اس کی زندگی کا ہر لمحہ رات ہو یا دن تنہائی ہو یا محفل سفر ہو یا حضر اسے ہر جگہ ہر لمحے حضور حق حاصل ہو اور اس کے دل میں عظمت الٰہی موجود ہو اور اسے یہ اندیشہ رہے کہ اس سے کوئی ایسا لفظ نہ ادا ہو یا کوئی ایسی حرکت نہ سرزد ہو جائے جو اللہ کو ناپسند ہو سو مومن کو یہ شایاں نہیں کہ وہ شیطان سے ڈرے۔ حضرت رابعہ بصری حضرت حسن بصری کی براہ راست شاگرد تھیں لوگوں کو دعوت الٰہی بھی دیتی تھیں اور خواتین کے مجمع میں بیان بھی فرمایا کرتی تھیں ایک مرتبہ کسی خاتون نے ان سے پوچھا کہ آپ کی تمام باتوں میں اللہ کی طرف دعوت ملتی ہے حکمت الٰہی پر بات ہوتی ہے آپ آخرت پر بات کرتی ہیں لیکن حیرانی ہے انسان کے دشمن شیطان کے بارے آپ نے

کبھی بات نہیں کی نہ شیطان سے ڈرایا تو انہوں نے فرمایا جتنا وقت شیطان کا تذکرہ کرنے پر لگانا ہے اتنا وقت میں اللہ کریم کی حمد وثناء کیوں نہ بیان کروں شیطان کا ذکر کرنا تو ضروری بھی نہیں تو پھر مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں اپنا وقت اپنا علم اور اپنی قوت شیطان کے تذکرے پر لگا دوں یہی بات یہاں فرمائی گئی ہے کہ مومن کو اس فکر سے آزاد ہونا چاہیئے کہ شیطان کسی کا کیا بگاڑ سکتا ہے جبکہ اللہ اپنے بندوں کے ساتھ ہے ہاں شیطان کا خطرہ تو تب ہے جب بندہ اللہ کی مسلسل نافرمانی کرے اور توبہ نہ کرے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن رحمت چھوڑ کر اللہ سے تعلق توڑ لے اس صورت میں اسے خطرہ ہے کہ وہ شیطان کا لقمہ بن سکتا ہے لیکن اگر تم مومن ہو تو ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تم اپنی زندگی میرے روبرو بسر کرو تمہیں حضور حق نصیب ہو تو پھر شیطان سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۗ يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٦﴾

فرمایا آپ اس بات پر دکھ محسوس نہ فرمائیں کہ لوگ کفر کی طرف تو بھاگ کر اور جلدی چلے جاتے ہیں اور نیکی کی طرف کم آتے ہیں برائی کی طرف تو آسانی سے لپکتے ہیں اور نیکی وبھلائی کی طرف بلاتے رہو تب بھی کم ہی آتے ہیں۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ العالمین ہیں آپ ﷺ کو ہر فرد کا دکھ ہوتا ہے کہ بعثت عالی کے بعد کوئی کیوں جہنم جائے آپ ﷺ چاہتے ہیں کہ ہر فرد و بشر آپ ﷺ کا دامان رحمت تھامے آپ ﷺ کی برکات حاصل کرے اور اللہ کا قرب پالے لیکن جس بدنصیب نے بعثت عالی کے بعد بھی آپ ﷺ کا دامن نہ تھاما وہ اس عہد پرُ نور میں بھی محروم ہی رہا۔ فرمایا یہ کوئی پریشانی کی بات نہیں دراصل لوگوں کا معاملہ رب العالمین کے ساتھ ہے جس کی بات اللہ کریم سے بگڑ جاتی ہے۔ اللہ کریم اس سے نیکی کو پانے کی استعداد ہی سلب فرمالیتا ہے اور وہ کلی طور پر برائی کی طرف راغب ہو جاتا ہے یہ معاملہ ہر فرد کا رب العالمین کے ساتھ ہے جو اللہ کی طرف رجوع رکھتا ہے اسے اللہ اپنے کرم سے معاف فرمادیتا ہے اسے اپنے بندوں کا ساتھ نصیب کر دیتا ہے نیک لوگوں میں بیٹھنا نصیب کر دیتا ہے نیکی کرنے کی توفیق عطاء کر دیتا ہے لیکن کچھ ایسے بدنصیب ہوتے ہیں جو مسلسل برائی کرتے کرتے ایسی جگہ پہنچ جاتے ہیں کہ اللہ کریم کی ناراضگی ان کے لئے نیکی کی طرف رکاوٹ بن جاتی ہے اور وہ برائی کی طرف بھاگتے ہیں۔ إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۗ اور جو برائی کی طرف بھاگتے ہیں وہ نہ اللہ کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ اللہ کے حبیب ﷺ کا نہ اللہ کے دین کا۔ یہ اللہ کا

وعدہ ہے کہ کلام الٰہی قرآن حکیم ہمیشہ موجود رہے گا۔ انشاء اللہ اس کے مفاہیم بھی قائم رہیں گے اس پر عمل کرنے والے بھی ہمیشہ موجود رہیں گے دین نے تو ہمیشہ رہنا ہے دین تو تبھی رہے گا جب دین پر عمل کرنے والے رہیں گے لہذا یہ کوئی فکر کی بات نہیں اہل دین مخلصین دل کی گہرائیوں سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے اللہ اللہ کرنے والے ہمیشہ رہیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ حضور ﷺ قیامت کب ہوگی؟ فرمایا حتیٰ لایقال اللہ اللہ جب کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا تو قیامت آ جائے گی گویا جب دین باقی نہیں رہے گا تو دنیا بھی باقی نہیں رہے گی۔

دین باقی نہیں رہے گا تو دنیا بھی باقی نہیں رہے گی۔

دنیا کی جو رونقیں بحال ہیں سورج طلوع وغروب ہو رہا ہے بارشیں برس رہی ہیں فصلیں اگ رہی ہیں جانوروں پرندوں نے دنیا کو رونق بخش رکھی ہے انسان دنیا میں بس رہے ہیں زمین آسمان قائم ہیں سمندر اپنے خزانوں سے بھرپور پھیلے ہوئے ہیں اس سب کی بقاء کا سبب اللہ کا دین ہے جب تک دین ہے تب تک نظام کائنات چل رہا ہے اور ہر ایک فرد و بشر جسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت نصیب ہے وہ بقائے کائنات کا سبب ہے جب اللہ کے نام لیوا نہیں ہوں گے تو دنیا بھی نہیں رہے گی اس لئے بے دین لوگ نہ اللہ کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ اس میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا کچھ نقصان ہے بلکہ جو جتنا دین سے دور ہوتا ہے اتنا ہی اپنا نقصان کرتا ہے اس لئے کہ ان برائیوں کی وجہ سے اللہ نے انہیں ڈھیل دے دی اور چاہا أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ کہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہ رہے۔ اللہ کریم کی نافرمانی یا رسول ﷺ کی نافرمانی کا ایک اثر بندے کی ذات پر ہوتا ہے اور ایک اثر پورے معاشرے پر مرتب ہوتا ہے ہر گناہ ایک ظلمت پیدا کرتی ہے جو گناہ کرنے والے کے دل کو تاریکی میں ڈبو دیتی ہے اور وہ ظلمت معاشرے میں بھی پھیلتی ہے اور اس کی وجہ سے لوگ برائی میں ملوث ہوتے اور برائی میں دھنستے چلے جاتے ہیں اور یہ اتنا بڑا جرم بن جاتا ہے کہ جتنے لوگ اس کی وجہ سے تباہ ہوتے ہیں وہ بھی اس کی ذمہ داری بن جاتے ہیں لوگوں کو اپنے کئے کا عذاب ہوتا ہے تو ساتھ اس بندے کو بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے برائی پھیلی اللہ کی ناراضگی کے اظہار کا بڑا ذریعہ یہ ہے کہ اللہ لوگوں کو آخرت سے غافل کر دیتا ہے آخرت کا کام کرنے سے روک دیتا ہے آخرت کا خوف دل سے نکال دیتا ہے بندہ مسلسل گناہوں میں غرق رہتا ہے اور اپنے انجام سے غافل اور بے خبر رہتا ہے اور ہر وقت دنیا کی حسرتیں ہی پورا کرنے میں محو رہتا ہے اور دنیا کا حال تو یہ ہے کہ بڑے سے بڑے شہنشاہ ہزاروں حسرتیں لئے دنیا سے چلے گئے ارباب اقتدار کو دیکھیں کسی کے پاس ایسا دل نہیں جس میں حسرتیں باقی نہ ہوں۔ انسان کے

پاس کتنا اقتدار و اختیار آ جائے اس کی آرزوئیں نا تمام ہی رہتی ہیں اس دنیا کو کوئی بھی اپنی پسند کے مطابق حاصل نہیں کر سکا۔

دل حسرت زدہ کیوں رہتے ہیں:

جب تک اللہ سے تعلق نہ ہو اور بندہ آخرت کیلئے کام نہ کرے اس کا دل حسرت زدہ ہی رہتا ہے اس لئے یہاں فرمایا گیا ہے کہ نہ یہ دین کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ اللہ کا صرف اپنی ہی تباہی کے اسباب کر رہے ہیں اور ان کے اس کردار کی وجہ سے آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں **وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ** ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے جس کا دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

برائی پھیلانے والوں کو دنیا میں کیوں کچھ نہیں ہوتا؟

دنیا کی کڑی اور سخت سے سخت سزا بھی آخرت، دوزخ جہنم کے عذابوں کے ایک پل کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتی اور پھر جس سزا کو اللہ بہت بڑا عذاب کہے وہ کیسا دردناک ہوگا اللہ معاف کرے وہ وہی جانیں جو بھگتیں گے دوسرے کسی کو سمجھ نہیں آ سکتی۔ **إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ** جن لوگوں نے ایمان کو چھوڑ کر کفر کی راہ اختیار کر لی وہ ایسے ہیں جیسے انہوں نے ایمان بیچ کر کفر خرید لیا، انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت چھوڑ کر نافرمانی کی راہ اپنائی تو اس میں نہ اللہ کا کچھ نقصان ہے نہ اس کے نبی ﷺ کا نہ دین پر عمل کرنے والوں کا بلکہ وہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ **وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ** ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ جب ہر جگہ دعوت الی اللہ پہنچ رہی ہے عظمت الٰہی کی صدائیں ہر لحہ بلند ہو رہی ہیں ہر جگہ اللہ کی اطاعت کی طرف بلانے والے لوگ موجود ہیں اور پھر بھی لوگ آنکھیں بند کر کے کفر پر ہی جمے ہوئے ہیں یا برائی پر ڈٹے ہوئے ہیں اور نیکی کا دامن چھوڑ رکھا ہے تو انہیں پتہ تب چلے گا جب ان کی برائیوں کے نتائج سامنے آئیں گے۔

یہاں اس بات کی بھی تشریح کر دی گئی ہے کہ برائی پھیلانے والوں کو دنیا میں کیوں کچھ نہیں ہوتا جبکہ لوگوں کے گھر تباہ ہو رہے ہیں معصوم اور بیگناہ لوگوں کے مکانوں میں بم پھٹ رہے ہیں عزتیں برباد ہو رہی ہیں اور یہ کام کرنے والوں کو کچھ گزند نہیں پہنچ رہا ان کے ہاتھ پاؤں شل کیوں نہیں ہو جاتے ان کی آنکھیں اندھی کیوں نہیں ہو جاتیں؟ انہیں قدرت کیوں نہیں روک دیتی؟ اللہ کریم فرماتے ہیں **وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ** کافر یہ نہ سمجھیں کہ انہوں نے دنیا کو تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دیا

ہے اور انہیں مزید مہلت مل رہی ہے اور وہ تباہی پھیلائے جا رہے ہیں تو وہ کسی خوش فہمی میں نہ رہیں کہ انہیں فوری طور پر پکڑا کیوں نہیں جاتا انہیں ہم نے طبعی زندگی عطاء کی ہے ہم نے مہلت عمل دی ہے کہ یہ اپنی زندگی بسر کریں اور جتنا آگے جا سکتے ہیں جائیں اور اپنی مرضی سے ظلم وستم کا راستہ اپنا کر اس پر چلتے ہوئے جہنم کی گہرائیوں میں دھنستے چلے جائیں۔ گناہ پر گرفت ہو جانا توبہ کا سبب بن جاتا ہے گناہ سے رکنے کا سبب بن جاتا ہے اور یہ اللہ کی رحمت ہے کہ وہ نیک لوگوں کو یہ حق عطاء کرتا ہے کہ بتقاضائے بشریت اس سے غلطی ہو جائے تو اس پر ایسا حادثہ آ جاتا ہے کہ وہ توبہ کر لیتا ہے تو یہ حادثہ تو اللہ کا انعام ہے یہ انعام مومن پر ہوتا ہے صاحب ایمان پر ہوتا ہے کافر پر انعام تو نہیں ہوتا اس پر تو عذاب ہوتا ہے اور عذاب یہ ہے کہ اسے ڈھیل دے دی جاتی ہے سو کافر نہ سمجھیں کہ وہ پوری دنیا پر مظالم توڑ رہے ہیں تو ان پر فوری گرفت نہیں آئی اس لئے کہ اللہ نے انہیں مہلت دے رکھی ہے وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ان کے لئے ذلت آمیز سزا ہوگی۔

عذاب کی صورتیں:

ان آیات میں تین طرح کا عذاب بیان ہوا ہے بہت بڑا عذاب، عَذَابٌ أَلِيمٌ دردناک عذاب عَذَابٌ مُّهِينٌ اور ذلت کا عذاب۔ یہ تین طرح کے لوگوں پر مرتب ہوگا ایک وہ جنہوں نے حضور ﷺ کا اتباع چھوڑ کر شیطان کی پیروی اختیار کی فرمایا ان کے لئے عذاب عظیم ہے دوسرے وہ جنہوں نے ایمان چھوڑ ہی دیا اور کفر خرید لیا اور پھر کفر پر ہی عمر بسر کر دی فرمایا ان کے لئے عذاب الیم ہے بڑا دردناک اور تکلیف دہ عذاب۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو کفر اور ظلم میں بڑھتے ہی چلے گئے اور موت کے آنے تک انہوں نے بس نہیں کی فرمایا ہم نے انہیں مہلت دی کہ وہ جتنے گناہ اپنے اوپر لاد سکتے ہیں لاد لیں یہ ایسے لوگ ہیں جو دنیا کو تباہی میں جھونک رہے ہیں ان کیلئے عذاب مھین ہے انہیں عذاب بھی ہوگا اور انہیں رسوائی بھی نصیب ہوگی ان کی ذلت ہوگی ذلت آمیز عذاب کیا ہوگا؟

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ اللہ انہیں لوگوں کے سامنے ظاہر کر دے گا پوری مخلوق کے سامنے سرمیدان رسوا ہوں گے۔ دنیا میں تو کچھ اور بن کر دکھاتے تھے حشر میں اللہ ان کے یہ سارے پردے کھول دے گا اور وہ ذلت و رسوائی کے عذاب کو بھگتیں گے۔ اللہ کریم دلوں کے بھید خود جانتا ہے لیکن وہ کوئی فیصلہ محض اپنے علم کے باعث نہیں کرتا وہ یہ چاہتا ہے کہ جس شخص نے بھی اسلام کا مسلمانی کا دعویٰ کیا ہے اور مخلوق خدا کے سامنے کیا ہے دنیا کے سامنے کیا ہے تو اس دعوے کو لوگوں کے سامنے ہی ثابت ہونا چاہیئے اس لئے کہ اللہ عادل ہے منصف ہے اللہ بندے کے اس

دعوے کو آزماتا ہے کہ وہ اسے اپنے عمل سے، کردار سے بات کرے کہ وہ کھرا ہے اس آزمائش کے لئے اسے دکھ اور مصیبتیں آئیں گی اسے برائی کا مقابلہ کرنا ہوگا ظلم و کفر کے مقابل ڈٹنا ہوگا اگر وہ اس راہ حق میں ثابت قدم رہا تو وہ کھرا مومن ہے اور اگر اس نے برائی کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تو پھر خبیث اور طیب کی پہچان ہوگئی کہ کس نے صرف دعویٰ کیا اور حق اس کے دل میں نہیں اترا اور عملاً وہ گناہ ہی کا ساتھ دے رہا ہے برائی اور ظلم کا ساتھ دے رہا ہے اس طرح جس دنیا کے سامنے اس نے دعویٰ تو مسلمانی کا کیا اور عملاً برائی کا ساتھ دیا اور برائی پر جم گیا تو اسی دنیا اسی مخلوق خدا کے سامنے اس کی اصلیت آجائیگی اور جس نے برائی سے سمجھوتہ نہیں کیا اللہ کی اطاعت پر زندگی بسر کی وہ دنیا میں بھی سرفراز ہو جائے گا اور آخرت میں سرفراز ہوگا اور پتہ چل جائے گا کہ یہ طیب ہے پاک دل پاک مزاج پاک سینے پاک زبان پاک کردار والا پاکیزہ انسان ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اللہ قادر ہے وہ دلوں کے بھید جانتا ہے وہ چاہتا تو ہر ایک کے بارے بتادیتا کہ فلاں کھرا ہے اور فلاں کھوٹا لیکن اللہ ہر فرد و بشر کو نہیں بتاتا لیکن اپنے رسولوں کو جنہیں رسالت کے لئے چن لیتا ہے انہیں جب چاہے بتادیتا ہے۔

صرف اللہ عالم الغیب ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اللہ کی شان ایسی بلند ہے کہ وہ غیب کے علم کی اطلاع ہر فرد و بشر کو نہیں کرتا بلکہ انبیاؑ کو مطلع فرمادیتا ہے جتنا وہ چاہتا ہے اور جب وہ چاہتا ہے اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ انبیاؑ عالم الغیب ہوتے ہیں عالم الغیب صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے اور وہ ایسا عالم ہے کہ اسے جاننے کیلئے کسی ذریعے یا سبب کی ضرورت نہیں وہ ہر شے سے ہر آن سے واقف ہے انبیاؑ کو امور غیبیہ پر مطلع فرمادیا جاتا ہے اطلاع عن الغیب کا معنی ہے کہ اللہ کریم غیب کی باتوں میں سے جتنا چاہتے ہیں اپنے انبیاءؑ کو عطاء فرمادیتے ہیں اور جب نبیؑ کو اطلاع غیب دی جائے تو وہ غیب نہیں رہتا اگرچہ عوام الناس کے لئے تو وہ غیب ہی رہتا ہے اور یہ بڑے عجیب معاملات ہوتے ہیں جیسے سیدنا ابراہیمؑ کے بارے قرآن حکیم میں موجود ہے

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ (الانعام:75) ہم نے زمینوں اور آسمانوں کی بادشاہتیں ابراہیمؑ پر کھول کر رکھ دیں کہ دیکھو کس طرح سے نظام کائنات چل رہا ہے کتنا باریک اور حساس نظام ہے۔ ہزاروں، لاکھوں، کھربوں ذرات ایک دوسرے سے پیوست ہوتے ہیں یا جدا ہوتے ہیں تو کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں ہوا کے ایک جھونکے کے چلنے سے کیا کیا ہوتا ہے سورج کی ایک ایک کرن کس

طرح کام کرتی ہے چاند کی چاندنی کیا انقلاب لاتی ہے بارش کا قطرہ کیا کرتا ہے؟ اللہ کے فیصلے فرشتے کیسے وصول کرتے ہیں ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں اسباب کس طرح مسبب الاسباب کے حکم پر حرکت کرتے ہیں اس طرح کے ان گنت حقائق دنیوی واُخروی سے مطلع فرمایا گیا اور پھر وہی حضرت ابراہیمؑ ہیں جنہیں ایک وقت میں ارض وسماء کی ساری بادشاہتیں کھول کر دکھا دی گئیں۔ دوسرے لمحے انہیں یہ علم ہی نہیں تھا کہ انہوں نے اسماعیلؑ کو ذبح کیا ہے یا دنبہ ذبح کیا ہے کیونکہ انہوں نے تو حکم الٰہی پورا کرتے ہوئے آنکھوں پر پٹی باندھ کر بیٹے کی گردن پر چھری چلا دی تھی انہیں تو علم نہیں تھا کہ اللہ نے اسماعیلؑ کو ہٹا کر ان کی جگہ جنت سے ایک دنبہ بھیج دیا ہے اور ذبح اسماعیل نہیں ہوئے بلکہ دنبہ ذبح ہوا ہے انہوں نے پٹی اتاری تو دیکھا کہ دنبہ ذبح ہوا پڑا ہے اور اسماعیلؑ کھڑے مسکرا رہے ہیں اس پر وحی آئی قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ (الصفت: 105) آپؑ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا ہے آپ کی طرف سے اسماعیلؑ کی قربانی قبول ہوئی سو اللہ کریم جب بہتر سمجھتے ہیں اور جتنا بہتر سمجھتے ہیں اپنے نبیوںؑ کو بتا دیتے ہیں اور جو نہیں بتانا چاہتے وہ نہیں بتاتے جیسے قرآن حکیم میں یوسفؑ کے واقعے میں ملتا ہے کہ یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو مصر میں اپنا کرتہ عطاء کیا اور کہا کہ یہ میرے والد کی آنکھوں پر لگانا اس کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی ان کی بینائی لوٹ آئے گی اور وہ شخص کرتہ لے کر جب مصر سے نکلا تو کنعان میں بیٹھے ہوئے حضرت یعقوبؑ نے فرمایا، اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ○ (یوسف: 94) آج تو مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے تو سوال کرنے والے نے کہا کہ آپؑ نے یوسف کی خوشبو مصر سے سونگھ لی اور جب یوسفؑ یہاں کنعان کے کنوئیں میں پڑے رہے تو آپؑ کو پتہ نہیں چلا انہوں نے فرمایا نبیوں اور رسولوں کا حال برق تپاں کی طرح ہوتا ہے کہ جب چمکتی ہے تو ذرہ ذرہ روشن کر دیتی ہے۔ کبھی تو ہماری نظر عرش علٰی پر ہوتی ہے اور کبھی کچھ پتہ ہی نہیں چلتا کہ سامنے والی چیز کیا ہے اسی بات کو فارسی میں منظوم کیا گیا ہے......

کسے پر سیداں گم کردہ فرزند — کہ اے روشن گوہر پیر خرد مند
زے مصرش بوئے پیراہن شنیدی — چرا گرچاہ کنعان نہ دیدی
بگفتہ احوال ما برق جہاں است — دم پیدا دم دیگر نہاں است
گہے برطارم اعلی نشینیم — گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

صاحب کشف کے لئے درس عبرت:

اس میں صاحب کشف حضرات کیلئے درس عبرت ہے اگر انبیاءؑ کا یہ عالم ہے تو پھر ولی کے کشف کی کیا

حیثیت ہے۔مشاہدہ وکشف اس لئے نصیب ہوتا ہے کہ حکمت الٰہی پر مزید تدبر کر کے مزید اطاعت کی توفیق حاصل کی جائے یہ اس لئے نہیں کہ کشف سے یہ بتایا جائے کہ تمہاری دکان اس لئے نہیں چلتی کہ اس کی یہ وجہ ہے یا وہ وجہ ہے تمہارا بیٹا اس لئے بیمار ہے کہ تم نے پیر صاحب سے تعویز نہیں لیا اور تمہاری گائے اس لئے دودھ نہیں دیتی کہ تم نے مجھ سے دم نہیں کروایا یہ سب بے دینی کی باتیں ہیں اور ایسی باتیں بہت برے نتائج لاتی ہیں ہماری تو عمر الحمد اللہ اس انعام کے ساتھ گزری لیکن اللہ نے اپنی رحمت سے بچائے رکھا ورنہ ہماری آنکھوں کے سامنے لوگوں کو کشف سے دنیاوی کھیل کھیلتے دیکھا اور اس بے دینی کا نتیجہ بھگتتے بھی دیکھا ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو کسی مشاہدے کیلئے آنکھیں بند نہیں کرتے تھے کھلی آنکھوں سے برزخ کی باتیں کرتے تھے لیکن انہوں نے جب ناشکری کی اس نعمت کا غلط استعمال کیا تو پھر ہم نے انہیں اللہ کا انکار کرتے ہوئے بھی دیکھا تو ان نعمتوں کو اپنی بڑائی کیلئے یا کسی سے فائدہ حاصل کرنے کیلئے استعمال کرتے ہیں تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ کشف ومشاہدہ کے غلط استعمال کے نتیجے میں یہ نعمتیں چھن جاتی ہیں اور جب یہ جاتی ہیں تو ساتھ ایمان کو بھی لے جاتی ہیں کیونکہ مشاہدات کی بنیاد ہی ایمان ہے اور مشاہدات کے ساتھ ایمان بھی اس لئے چلا جاتا ہے کہ یہ دونوں کا آپس میں بہت مضبوط تعلق ہوتا ہے اور اللہ کی نعمتوں کی ایسی ناشکری ایمان سے بھی محروم کردیتی ہے۔

یہ عقیدہ رکھنا لازم ہے کہ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے وہ ہر بندے کو غیب کی اطلاع نہیں دیتا۔اپنے انبیاء کو جب چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے مطلع فرمادیتا ہے۔ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ سو انسانیت کا کمال یہی ہے کہ تم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ پر یقین کرو اعتبار کرو محمد رسول اللہ ﷺ پر وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ اور اگر تم یقین کرو گے ایمان لاؤ گے اور اللہ سے اپنا تعلق تقوی کے ساتھ استوار رکھو گے تو حضور حق نصیب ہو جائے گا۔اللہ کی نافرمانی نہیں کرو گے تو تمہارے لئے بہت بڑا انعام ہوگا۔

تعلیمات نبوت سے اعراض کا سبب بخل ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ان آیات میں انسانی مزاج کی بات ہورہی ہے یہی مضمون پچھلی آیات میں بھی تھا کہ جو لوگ تعلیمات نبوت سے اعراض کرتے ہیں یا عمل نہیں کرتے تو ان کا بڑا سبب بخل ہے۔

اللہ کریم انبیاء کرام کو تمام علوم سے بہرہ ور فرما کر اور علوم کے خزانے عطا فرما کر مبعوث فرماتے ہیں اور وہ لوگ علوم غیبیہ میں ایمانیات ،عقائد آخرت ، ملائکہ ، ذات باری وصفات باری کے جاننے میں انبیاء کے

محتاج ہوتے ہیں اور انہیں جاننا ان حقائق سے آگاہ ہونا انسانی ضرورت ہے لیکن جولوگ انبیاء کی تعلیمات سے اعراض کرتے ہیں اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ مادی دنیا کی نعمتوں پر اس طرح ریجھ جاتے ہیں کہ مادی خواہشات کی تکمیل اور دنیاوی لذت میں کھو جاتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ دولت دنیا کو اس طرح جمع کرلیں کہ دوسرے تک نہ پہنچنے پائے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ دنیا کی نعمتوں کو خود تک روک لینا زندگی کے تسلسل کو روکنے کے مترادف ہے اور یہ ایسی حرکت ہے کہ اپنے نتیجے کے اعتبار سے بہت بڑا جرم بن جاتا ہے۔

کائنات کے نظام پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ زندگی کا اصول کچھ آگے دینے پر ہے درخت کو دیکھ لیں اسکی جڑ غذا حاصل کرتی ہے اب اگر جڑ ہی غذا کو روک لے آگے ترسیل نہ کرے جڑ ہی پھولتی رہے تو درخت کے باقی حصوں کو غذا کہاں سے ملے گی۔ سورج کی کرنیں حیات آفرین ہیں لیکن اگر کوئی چاہے کہ سورج کی کرنوں کو پابند کرلے تو دیکھا جاسکتا ہے کہ بعض جگہ بڑے گھنے سایہ دار درخت ہوتے ہیں لیکن انکے نیچے زمین میں روئیدگی نہیں ہوتی کیوں؟ اس لئے کہ سورج کی حیات آفرینی ان تک نہیں پہنچ پاتی اسی طرح بادل میں نمی ہے اگر بادل اسے روک لے تو دنیا پر مخلوق پیاسی رہ جائے لیکن قدرت کا نظام اللہ نے ہی بنایا ہے کہ بادل پانی برسائے ہوائیں نمی پہنچائیں کرنیں تمازیت اور روشنی آگے پہنچائیں۔ انسانی وجود میں بھی ایسا ہی نظام رواں دواں ہے دل سے خون بدن کے ہر حصے تک پہنچتا ہے جلد کے حصے میں علیحدہ آتا ہے ہڈی کے گودے تک اس کا حصہ پہنچتا ہے لیکن اگر کسی مقام پر اسے روک لیا جائے تو وہی عضو بیکار ہوجائے گا یوں ہی زندگی کے وسائل ہیں انکی روانی کو روکنا زیادتی ہے۔ اگر معاشی مثال ہی لی جائے اور ایک شخص یہ چاہے کہ وہ تمام اجناس کا ذخیرہ کرلے اور پھر لوگ مجبوراً مہنگے داموں خریدیں تو اس شخص نے اپنے اس فعل سے کتنی انسانی جانوں کو مشکلات کا سامنا کرنے پر مجبور کردیا یا سیاسی طور پر ایک شخص اپنے اقتدار کو طول دے کر خود ہی ہمیشہ کے لئے اقتدار میں رہنا چاہے تو وہ ایک شخص پورے ملک کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کردیتا ہے اس کے اس فعل کے نتیجے میں ملک فسادات کی لپیٹ میں آجاتا ہے، دہشت گردی پروان چڑھتی ہے عوام احتجاج کرتے ہیں پولیس اور حکومتی اہل کاران پر تشدد کرتے ہیں اور یوں وہ ایک شخص تمام ہلاکتوں کا ذمہ دار بنتا ہے۔ یہی بات ان آیات مبارکہ میں بیان ہو رہی ہے کہ کوئی بھی شخص کہیں بھی ناروا طریقے پر دنیوی اقتدار و اختیار یا مال و دولت کو جہاں بھی مخلوق خدا تک پہنچنے سے روکتا ہے وہیں وہ فساد اور تباہی پھیلاتا ہے۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اللہ نے اپنی مہربانی سے جو نعمتیں انسانوں کے لئے رکھی ہیں انہیں کوئی شخص دوسروں سے روکنا چاہتا ہے تو وہ بخل کرتا ہے۔

بخل کیا ہے:

بخل یہ ہے کہ سب کچھ اپنے لئے جمع کیا جائے اور دوسروں تک ان کا حق پہنچنے میں رکاوٹ ڈالی جائے اس کا سبب دنیا کا لالچ ہے اور یہ نتیجہ ہے انبیاءؑ کی تعلیمات سے محروم ہونے کا۔ انبیاء کرامؑ کی تعلیمات و برکات سے محروم انسان ظاہرداری کر لیتا ہے باطن میں کھرا نہیں ہوتا اس لئے اس کے کردار میں معاملات میں لین دین میں بخل کارفرما رہتا ہے یہ بات عام مشاہدے کی ہے کہ لوگوں کو نمازیں پڑھنے میں زیادہ مشکل پیش نہیں آتی حج میں شہرت کا پہلو بھی ہے لوگ شوقیہ بھی حج کرتے ہیں لیکن جب باری آتی ہے معاملات کی کسی عہدے اختیار و اقتدار کو ان تک پہنچایا جائے جو اس کے اہل ہیں یا دولت دنیا کو اس طرح تقسیم کیا جائے کہ مستحقین تک ان کا حق پہنچے علاج معالجے کی سہولتیں اس طرح بانٹی جائیں کہ ہر مستحق تک اس کا حق پہنچے تعلیم کو اس طرح عام کیا جائے کہ غریب ترین آدمی کے بچے تک اس کی رسائی ہو تو یہاں آکر بخل کے باعث وہی نمازی اور حاجی رکاوٹ ڈالتے ہیں نتیجتاً امراء کے بچوں کیلئے اعلیٰ سکول بنتے ہیں اور غرباء کے بچے دھوپ میں بیٹھتے ہیں انہیں یا تو استاد نہیں ملتا یا کتاب میسر نہیں آتی علاج معالجے کیلئے غریب دربدر دھکے کھاتا ہے اور امیروں کا علاج غیر ممالک میں سرکاری خرچ پر ہوتا ہے اس طرح تمام وسائل زندگی کو ایک خاص طبقے کے لئے یا ایک فرد کیلئے مختص کر دیا جائے تو نظام میں ابتری آنے لگتی ہے فساد پیدا ہو جاتا ہے اور پورے انسانی معاشرے کی زندگی متاثر ہوتی ہے تو یہاں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ تم جس طرح دنیا کے لالچ میں آکر اللہ کی پیدا کردہ نعمتوں کو جو امانتاً تمہاری رسائی میں ہیں انہیں دوسروں تک نہیں پہنچا رہے تو اسے اپنے لئے اچھا نہ سمجھو یہ نہ سمجھو کہ تم نے بڑی دولت جمع کر لی بڑی لمبی مدت تک حکومت کر لی اور بڑے خزانے جمع کر لئے یہ اچھا نہیں ہے۔

بخل موجب عذاب ہے:

بلکہ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ تم اپنے آپ کے ساتھ بہت زیادتی کر رہے ہو۔ دوسروں کے حقوق روک کر دنیا کو دکھوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر کے اور انسانی زندگیاں ضائع کر کے اپنے لئے بہت برا کر رہے ہوں کیونکہ ایک وقت آئے گا جب تمہیں بھی ایک اعلیٰ ترین عدالت میں اس کا جواب دینا پڑے گا جہاں انصاف ہوگا زیادتی نہیں ہوگی۔ بارگاہ الوہیت میں کھڑے ہو کر ان سب لوگوں کے حقوق ادا کرنے پڑیں گے جب اس وقت تمہارے پاس دینے کو کچھ نہیں ہوگا پھر کیا نتیجہ ہوگا؟ عدل ہوگا لوٹنے والے پر لٹنے والے کے گناہ بھی لاد دیئے جائیں گے اور اس کے علاوہ ظالم کو اللہ کریم اپنی مخلوق پر ظلم کرنے کی سزا اپنی مرضی سے دیں گے یہ

ان کی پسند ہے کہ وہ اسے کیا سزا دیتے ہیں۔ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ میدان حشر میں جب لوگ جمع ہوں گے تو جس شخص نے لوگوں کے حقوق روک کر بخل کر کے زیادتی کر کے دولت جمع کی ہوگی دنیاوی وسائل کی ناجائز ذخیرہ اندوزی کی ہوگی اقتدار واختیار روک کر رکھا ہوگا تو وہ اس حال میں لوگوں کے سامنے آئے گا کہ بڑے بڑے ہیبت ناک طوق اس کے گلے میں پڑے ہوں گے اور اس کا کردار ایک جسم کی صورت اختیار کرلے گا اور اس کے اعمال بڑے بڑے طوق بن جائیں گے جو بخیل کے گلے میں پڑے ہوں گے۔

وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور حق یہ ہے کہ زمین وآسمان کی ریاست اللہ کی ہے وہ آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اگر اس نے وقتی طور پر کوئی قطعہ زمین کسی زمیندار کی ملکیت میں دے دیا تو یہ بندے کے پاس اللہ کی امانت ہے اسے اللہ نے عارضی ملکیت دی ہے اب اس عارضی ملکیت رکھنے والے کو چاہیئے کہ وہ اس زمین پر بسنے والوں کے حقوق نہ چھینے اگر ملک کا ایک صوبہ کسی چیف منسٹر کے زیر اقتدار آ گیا ہے تو وہاں کے لوگوں کے حقوق تسلیم کرے اس لئے کہ بالآخر سب ملکیت اللہ کے لئے ہے۔ زمین نہ بادشاہ کی ہے نہ زمیندار کی نہ غریب وفقیر کی ہے نہ امیر کی یہ سب چندے مہلت و نیا میں امانت ہے۔ علوم دین دنیا میں کسی کی اجارہ داری نہیں ہر جاننے والے کا فرض ہے کہ اسے پھیلائے لیکن صاحب علم اس لئے دوسروں کو نہیں سکھاتے کہ اس طرح ان کی اجارہ داری ختم ہو جائے گی طب کے شعبے میں ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں ہمارے ہاں اطباء نے ایسی ادویہ بنائی ہیں کہ جن کی تاثیر کا مقابلہ مغرب آج بھی نہیں کر سکتا لیکن انہوں نے ان ادویہ کے نسخے آگے تقسیم نہیں فرمائے وہ علم آگے تقسیم نہیں کیا اور وہ علم حکیم صاحب کے ساتھ ہی دنیا سے ناپید ہو گیا لیکن انہوں نے اپنی اجارہ داری قائم رکھی حالانکہ علم اللہ کا دیا ہوا تھا مخلوق کا حق تھا ہر بیمار مریض اور ضرورت مند کا حق تھا انہیں چاہیئے تھا کہ وہ اپنے شاگردوں کو سکھاتے طالب علموں کو پڑھاتے ان نسخوں کو عام کرتے لیکن ان کی اجارہ داری کا شوق قائم رکھنے کے باعث علم کا خزانہ ضائع ہو گیا سو کاروبار حیات کے تمام علوم خواہ وہ سائنس سے متعلقہ علوم ہوں یا معیشت کے، علوم ابدان ہوں یا علوم ادیان، ضروریات دنیا کے علوم ہوں یا اخروی حیات کے غرض کسی بھی شعبے کے علوم ہوں یہ کسی جاننے والے کی ذات کے لئے نہیں بلکہ اللہ کی مخلوق کیلئے ہے اسے اللہ کی مخلوق کے لئے عام کرنا چاہیئے اور جو لوگ روک لیتے ہیں ان کا یہی لالچ دنیا و دین سے محرومی کا سبب بنتا ہے اور یہ لوگ انبیاءؑ کی بات اسی لئے نہیں مانتے کہ انبیاءؑ تعلیم ہی یہی دیتے ہیں کہ دوسروں کے وسائل مت روکو تو فرمایا جا رہا ہے کہ ایسے لوگوں کے بارے یہ نہ سمجھو کہ فلاں نے بڑی دولت جمع کر لی لوگوں کے حقوق چھین کر بہت بڑا آدمی بن گیا اور اس نے بڑی کامیاب زندگی گزاری بلکہ اس کا انجام یہ ہوگا کہ ہر ہر آدمی کا حق ایک الگ طوق بنا ہوا ہوگا ایک زمیندار نے مزارعوں کے حقوق چھینے تو اس کے گلے

میں دس پندرہ طوق ہونگے کسی نے صوبے کے حقوق چھینے تو کسی نے پورے ملک کی آبادی کے حقوق چھینے اگر ملک کی آبادی سولہ کروڑ ہے تو اتنے ہی طوق اس ایک کے گلے میں ہونگے بلکہ سولہ کروڑ سے کئی گنا زیادہ ہونگے اس لئے کہ ایک شہری کا ایک حق نہیں کئی حقوق اس نے غصب کئے تھے۔ اس کی آزادی سلب کی اس کی روزی کے وسائل روکے اس کو علم سے بہرہ ور نہ ہونے دیا علاج معالج سے اسے محروم رکھا یوں اگر ایک آدمی کے پاس پچاس حقوق اس نے ضائع کئے تو سولہ کروڑ کو پچاس سے ضرب دو تو اتنے طوق اس ایک حکمران کی گردن میں ہوں گے۔

حدیث شریف میں ملتا ہے کہ بعض کفار کا ایک ایک دانت داڑھ احد پہاڑ جتنے بڑے ہوں گے اس کی تشریح میں محدثین کرام لکھتے ہیں کہ عام آدمی کو اشکال ہوتا ہے کہ ایک دانت اتنا بڑا ہوگا تو اس کا وجود کتنا بڑا ہوگا لیکن اس کی وجہ یہ ہوگی کہ جس بندے کے جتنے مظالم ہوں گے جتنے طوق اس کے گلے میں پڑے ہوں گے اس کا گلا بھی قدرت اسی حساب سے بڑا کر دے گی کہ جتنا بڑا وجود ہوگا اتنی بڑی تکلیف بھی ہوگی اور اتنے ہی بڑے دکھ بھی ہوں گے تو فرمایا تم بخل کر کے اچھا نہیں کر رہے اور نہ اس پر خوش ہونے کی ضرورت ہے بلکہ جو ایسا کرتا ہے وہ اس کیلئے انتہائی برا ہے کہ میدان حشر میں پرسش اعمال کے وقت ہی وہ اس حال میں لایا جائے گا اور حساب کتاب سے پہلے ہی اس کی حاضری بتا دے گی کہ بہت بڑا مجرم لایا جا رہا ہے دنیا نے تو چنگیز خان کو بڑا ہیرو سمجھا فرعون کے بارے بھی سمجھا کہ اس نے دنیا بڑی عیش میں گزاری لیکن میدان حشر میں ہر ظالم جابر پہاڑ جتنا ہو کر بے شمار سزا دینے والے طوق گلے میں ڈالے حاضر ہوگا اور حساب سے پہلے ہی اس کی آمد بتا رہی ہوگی کہ یہ کتنا بڑا مجرم ہے۔

وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ سب کچھ اللہ کا ہے جس طرح تم زمین و آسمان کی ریاست میں نہ مداخلت کر سکتے ہو نہ زمین و آسمان کی دولت پر قبضہ کر سکتے ہو اسی طرح زمین پر تمہارا اقتدار و اختیار وقتی ہے بیت جانے والا ہے آزمائش ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝١٨٠ اللہ ہر حال میں باخبر ہے جتنا ظلم تم کر رہے ہو جتنی حکم عدولی اور قانون شکنی تم کر رہے ہو یہ سب کچھ اللہ کریم خود ملاحظہ فرما رہا ہے دیکھ رہا ہے، سن رہا ہے، جان رہا ہے۔ اس کی حقیقت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ ایک شخص جرم کرتا ہے اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جاتی ہے وہ عدالت جاتا ہے اسے عدالت میں ثابت کرنا پڑتا ہے کہ اس شخص سے واقعی جرم ہوا تھا لیکن اگر کوئی شخص جرم کرے ہی عدالت کے روبرو تو فرمایا جس عدالت میں تمہیں بالآخر پیش ہونا ہے وہی ہستی تمہیں اس وقت بھی دیکھ رہی ہے اور یہ حرکت تم اللہ جل شانہ کے روبرو کر رہے ہو۔

سورۃ آل عمران رکوع 19 آیات 181 تا 189

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ
مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿١٨١﴾
ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٨٢﴾ اَلَّذِيْنَ
قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ
النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ
قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٨٣﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ
قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿١٨٤﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ
الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ
وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿١٨٥﴾ لَتُبْلَوُنَّ
فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۫ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ
قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ
ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٨٦﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۫ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ
ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿١٨٧﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا
وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ
الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٨٨﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾

بے شک اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ مفلس ہیں اور ہم
مالدار ہیں ہم ان کی بات کو لکھ رکھیں گے اور ان کے انبیاء کو ناحق قتل کرنے کو بھی
اور ہم کہیں گے کہ آگ کا عذاب چکھو ﴿۱۸۱﴾ یہ (سزا) ان (اعمال) کی وجہ سے
ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجے اور یہ کہ اللہ بندوں پر زیادتی نہیں
کرتے ﴿۱۸۲﴾ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بے شک اللہ نے ہم کو حکم فرمایا کہ ہم کسی
پیغمبر پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر نہ آئے جسے
آگ کھا جائے فرما دیجئے کہ یقینا مجھ سے پہلے تمہارے پاس واضح دلائل لے کر
پیغمبر آئے اور جو تم کہتے ہو اس کے ساتھ بھی اگر تم سچے ہو تو تم نے ان کو کیوں قتل کیا
﴿۱۸۳﴾ پھر اگر یہ آپ کو سچا نہ مانیں تو انھوں نے آپ سے پہلے پیغمبروں کو بھی سچا
نہیں مانا جو (ان کے پاس) دلائل اور صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے ﴿۱۸۴﴾
ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور یقینا تم کو قیامت کے روز (تمہارے اعمال کا)
پورا بدلہ دیا جائے گا پس جو آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا تو یقینا وہ
مراد کو پہنچا اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے ﴿۱۸۵﴾ البتہ تم اپنے
مالوں اور اپنی جانوں میں آزمائے جاؤ گے اور تم ضرور ان لوگوں سے جن (اہل
کتاب) کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور مشرکوں سے بہت سی ایذا کی باتیں سنو گے
اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو یقینا یہ بہت ہمت کے کام
ہیں ﴿۱۸۶﴾ اور جب اللہ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم (اس میں جو لکھا ہے) اس
کو ضرور لوگوں میں بیان کرو گے اور اسے نہ چھپاؤ گے پس انھوں نے اسے پس پشت
ڈال دیا اور اس سے بہت تھوڑی قیمت (مال وزر) وصول کر لی پس وہ جو کچھ حاصل
کرتے ہیں بہت برا ہے ﴿۱۸۷﴾ تم یہ خیال نہ کرو کہ جو لوگ اپنے (برے) کاموں
سے خوش ہوتے ہیں اور جو کام انھوں نے نہیں کیا اس کی بناء پر اپنی (جھوٹی) تعریف

چاہتے ہیں پس تم یہ نہ سمجھو کہ وہ عذاب سے چھوٹ جائیں گے اور ان کے لئے درد
ان کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۱۸۸﴾ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ
کے لئے ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہیں ﴿۱۸۹﴾

خلاصہ وتفسیر ومعارف

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ جہاد میں شمولیت کیلئے مجاہدین کی تیاری کے لئے جب لوگوں میں اعلان فرمایا کہ حسب توفیق مالی معاونت کریں اپنا حصہ ڈال کر سعادت حاصل کریں تو ناقدین کہنے لگے کہ ہم تو دولت مند وغنی ہیں لیکن لگتا ہے اللہ فقیر ہو گیا ہے (نعوذ باللہ) اللہ کے پاس کچھ نہیں رہا کہ اللہ کے کام کیلئے ہمیں چندے دینے پڑتے ہیں۔

فرمایا سَمِعَ اللّٰهُ اللہ سن رہا ہے اللہ نے یہ بات سن لی ہے کہ اللہ تہی دامن ہو گیا ہم دولت مند ہیں اور ہمیں مال خرچ کرنے کی ضرورت آ پڑی ہے۔

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا جو یہ کہہ رہے ہیں وہ لکھا جا رہا ہے اور ان کا یہ کہنا کوئی بڑی بات نہیں اللہ کی شان ہر تعریف اور ہر برے قول سے بلند ہے ان کا یہ قول ان ہی کی پستی، فکر و عمل کی دلیل ہے۔

وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ انہوں نے تو کتنے ہی انبیاءؑ کو ناحق قتل کیا یعنی یہ خود جانتے تھے کہ یہ قتل ناحق ہے اس کے باوجود اللہ کے نبیوں کے قتل کے مرتکب ہوئے۔ یہ ان کے باطن کو ظاہر کرتا ہے کہ جس کام کو غلط سمجھتے ہیں اسی پر عمل کرتے ہیں اور غلط کاری کے باوجود گستاخی کرتے ہیں۔

اللہ کریم کی شان نہایت بلند ہے اسے کسی کے مال کی احتیاج نہیں سب مال خود اس کا پیدا کردہ ہے اور بندوں کو اسی نے عطا کر رکھا ہے۔ دین کے کاموں میں خرچ کرنے کی ترغیب بندے کو اس لئے دی جاتی ہے کہ بندے کے پاس اللہ ہی کا مال ہے اور اللہ نے اس مال میں ضرورت مندوں کا حق رکھا ہے۔

عارضی ملکیت کا ہونا ہی انسان کی آزمائش ہے:

بندے کا کسی پر احسان نہیں مال اس کا ہے مخلوق اس کی ہے اگر ہم عارضی ملکیت رکھتے ہیں تو یہ آزمائش ہے اگر ہم ضرورت مند تک اس کا حق نہیں پہنچاتے تو جس کا حق ہمارے مال میں ہے اتنا مال ہم سے

نکل جاتا ہے۔ کسی مقدمے میں پھنس جاتے ہیں وہاں خرچ کر آتے ہیں کسی بیماری کی نذر ہو جاتا ہے تو مال تو اللہ کا تھا اس کے حکم کے مطابق اس کی مخلوق تک نہیں پہنچایا تو پھر وہ دوسرے طریقے سے لے لیتا ہے اللہ چندے لینے نہیں آتا مشکل طریقوں سے نکلواتا ہے۔ بندہ ضرورت مندوں کو دینے کے بجائے بیماری کاٹتا ہے اور بالآخر تہی دست ہو جاتا ہے اور بیماری پھر بھی سہنی پڑتی ہے تو کیا یہ اس سے بہتر نہیں ہے کہ جب اللہ کریم ترغیب دیتے ہیں کہ میرے دیئے ہوئے مال میں سے ضرورت مندوں پر خرچ کرو کہ مال میرا ہے میں نے تمہیں آزمانے کیلئے چند دوسروں کے حقوق تمہارے پاس جمع کر دیئے ہیں اُن تک ان کے حقوق پہنچا دو اور بندہ پہنچا دے تو وہ دونوں جہانوں میں فائدے میں رہے گا اور جو اللہ کے دیئے ہوئے مال اور علم دونوں سے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے وہ سخت خسارے میں ہیں۔ آج کل کے بعض طبیب اور ڈاکٹر اسی کام میں لگے ہوئے ہیں علاج کی طرف توجہ دینے کی بجائے مریض کو زیادہ سے زیادہ لوٹنے کی کوشش میں رہتے ہیں ایک زمانہ تھا کہ بیماری زیادہ بھی ہوتی تو طبیب حوصلہ دیتے دوا دیتے اور حوصلہ بڑھاتے تھے آج کل بیماری تھوڑی بھی ہو تو طبیب جان بوجھ کر مریض کو بڑھا کر بتاتے ہیں جو مرض دوا کھانے سے ٹھیک ہو سکتا ہے اس کے لئے آپریشن تجویز کرتے ہیں بے شمار ٹیسٹ کرواتے ہیں تاکہ مریض سے زیادہ سے زیادہ فیس وصول کی جا سکے یہ سب بخل کی وہ صورتیں ہیں جن سے اللہ کریم منع فرما رہے ہیں۔

رہا یہود بے بہود کا یہ گستاخانہ مقولہ تو فرمایا اللہ کریم سن بھی رہے ہیں دیکھ بھی رہے ہیں اور فرشتے جو لکھنے پر مقرر ہیں وہ ہر لمحے کا ایک ایک جملہ لکھ بھی رہے ہیں لیکن ان کو کیا جنہوں نے اللہ کے نبیوںؑ اور رسولوںؑ کو ظلماً شہید کر دیا انہیں ایسے جملے کہنے کا احساس ہی تب ہوگا جب جواب دہی کی باری آئے گی اور جب اللہ کی بارگاہ سے یہ ارشاد ہوگا۔ جاؤ اور دوزخ میں جلنے تڑپنے کا عذاب چکھو۔ اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ عظمت اختیار اور اقتدار کس کے پاس ہے؟ مجبور و بے بس کون ہے؟ فقیر و تہی دست کون ہے؟ اور غنی کون ہے؟

اللہ اپنی مخلوق پر حد درجہ مہربان ہے:

فرمایا! اللہ اپنی مخلوق کو عذاب دے کر خوش نہیں بلکہ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ اللہ تو دنیا میں اپنی آیات کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ بندے دنیا میں سنبھل جائیں اور جان لیں کہ جو کچھ عذاب انہیں پیش آنا ہے وہ ان کے اپنے ہاتھوں کئے گئے کاموں کا نتیجہ ہے۔ دارِ دنیا میں جس طرح کا کردار اپنایا تھا اعمال بد کے ذریعے جو آگے بھیجا تھا وہی نتیجہ دیکھو گے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ اللہ کریم کسی بندے

پر رائی برابر زیادتی کرنے والے نہیں یہاں لفظ عبید استعمال فرما کر بندے کی حیثیت کا تعین کیا گیا ہے کہ بندے کی اللہ کریم کے سامنے کوئی حیثیت نہیں سمجھنے کیلئے یہ کافی ہے کہ چیونٹی بھی ایک مخلوق ہے اور ہم بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ چیونٹی حقیر مخلوق ہے لیکن مخلوق ہونے میں دونوں برابر ہیں اور اللہ کے محتاج ہیں لیکن اگر چیونٹی پاؤں پر کاٹ لے تو ہم بندوق لینے نہیں بھاگتے بلکہ پھونک مار کر اڑا دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ہماری دشمنی بھی نہیں ہوتی ہم اسے اس قابل ہی نہیں سمجھتے کہ اس کی اس بات کو دہرائیں حالانکہ ہم بھی مخلوق ہیں اور وہ چیونٹی بھی مخلوق ہے۔ تو اللہ کی ذات بابرکات تو خالق ہے اور خالق کا مخلوق کے ساتھ کیا مقابلہ اس کے ساتھ مقابلہ ہو ہی نہیں سکتا یہ اس کی شان سے بعید ہے نہ اللہ مخلوق سے مقابلہ بنائے بیٹھا ہے نہ وہ مخلوق کو سزا دے کر خوش ہے یہ تو مخلوق کا اپنا فیصلہ ہے اپنی کارکردگی ہے۔ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا (الدھر: 3) اللہ نے تو عقل و شعور دیا توفیق عمل دی انبیاءؑ مبعوث فرمائے اپنی کتابیں بھیجیں اور نیکی کو واضح اور روشن کر دیا اور برائی کو چھانٹ کر بتا دیا کہ یہ برائی ہے پھر بھی کوئی اپنے فیصلے سے برائی اختیار کرتا ہے تو اس کا نتیجہ بھی اس کے فیصلے کا مرہون منت ہے جو زہر کھائے گا مرنا بھی اُسے ہی پڑے گا۔ ایسے گستاخانہ جملے کہہ کر اس عذاب کی تیاری دنیا ہی میں کرتے ہو جس میں جا گرو گے۔ فرمایا، ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿١٨١﴾ ہم انہیں جہنم میں پھینک کر بتائیں گے کہ یہ وہی آگ ہے جو تم نے اپنے اقوال و افعال کے ذریعے خود ہی بھڑکائی۔

نبی کریم ﷺ کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ جنت ایک چٹیل میدان ہے اس میں باغ لگانا، مکان بنانا، نہریں بنانا اپنے لئے رہائش گاہ بنانا بندے کے ذمے ہے اپنے عقائد و اعمال کے ذریعے ہر کوئی خود بناتا رہتا ہے اور اسی طرح دوزخ کی سزائیں بھی بندے کے اپنے کردار کے باعث تیار ہوتی ہیں جو جتنی اللہ کی نافرمانی کرتا ہے جتنے اللہ کی مخلوق کے حقوق چھینتا ہے اتنی اتنی سزائیں اپنے لئے اکٹھی کرتا ہے تو وہاں فرمایا جائے گا ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ یہ سزائیں جو تم بھگت رہے ہو یہ تم نے اپنے کردار کے باعث اپنے لئے خود تعمیر کیں وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿١٨٢﴾ بندے کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے کہ اللہ اس سے زیادتی کرتے نہ یہ اللہ کو زیب دیتا ہے کہ کسی بھی کمزور پر زیادتی اللہ کی شان کے خلاف ہے اور اس کے سامنے ہر شئے کمزور ہے اور جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے یہ تم نے اپنے ساتھ خود کیا ہے۔

اللہ کریم گناہ معاف فرمائے نیکی کی توفیق عطاء فرمائے ایمان پر زندہ رکھے ایمان پر موت نصیب

فرمائے اور ایمان داروں کے ساتھ حشر فرمائے۔ آمین

الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ
قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ
الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ مشرکین مکہ کو تو مذہب کی سمجھ نہیں تھی اس لئے وہ اکثر مدینہ منورہ جو اس وقت یثرب کے نام سے موسوم تھا جاتے بلکہ مدینہ منورہ سے باہر تک یہود کی بستیوں میں پہنچ کر ان کے بڑے بڑے علماء سے سوال کرتے اور اُن سے اسلام پر اعتراضات سیکھ کر آتے انہی اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ تھا کہ پہلے انبیاء کرامؑ کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ مال غنیمت میدان میں رکھ دیتے آسمان سے آگ آتی اور اسے کھا جاتی لیکن آپ ﷺ کا طریقہ کار تو یہ نہیں ہے اس لئے ہم نبی کریم ﷺ پر ایمان کیوں لائیں؟ اس اعتراض کا جواب اللہ کریم نے اپنی بارگاہ سے عطاء فرمایا کہ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کریم نے تو ہمیں حکم دیا تھا یا ہم سے وعدہ لیا تھا کہ تب تک ہم کسی کو رسول نہ مانیں جب تک یہ نشانی نہ ہو کہ وہ قربانی پیش کرے اور اُسے آگ آسمان سے آ کر کھا جائے تو اُن سے کہہ دیجئے قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ جس دلیل کا تم مجھ سے مطالبہ کر رہے ہو ایسے واضح دلائل تو مجھ سے پہلے بہت سے نبیؑ اور رسولؑ لیکر آئے لیکن ان سب کے باوجود تم نے نہ صرف ان کا انکار کر دیا بلکہ انہیں ظلماً شہید بھی کیا۔

مال غنیمت:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاءؑ و رسلؑ کے زمانے میں جب جہاد ہوتا تو جو مال غنیمت بھی حاصل ہوتا وہ سب اکٹھا کر کے میدان میں رکھ دیا جاتا آسمان سے آگ آتی اور اُسے ختم کر ڈالتی بعض اوقات آسمان سے آگ نہ آتی تو اس سامان کے بارے میں خیال کیا جاتا کہ قدرت نے اسے قبول ہی نہیں کیا اور اسے اس قدر منحوس سمجھا جاتا کہ کوئی اسے ہاتھ بھی نہ لگاتا اور یوں وہ سب ضائع ہو جاتا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ اور امت محمدیہ علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر مال غنیمت حلال کر دیا گیا۔ آپ ﷺ سے پہلے بعض امور میں قربانی پیش کی جاتی تھی مثلاً کسی کام کو اختیار کرنے کا فیصلہ کرنے کیلئے قربانی پیش کی جاتی یا دو افراد میں سے سچا کون ہے اس کا فیصلہ کرنے کیلئے قربانی دی جاتی جس کی

قربانی کو آسمانی آگ کھا جاتی اسے سچا تصور کیا جاتا اور جس کی قربانی کو آگ نہ کھاتی اسے سچا نہ سمجھا جاتا۔ حضور علیہ السلام کے لئے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا اس پر مشرکین مکہ کے ذریعے یہود نے جو اعتراض کیا اس کا جواب ان آیات میں دیا گیا ہے کہ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ اگر تم اس معاملے میں سچے ہو کہ تم نے جب یہ دلیل دیکھی کہ پہلے انبیاءؑ کی قربانی اور جہاد کے ذریعے حاصل کئے گئے مال کو جب انہوں نے اللہ کو پیش کیا اور آسمان سے آگ آ کر اسے کھا گئی تو تم مان لیتے لیکن تمہاری تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یہ نشانی اور دیگر واضح دلائل و معجزات انبیاءؑ نے پیش کئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ تم نے نہ صرف ان پر ایمان لانے سے انکار کیا بلکہ ظلماً شہید بھی کیا تو پھر تم بتاؤ کہ تم نے ان لوگوں کو قتل کیوں کیا؟ بات یہ ہے کہ اگر تمہارا مطالبہ بھی پورا کر دیا جائے تو بھی تم ایمان لانے والے نہیں کہ تم تو ایمان نہ لانے کے بہانے تلاش کرتے ہو۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ اگر آپ علیہ السلام کو نہیں مانتے تو فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ آپ علیہ السلام سے پہلے جو انبیاءؑ تشریف لائے انہیں بھی سب لوگوں نے تو نہیں مانا سب ہی تو ان پر ایمان نہیں لائے جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ۝ حالانکہ ان سب کے پاس روشن دلائل بھی تھے کچھ کے پاس صحیفے اور کچھ کے پاس واضح اور روشن کتابیں بھی تھیں۔ آسمانی کتابیں تو چار ہیں تورات، زبور، انجیل اور قرآن باقی انبیاءؑ پر صحیفے نازل ہوتے تھے جن میں عقائد و احکام ہوتے اور وہ انہیں کتابی صورت میں عطاء کر دیئے جاتے تھے۔

روشن ہدایات کے باوجود ایمان نہ لانے کی وجہ:

تو فرمایا کہ ان تمام روشن اور واضح ہدایات کے باوجود سب لوگ ایمان نہیں لائے سب نے حق کو قبول نہیں کیا اس لئے کہ لوگوں کا معاملہ رب جلیل کے ساتھ ہے جن کی بات بہت بگڑ جاتی ہے جن کا کردار بہت بگڑ جاتا ہے اللہ کریم جن سے بہت ناراض ہو جاتے ہیں انہیں ایمان کی توفیق نہیں ہوتی اور یہ کوئی نئی بات نہیں کہ آج حضور علیہ السلام کی مخالفت ہو رہی ہے۔ بدنصیب لوگوں نے ہر عہد میں انبیاءؑ کی مخالفت کی ہے لیکن ہر چیز کا نتیجہ نکلنے والا ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہر زندہ کو موت کے دروازے سے گزرنا ہے۔ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور تم سب کو اجر و معاوضہ میدان حشر میں دیا جائے گا۔ اس آیت میں انسان کی بات ہو رہی ہے اس لئے کہ حیوانات اور دیگر مخلوقات میں صرف حیات ہے وہ روح نہیں جو انسان کو عطاء ہوئی ہے۔ انسانی روح موت کے بعد بھی باقی رہتی ہے اس لئے کہ انسانی

روح عالم امر سے ہے اور موت عالم خلق سے ہے اور عالم امر میں موت کا دخل نہیں لہذا روح پر موت نہیں آتی میں کہا گیا ہے کہ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط ہر جان کو موت کا مزا چکھنا ہے کسی چیز کو چکھنے والا باقی ہوتا ہے تو مزا چکھتا ہے ذائق باقی ہوتا ہے اور مذوق کا مزا چکھتا ہے۔ موت مذوق ہے اور نفس ذائق۔ موت روح کے خاتمے کا نام نہیں موت صرف روح کا جسم دنیوی کے ساتھ تعلق ختم ہونا ہے۔ موت جسم کے ساتھ روح کے ایسے تعلق کو ختم کر دیتی ہے جن کے ساتھ دار دنیا کی ضروریات وابستہ ہوتی ہے ورنہ روح کا تعلق جسم کے ہر ذرے کے ساتھ باقی رہتا ہے، زندگی کا وہ تعلق ختم ہو جاتا ہے جو اس دنیا میں درکار ہے۔ جس کے ذریعے جسم گرمی سردی محسوس کرتا ہے کھاتا پیتا ہے سلامت رہتا ہے۔ جب روح کا تعلق موت جسم سے منقطع کرتی ہے تو بدن میں ٹوٹ پھوٹ شروع ہو جاتی ہے وہ خراب ہو جاتا ہے اور گل سڑ جاتا ہے اسی لئے قرآن حکیم میں شہداء کے بارے کہا گیا ہے کہ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ○ (آل عمران: 169) جو اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے۔ انہیں مردہ نہ کہو۔ شہادت موت کی وہ صورت ہے جس میں عالم دنیا کے اعتبار سے تو تعلق ختم کر دیا جاتا ہے لیکن حیات جسمانی برقرار رہتی ہے البتہ اس کی ضروریات جسمانی یعنی دنیا کی غذا کے بجائے اللہ کریم کی طرف سے ایسا رزق عطاء ہوتا ہے جس کا ذکر یوں آیا ہے کہ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ انہیں اللہ کی طرف سے رزق ملتا ہے۔ اگر شہداء کی زندگی یہ ہے اور ان کے بارے میں یہ سوچنا کہ وہ مردہ ہیں یہ جائز نہیں قرآن حکیم نے منع فرما دیا اور جس چیز سے قرآن روکے اس کا انکار کفر ہے اور جو شہید کو زندہ مانے وہ حیات النبی علیہ السلام کا انکار کیسے کر سکتا ہے جب قرآن حکیم نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے غلاموں، شہیدوں کی زندگی کا قائل ہے اور انہیں زندہ ماننے کا حکم دیتا ہے تو انبیاءؑ کی حیات کیسی ہوتی ہے یہ اللہ ہی جانے تمام انبیاء کرامؑ زندہ ہوتے ہیں اور ان کے وجود مبارک تر و تازہ رہتے ہیں اور حیات دنیوی سے ان کی زندگی زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔

حضور ﷺ کی منفرد خصوصیات:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات منفرد ہیں اور حیات طیبہ میں یہ بات ثابت ہے۔ سیرت پاک میں موجود ہے کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اسی زمین پر اسی زمانے میں اسی زندگی میں جلوہ افروز رہے اور انہیں اللہ کی طرف سے وہ غذا ملتی رہی جو اس دنیا میں نظر نہیں آتی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے اور افطار کئے بغیر مسلسل روزے رکھتے تو صحابہؓ نے اتباع سنت میں مسلسل روزے رکھنے کی کوشش کی اور جب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا کہ آپ لوگ ویسے ہی روزہ رکھیں جیسے اللہ نے مقرر فرمائے ہیں جو سحری کو بند ہوتا اور شام کو افطار ہوتا ہے اس لئے کہ ''مجھے اللہ کھلاتا ہے اور پلاتا ہے''۔اگر میں ظاہری دنیا کی غذا نہیں کھاتا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں بھوکا پیاسا رہتا ہوں۔ مجھے میرا اللہ وہ غذا کھلاتا ہے جو تمہیں نظر نہیں آتی لہٰذا اس معاملے میں آپ لوگ میری نقل نہیں کر سکتے۔حضور علیہ ﷺ کے ظاہری وجود عالی کو غیر ظاہری غذا ہمیشہ اسی دار دنیا میں عطاء ہوتی رہی بعد از وصال حیات کی وسعتوں کا کیا عالم ہے اللہ کریم ہی جانتے ہیں۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ میں موت کے دروازے سے ہر ایک کے گزرنے کی خبر دی گئی ہے اور ہر ایک کی کیفیت جدا ہے البتہ ایک بات لازمی ہے وہ یہ کہ موت کا مزا چکھنے والا باقی رہتا ہے، مزا چکھنے والا باقی ہوگا تو مزا چکھے گا اگر وہ بھی فنا ہو گیا تو مزا چکھنے کا کیا مطلب؟ پھر قیامت کو ہر ایک کو اس کے کام کا معاوضہ دیا جائے گا جس نے اطاعت کی اللہ کا انعام پائے گا۔ اللہ کی نافرمانی کی تو اللہ کی طرف سے سزا پائے گا۔ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ اس دن جس کو دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل ہو گیا وہ کامیاب ہو گیا اور یہی اصل کامیابی ہے۔

دنیا کی زندگی ہر ایک کیلئے آزمائش ہے:

ورنہ دنیا کی زندگی تو ہر ایک کیلئے آزمائش ہے۔ دنیا میں اللہ کا نظام کارفرما ہے کہنے کو تو سب ہی انسان ہیں اربوں انسان دنیا میں بستے ہیں سب کے اعضاء اور نقوش انسانی ہیں وہی دو کان دو آنکھیں انسانی چہرہ انسانی جسم لیکن یہ اربوں انسان ایک دوسرے سے مختلف بنائے گئے ہیں انہیں مختلف صلاحیتیں دی گئی ہیں انسان ہونے میں سب برابر ہیں لیکن ہر انسان کی صلاحیتوں میں اور ان کے مدارج میں فرق ہے اگر ایک گھر میں پانچ بندے بستے ہیں تو پانچوں کے عقل و شعور علم و آگہی فکر و کردار میں فرق ہوتا ہے نظام دنیا میں اللہ کریم نے مخلوق کو یوں متفرق بنایا ہے کہ کوئی مزدور ہے کوئی کاریگر کوئی تاجر ہے اور کوئی کارخانہ دار کوئی حکمران ہے اور کوئی رعایا لیکن جو جہاں ہے وہیں اس کی آزمائش ہو رہی ہے اور آزمائش صرف یہ ہے کہ جو حقوق و فرائض اس کے ذمے ہیں کیا وہ انہیں ادا کر رہا ہے یا نہیں۔

کتنی عجیب بات ہے کہ ہر بندے کو حسرت ہے کہ وہ بڑا امیر آدمی بن جائے اسے حکوت مل جائے لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ جتنی کسی کو دولت و ثروت عطا ہو یا حکومت و اقتدار ملے اتنی ہی اس کی ذمہ داریاں

بڑھ جاتی ہیں اور اتنی ہی اس کی جوابدہی بھی سخت ہوگی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ شدید زخمی تھے آپؓ کے سامنے خلافت کا معاملہ پیش کیا گیا کہ آپؓ کے بعد کون خلیفہ ہوگا تو ایک مشورہ یہ بھی دیا گیا کہ آپ کے فرزند ارجمند حضرت عبداللہؓ صاحب کردار ہیں فقیہہ بھی ہیں اور حکومت کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں تو انہیں خلافت کے لئے نامزد کر دیں آپؓ نے فرمایا کہ تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ فرداء قیامت میں جواب طلبی سب سے زیادہ میرے ہی خاندان سے ہو اس کے لئے میں ایک ہی کافی ہوں میں اپنے بیٹے کو اس مشکل میں نہیں ڈالوں گا کہ وہ ریاست اسلامیہ کی طرف سے قیامت کے روز جواب کے لئے پیش ہو۔

آج تو ہر کوئی اقتدار کا خواہاں ہے ہر ایک حکمرانی کا خواہش مند ہے لیکن اس اعتبار سے کون دیکھتا ہے کہ بیس لاکھ افراد پر حکمرانی کرنے پر اُن بیس لاکھ افراد کی جوابدہی بھی اس کے ذمہ ہوگی۔ اگر یہ بات پیش نظر رہے کہ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ ہر کسی کو موت کے راستے سے گزرنا ہے تو شاید کوئی بھی اس بھاری جوابدہی کے ساتھ ملنے والی امارت کو قبول نہ کرے اور شرعی قاعدہ بھی یہی ہے کہ جو اقتدار کا بھوکا ہو اسے اقتدار نہ دیا جائے اور ایسے لوگ تلاش کئے جائیں جن میں اہلیت و استعداد ہو لیکن وہ اقتدار کے قریب نہ آنا چاہیں وہ لوگ تلاش کئے جائیں جنہیں آخرت یاد ہو۔ اس دن وہی شخص کامیاب ہوا جو جہنم سے بچ گیا اور جنت میں داخل ہوا اور نہ دنیا میں ناجائز طریقے سے دولت جمع بھی کر لی تو کیا ہوا چھوڑ کر چلا جائے گا کسی نے حکومت لے لی تو کیا ہوا چھوڑ کر چلا جائے گا۔ اسے بھی اسی مٹی میں زمین کے پیٹ میں دفن ہونا ہوگا کوئی الگ زمین اس کے لئے نہیں بنے گی، بڑے بڑے سلاطین اسی خاک کی گود میں مٹی ہو گئے جس میں فقیر دفن کئے جاتے ہیں۔

آخرت کی جوابدہی کے بغیر دنیا کی زندگی دھوکہ ہے:

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ دنیا کی زندگی ایک اعتبار سے نرا دھوکہ ہے اگر دنیا کو آخرت کی جوابدہی کے یقین کے بغیر دیکھا جائے تو محض دنیا داری رہ جاتی ہے اور یہی دھوکہ ہے۔ اگر دنیا کی زندگی کو آخرت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ اللہ کی دی ہوئی بہت بڑی نعمت ہے کہ اسی زندگی میں ہمارے پاس یہ فرصت ہے کہ ہم اللہ کی اطاعت کریں اللہ کریم کی عبادت کریں اس کے حکم کے مطابق حلال کمائیں جائز جگہوں پر خرچ کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کر کے اسی زندگی کو اخروی زندگی کی نعمتوں کے حصول کا

میں مبتلا ہو جائے کہ حلال ہو یا حرام جائز ہو یا ناجائز اس کے پاس بے شمار دولت ہو اقتدار ہو وہ لوگوں کو غلام بنا لے اور وہ فاتح کہلائے خواہ لاکھوں لوگ بے گناہ قتل ہو جائیں لیکن اس کا دبدبہ قائم رہے تو پھر یہ ایک دھوکہ ہے ایسا بندہ خود دھوکے میں ہے جسے کل قبر میں سونا ہے وہ کس عظمت اور کس سربلندی کا خواہاں ہے؟۔

مال کی آزمائش:

یاد رہے دنیا میں جس کے پاس مال زیادہ ہوگا اس پر اس مال کی آزمائشیں بھی آئیں گی عموماً غریب خود کو محتاج سمجھتا ہے لیکن حقیقتاً امیر بہت زیادہ محتاج ہوتا ہے غریب آدمی اپنی زندگی میں آزاد ہوتا ہے اپنی ضروریات خود پوری کر لیتا ہے خواہ لکڑیاں کاٹنی پڑیں خود ہی کاٹ کر اپنی ہانڈی روٹی بنا لیتا ہے اپنے ذاتی امور خود ہی انجام دے لیتا ہے لیکن امیر ہر کام میں کسی غریب کا محتاج رہتا ہے باورچی سے دھوبی تک خاکروب سے حجام تک معمولی کاموں کیلئے بھی دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جتنی جس کی حیثیت ہوتی ہے اتنی ہی اس پر آزمائش آتی ہے ارب پتی لوگوں کا جب کاروبار میں نقصان ہو تو اربوں میں ہوتا ہے اسی طرح لاکھ پتی کا نقصان لاکھوں میں اور ہزاروں کی آمدنی والوں کا نقصان ہزاروں میں ہوتا ہے اور یومیہ اجرت پر کام کرنے والوں کا یہی بہت بڑا نقصان ہوتا ہے کہ انہیں کسی دن کام نہ ملے۔

گویا دولت مند ہونا کسی کو آزمائش سے نہیں بچا سکتا وَاَنْفُسِكُمْ اور آزمائش انسان کی جان میں بھی آتی ہے جس کی کوئی اولاد نہیں وہ اسی دکھ میں رہتا ہے کہ اس کے بچے نہیں ہیں جن کے ہاں اولاد ہے ان کے دکھ اور ہیں کہ بچے بیمار ہو گئے، انتقال کر گئے آوارہ ہو گئے یا نافرمان ہو گئے یعنی ہر ایک کے دکھ اپنی قسم کے ہیں تو دنیا میں ہر شخص آزمائش میں ہے جہاں بھی ہے، جیسا بھی ہے اُسے اللہ کی طرف سے آزمایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کا شکر ادا کر رہا ہے یا اس کی نافرمانی کر رہا ہے، اللہ کریم کسی کو دولت و اقتدار دے کر آزماتے ہیں کہ وہ اللہ کی عظمت کو یاد رکھتا ہے یا دولت و اقتدار کے نشے میں مدہوش ہو جاتا ہے کسی کو افلاس و غربت دے کر آزماتے ہیں کہ غریبی سے تنگ آ کر غیر اللہ کے دروازے پر تو نہیں جا بیٹھا یہی بات سورہ فجر کی اس آیت میں بتائی گئی ہے فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۝ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ تو ہر آدمی اپنے اپنے حال میں اللہ کی آزمائش میں ہے بہادر شاہ ظفرؔ

نے کہا تھا کہ......

ظفر آدمی اس کو نہ جانیئے گا ہو وہ کتنا ہی صاحب فہم و ذکاء

جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا اور مومنین کے لئے تو یہ آزمائش بھی کافی ہے کہ اہل کتاب جنہیں پہلے کتابیں دی گئی تھیں وہ بھی اور مشرک و کفار بھی ان کے لئے ہمیشہ ایذا کا سبب بنتے رہیں گے یہ دونوں طبقے مسلمانوں کے لئے ہمیشہ بُرا ہی سوچیں گے اور ان کے درپۓ آزار ہی رہیں گے یہ الگ بات ہے کہ آج کا مسلمان اور خصوصاً صاحب اقتدار لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ ان کی مدد کریں گے یا انہیں پناہ دیں گے لیکن اہل کتاب ہوں یا مشرکین و کفار کوئی بھی مسلمانوں کی مدد نہیں کرے گا بلکہ انہیں تکلیف پہنچانے کیلئے ہر حیلے حوالے سے کوششیں کرتے رہیں گے۔ یہ بات وہ فرمارہا ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا اس کے شعور و عقل کو پیدا کیا جو گذشتہ و آئندہ سے باخبر ہے اور وہ خود بتارہا ہے کہ بندہ مومن اس بات کو پیش نظر رکھے کہ اللہ مال میں بھی آزمائے گا جان میں بھی آزمائش آئے گی اور بندہ مومن کو یہود و نصاریٰ مشرک و کفار بہت دکھ دیں گے۔

یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمارا برسراقتدار طبقہ اللہ کریم پر بھروسہ کرنے کو تیار نہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع انہیں ناگوار ہے۔ وہ اہل کتاب اور مشرکوں سے پناہ چاہتے ہیں۔ یہ اتنی ہی عجیب بات ہے کہ چڑیا و کبوتر باز سے پناہ کے طلبگار ہوں اور بھیڑ بھیڑیئے کے غار میں پناہ حاصل کرے۔ ہمارے حکمران تو ہندوؤں کافروں سے بھی گئے گزرے ہیں مسلمان کہلواتے ہیں اور حلیہ تک یہود و نصاریٰ کا اپنا رکھا ہے عوام سے مخاطب ہوتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ ملک کا بچہ بچہ انگریزی سے واقف ہے جبکہ قوم ایسے ہے کہ پنجاب کے رہنے والے پشتو نہیں سمجھتے اور سرحد کے رہنے والے پنجابی نہیں سمجھتے سندھی اور بلوچی زبانوں کے سمجھنے اور بولنے میں بھی یہی حال ہے تو عوام کو جب علاقائی زبانوں کی سمجھ نہیں تو ان سے غیر ملکی زبان میں بات کرنے کا کیا مطلب؟ ٹی وی پر مذاکرے اردو میں ہوتے ہیں گفتگو میں دس جملے انگریزی کے بولنے کے بعد ایک جملہ اردو کا بول دیتے ہیں یہ سب کیا ہے؟ غیر ملکیوں سے یہود و نصاریٰ سے مرعوب ہیں ان جیسا بننا چاہتے ہیں جبکہ ہندوستان کے وزیراعظم کو دیکھیں تو چونکہ وہ سکھ ہے اس لئے اس نے اپنی سکھ ہونے کی شناخت اپنا رکھی ہے۔ ہندو اراکین حکومت نے گلے میں اپنی شناخت کا پٹہ ڈال رکھا ہے ماتھے پر تلک ہے دھوتی ان کا لباس

ہے وہی پہن کر اسمبلی میں بیٹھتے ہیں۔ اپنی زبان ہندی میں ہی اسمبلی کی کارروائی کرتے ہیں بین الاقوامی کانفرنس میں جائیں یا ملک کی نمائندگی کسی بھی جگہ جا کر کریں ہندی میں بات کرتے ہیں اور ترجمہ کرنے والا ان کی بات کو انگریزی میں دہرا دیتا ہے چین، جاپان، جرمنی اور ہر جگہ میں نے دیکھا کہ ان میں یہی رواج ہے کہ انہیں انگریزی آتی بھی ہے تو وہ انگریزی میں بات کرنے والے کو بھی جواب انگریزی میں دینا پسند نہیں کرتے یا تو اپنی قومی زبان میں بات کرتے ہیں یا اشارے سے جواب دیتے ہیں انہیں انگریزی استعمال کرنے سے نفرت ہے اور وہ اپنی زبان بولنے پر فخر کرتے ہیں اس سب سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ جدید علوم یا مروجہ زبانیں نہ سیکھی جائیں سیکھیں ضرور لیکن اپنی زبان پر فخر کریں اور ان کی تہذیب سے مرعوب نہ ہوں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جہاں مال و جان کی آزمائش ہوگی وہاں اہل کتاب و مشرکین سے ایذا بھی پہنچے گی تو مومن کی ذمہ داری پھر کیا ہے؟ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا یہی کہ برداشت کرو اور اللہ کیساتھ اپنا تعلق مضبوط کرو تقوی اختیار کرو صبر کرو گھبراؤ نہیں فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ یہ بہت بڑا کام ہے لیکن کرنے کا کام یہی ہے کہ دنیاوی دکھوں کو کفر و شرک کی مخالفتوں کو صحت و بیماری امارت و غربت ہر مصیبت کو جھیل کر بندہ اپنا تعلق اللہ سے ٹوٹنے نہ دے اور یہ عظیم کام ہے ایسے کام کرنے والے کو مومن کہتے ہیں۔

گمراہی کے اسباب:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾

ان آیات میں اللہ کریم نے دو مختلف اسباب بیان فرمائے ہیں جو لوگوں کو گمراہی تک پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ پہلا اور بنیادی سبب ہے حقائق کو چھپانا۔ فرمایا وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے یہود و نصاری دونوں پر علیحدہ علیحدہ الہامی کتابیں اتریں تورات و انجیل دونوں الہامی کتابوں میں نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے بارے بہت سے حقائق ارشاد فرمائے گئے اور خوب واضح کر کے ارشاد فرمائے گئے یہاں تک کہ حضور ﷺ کا نام نامی تک موجود تھا اس کے علاوہ آپ ﷺ کے عادات و خصائل آپ ﷺ کی جائے پیدائش، ہجرت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نشانیاں بھی ارشاد فرما دی گئی تھیں۔ تاریخ میں اس کے شواہد موجود ہیں۔ عہد فاروقی میں جب بیت المقدس

کا محاصرہ ہوا اور عیسائیوں کے لئے محاصرہ برداشت کرنا مشکل ہو گیا تو عیسائی حکمران نے مشاورت کی اور مشورہ دینے والوں کے سامنے اپنی رائے رکھی کہ اس وقت دو ہی صورتیں ہیں یا تو یہ کہ شہر مسلمانوں کے سپرد کر دیا جائے اور شکست تسلیم کر لی جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ شہر کے دروازے کھول دیے جائیں اور باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے جسے فتح ہو وہ شہر لے لے گا لہٰذا مشورہ دیا جائے کہ کونسی صورت بہتر ہے

دونوں میں سے ایک راستہ اپنایا جائے۔ حکمران کے مشیروں میں ان کی قوم کے مذہبی رہنما بھی تھے ان کے علماء اور پیشواؤں نے آپس میں مشورہ کر کے بادشاہ کو یہ مشورہ دیا کہ مسلمانوں کا امیر جو حضور علیہ السلام کا خلیفہ ہے اس وقت اگر اسے یہ دعوت دی جائے اور وہ یہاں تشریف لے آئے تو ہم اسے دیکھ کر بتا دیں گے کہ کیا یہی وہ بندہ ہے جس کی ہماری کتاب میں نشانیاں ہیں اس لئے کہ ہماری کتاب میں اس مسلمان خلیفہ صحابیؓ رسول کی ایسی واضح نشانیاں ہیں اگر وہ وہی شخص ہوا تو اس کے ہاتھ پر یہ شہر فتح ہو گا پھر ہمارا لڑنا فضول ہے پھر ہم اس سے جان کی امان طلب کر کے شہر چھوڑ کر نکل جائیں گے اور اگر وہ شخص نہیں ہے ان نشانیوں پر پورا نہیں اترتا جو الہامی کتابوں میں ہیں تو پھر ہم مقابلہ کریں گے۔ حاکم وقت نے مذہبی رہنما کی تجویز قبول کر لی اور مسلمانوں کے امیر لشکر کو پیغام بھیجا کہ آپ اپنے امیر المومنین کو دار الخلافہ سے یہاں بلا لیجیے۔ ہم ان سے ملاقات کر کے یہ طے کریں گے کہ ہمیں مقابلہ کرنا ہے یا شہر ان کے سپرد کرنا ہے۔ یہ خبر مدینہ منورہ بھیجی گئی اور سیدنا فاروق اعظمؓ تشریف لائے عیسائی عالم نے شہر پناہ سے دیکھا پہچانا اور فیصلہ دے دیا کہ یہ نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے برحق خلیفہ ہیں ان میں وہ تمام نشانیاں موجود ہیں جو ہماری کتابوں میں پہلے سے نازل ہو چکی ہیں۔ یہ شہر ان کے ہاتھ پر فتح ہو گا اگر ہم لڑیں گے تو بھی فتح انہی کی ہو گی اس لئے بہتر ہے کہ جان بخشی کروا کر ہم لوگ شہر چھوڑ دیں یہ بڑا مشہور اور طویل واقعہ ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ کی نشانیاں اتنی وضاحت سے بیان ہوئیں تو ان الہامی کتابوں میں نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کتنا وضاحت سے ہو گا اور یہی بات اس آیت میں ارشاد فرمائی جا رہی ہے کہ جن لوگوں کو اسلام سے پہلے آسمانی کتابیں دی گئیں ان کتابوں میں ان سے یہ وعدہ بھی لیا گیا کہ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ الہامی کتابوں میں جو حقائق ہیں انہیں لوگوں پر کھول کر بیان کر دیں وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ اور لوگوں سے مت چھپائیں یہ کیسی عجیب بات ہے کو جو حقائق اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کئے ہیں۔ انہیں اللہ کے بندوں سے چھپایا جائے کیوں؟ قرآن حکیم نے یہاں اس کی وجہ بیان کی ہے کہ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ۝ یہ معاوضے میں دولت و اقتدار چاہتے ہیں یہ چاہتے تھے کہ لوگ انہیں مال دیتے رہیں اور ان کا وقار قائم رہے۔ اقتدار دولت اور مادی فوائد کے حصول کیلئے انہوں نے حقیقتیں چھپائیں اور جھوٹ بول کر لوگوں کو گمراہ کرتے رہے یہود و نصاریٰ کے علماء جانتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے

رسول ہیں لیکن لوگوں پر اپنی حکمرانی قائم رکھنے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے رہے۔ ابو جہل کی گمراہی کا سبب بھی یہی تھا کہ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتا تھا اسے پتہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔ تاریخ نے اس واقعے کو بھی محفوظ کر رکھا ہے جب ابو جہل پریشان بیٹھا تھا کہ کسی شخص نے اس سے کہا کہ تمہارا لقب ابوالحکم ہے۔ پوری وادی بطحا پر تمہارا حکم چلتا ہے تم اگر پریشان ہو گئے تو پھر عام آدمی کا کیا ہوگا اس نے کہا میں کیسے پریشان نہ ہوں جبکہ اس ایک آدمی نے دعوئ ءنبوت کر کے ہماری شیرازہ بندی بکھیر دی ہے۔ ہمارا اقتدار حصول زر کے ذرائع اور ہمارا وقار سب کچھ خطرے میں پڑ گیا ہے اس نے کہا یہ کیسی مشکل ہے۔ تمہارے لئے ایک بندے کو قتل کر دینا کیا حیثیت رکھتا ہے تم نے تو اتنے قتل بے گناہ کر ڈالے ہیں اور کسی نے تم سے پوچھا تک نہیں۔ ابو جہل نے کہا تم کیا سمجھتے ہو کیا ہم نے اس کام میں کوئی کسر اٹھا رکھی ہو گی ہم تو اپنی پوری کوشش کر چکے لیکن مصیبت یہ ہے کہ وہ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اللہ اس کے ساتھ ہے تو پوچھنے والا حیران رہ گیا اس نے کہا اگر تمہیں یہ یقین ہے کہ وہ اللہ کا رسول ﷺ ہیں اور ان کے ساتھ اللہ کی مدد ہے تو تم مان کیوں نہیں لیتے۔ ابو جہل نے جواب دیا کہ اگر ہم اسے مان لیں تو ہماری اپنی حیثیت ختم ہو جائے گی۔ اب ہم سردار ہیں۔ لوگ ہماری بات مانتے ہیں پھر وہ سردار بن جائے گا حکم اللہ کا ہوگا اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے نافذ کرے گا تو ہم تو عام آدمی بن جائیں گے ہماری حیثیت پھر کیا رہ جائے گی۔

قرآن حکیم یہود و نصاریٰ کے علماء کے بھی اسی طرز فکر اور طرز عمل کا تذکرہ کر کے گمراہی کے اسباب بیان کر رہا ہے کہ ان کے علماء نے بھی حق چھپایا کہ اگر وہ حق بیان کرتے اور بتا دیتے کہ نبی کریم ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں جن کا تذکرہ ان کتابوں میں آ چکا جن کو یہ علماء پڑھتے تھے تو پھر لوگ سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں گے اور یوں ان علماء کی حیثیت ختم ہو جائے گی انہیں کون پوچھے گا۔ ان کی اہمیت نہیں رہے گی۔ انہیں نذرانے مال و دولت کون دے گا ان کی بات کون مانے گا اور ان کا جھوٹا وقار ختم ہو جائے گا۔

اسی مصیبت نے آج بھی دنیا کو تباہی کے کنارے کھڑا کر رکھا ہے جن لوگوں کے پاس اقتدار آ جاتا ہے وہ نہ سچ سننا چاہتے ہیں۔ نہ سچ پر عمل کرنا چاہتے ہیں بلکہ ہر طرح سے جھوٹ بول کر اپنا اقتدار بچانا چاہتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کی دانشمندی ہے وہ اپنی عقل و دانش سے اقتدار پر قابض ہیں لیکن یہ حقیقت کے برخلاف ہے اس حقیقت کا انہیں اس وقت پتہ چلے گا جب اللہ کے حضور میں کروڑوں لوگوں کی طرف سے جواب دہی کے لئے کھڑا ہونا پڑے گا۔

امت مرحومہ کا اعزاز:

قرآن حکیم میں بتایا گیا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کی امتوں کے سامنے لایا جائے گا اور یہ پوچھا جائے گا کہ کیا اللہ کا پیغام اپنی امتوں تک من وعن صحیح صحیح پہنچا دیا تھا حالانکہ اللہ کریم سب کچھ ذاتی طور پر جانتے ہیں لیکن انصاف کے تقاضے پورے کرنے کیلئے پرسش احوال ہوگی۔ انبیاءؑ عرض کریں گے بارالٰہی تو جانتا ہے ہم نے تیرا پیغام پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ امت کے نافرمان لوگ اعتراض کریں گے کہ ان تک تو بات صحیح پہنچی نہیں تھی اس پر گواہی کیلئے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی امت کو شہادت دینے کیلئے بلایا جائے گا۔ امت محمد رسول اللہ ﷺ امت مرحومہ محمد رسول اللہ ﷺ کے غلام شہادت دیں گے کہ بارالٰہ تیرے انبیاءؑ نے تیرا پیغام پہنچانے کا حق ادا کر دیا تھا۔ کفار پھر اعتراض کریں گے کہ ان لوگوں کو وہ نہیں جانتے یہ لوگ تو ان کے بعد آئے وہ ان پر گواہی کیسے دے سکتے ہیں۔ اس پر امت محمد رسول ﷺ عرض کرے گی کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں تمام انبیاءؑ کے برحق ہونے اور ان کی رسالت پر ایمان لانے کی اس برحق پیغام کو پہنچانے کی خبر دی آپ ﷺ نے بتایا کہ تمام انبیاءؑ اپنے اپنے وقت پر اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے میں کوشاں رہے اور پیغام پہنچانے کا حق ادا کر گئے ہمارا اپنے نبی ﷺ پر یقین و ایمان ہے اور ہم آپ ﷺ کی دی ہوئی سچی خبر پر شہادت دے رہے ہیں تب اللہ کریم کی طرف سے امت محمد رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہوگا کہ تم نے قرآن کو سچا مانا اس پر عمل کیا تمہاری زندگی اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن سچا ہے کیا تمہارا کردار اس بات پر گواہی دیتا ہے؟ اب اس پر شہادت کون دے؟ اس کی گواہی کون دے؟ اس کی گواہی دیں گے محمد الرسول اللہ ﷺ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا O (النساء: 41) آپ ﷺ کو پھر ان سب پر گواہ لایا جائے گا اور حضور ﷺ یہ گواہی دیں گے کہ میرے یہ امتی جو شہادت دے رہے ہیں ان پر میں گواہ ہوں کہ انہوں نے اے اللہ تیری کتاب اور میری سنت پر عمل کرنے کیلئے اپنی قوت صرف کر دی۔

اس کا مطلب ہے کہ حضور ﷺ کا امتی ثابت کرنے کیلئے ہمیں اپنے نبی ﷺ کی گواہی درکار ہوگی۔ بڑا عجیب حال ہوگا قیامت کو جب ہم اٹھیں گے تو ہر مسلمان کی پوری کوشش ہوگی کہ وہ نبی کریم ﷺ کے لوائے حمد کے نیچے پہنچے۔ قیامت کے میدان میں پناہ کی جگہ ہی محمد رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا مبارک ہوگا سب چاہیں گے کہ وہاں پہنچیں لیکن خود شافع محشر عرض کریں گے بارالٰہی یہ جو ہجوم آ رہا ہے اس طرح کے لوگوں کو مجھ سے

دور کر دیں آپ ﷺ جن کو اپنے سے دور کریں گے ان کے بارے میں قرآن حکیم میں آتا ہے کہ آپ ﷺ فرمائیں گے ۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا○ (الفرقان:30)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کو اپنی زندگیوں سے نکال دیا تھا۔ جب یہ دنیا میں تھے یہ اپنی خواہشات کے مطابق جیتے رہے اس کتاب کو انہوں نے اپنی زندگی سے الگ کر دیا جسے میں لے کر آیا تھا جس کے لئے میں نے زخم کھائے جانثار شہید کروائے شعب ابی طالب میں قید رہا، ہجرت کی، دندان مبارک شہید ہوئے اور جس کے لئے میں نے تیئیس برس دنیا کی ہر مصیبت اٹھائی اس لئے آج میدان حشر میں ان لوگوں کو میرے پاس سے الگ کر دے۔ ہمیں پتہ اس وقت چلے گا کہ ہمیں اسلام کی کتنی ضرورت ہے کتنی ضرورت تھی اور کتنی ضرورت رہے گی۔

اللہ کریم نے انسانوں کے گمراہ ہونے کا ایک سبب تو یہ ارشاد فرمایا کہ لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ انہیں جس ناجائز ذرائع سے مال بھی ملتا رہے اور ان کا اقتدار بھی ظلماً قائم رہے اس لئے نہ وہ سچ بیان کرتے ہیں اور نہ سچ سننا پسند کرتے ہیں یہ بیماری یہود و نصاریٰ کے علماء میں ہی نہیں تھی آج کے دانشوروں کی بیماری بھی یہی ہے۔ اس میں خواہ یورپ کی غیر مسلم قوت ہو سوشلسٹوں کی غیر مسلم طاقتیں ہوں یا بے عمل مسلمان حکمران ہوں اسلام کے خلاف چلنے والے مسلمان حکمران ہوں سب ایک جیسے ہیں ان کی ساری کوششیں اس ایک نقطے پر مرتکز رہتی ہے کہ جائز ناجائز غلط صحیح ہر طریق سے وہ اقتدار پر قابض رہیں محنت غریب کرے مزدوری کوئی اور کرے کاروبار کوئی اور کرے اور لوٹ لوٹ کر دولت وہ جمع کرتے رہیں ان کے عبرتناک انجام اس بات کی خبر دیتے ہیں کہ غیر ممالک میں خریدے ہوئے محل غیر ملکی بینکوں میں لوٹ کر رکھے ہوئے سرمایے اور بین الاقوامی طاقتوں کے پاس رکھی ہوئی دولت میں سے ایک پائی بھی یہ ساتھ نہ لے جاسکے بلکہ جب یہ مرتے ہیں تو انہیں کفن بھی کوئی دیتا ہے اور اکثر کو ایدھی کی ایمبولینس پر جاتے ہی دیکھا گیا ہے۔ ان کے لوٹ کر جمع کئے ہوئے خزانے یہیں رہ جاتے ہیں کیسا عجیب انجام ہوتا ہے مارکوس نے اتنی دولت لوٹی وہ کہاں گئی شہنشاہ ایران کی لوٹ مار کہاں گئی؟ مجیب الرحمن کا حشر کیا ہوا؟ اندرا گاندھی کس حال میں گئی؟ یعنی ماضی قریب میں دیکھیں حال میں دیکھیں اور مستقبل میں بھی دیکھیں گے کہ کیا انجام ہوتا ہے؟ لیکن اس کے باوجود حق سننا گوارا نہیں کرتے حق کہنا گوارا نہیں کرتے جھوٹ کو ملمع سازی کر کے سچ بنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ یہی معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر پیش آیا حالانکہ اہل کتاب سے وعدہ لیا گیا تھا کہ کتاب میں جو حقائق

ہیں وہ لوگوں تک پہنچائیں اور قرآن حکیم میں یہی وعدہ ہم سے لیا گیا ہے کہ قرآن میں جو حقائق ہیں وہ عام لوگوں تک پہنچائیں ہم اس بات پر نہ رہیں گے کہ ہمیں مسجد سے نکال دیا جائے گا ہمیں مدرسے سے نکال دیں گے یا ہمیں پیر نہیں مانا جائے گا ہمارے ذمے ہے کہ ہم حق بیان کریں حق قبول کریں خود اس پر عمل کریں اور دوسروں کو بھی دعوت دیں قرآن کریم بتا رہا ہے کہ حق کو چھپانا اہل کتاب کے علماء کا پیشہ تھا اور یہی طرز عمل کفار کا تھا اور اس کی وجہ یہ بیان کی جارہی ہے کہ انہوں نے حق کو پس پشت ڈال دیا۔

فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ کیونکہ وہ حق کو چھپانے کا معاوضہ لیتے تھے دولت دنیا کے حصول کے لئے اللہ کے احکام چھپاتے تھے۔ اور جو دولت دنیا، آخرت گنوا کر حاصل کی جائے وہ خواہ کھربوں میں ہی کیوں نہ ہو وہ قلیل ہی ہوتی ہے کھربوں روپے وہ کھا تو نہیں سکتا سونا یا ہیرے جواہرات یا جائیداد کی صورت میں ہی رکھے گا ان چیزوں کو کھائے گا تو نہیں نگلے گا تو نہیں کھانے کیلئے تو وہی چند لقمے صبح وشام جو نصیب میں ہیں وہی کھائے گا باقی سب کچھ یہیں چھوڑ کر مر جائے گا اس لحاظ سے دیکھیں تو جتنی بھی دولت ہو وہ کم ہی ہوئی۔ سو فرمایا ساری دنیا بھی مل جائے تو اللہ کی رحمت کے مقابلے میں یہ تمام بھی قلیل ہے۔ اس تھوڑے سے معاوضے کے لئے حق چھپاتے ہیں فرمایا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ۝۱۸۷ انہوں نے بڑے گھاٹے کا سودا کیا دنیا کے لئے آخرت کو بیچ دیا عارضی کے بدلے دائمی کو چھوڑ کر بڑے نقصان کا سودا کیا اور یہ خیال نہ کرو کہ ایسا کرنے والے اللہ کی گرفت سے بچ جائیں گے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝۱۸۸ جو لوگ حق چھپاتے ہیں اور ناجائز وسائل سے مفادات حاصل کرتے ہیں وہ ہمیشہ تباہ ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کی گرفت میں جیتے ہیں اللہ کی گرفت میں ہی مرتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی ان پر ذلتیں اور اگلی دنیا کا عذاب نازل ہوتا رہتا ہے۔ حق کی مخالفت ایسا جرم ہے جس کے بدلے کبھی نفع نہیں ہوسکتا۔ ان میں دوسری قباحت یہ ہوتی ہے۔ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا یہ اپنی ناجائز تعریف پر بہت خوش ہوتے ہیں جو کام نہیں کرتے انہی کاموں کے لئے تحسین چاہتے ہیں۔

فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝۱۸۸ کرتے غلطیاں ہیں اور نعرے زندہ باد کے لگواتے ہیں کہتے ہیں ہم نے ملک کو بچا لیا حالانکہ یہی ملک کو لوٹنے والے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم نے ملک کی حفاظت کا حق ادا کر دیا اور عملاً دیکھو تو ملکی سرمائے کو کوڑیوں کے بھاؤ بیچ کر اپنے بیٹوں، پوتوں

کے لئے جمع کروا دیتے ہیں کہتے ہیں قوم کو انصاف دیا اور عملاً ظلم کرتے ہیں کہتے ہیں ہم غریب کے بچوں کی تعلیم کا انتظام کرتے ہیں اور عملاً انہیں تعلیم سے محروم کرتے ہیں علاج معالجے کے دعوے کرتے اور عملاً جعلسازوں سے رشوت لے کر لوگوں کو غلط دوائیں بیچنے کی اجازت دیتے ہیں اور ان کاموں کی تعریف کروانا چاہتے ہیں جو کبھی نہیں کرتے۔ ظلم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں عادل کہو ملک لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں اپنا ہمدرد و غمگسار کہو آٹے کی ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں خیرات دے کر زندہ باد کے نعرے لگواتے ہیں۔

اس سال ملک میں گندم کی فصل اتنی زیادہ تھی کہ ملک سے گندم برآمد کی گئی۔ ایکسپورٹ کی گئی اگر ملک میں گندم کی کمی تھی تو باہر بھیجنے کی کیا ضرورت تھی اور اگر وافر تھی تو باہر بھیجنے کے بعد جو بچ گئی وہ کہاں گئی؟ کس نے بیچی؟ یہ شوگر ملیں کس کی ہیں آٹے کی ملیں کس کی ہیں؟ کس نے ناجائز ذخیرہ کیا؟ کس نے اسے مہنگا بیچا؟ کہاں بیچا؟ اور کیوں غریب کے منہ سے لقمہ تک چھین لیا گیا اور غریب کو بھوکا رکھ کر کہتے ہیں کہ انہیں مشکل کشا سمجھو حاجت روا سمجھو غریبوں کا ہمدرد سمجھو ان کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے رہو ان کے گیت گاتے رہو زندہ باد کے نعرے لگاتے رہو یہ وہ بیماریاں ہیں جن کا تذکرہ قرآن حکیم میں یہود و نصاریٰ کے علماء کے بارے بیان ہوا ہے اور آج یہی بیماریاں ہمارے معاشرے میں کلمہ پڑھنے والوں نے پال رکھی ہیں حکومت اور حکومتی کارندوں نے پال رکھی ہیں انہیں سچی بات کہی جائے تو یہ بگڑ جاتے ہیں۔

اے مخاطب یہ نہ سمجھنا کہ یہ اللہ کی گرفت سے بچ جائیں گے کبھی نہیں بچیں گے اور ان کے لئے ہے عَذَابٌ اَلِيْمٌ ایسے لوگ جو حق کا راستہ روکتے ہیں اور جھوٹے پراپیگنڈے سے اپنی تعریف کروانا چاہتے ہیں ان کے لئے بڑے دردناک عذاب ہیں عذاب تو پہلے ہی تکلیف دہ ہے پھر جس کے ساتھ اللہ کریم ''اَلِيْمٌ'' بھی لگا دیں وہ عذاب بہت دکھ دینے والا ہے اندازہ کریں وہ کتنا دردناک عذاب ہے۔ اللہ کریم عذاب سے بچائے گناہ معاف فرمائے توبہ کی توفیق دے ہمیں ہدایت دے ہمارے حکمرانوں کو بھی ہدایت دے انہیں اسلام کو سمجھنے اور اس پر عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ اللہ ہی کے لئے ہے حکومت آسمانوں کی اور زمینوں کی انسان کو اللہ کریم نے تھوڑی سی فرصت دے کر دار دنیا میں بھیجا ہے اسے اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر دنیا میں زندگی گزارنے کے لئے مہلت عمل دی ہے ارادہ و اختیار دے کر فیصلہ کرنے کا حق دیا

ہے اب انسان کو یہی زیب دیتا ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے اور کاروبار دنیا کو اللہ کے بتائے ہوئے قاعدے پر رہنے دے اور جو کام اس کی ذمہ داری ہو انہیں وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے دائرے کے اندر انجام دے لیکن انسان اللہ کی عظمت کو بھول کر اپنی بڑائی میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے دنیا میں فساد پھیلتا ہے اس سے پہلے والی آیت میں فساد کی بنیاد پر یہ بات بتائی گئی ہے کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ان کی ایسی تعریف ہو جو وہ حقیقتاً نہیں ہیں یعنی وہ عملاً کچھ نہیں ہوتے جس کی تعریف چاہتے ہیں اور اسی بات سے اسی رویے سے برائی اور فساد پھیلتا ہے اور یہ رویہ بڑے لوگوں کا ہی نہیں یہ بیماری عام آدمی کو بھی ہوتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک عام آدمی کے ہاں شادی بیاہ کا موقع آجائے تو وہ قرض لے کر اس طرح خرچ کرتا ہے کہ جو اس کی حیثیت نہیں ہوتی پھر قرض چکا نہیں پاتا تو بات بڑھ کر گھر کی نیلامی تک پہنچ جاتی ہے یا چوری ڈاکے کی ضرورت پیش آتی ہے یہی مرض جب بڑے لوگوں کو لاحق ہوتا ہے تو وہ بھی ایسی تعریف چاہتے ہیں جس کے وہ مستحق نہیں ہوتے یوں عام آدمی کی برائی اس تک اور اس کے اہل خانہ تک کو متاثر کرتی ہے اور بڑے لوگوں کی خرابیاں قوموں کے لئے مصیبتیں پیدا کرتی ہیں حالانکہ حق یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی ساری حکومتیں صرف اللہ کے لئے ہیں ارض وسماء میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اتنا نازک نظام ہے کہ ایک ایک ذرّے کا کروڑواں حصہ بھی ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہے اور ہر چیز کسی نہ کسی طرح کسی سبب سے وابستہ ہے اور تمام اسباب مسبب الاسباب کے دست قدرت میں ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا اللہ ہی کیلئے آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اس کے بنائے ہوئے قوانین بہت نازک اور حساس ہیں لیکن اتنے مضبوط کہ دنیا کی کوئی طاقت انہیں توڑ نہیں سکتی۔

سورۃ آل عمران رکوع 20 آیات 190 تا 200

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي
الْاَلْبَابِ ۝١٩٠ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ
وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ
سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝١٩١ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ
وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝١٩٢ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ
اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا
وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝١٩٣ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰي رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝١٩٤ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ
عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ
هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا
لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ
ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝١٩٥ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝١٩٦ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۣ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ
الْمِهَادُ ۝١٩٧ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝١٩٨ وَاِنَّ مِنْ

أَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ
خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩٩﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا
وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٢٠٠﴾

یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور دن رات کے بدل بدل کر آنے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں ﴿۱۹۰﴾ وہ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں (کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار آپ نے یہ (سب) بے فائدہ پیدا نہیں کیا آپ پاک ہیں پس ہم کو آگ کے عذاب سے بچا لیجیے ﴿۱۹۱﴾ اے ہمارے پروردگار بے شک جس کو آپ نے آگ میں داخل کیا تو یقیناً اس کو آپ نے رسوا کیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ﴿۱۹۲﴾ اے ہمارے پروردگار بے شک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا وہ ایمان کے لئے پکار رہا تھا کہ اپنے پروردگار کے ساتھ ایمان لاؤ پس ہم ایمان لے آئے اے ہمارے پروردگار! سو ہمارے لئے ہمارے گناہ بخش دیں اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دیں اور ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ موت دیں ﴿۱۹۳﴾ اے ہمارے پروردگار اور جن جن چیزوں کا آپ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے ہم سے وعدہ فرمایا وہ ہمیں عطا فرمائیں اور ہم کو قیامت کے دن رسوا نہ کریں بے شک آپ تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے ﴿۱۹۴﴾ پس ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کر لی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا وہ مرد ہو یا عورت تم ایک دوسرے کی جنس ہو، پس جن لوگوں نے وطن چھوڑا اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں انھیں دکھ دیے گئے اور وہ لڑے اور قتل کیے گئے میں ضرور ان سے ان کی برائیاں دور کر دوں گا اور ان کو ضرور ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے تابع نہریں بہتی ہیں یہ اللہ کے ہاں

سے بدلہ ہے اور اللہ ہی کے ہاں بہت اچھا بدلہ ہے ﴿۱۹۵﴾ تجھ کو کافروں کا شہروں میں
چلنا پھرنا دھوکے میں نہ رکھے ﴿۱۹۶﴾ یہ تھوڑا سا فائدہ ہے پھر ان کے رہنے کی جگہ جہنم
ہے اور وہ رہنے کی بہت بری جگہ ہے ﴿۱۹۷﴾ لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے
ہیں ان کے لئے باغات ہیں جن کے تابع نہریں بہہ رہی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے
یہ اللہ کی طرف سے ان کی مہمانی ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیکی کرنے والوں کے
لئے بہت اچھا ہے ﴿۱۹۸﴾ اور بے شک بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے
ہیں اور جو آپ پر نازل ہوا (اس پر) اور جو ان پر نازل ہوا (اس پر) ایمان لاتے ہیں اللہ
کے آگے عاجزی کرتے ہیں اللہ کی آیات کے بدلے حقیر قیمت (مال دنیا) وصول نہیں
کرتے یہی لوگ ہیں جن کا اجران کے رب کے پاس ہے بیشک اللہ جلد حساب لینے
والے ہیں ﴿۱۹۹﴾ اے ایمان والو صبر کرو (ثابت قدم رہو) اور استقامت رکھو اور
(موریچوں پر) جمے رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم مراد حاصل کر لو ﴿۲۰۰﴾

صاحب دانش کون:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ صاحب دانش لوگوں کیلئے تخلیق کائنات میں نشانیاں ہیں وہ جب اللہ کی نشانیوں پر غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ زمینوں آسمانوں میں سے ہر چیز کا سرا عدم میں نابود ہو جاتا ہے۔ کچھ بھی نہیں تھا محض عدم سے اللہ کریم نے آسمانوں کو تخلیق فرمایا آسمانوں کی وسعتوں میں ایک کارخانہ قدرت رواں دواں کیا اسی طرح زمین کو پیدا فرمایا جو اتنی نرم ہے کہ آپ ایک سوئی سے کھودنے لگیں تو کھدتی چلی جاتی ہے اور اتنی مضبوط ہے کہ بڑے بڑے قلعے اور عظیم الشان عمارتیں اٹھا کر کھڑی ہے۔ اس کی آغوش خزانوں سے پر ہے اللہ کی مخلوق ازل سے اس کے سینے سے اگتی فصلوں سے اناج اور دوسری نعمتیں کھا رہی ہے اور ابد تک جب تک دنیا قائم رہے گی لوگ اس سے رزق کھاتے رہیں گے اور اس کے خزانوں میں کمی نہیں آئے گی درخت پھلوں سے لدے رہتے ہیں یہ سب کہاں سے آتا ہے؟ کون بناتا ہے؟ یہ نظام کس کی دست قدرت میں ہے؟ زمین کا سینہ اگر جینے والوں کیلئے روزی کا سبب ہے تو مرنے والوں کے لئے یہی زمین گود کی طرح ہے کتنی مخلوق اس کے سینے پر گزر

بسر کر رہی ہے اور کتنی مخلوق اس کی گود میں سما گئی۔ پھر زمین کی گردش سورج کا طلوع وغروب چاند کا گھٹنا بڑھنا روز اول سے لے کر آج تک ایک مقررہ نظام میں پرویا ہوا ہے۔ بڑے سے بڑا حکمران دن کا دورانیہ گھٹا بڑھا نہیں سکتا رات کا مقررہ وقت تبدیل نہیں کرسکتا نہ کوئی رات کی تاریکی کو دور کرسکتا ہے اور نہ سورج کی تمازت کو روک سکتا ہے ان سب میں واضح مثالیں ہیں کہ یہ قادر مطلق کا بنایا ہوا نظام ہے اور کوئی ہستی ایسی نہیں سوائے اللہ کے جو اس میں تبدیلی لا سکے اور صاحب دانش لوگوں کے سمجھنے کیلئے یہ دلائل حقہ ہیں دلیل کو سمجھنے کیلئے بھی دانش اور شعور کی ضرورت ہے جو شعور سے عاری ہو اسے دلائل سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ شعور وخرد کیا ہے؟ کون اہل خرد ہیں؟ اہل خرد وہ ہیں جو ان دلائل سے سبق لیتے ہیں۔ سورج تو ساری مخلوق پر طلوع ہوتا ہے سورج کا غروب ہونا تو ساری مخلوق دیکھتی ہے رات کا آنا سارے دیکھتے ہیں رات تو سب ہی بسر کرتے ہیں فجر تو سب پر ہی طلوع ہوتی ہے لیکن کتنے لوگ شب وروز کے آنے جانے اور ان میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے بارے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس میں اللہ وحدہ لاشریک کا حکم نافذ العمل ہے فرمایا وہ لوگ جنہیں یہ شعور نصیب ہے وہ اہل دانش لوگ ہیں۔

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ یہ دانش وشعور ان لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جو ہمہ وقت اللہ کی یاد میں مستغرق رہنے والے لوگ ہیں ان کا کوئی حال اللہ کی یاد سے خالی نہیں ہوتا ان کا کوئی لمحہ ذکر الٰہی سے خالی نہیں جاتا دراصل خالق اور مخلوق میں اللہ جل شانہ اور انسان میں جو نسبت ہے وہ یہی ہے کہ بندہ اپنے خالق اپنے مالک کو یاد کرنے والا اس سے یاد کا تعلق رکھنے والا ہو وہ اللہ کا بندہ ہے اور وہ اپنے اللہ سے اس تعلق کو قائم رکھے اور یہ تعلق اس کے ذکر سے بنتا ہے بڑھتا ہے۔ ورنہ اس کے علاوہ انسان مخلوق ہے اور اللہ خالق خالق اور مخلوق میں کوئی اور رشتہ کوئی ہمسری کوئی نسبت دوسری بنتی ہی نہیں سوائے اس کے کہ ہمہ اوقات اس کا نام لب پر ہو اس کی یاد دل میں جاگزیں ہو اور زندگی کا کوئی حال اس کی یاد سے خالی نہ ہو اور زندگی میں انسان کی تین ہی حالتیں ہوتی ہیں یا وہ بیٹھا کام کاج کر رہا ہوتا ہے یا بیٹھ کر سستاتا ہے یا آرام کرنے کیلئے لیٹ جاتا ہے یا سو جاتا ہے تو اہل دانش کی نشانی یہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر حال میں اللہ کو یاد کرنے والے ہوتے ہیں۔

دانش وبینش کا معیار کیا ہے؟

عام سطحی سوچ کے مطابق اہل دانش یا عقلمند اسے کہا جاتا ہے جو دولت کما لے، بچے پال لے، گھر بنا

لے گاڑی خرید لے اور پر آسائش زندگی گزار لے۔ حلال ذرائع سے یہ سب حاصل کرنا دانش مندی کا ایک پہلو ہے لیکن دانش مندی صرف یہی نہیں ہے اگر دانش کا معیار یہی ہوتا تو پھر یہ دانش سارے جانوروں میں ہے کوا اور چڑیا بھی یہی کام کرتے ہیں درندے اور جانور بھی اپنا ٹھکانہ بناتے اور بچے پال لیتے ہیں۔ دراصل دانشمندی یہ ہے کہ مخلوق کو دیکھ کر خالق کی عظمت کا اندازہ کرے اور خالق کے ساتھ اپنا رشتہ استوار کرے جس کا واحد ذریعہ اس کی یاد ہے اس کا ذکر ہے اس کے نام کی تکرار ہے۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ○ (المزمل:8) کہ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کا نام ہی دہراتے رہیئے اور اس قدر دہرایئے کہ صرف اللہ اللہ دل و دماغ میں رہ جائے اور ساری کائنات محو ہو جائے۔ ساری مخلوق سے انقطاع کلی ہو جائے اور صرف اللہ کی ذات کا دھیان رہ جائے۔ یہی آیت اس بات کی دلیل ہے کہ سوائے ذکر قلبی کے یہ کام ممکن نہیں ہوتا نہ اس حکم پر عمل ہو سکتا ہے جب تک انسان کا قلب ذاکر نہ ہو جائے اس لئے کہ صرف قلب ہی وہ آلہ ہے وہ مشین ہے جو شکم مادر سے دھڑکنا شروع کرتا ہے اور لب گور تک دھڑکتا چلا جاتا ہے زندگی کا کوئی لمحہ ہو آدمی سو جائے یا جاگتا رہے کام کرتا ہو یا فارغ بیٹھ جائے خلوت ہو یا جلوت بیمار ہو یا صحت مند ہوش میں رہے یا بے ہوش قلب ہمیشہ دھڑکتا رہتا ہے۔ اپنا کام کرتا رہتا ہے اور جب تک یاد الٰہی دل کی دھڑکنوں میں بس نہ جائے ذکر دوام کے اس حکم پر عمل نہیں ہوتا جس کا حکم قرآن حکیم دے رہا ہے اسی لئے متقدمین نے اکابرین امت نے ذکر قلبی کو ہر فرد و بشر کے لئے ضروری اور لازم ٹھہرایا ہے قاضی ثناء اللہؒ نے تفسیر مظہری میں لکھا ہے کہ ذکر قلبی خفی ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے۔

واجب عمل کے پورا کرنے کے لئے ذرائع تلاش کرنا واجب ہے:

اس لئے کہ جو حکم نص سے ثابت ہو وہ درجہ وجوب میں ہوتا ہے۔ اور جو چیزیں فرض یا واجب ہوتی ہیں ان کے حصول کے ذرائع تلاش کرنا بھی واجب ہو جاتا ہے پھر ایسے لوگوں کی محفل میں بیٹھنا بھی واجب ہوگا جو قلب کو ذاکر کر سکیں۔ ایسی محافل کو تلاش کرنا بھی واجب ہوگا اسی طرح جیسے وضو فرض نہیں ہے لیکن نماز پڑھنے کے لیے وضو کرنا لازم ہے۔ لباس کا پاک ہونا اور قبلہ کی طرف رخ ہونا بھی نماز کے وقت لازم ہے۔ سو فرض کی ادائیگی اور فرض کی تکمیل کے لئے جو چیزیں ضروری ہوں اس وقت وہ بھی فرض ہو جاتی ہیں اس لئے اگر ذکر دوام واجب ہے تو پھر اسکی تلاش اور جستجو بھی واجب ہوگی۔ ایسے لوگوں کی تلاش بھی واجب ہوگی۔ ایسی محافل بھی واجب ہوں گی کہ جن کے ذریعے قلوب متوجہ الی اللہ ہو جائیں اور انسان کا کوئی حال ذکر اللہ سے

خالی نہ رہے۔ اسی لئے جب حضرت عائشہؓ سے کسی نے آپ ﷺ کے ذکر کے بارے پوچھا تو ارشاد فرمایا گیا کہ آپ ﷺ ہر حال میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے یذکر اللہ علی کل احیانہ (ابوداؤد مسلم) یہ تو انبیاءؑ کی خصوصیت ہے کہ ان کے قدم مبارک جہاں پڑیں وہ ذرات ذاکر ہو جاتے ہیں، جو لباس وہ استعمال فرماتے ہیں وہ ذاکر ہو جاتے ہیں اور نگاہ مصطفی ﷺ کا تو کمال یہ ہے کہ جہاں تک نگاہ پاک ﷺ اٹھی وہاں تک کی فضائیں ہمیشہ کے لئے ذاکر ہیں پہاڑ اور پتھر بھی روشن ہیں۔

اللہ نے دانش و بینش کو اپنی یاد کے ساتھ لازم و ملزوم قرار دیتے ہوئے فرمایا صاحب خرد وہ لوگ ہیں جو کھڑے ہوں بیٹھے ہوں یا لیٹے ہوں صحت مند ہوں یا بیمار مشقت کر رہے ہوں یا آرام محفل میں ہوں یا تنہا ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔

ذکر اللہ کیا ہے؟

ذکر یاد الٰہی ہے جس کی کئی صورتیں ہیں۔ مومن جو عمل حضور ﷺ کی سنت کے مطابق کرتے ہیں وہ عملی ذکر ہے اس عمل میں حضور ﷺ کی فرمانبرداری ہے اور حضور ﷺ کی یاد کے ساتھ اللہ کی یاد وابستہ ہے۔

وابستہ تیری یاد سے ہے یاد خدا بھی
آتا ہے جو تو یاد تو آتا ہے خدا یاد

حضور ﷺ کی یاد پاک سے اللہ کی یاد وابستہ ہے اس لئے کہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری عظمتیں عطا فرمائی ہیں اور آپ ﷺ کی برکت یہ ہے کہ جسے حالت ایمان میں آپ ﷺ کی ایک نگاہ نصیب ہو گئی تو وہ انسانیت کے بلند ترین درجے پر فائز ہو گیا۔ وہ آپ ﷺ کا صحابیؓ بن گیا اور اس کا ظاہر و باطن یوں اللہ کی طرف متوجہ ہوا کہ صحابہؓ کے بارے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ الزمر:23 کہ ان میں یہ کمال تھا کہ ان کے وجود جلد سے لے کر باطن تک، روح تک، قلب تک نہاں خانہ دل تک ذاکر ہو گئے۔ اندازہ کیجیے کہ جس فرد کے وجود کا ہر ذرہ ذاکر ہو وہ کتنی بار اللہ کو یاد کرتا ہوگا۔ ذکر عملی یہ ہے کہ ہر عمل میں حضور ﷺ کی سنت ملحوظ رہے۔ عملی ذکر لازمی اور ضروری ہے لیکن قدرتی طور پر اسے دوام نصیب نہیں اس لئے کہ بندہ کبھی فارغ ہوتا ہے کبھی کام کرتا ہے تو فراغت کے وقت عمل منقطع رہتا ہے۔

ایک اور صورتِ ذکر زبان سے اللہ کو یاد کرنا ہے، تسبیحات پڑھنا، درود شریف پڑھنا، تلاوت

کرنا، نیکی اور بھلائی کی بات کرنا، جھوٹ کی مخالفت کرنا، حق کہنا یہ ذکر لسانی ہے اور یہ کردار کی اصلاح کا عمدہ ذریعہ ہے کسی بزرگ نے اصلاح کا نسخہ یہی بتایا تھا کہ صرف اپنی زبان کا محاسبہ شروع کردو اور دن پھر اپنی کہی ہوئی باتوں کو لکھ لو اس طرح ہر روز صرف زبان کی اصلاح ہی کرتے رہو تو جھوٹ، فضول، لغو اور زائد از ضرورت باتیں چھوڑتے جاؤ گے صرف زبان کی اصلاح کرنے سے سارے کردار کی اصلاح ہوتی چلی جائے گی اور اگر اس زبان سے نیک کام بھی لیے جائیں تو بھی ذکر لسانی کے لئے وقت کا تھوڑا سا حصہ بچتا ہے کہ زبان ہمیشہ کام نہیں کرتی بندہ سو بھی جاتا ہے بے ہوش بھی ہو جاتا ہے تو ذکر لسانی کو بھی دوام نصیب نہیں۔

ذکر کی اعلیٰ صورت ذکر قلبی ہے اور اس میں دوام بھی ہے کہ یہ ایک لطیفہ ربانی ہے جسے قلب کہتے یہ اس کا وظیفہ ہے۔ جب اسے اللہ سے آشنائی نصیب ہو جائے تو یہ از خود یاد الٰہی کرتا رہتا ہے مسلسل محنت و مجاہدہ، ولی اللہ کی صحبت، اور ذکر اللہ کرنے سے انہیں ذکر قلبی اور ذکر دوام نصیب ہو جاتا ہے پھر ان کے وجود بھی ذاکر ہو جاتے ہیں اور اگر موت بھی آجائے سانس منقطع ہو جائے دل کی دھڑکن رک جائے تو بھی ان کے قلوب و وجود سے ذکر منقطع نہیں ہوتا انکے وجود اللہ کے نام سے روشن رہتے ہیں اور انکی تو قبریں بھی ذاکر ہوتی ہیں سو عقل و دانش کا تقاضا یہ ہے کہ بندے کو یہ بات سمجھ میں آجائے کہ دنیا ایک بھرا بازار ہے اس میں اللہ نے بے شمار نعمتیں بڑی جاذب نظر نہایت پر کشش اور دل کو لبھانے والی رکھی ہیں یہ اپنی طرف مائل کرنے والی نہایت پر لذت زندگی ہے لیکن ہے فانی۔ اس کی لذتیں بھی فانی ہیں تو جو چیز اچھی لگی اسے حاصل کرنے کے بعد اس سے دلچسپی ختم ہو جاتی ہے اسی طرح سرمایہ یا دولت ملے گاڑی یا گھر ملے یہ ساری نعمتیں فنا ہونے والی ہیں ان میں لذت ہے شان و شوکت ہے چمک دمک ہے آدمی کا دل موہ لیتی ہیں لیکن سب وقت مقررہ کے آجانے پر ختم ہونے والی ہیں سو صاحب خرد وہ ہے جو دنیا کے بازار سے استعمال کے لئے ہر شے خریدے سنت کے مطابق استعمال کرے لیکن سب سے بڑھ کر یہاں رہتے ہوئے وہ جنس خرید لے جو ضائع نہیں ہوتی جو ہمہ وقت اس کے ساتھ رہتی ہے زندگی کے ہر حال میں، دل کی ہر یاد میں، عندالموت، مابعدالموت، میدان حشر میں اس کے ساتھ ہوگی۔

ذکر الٰہی کا نتیجہ تفکر:

فرمایا ذکر الٰہی، یاد الٰہی، اللہ سے تعلق، اللہ سے نسبت پانے والے ہی صاحب دانش ہیں۔ صاحب عقل و دانش تو وہی ہے جو نہایت اعلیٰ اور پائیدار چیز حاصل کرلے جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہے جس کے ہونے سے وہ

ہمیشہ خوش اور مطمئن رہے۔تو اہل عقل ودانش وہی ہیں جو کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔
یَتَفَكَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ ذکر الٰہی سے تفکر پیدا ہوتا ہے۔ذکر الٰہی قوت فکر کو زندہ کرتا ہے پھر وہ فکر کرتے ہیں کہ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ یہ نظام کائنات تو نے فضول پیدا نہیں فرمایا اتنا لطیف نازک، حساس اور مربوط کہ کڑی سے کڑی ملتی چلی جاتی ہے اتنا گہرا کہ کوئی اس نظام کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا تو پروردگار تو نے یہ بے وجہ تو نہیں بنایا اس کا نتیجہ اور اس کا انجام ضرور ہونا چاہیئے اے اللہ تو پاک ہے سُبۡحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ ہم تیرے بندے ہیں ہم سے بہت سی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں نیکی کریں تو کمیاں رہ جاتی ہیں سجدے کریں تو بے کیف ہوتے ہیں ان میں وہ درد نہیں ہوتا جو انکی خصوصیت ہونی چاہیے۔ہماری عبادات میں خلوص کا وہ درجہ نہیں ہوتا جو تیری شان کے لائق ہے اس کے علاوہ بھی ہم سے خطائیں ہو جاتی ہیں کبھی ہم پر الزام تراشے جاتے ہیں اور کبھی ہم سے واقعی خطائیں بھی ہو جاتی ہیں ہم کسی طور پر پاک نہیں ہیں اور تو پاک ہے۔ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ تو اپنے کرم سے ہمیں عذاب سے محفوظ رکھ ہماری خطاؤں سے درگزر فرما ہماری کمی اور کوتاہی سے درگذر فرما ہماری کمزور عبادات کو، بے حضور اذکار کو، بے کیف سجدوں کو شرف قبولیت بخش کہ بخشنا تیری عظمت کو سزاوار ہے اے ہمارے پروردگار رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَیۡتَهٗ ؕ اے اللہ جس کو تو نے جہنم میں ڈال دیا تو وہ رسوا اور ذلیل ہو گیا۔ اے اللہ ہمیں اس دائمی ذلت سے پناہ عطا فرما کہ حقیقی ذلت اس کے نصیب میں ہے جو عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آ گیا اور حقیقی عزت تو صرف تیرے نام کے ساتھ تیری یاد کے ساتھ تیرے نبی ﷺ کے ساتھ وابستہ ہونے میں ہے۔لہٰذا ذکر الٰہی کا خاصہ ہے کہ بندے کو تخلیق کائنات اور کارگہ حیات کے رواں دواں رہنے میں تفکر نصیب ہوتا ہے جس کے نتیجے میں وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس سارے نظام کا ایک انجام ہے جو یقینی ہے۔اس کا ایک مقصد ہے اسے اپنے انجام کو پہنچنا ہے اور جب یہ اپنے انجام کو پہنچے گا تو کچھ لوگ اللہ کی رحمت سے سرفراز ہوں گے اور جنہوں نے دنیا کی فانی لذت کو یوں سمیٹا کہ نہ حلال حرام کی تمیز کی نہ عظمت الٰہی سے آشنا ہوئے نہ عظمت رسالت ﷺ سے آشنا ہونے کی کوشش کی اور زندگی کو ضائع کر گئے تو ان کا انجام دوزخ میں داخلہ ہو گا جس سے اللہ محفوظ رکھے۔ پھر سمجھ آ جاتی ہے کہ معزز وہ نہیں جو دنیا میں خود کو معزز کہلوانے کے حیلے کرتا ہے اور دنیا سے خود کو معزز منوانے کے حربے اختیار کرتا ہے بلکہ معزز وہ ہے جس کی میدان حشر میں عزت بچ گئی جسے تو نے عذاب سے بچا لیا اور جسے تو نے ان کے کرتوتوں کے باعث جہنم میں پھینک دیا وہ تو رسوا ہو گیا وَمَا

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ اور ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا۔ جن لوگوں سے بتقاضائے بشریت غلطی ہو جائے اور وہ اپنی غلطی کا اقرار کر کے اللہ سے مغفرت مانگیں ان کی توبہ اللہ قبول فرماتے ہیں اور دنیا ہی میں انہیں اصلاح احوال کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں اللہ توبہ کرنے والوں پر بڑا رحیم ہے اسکی ذات غفور ورحیم ہے اور ایسے لوگ اللہ سے مغفرت کے طالب ہوتے ہیں اللہ کے نبی ﷺ سے بخشش کی دعا کرواتے ہیں اور اللہ کے نبی ﷺ بھی ان کے لئے دعا فرماتے ہیں تو اللہ کریم ایسے گنہگاروں خطا کاروں کی بخشش فرماتے ہیں۔

جو لوگ اللہ کو بھول جاتے ہیں عظمت الٰہی سے بیگانہ ہو جاتے ہیں وہ زندگی ضائع کردیتے ہیں۔ زندگی ایسا سرمایہ ہے ایسی مہلت ہے کہ اسے ضائع کرنا دانشمندی نہیں یہ انتہائی حماقت ہے۔ زندگی کے لمحے مہلت کی زندگی کی سانسیں یہ سب گن کر اللہ نے عطا کیا ہے یہ قیمتی ہیں اسی طرح جیسے کسی کو کروڑوں روپے دے دیے جائیں اور وہ نہایت لاپرواہی سے انہیں اس طرح خرچ کر ڈالے کہ وہ خرچ اس کے کسی کام نہ آئے یہ سانسیں جو ہم لے رہے ہیں یہ ہم اپنا سرمایہ حیات خرچ کر رہے ہیں تو دانش مندی یہ ہے کہ بندہ اپے لمحے گذارے سانس لے تو فکر کرے کہ اس نے یہ کہاں خرچ کیے اور اس کے بدلے اسے کیا ملا۔ یہ سرمایہ حیات کس چیز کے بدلے میں خرچ کیا پیر مہر علی شاہ سے کسی نے ذبیحہ کا مسئلہ پوچھا کہ جس جانور کا دم بغیر تکبیر کے نکل جائے کیا وہ حلال ہے انہوں نے فرمایا اگر جانور اللہ کے نام کے بغیر مرجائے تو وہ حرام ہے وہ شخص مسئلہ پوچھ کر فارغ ہو گیا تو حضرت فرمانے لگے اگر جانور کا دم اللہ کے نام کے بغیر نکل جائے تو حلال جانور حرام ہو جاتا ہے تو انسان کا جو سانس ہر دم کے ساتھ خارج ہوتا ہے اگر وہ اللہ کے نام کے بغیر خارج ہو تو وہ کیسے حلال ہوگا۔ اسی لیے صوفیا کہتے ہیں جو دم غافل وہ دم کافر جو سانس اللہ کے نام کے بغیر گیا وہ ناشکری میں گیا۔

خلاصہ بیان:

خلاصہ آیات یہ ہے کہ دانش مند وہ لوگ ہیں جو ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں ذکر اللہ کرتے ہیں اور ذکر سے ان کی وہ حس بیدار ہو جاتی ہے جسے تفکر کہتے ہیں اور وہ سوچتے ہیں کہ زمین وآسمان کا وسیع نظام اور تمام مخلوقات بے نتیجہ نہیں ہیں اللہ نے اسے بے مقصد پیدا نہیں کیا اور پھر وہ بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں کہ پاک تو صرف تو ہے تیری ذات ہی صرف پاک ہے ہم میں تو کمی وکوتاہی ہے ہزار کوشش کے باوجود ہماری خطائیں بے شمار ہیں اے اللہ ہماری یہ کمی دور فرمادے ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا کہ جو تیری نافرمانی کر کے جہنم کے راستے پر چل پڑے وہ حقیقی ذلت سے دوچار ہونگے اور ظالموں کا تو کوئی مددگار نہیں کوئی ظالم کی مدد نہیں

کرسکتا۔ اللہ کریم ہماری خطاؤں سے درگذر فرمائے نیکی کی توفیق دے اور ذکر دوام نصیب فرمائے۔ آمین۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾ ذکر قلبی اور ذکر دوام سے جو تفکر پیدا ہوتا ہے جس کے نتیجے میں تخلیق کو دیکھ کر عظمت خالق کا اندازہ ہوتا ہے اور آدمی کے شعور میں یہ بات آجاتی ہے کہ کائنات کی تخلیق و ترزیق کا اتنا بڑا نظام بلا نتیجہ نہیں ہے یقیناً اس کا ایک انجام ہے تو پھر وہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ مجھے آگ کے عذاب سے بچا کہ جو آگ کے عذاب میں داخل ہوا وہ ذلیل ہو گیا اور پھر یہ عرض کرتا ہے رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اے اللہ ہم نے اس کو سنا جو ایمان کی طرف ندا دیتا ہے اور کہتا ہے اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ اور فَاٰمَنَّا ۖ ہم ایمان لے آئے۔ دراصل اچھی بات اور اچھی دعوت سنائی تو ہر ایک تو دیتی ہے جیسا کہ اللہ کریم نے قرآن حکیم میں فرمایا وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ○ (الم نشرح: 4) اے میرے حبیب ﷺ ہم نے آپکے ذکر کو بلند کر دیا اور اذان میں حضور ﷺ کا نام نامی شامل ہوا تو روئے زمین پر ہر اذان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نام بلند ہوتا ہے اور کیسی عجیب بات ہے کہ روئے زمین پر کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے کہ کسی نہ کسی جگہ اذان نہ ہو رہی ہو سورج کے سفر کے ساتھ ساتھ رات اور دن کا سفر جاری رہتا ہے کہیں فجر ہے تو کہیں عصر کہیں مغرب اور کہیں عشاء اور یہ زمین پر ہر لمحے ہوتا ہے اگر ایک جگہ نماز فجر ختم ہوتی ہے تو اگلے لمحے دنیا کے کسی اور حصے پر فجر شروع ہوتی ہے۔ یونہی یہ سفر جاری رہتا ہے حآنکہ ظہر کے وقت کی ابتدا ہو جاتی ہے ایک جگہ کا وقت ختم ہوتا ہے تو دوسری جگہ شروع ہو جاتا ہے اسی طرح عصر، مغرب اور عشاء کی اذانیں بلند ہوتی رہتی ہیں یوں دیکھا جائے تو روئے زمین پر ہر لمحہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا تسلسل جاری رہتا ہے تو اذان سننے کو تو ہر ایک کو سنائی دتی ہے لیکن سننے کا مقصد کیا ہے سننے سے مراد یہ ہے کہ جس نے سنا اس نے اس پر غور کیا اگر بات اچھی ہے تو اس نے قبول کیا۔ اس طرح کسی نے سنا تو اسے سننا کہیں گے اور جس نے صرف آواز سنی اس میں جو دعوت تھی، جو خلوص تھا، جو درد تھا اسے اس نے محسوس نہ کیا اس کی پرواہ نہ کی اور سنی ان سنی کر دی تو اسے سننا نہیں کہتے لہذا سننے کے لئے اپنے اندر کی اپنی فکر اور سوچ کی ادراک و شعور کی صفائی ضروری ہے اور ذکر قلبی اور ذکر دوام وہ صفائی عطا کرتا ہے جس کے بارے ان آیات میں بیان ہو رہا ہے کہ جب وہ سنتے ہیں تو کہتے ہیں یا اللہ ہم نے ایک ندا سنی جو ایک منادی تیری طرف بلانے کے لئے دے رہا تھا تو ہم نے اسے قبول کیا فَاٰمَنَّا ہم اس پر ایمان لائے اب

ہماری گذارش یہ ہے رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اے اللہ تو ہی ہمارا پروردگار اور پالن ہار ہے تو ہی تو ہے جو اپنی نعمتیں عطا کر رہا ہے تو ہی تو ہے جو خطاؤں سے درگذر فرما سکتا ہے۔ تیری ہی بارگاہ عالی ہے اے اللہ ہم سے تیری اطاعت میں کوتاہیاں ہوئیں ہمارے اس گناہ کو معاف فرما تو کریم ہے ہماری غلطیوں سے درگذر فرما کَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا ہم سے غلطیاں کرنے کا جو فعل ہے اور غلطیاں ہوجانے کا جو امکان ہے اسی کو زائل کردے ہماری برائیوں سے نجات دے اور نیکی کرنے کی توفیق عطا فرما تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾ اور ہمیں اپنے نیک بندوں کے ساتھ موت دے۔

ذکرِ قلبی سے جو تفکر عطا ہوتا ہے اس سے انسان حقیقت پسند ہوجاتا ہے:

اور وہ دنیا میں رہتا ہے دنیا کی حقیقت سے بھی آگاہ رہتا ہے دنیا بھی اچھی گزارنے کی دعا کرتا ہے اور موت بھی بہترین مانگتا ہے یہ شعور دل کے متوجہ الی اللہ ہونے کا نتیجہ ہے اور ذکر الٰہی یہ شعور دیتا ہے کہ جو چیزیں فانی ہیں ان کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی زندگی میں استعمال کرنے کے لئے ضروری ہے لہذا ان کی طلب وآرزو کا کیا مطلب؟

جیسے بڑا خوبصورت پھول ہو لیکن چند دن میں ختم ہوجاتا ہے تو اس کے لئے اتنے جتن کرنا کیا معنی؟ لیکن موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے کسی کو مفر نہیں ہم اپنے اردگرد اپنے ماحول میں روزانہ دیکھتے ہیں اور کتنے لوگوں کو ہم قبر میں اتارتے ہیں لیکن کتنے لوگ ہیں جو یہ فکر کرتے ہیں کہ انہیں بھی اسی راستے سے گزرنا ہے تو فرمایا

ذکر الٰہی شعور دنیا اور شعور آخرت عطاء کرتا ہے:

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿١٩٤﴾ دل کا ذکر اور دل کا اللہ کی طرف متوجہ ہوجانا یہ فکر عطاء کرتا ہے کہ انسان کو مرنا بھی ہے تو وہ یہ دعا کرتا ہے کہ اللہ اپنے نیک بندوں کے ساتھ موت عطاء کرے ظاہر ہے موت ان کے ساتھ ہی آئے گی جن کے ساتھ آدمی زندگی بسر کرتا ہے یہ تو ممکن نہیں ہے کہ زندگی مے خانے میں بسر ہو اور موت کعبے میں آئے، زندگی جن لوگوں کے ساتھ بسر کرنا پسند کیا ہوگا موت بھی ویسے ہی لوگوں کے ساتھ آئے گی۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ فرمایا کرتے تھے لوگ زندگی تو فرعون کی جینا چاہتے ہیں اور موت موسیٰ کی چاہتے ہیں جب کسی کے خاندان میں موت واقع ہوجاتی ہے تو ختم قرآن بھی شروع ہوجاتے ہیں دعائیں بھی شروع ہوجاتی ہیں خیرات بھی بٹنے

لگتی ہے یہ کام تو زندگی میں کرنے تھے یہ تو اپنے ہاتھوں سے کرنے کے کام ہیں مرنے کے بعد تو بندہ اپنی مہلت عمل کھو چکا لہٰذا فکرو باطن کی صفائی حاصل کرنے والے لوگ یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں اس راستے پر ڈل دے کہ جس پر اگر موت بھی آ جائے تو ہمارا ساتھ نیک لوگوں کا ساتھ ہو پاکیزہ لوگوں کا ہو پاک کردار والے لوگوں کا ساتھ ہو یہ ہے پاکیزگی باطن کا نتیجہ یہ ہے ذکر الٰہی کی خصوصیت کہ آدمی کی نگاہ وسیع ہو جاتی ہے وہ وقتی مفادات اور وقتی لذات سے بالاتر ہو کر انجام کے لئے فکرمند ہو جاتا ہے اور ہمیشہ رہنے والی زندگی اس کی نگاہوں کے سامنے آ جاتی ہے اور وہ دعا کرتا ہے اے اللہ میری زندگی کو ایسے سانچے میں ڈھال دے کہ جب موت آئے تو میرے اردگرد نیک لوگ ہوں مجھے نیک لوگوں کے ساتھ موت آئے درحقیقت ذکر الٰہی وہ شعور عطاء کرتا ہے کہ انسان دائمی زندگی کی دائمی نعمتوں کی آرزو کرتا ہے وہ دنیا کی زندگی کی حقیقت سے آشنا ہوتا ہے کہ یہ گنتی کے چند سال ہیں اور یہ اتنے قیمتی ہیں کہ دنیا میں آبرو سے جینا اور آخرت میں نیکوں کا ساتھ نصیب ہونا اللہ کی رضا کا ملنا وہ نعمتیں ہیں جن کی تمنا کرنا چاہیئے وہ کہتے ہیں۔ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ اے ہمارے پروردگار تو نے اپنے انبیاء کی زبانوں سے اپنے نیک بندوں کے ساتھ وعدے فرمائے ہیں کہ تو ان پر اپنا کرم فرمائے گا حشر کی پریشانیوں سے بچائے گا آخرت کے عذابوں سے محفوظ رکھے گا اور انہیں نعمتوں کے باغوں میں بہترین گھر دے گا تو یا اللہ ہمیں ایسا بنا دے کہ ہم تیرے ان وعدوں کے اہل بن سکیں۔

اللہ ہمیں آخرت کے عذابوں اور اس دن کی رسوائی سے بچا ہمیں یوم حشر کی سختیوں سے بچا اپنی رحمت کے زیر سایہ رکھ اپنے نیک بندوں کے ساتھ موت دے ان کے ساتھ حشر فرما اور آخرت کے امن کے عزت و آبرو کے گھر میں داخل فرما وَلَا تُخۡزِنَا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اور یوم حشر ہمیں رسوا نہ کرنا، ذلیل نہ کرنا کہ حقیقتاً رسوائی وہی ہے جو تیری بارگاہ میں محرومی سے حاصل ہوتی ہے ہمیں اس رسوائی سے بچانا۔

ہر انسان ساری زندگی اپنی عزت اور ناموری کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے اور جہاں حکمرانوں کے عہدے داروں کو اپنی عظمت کی فکر ہوتی ہے وہاں ایک خاکروب بھی خود کو اپنی برادری میں معتبر سمجھتا ہے اور یہ بات ہر انسان کے ساتھ ہے خواہ اس کا تعلق کسی بھی طبقے اور شعبے سے ہو ہر بندہ اپنے شعبے کے لوگوں میں خود کو معزز منوانا چاہتا ہے لیکن ذکر الٰہی یہ شعور عطاء کرتا ہے کہ حقیقی عزت وہ ہے جو اللہ کی بارگاہ میں نصیب ہوتی ہے اور حقیقی رسوائی وہ ہے جو یوم حشر پیش آئے گی اور ایسے بندوں کو اللہ پر مکمل بھروسہ ہوتا ہے وہ کہتے ہیں۔

اِنَّكَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ﴿۱۹۴﴾ اے اللہ ہمیں اس بات کا اقرار ہے کہ تیرے وعدے سچے ہیں اور تو اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرتا۔ یہ ساری مصیبتیں اگر آتی ہیں تو اس کے آنے کا سبب ہمارا کردار ہے، ہماری کوتاہیاں ہیں، ہماری غلطیاں اور ہمارے گناہ ہیں تو ہمارے گناہ معاف فرما، ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما ہمیں نیکی کی توفیق عطاء فرما تو پھر اللہ کریم فرماتا ہے۔ اسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ اللہ ان کی بات قبول فرمالیتا ہے وہ ایسا کریم ہے کہ ایک شخص جس کی ساری زندگی کفر وشرک میں گزر گئی لیکن جب اسے اللہ کی عظمت کا ادراک ہوا اسے توبہ نصیب ہوئی تو اسے دامان رحمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پناہ مل جاتی ہے کوئی شخص کفر میں زندگی گزار دے جس لمحے اس کی انابت جاگ جائے گی جس لمحے وہ توبہ کر کے کلمہ طیبہ پڑھتا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ تو ان دو جملوں میں اتنا اثر ہے کہ اس کی گذشتہ ساری زندگی کا کفر وشرک گناہ وبرائیاں دھل جاتی ہیں بندہ پاک صاف ہوجاتا ہے۔

ہم عبادات کے باوجود نیک نہ ہو سکے کیوں؟

کون سی کڑی ہم سے چھوٹ گئی؟ دھل جانے کا مطلب یہ ہے کہ میل اور داغ باقی نہ رہیں اور اگر دھونے کے بعد میل اور داغ بھی باقی ہوں تو وہ نہ دھونے کے برابر ہے ہمارا آج توبہ کے ساتھ یہی رویہ ہے زبان سے توبہ کہتے رہتے ہیں کردار سے برائیاں دور نہیں ہوتیں۔ ہم قرآن پڑھتے ہیں تب بھی ہماری اصلاح نہیں ہوتی کیونکہ ہم قرآن کو اس طرح پڑھتے ہیں کہ جیسے یہ دوسروں کے لئے ہے اتنی آیات تو کافروں کے بارے اتنی آیات مومنین کے بارے ہیں اس طرح پڑھنے سے ہم خود کو اس سے علیحدہ رکھتے ہیں کہ ہمیں پڑھ کر ثواب ہوگیا حالانکہ قرآن ایک ایک انسان سے مخاطب ہوتا ہے یہ اللہ کی کتاب ہے اولاد آدم کے لئے ہے انسانیت کے ہر فرد کے لئے ہے اس کا پیغام اتنا پر اثر ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ دلی تصدیق کے ساتھ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ پڑھ لیتا ہے تو وہ بالکل پاک وصاف ہوجاتا ہے تو موروثی مسلمانوں پر تو اللہ کا بڑا احسان ہے کہ وہ صدیوں سے نسلاً در نسلاً مسلمان ہیں مسلمان گھرانوں میں پیدا ہوئے اور سب سے پہلی آواز جو کانوں میں پڑی وہ اذان تھی جس گھر میں بولنا سیکھا وہاں والدین نے پہلا لفظ اللہ سکھایا اور ایک عمر نمازیں پڑھتے روزے رکھتے بیت گئی تو ہم موروثی مسلمان پاک صاف ہوگئے ہمارا کردار کھرا ہوگیا؟ کوئی ہم میں سے ایسا ہے جسے یہ اطمینان ہو کہ موت آتی ہے تو آئے وہ ان شاء اللہ جنت کا راہی ہے لیکن ایسا نہیں ہے ہم سب موت سے کیوں ڈرتے ہیں؟ کیوں بھاگتے ہیں؟ جبکہ ہم نمازیں بھی پڑھتے ہیں ساری نہیں تو دن بھر

میں چند نمازیں ہو ہی جاتی ہیں بہت کم لوگ ہیں جو بالکل ہی نہیں پڑھتے روزے بھی رکھتے ہیں زکوٰۃ بھی دیتے ہیں ہر سال حج پر اتنے لوگ جاتے ہیں کہ مسجدوں میں توسیع جاری رہتی ہے تلاوت قرآن بھی ہوتی رہتی ہے سب کام کر کے ہمیں اپنی بخشش کی امید نہیں ہوتی اور ہم موت سے ڈرتے ہیں؟ کیوں؟ کوئی کڑی تو درمیان سے غائب ہو چکی ہے۔ جو کڑی ہم سے چھوٹ گئی کہ ہم باوجود نماز، روزے، تلاوت، حج کے کردار میں کھرے نہ ہو سکے اور ہم اللہ کے نیک بندوں میں شامل نہ ہو سکے کیوں؟ کون سی ایسی کڑی ہے جو درمیان سے چھوٹ گئی کوئی ایسا کام ہم نے چھوڑ دیا جس سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوئے اگر عبادات کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے ہم سے ذکر الٰہی، ذکر قلبی اور ذکر دوام چھوٹ گیا ہمارے قلوب کو متوجہ الی اللہ کرنے والی چیز چھوٹ گئی اپنے باطن میں اللہ کی یاد اللہ کی طرف دھیان ہم نے من حیث القوم چھوڑ دیا ہم سے قرآن کے اس حکم پر عمل چھوٹ گیا کہ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ (آل عمران:191) اور یہی وہ ایسی دوا ہے جو شعور آگہی دیتی ہے جس سے بھلے برے کی تمیز عملاً نصیب ہوتی ہے اور بندہ دنیا کی زندگی کو اس اعتدال اور توازن سے گزارتا ہے کہ اس کے ہر کام میں آخرت پیش نظر رہتی ہے جس طرح کوئی شخص دنیوی زندگی کے فرائض کی ادائیگی سے بے بہرہ ہو جائے اسے بات کرنے کھانا کھانے پہننے اوڑھنے کی تمیز نہ رہے یعنی دنیوی چیزوں کا شعور اور ان سے آگہی نہ رہے تو بندہ پاگل و دیوانہ ہو جاتا ہے اور اگر آخرت کے لوازمات کا شعور نہ رہے تو کیا وہ صحت مند ہے؟ نہیں حقیقتاً وہی پاگل کہلانے کا مستحق ہے جسے عظمت الٰہی کا شعور نہ رہے جسے عظمت رسالت کا احساس نہ رہے جسے دار آخرت کا یقین نہ رہے جو دنیا میں یوں کھو جائے کہ اسے یہ یاد ہی نہ رہے کہ اسے دائمی گھر کی طرف بھی جانا ہے لیکن جس طرح پاگل بھی تب تک زندہ رہتے ہیں جب تک ان کی زندگی باقی ہے خواہ بال پریشان اور لباس پورا نہ ہو غذا نامناسب اور ضروریات زندگی بے ترتیب ہو لیکن زندہ تو رہتے ہیں اسی طرح جو آخرت سے بے خبر ہو جاتا ہے وہ بھی زندہ تو رہتا ہے لباس پہنتا ہے دولت جمع کرتا ہے اور لوگ اسے عقلمند سمجھتے ہیں لیکن حقیقتاً وہ بے شعور ہوتا ہے۔

حسن الثواب:

جن میں شعور زندگی ہو شعور آخرت ہو شعور عظمت الٰہی و عظمت رسالت ہو اللہ ان کی دعا قبول کر لیتا ہے ان کے گناہ معاف فرما دیتا ہے انہیں نیکی کی توفیق بھی عطاء کر دیتا ہے ان کی اصلاح بھی فرما دیتا ہے انہیں نیکی پر موت دیتا ہے یاد رکھنا چاہیئے کہ جن کی توبہ قبول ہو جاتی ہے انہیں موت کا ڈر نہیں رہتا وہ موت کے لئے

تیار رہتے ہیں علامہ مرحوم نے کہا تھا میں تمہیں بندہ مومن کی نشانی بتاتا ہوں:

نشان مرد مومن با تو گویم

چوں مردہ باتبسم لب روز

کہ جب اس کی موت آتی ہے تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس دنیا کے شور وغوغا سے برائی بھلائی نیکی بندی کی آزمائش میں بحمد اللہ وہ جیت کر پار کنارے لگا اور اس کامیابی پر بجائے موت کے دکھ کے اس کے چہرے پر بشاشت آجاتی ہے مسکراہٹ آجاتی ہے اس کا چہرہ کھل اٹھتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں اَنِّىْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ میرے لئے سب انسان برابر ہیں کوئی مرد ہو یا خاتون جو بھی بھلائی کرتا ہے میں اس کی بھلائی قبول کرتا ہوں اس کا عمل ضائع نہیں کرتا بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ بعض چھوٹے بڑے کی تفریق میرے ہاں روا نہیں یہ تفریق جو انسانوں نے بنا رکھی ہے کہ کسی کو چھوٹا سمجھتے ہیں کسی کو بڑا ورنہ سارے انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور ان کی فضیلت اور بڑائی کا معیار اللہ سے تعلق ہے۔ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ الحجرات:13 جتنا جس کا اللہ سے تعلق ہے وہ اتنا ہی قابل احترام ہے۔

قرآن کے مثالی مسلمان:

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِھِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا یہاں اللہ تعالیٰ خادمان نبوت کو صحابہ کرامؓ کو مثالی مسلمان فرما رہا ہے اور کہتا ہے کہ یہ دار دنیا میں ہی رہتے رہے انہوں نے دولت بھی کمائی گھر بار بنائے ان کے رشتہ دار بھی تھے جو ضرورتیں آج کے انسانوں کی ہیں وہی ان کی بھی تھیں ایک بھرپور انسانی زندگی تھی لیکن وہ کیسے لوگ تھے جب انہوں نے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کی اور انہوں نے کہا کہ وہ ایمان لے آئے تو دنیا کی ہر مشکل ان پر ٹوٹ پڑی انہیں گھر بار، جاگیریں جائیدادیں برادری رشتے ناطے اور ساری دوستیاں چھوڑنی پڑیں لیکن انہوں نے کہا کہ جو لذت رفاقت رسول اللہ ﷺ میں ہے وہ ساری کائنات بھی چھوٹ جائے تو کوئی پرواہ نہیں فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا پھر وہ بیٹھے بٹھائے مہاجر ہو گئے۔ وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِھِمْ لوگوں نے انہیں ان کے گھروں سے نکال دیا لیکن انہوں نے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا ایک مالدار اور بہادر وطاقتور صحابیؓ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرما رہے تھے کہ مشرکین مکہ نے انہیں روک لیا تاکہ وہ ہجرت نہ کر سکیں انہوں نے فرمایا تم لوگ مجھے جانتے ہیں کہ

میں کون ہوا مانا ہوا شہسوار ہوں نیزہ بازی میں میرا مقابلہ کرنا دشوار ہے جرات مند ہوں طاقتور ہوں اور اس وقت اسلحے سے لیس ہوں اگر تم نے مجھ پر حملہ کرنے کی جرات کی تو خود تمہارا ہی نقصان ہوگا تمہارے بہت سے لوگ مارے جائیں گے میرے پاس نیزہ ہے میں پہلے وہ استعمال کروں گا میرے پاس تلوار ہے، پھر تیر کمان ہے پہلے میں اپنا ترکش خالی کروں گا پھر تلوار کی باری آئے گی اور یاد رکھو میں فن حرب کا مانا ہوا سپاہی ہوں نہ میرے نیزے کا وار خالی جائے گا نہ تیر ضائع ہوں گے نہ میری تلوار کے وار سے کوئی بچ سکے گا اگر تم مجھے شہید کرنے کی کوشش کرو گے تو اس میں تمہارے بہت سے بندے مارے جائیں گے۔ آؤ اس کے بجائے تم مجھ سے ایک سودا کر لو میں نے ساری عمر محنت کر کے سرمایہ کمایا ہے وہ میرے گھر میں محفوظ ہے میں تمہیں اس کا پتہ بتا دیتا ہوں تم میری ساری دولت لے لو اور ہجرت کے لئے میرا راستہ نہ روکو مجھے حضور ﷺ کی خدمت میں جانے دو۔ اہل مکہ نے سر جوڑ کر سوچا مشورہ کیا کہ یہ سودا گھاٹے کا نہیں اپنے بندے مروانے کے بجائے بہتر ہے اتنی دولت قبضے میں آجائے اور سودا طے ہو گیا مشرکین مکہ نے بھی ان کا اعتبار کیا انہیں بھی پتہ تھا مسلمان جھوٹ نہیں بولتا دھوکہ نہیں دیتا صحابیؓ نے انہیں سرمایے کا پتہ بتایا اور وہ واپس چلے گئے اور انہیں وہ دولت مل گئی لیکن صحابیؓ کی محبت دیکھیے سب جمع پونجی لٹا دی کہ انہیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچنا ہزار درجے زیادہ عزیز تھا یہ لذت آشنائی ذکر دوام کا نتیجہ ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو

عجب چیز ہے لذت آشنائی

اس لذت آشنائی کے لئے دنیا تو دنیا وہ آخرت سے بھی بالاتر ہو گئے وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے اللہ کی راہ میں انہیں بے پناہ تکلیفیں اٹھانا پڑیں لیکن وہ ثابت قدم رہے اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ آگئے تو کیا ان کی زندگی بے خطر ہو گئی؟ فرمایا نہیں وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا انہوں نے جہاد کئے جانیں قربان کیں کفار و مشرکین کو قتل کیا ریاست اسلامی بنائی اپنے ایمان و عمل سے ایسی مثال بنے کہ قرآن انہیں مثالی مسلمان قرار دیتا ہے اور آج کے وہ لوگ جو ابلیس کے پیروکار ہیں وہ ان مثالی مسلمانوں کے بارے میں زبان طعن دراز کر کے اپنی ابلیسیت کا ثبوت پیش کر رہے ہے جبکہ اللہ کریم اپنے بندوں کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے بارے میں خود فرماتا ہے کہ ان سے جو خطا بھی ہوئی اسے میں نے خود معاف کر دیا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ان کی کوتاہی کو میں نے خود معاف کر دیا وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ

میں انہیں اپنے اُن باغوں میں داخل کروں گا جن میں نہریں ہیں وہ میری جنت میں رہیں گے ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اللہ کی طرف سے اُن کے عمل کا یہی بدلہ ہے وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ اور یہ اللہ کی شان ہے کہ وہ بدلہ بہت ہی اچھا دیتا ہے بندے کے تھوڑے عمل لیکن پر خلوص عمل پر کروڑوں گنا زیادہ اجر فرماتا ہے۔

حقیقی کامیابی:

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ اے مخاطب کفار کا ملکوں پر شہروں پر قابض رہنا اور حکومتیں بنانا تمہیں کسی غلط فہمی میں نہ ڈال دے اس لئے کہ کفر ایک ایسا راستہ ہے جسے بہر حال جہنم تک جا کر ختم ہونا ہے دنیا کی زندگی تھوڑی سی ہے یہ تھوڑی سی فرصت و مہلت میں تھوڑے وقت کے لئے عیش کر رہے ہیں لیکن یہ جس راستے پر چل رہے ہیں اس کا دوسرا سرا دوزخ سے ملا ہوا ہے...... دنیا عالم اسباب ہے اس کے اپنے تقاضے ہیں اور نتائج اسباب پر مرتب ہوتے ہیں اس لئے دنیا کے حصول کیلئے اگر کافر بھی اسباب دنیوی حاصل کرے گا تو اسے بھی دنیوی نعمتیں ضرور ملیں گی اور اگر مومن اختیار کرے گا تو اسے دہرا فائدہ حاصل ہوگا اس لئے کہ اسلام کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ بندے کا اپنے مالک کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اور دنیا کی زندگی کا دورانیہ بہت چھوٹا ہے محدود ہے اور چند برسوں پر محیط ہے اور اخروی زندگی نہ ختم ہونے والی ہے اس لئے حقیقی کامیابی وہی ہے جو دائمی اور ابدی زندگی میں نصیب ہو اس آیت کریمہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ مومن دنیا میں کام کرنا چھوڑ دے بلکہ مومن کے کام کرنے میں یہ برکت ہے کہ اس سے ایک فرد کا فائدہ نہیں ہوتا بلکہ خلق خدا کا فائدہ ہوتا ہے اور دنیا تو قائم ہی مومنین کے باعث ہے اللہ اللہ کے باعث ہے دنیا کی حیات بھی ایمان باللہ ہے اور مومن تو مکلف ہے کہ جائز وسائل اختیار کرے رزق حلال کمائے انصاف کرے عدل عام کرے اور اسلامی نظام کو معاشرے میں اپنے عمل سے رائج کرے اور محض دنیا کے حصول کیلئے ناجائز ذرائع اختیار نہ کرے۔

جس دور سے ہم گزر رہے ہیں یہاں ہمارے پاس مسلمانی کا دعویٰ ہے اللہ کریم ہمارے اس دعوے کو قبول فرمائے اور ہماری نجات کا سبب بنا دے لیکن عملی طور پر اسلامی تہذیب اسلامی اقدار اسلامی معاشرت اسلامی زندگی گزارنے کے طریقے اسلوب اور سلیقے ہم کھو چکے ہیں جبکہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے وفا کی اور اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالا تو انہیں

دنیوی علوم بھی نصیب ہوئے دنیاوی ترقی اور دنیاوی حکومتیں بھی ملیں لیکن جب ہم اپنی بنیاد سے ہٹے تو پھر صرف اسباب کی جنگ رہ جاتی ہے جب مسبب الاسباب کو بھول بیٹھے تو مقابلہ صرف اسباب کا رہ گیا پھر جس طرف اسباب زیادہ ہوں گے اس کی طرف نتائج زیادہ مرتب ہونگے اگر بھروسہ مسبب الاسباب پر ہو اور نبی کریم ﷺ کا اتباع اختیار کیا جائے تو پھر مسبب الاسباب تھوڑے اسباب کے زیادہ نتائج دے دیتا ہے۔

مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ کافر کا دنیوی عروج وقتی ہے کیونکہ یہ عارضی دنیا جلد ختم ہو جانے والی ہے یہاں کا عیش و آرام بھی قلیل ہے لیکن کفر وہ راستہ ہے جسے انہوں نے اختیار کر رکھا ہے کہ وہ جہنم تک لے جائے گا اور دوزخ بہت ہی تکلیف دہ جگہ ہے۔

لٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا اس کے مقابلے میں جو لوگ اپنے پروردگار سے پالن ہار سے رابطہ رکھتے ہیں اس کی اطاعت میں کوشاں رہتے ہیں اس سے ان کا قلبی تعلق ہو جاتا ہے۔

تقویٰ:

تقویٰ ایسے قلبی تعلق کو کہتے ہیں جو اطاعت الٰہی پر مجبور کر دے اور اللہ کی نافرمانی سے بچا لے ان کے لئے اللہ کے ہاں باغات ہیں جن میں نہریں جاری ہیں جن میں کسی طرح کی کمی خامی یا پریشانی نہیں جہاں کسی بیماری کا اندیشہ نہیں جہاں یہ خطرہ بھی نہیں کہ یہ ختم ہو جائے گی نہ وہاں سے نکالے جانے کا خطرہ ہے بلکہ جو بھی جنت میں داخل ہوگا ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہے گا اور جنت کی نعمتیں جاننے کیلئے اتنا کافی ہے کہ نُزُلًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وہ اللہ کی طرف ایک مہمانداری ہوگی یعنی اللہ کریم میزبان ہونگے اور اہل جنت مہمان ہوں گے۔ اور اللہ کی نعمتوں کو جو جنت میں ملیں گی ان کا اندازہ کرنا انہیں سمجھنا اس دنیا میں بیٹھ کر سمجھنا کسی کے بس کی بات نہیں ان نعمتوں کی حقیقت وہی جان سکیں گے جن کو وہ مہمانی نصیب ہوگی۔ وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾ اللہ کے نیک بندوں کے لئے اللہ کریم کے پاس جو نعمتیں ہیں وہ بے مثال ہیں۔

ایک مغالطہ:

دنیا میں کوئی کتنی بھی نعمتیں حاصل کرے اخروی نعمتوں کے عشر عشیر کو بھی نہیں پا سکتا نبی کریم ﷺ کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ اگر دنیا کی قیمت اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ اسے کافر کو نہ دیتا۔ یعنی کافر کے پاس خواہ کتنا ہی مال و دولت کیوں نہ ہو اللہ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت

نہیں۔اس بات سے مسلمانوں کو ایک مغالطہ لگ گیا ہے اور ایک طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ دنیا کا مال کمانا اچھی رہائش اچھی سواری اچھا لباس اچھا کھانا اور اچھے معیار زندگی سے رہنا شاید دنیا اور دنیا میں آرام سے رہنا شاید بری بات ہے یہ ایک غلط فہمی ہے۔ بہتر اور جائز وسائل رزق سے زیادہ کمانا اور بیوی بچے پالنا یہ سب دنیا نہیں ہے بلکہ جو چیز اللہ سے غافل کردے وہ دنیا ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل بودن
نے قما شو نقرہ و فرزند و زن

یعنی اس عالم میں رہتے بستے ہوئے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت چھوڑ کر بے مہار ہو کر اپنی پسند سے جائز و ناجائز حلال و حرام ہر طرح سے حصول زر اور عیاشی و نفس پرستی کے لئے کوشاں رہے تو یہ دنیا ہے لیکن اللہ کریم کی اطاعت کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق امور دنیا انجام دینا عبادت ہے دین ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن جو رزق حلال کما کر کے اپنے اہل وعیال کو کھلاتا ہے وہ بھی صدقہ شمار ہوتا ہے یعنی اس کا یہ عمل اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ثواب پاتا ہے اس پر عرض کی گئی کہ رزق کمانا اور اہل وعیال کو کھلانا تو اس کی ذمہ داری ہے اس پر ثواب کیسا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ذمہ داری اللہ کریم کی طرف سے عطاء ہوا اسے پورے خلوص سے پورا کرنا ہی تو عبادت ہے اور علمائے حق اسی ارشاد پاک سے یہ حکم لیتے ہیں کہ مومن کی دنیا بھی دین ہے رزق حلال کمانا عین عبادت ہے جس طرح نماز اور روزہ فرض عین ہیں اسی طرح دنیا میں رہنے سہنے کیلئے محنت کرنا جائز اسباب و وسائل اختیار کرنے کیلئے مشقت کرنا بھی فرض عین ہے اور یہی دین ہے۔ ایک شخص بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور تنگ دستی کی شکایت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ گھر میں جو کچھ سامان ہے اسے لے آؤ اور دوسرے صحابی سے فرمایا یہ سامان بازار میں بیچ کر ایک رسی اور کلہاڑا لے آؤ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسی اور کلہاڑا دے کر فرمایا اب جنگل میں جاؤ اور لکڑیاں کاٹ کر لاؤ شہر میں بیچو جو پیسے کماؤ ان سے اپنا اور اپنے اہل وعیال کا پیٹ پالو۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے یہ ثابت ہوا کہ ہر بندہ مومن کو مخلوق کی بجائے خالق پر بھروسہ کر کے جائز اسباب اختیار کرنے کیلئے محنت کرنا چاہیئے۔اس لئے کہ مومن کا مقصد محض کمانا نہیں اعلیٰ تر مقاصد کے لئے جائز ذرائع سے بہتر وسائل اختیار کرنا ہے تاکہ بچوں کو بہتر رہائش بہتر تعلیم بہتر لباس اور بہتر سہولیات زندگی مہیا کی جاسکیں اور پھر ان کی اچھی تربیت کرنا بھی ضروری ہے اور یہ سب کام عبادت کے زمرے میں

آتے ہیں ہماری مصیبت یہ ہے کہ جو بہتر وسائل زندگی کے حصول میں لگ جاتا ہے پھر وہ جائز ناجائز حلال حرام کی تمیز کھو بیٹھتا ہے اور جو کوئی جائز ناجائز کا احساس کرنے لگ جائے وہ کام ہی چھوڑ کر بیٹھ جاتا ہے دونوں باتیں درست نہیں اسلام اعتدال کی راہ ہے بندہ اپنے حقوق حاصل کرنے کیلئے محنت کرے اور دوسروں کے حقوق چھیننے سے پرہیز کرے۔

وہ خوش نصیب اہل کتاب جو بعثت نبوی ﷺ پر ایمان لائے:

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللهِ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ إِنَّ اللهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ اہل کتاب میں سے بعض لوگوں کو دین نصیب ہوا وہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور عظمت صحابیت پر فائز ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تعریف فرمائی کہ یہ ایسے خوش نصیب ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جو کتاب تھی اس پر بھی عمل پیرا تھے اور اللہ کا ان پر یہ احسان تھا کہ قرآن نازل ہوا تو وہ اس پر عمل پیرا ہو گئے سو اللہ کے نزدیک ان کی پہلے کی زندگی بھی پسندیدہ تھی اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد کی زندگی بھی پسندیدہ ہوگئی یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر یقین رکھتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس پر یقین رکھتے ہیں اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نازل ہوا اس پر بھی انہیں ایمان نصیب تھا لہٰذا اصل بات ایمان باللہ ہے اور دنیا میں سب سے بڑا کام اللہ پر ایمان لانا کہنے کو تو یہ آسان ہے لیکن یہ مشکل ترین کام ہے اور سب سے بڑا امتحان اور آزمائش ہے اس لئے کہ یہ کہہ دینے کے بعد اس کی آزمائش کردار سے ہوتی ہے اور دنیا تو امتحان گاہ ہے ہر بندے کی آزمائش کی جگہ بھی یہی ہے اور ہر بندہ امتحان سے گزر رہا ہے جسے ہم خوش حال کہتے ہیں یہی خوشحالی اس کا امتحان ہے تندرستی اور طاقت کا ہونا بھی امتحان ہے بیماری اور کمزوری بھی ایک امتحان ہے کبھی طاقت کے نشے میں چور ہو کر بندہ نافرمان ہو جاتا ہے کبھی کمزوریوں اور بیماریوں سے گھبرا کر بندہ ناجائز آسرے اختیار کرنے لگ جاتا ہے تو زندگی کا ہر ہر قدم ایک آزمائش ہے ایک امتحان ہے اور امتحان صرف اتنا ہے کہ بندے کو اللہ کریم پر اعتماد ہے؟ ذکر اذکار کی ساری محنتیں عبادات کے سارے مجاہدے صرف اس ایک بات کے لئے ہیں کہ بندے کو اللہ کی عظمت کا یقین ہو

جائے اللہ کی ذات پر اعتبار اور اعتماد آ جائے یہ نصیب ہو جائے تو باقی سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں اور جب نور ایمان پختہ ہو جائے تو پھر دکھ دکھ نہیں رہتے اور عیش و آرام نصیب ہو تو بندے کو گمراہ نہیں کر سکتے۔

فرمایا وہ بڑے خوش نصیب تھے جنہیں پہلی کتابوں پر بھی ایمان نصیب ہوا اور جب نزول قرآن ہوا تو انہیں قرآن پر ایمان نصیب ہو گیا۔ ایمان بالقرآن سے کیا مراد ہے؟ قرآن حکیم پر ایمان کا مطلب ہے قرآن کے دیئے ہوئے نظام حیات کو قبول کیا جائے اسے بہترین سمجھا جائے اور اسے نافذ کیا جائے اسی لئے قرآن حکیم اولاد آدم سے بات کرتا ہے یہ کافر کے لئے دعوت ایمان ہے اور مومن کے لئے دعوت عمل ہے اس میں پوری زندگی کا لائحہ عمل موجود ہے جائز و ناجائز کی تفصیلات موجود ہیں قرآن حکیم میں گذشتہ اقوام کی مثالیں موجود ہیں اور نافرمانوں کا نہ اس دنیا میں کچھ بنا نہ اگلی دنیا میں اور فرمانبردار یہاں بھی پرسکون رہے اور آخرت کی دائمی زندگی کا سکون بھی انہیں کے حصے میں آئیگا۔

دین پیشہ نہیں ہے:

لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ دین پیشہ نہیں ہے اگر دین کو پیشہ بنالیا جائے اسے ذریعہ معاش بنالیا جائے تو پھر یہ دین کو بیچنا ہوگا۔

دین فروشی کی صورتیں:

یہاں اللہ کریم اپنے بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کی آیات کو بیچ کر دنیا نہیں خریدتے۔ اللہ کی آیات کو دنیوی مفاد کے لئے بیچتے نہیں ہیں۔ دین کو بیچنا کیا ہے؟ حصول دولت حصول شہرت کیلئے قرآن کے غلط ترجمے کرنا غلط تفسیریں لکھنا غلط فتوے دینا یہ سب دین فروشی کی صورتیں ہیں۔ سو فرمایا میرے بندے دین کے محافظ ہوتے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں اس کی سنہری مثالیں موجود ہیں بڑے بڑے عالم دین فقہ حدیث و تفسیر کے امام سب کے سب کسی نہ کسی پیشے سے وابستہ تھے روزی کمانے کیلئے تجارت مزدوری اور دیگر جائز وسائل میں محنت کر کے رزق کماتے تھے اور دین کی خدمت اللہ کی رضا کے لئے کرتے تھے انہوں نے دین کو پیشہ نہیں بنایا یہی بات اس آیت مبارکہ میں بیان کی جارہی ہے کہ جو بندے اللہ پر اعتماد کرتے ہیں ان کے ایمان کی دلیل یہ ہے کہ وہ دین کا کام عبادت سمجھ کر پورے خلوص کے ساتھ کرتے ہیں۔

اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ایسے لوگوں کیلئے اجر عظیم ہے جو دین کو دنیوی مفادات کے لئے فروخت نہیں کرتے۔ دنیوی مقاصد کے حصول کیلئے دین کو زینہ نہیں بناتے ایسے ہی لوگ عظمت دین

سے آشنا ہوتے ہیں اس کے لئے جان دیتے ہیں قربان ہوتے ہیں اسے اپنے لئے قربان نہیں کرتے۔ ہمیں تو اس بات کی زیادہ وضاحت سے سمجھ آتی ہے کہ ملک کو بنے ہوئے ساٹھ برس سے زیادہ عرصہ بیت گیا ہے ملک بناتے وقت بھی ہم نے دین کا نام استعمال کیا ساٹھ برسوں میں لوگ دین کے حوالے سے دین کا نام لے کر اقتدار تک پہنچے لیکن کسی نے دین کو زندہ رکھنے دین پر عمل کرنے دین کو نافذ کرنے کی عملی کوشش نہیں کی بلکہ دین کا نام لے کر دنیوی مفادات حاصل کئے اسے کہتے ہیں دین فروشی بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ حساب کتاب کا لمحہ سر پر کھڑا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مرتا ہے ایک طرح سے اس کی قیامت قائم ہو جاتی ہے اس کے پاس عمل کرنے کی سکت نہیں رہتی جو کچھ کر چکا ہوتا ہے اس کے نتائج سامنے آنے لگتے ہیں اور پھر یوم حشر کو ایک میدان میں جمع کر کے دنیاوی کردار اعمال اور آسائش اور نظریات کا بدلہ دے دیا جائے گا اور اس میں کوئی دیر نہیں لگتی موت کہیں قریب ہوتی ہے ہمیں لگتا ہے کہ ابھی بڑی زندگی باقی ہے لیکن یہ پتہ نہیں ہوتا کہ اگلی دھڑکن نصیب ہوگی یا نہیں۔

قرآن مرض کی نشاندہی کرتا ہے اور علاج بھی بتاتا ہے:

ایک سال کے بچے کو دیکھتے ہیں تو اندازہ لگاتے ہیں کہ یہ اسی پچاسی یا سو سال عمر پائے گا تب سو سال بڑا طویل عرصہ لگتا ہے لیکن کسی سو سال کی عمر کے شخص سے عمر رفتہ کا حال پوچھو تو وہ کہتا ہے کہ کل تو ہم بچے تھے اور چٹکی بجاتے عمر بسر ہوگئی ہم اپنی طرف ہی نگاہ کریں ہمارے جتنے برس گزر چکے ہیں ہم پیچھے دیکھیں تو لگتا ہے باتوں باتوں میں ہی گزر گئے قیامت کے بارے فرمایا کہ جب یہ قائم ہوگی اور لوگوں سے پوچھا جائے گا کہ تم دنیا میں کتنا عرصہ گزار کر آئے ہو تو کہیں گے ایک دن یا اس سے کچھ کم یا زیادہ یعنی تھوڑا ہی وقت گزار کر آئے ہیں۔ یہی مفہوم ہے اس آیت مبارکہ کا کہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے اور یہ حساب کتاب کا لمحہ سر پر کھڑا ہے تو اس کی تیاری کیا ہے؟ قرآن کریم کا اسلوب ہے کہ مرض کی نشاندہی کرتا ہے تو اس کا علاج بھی بتاتا ہے فرمایا اس کا علاج یہ ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا کہ خود کو اللہ کی نافرمانی سے روک لو۔ سو قیامت کے حساب کتاب کی تیاری کیسے کی جائے آسان کام ہے اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی سے روکو قیامت کی تیاری ہوتی رہے گی صبر کے ایک معنی یہ ہیں کہ جیسے سرپٹ دوڑتے گھوڑے کی باگیں کھینچ کر اسے یکدم روک دیا جاتا ہے اس طرح کسی چیز کو روک لینا کسی چیز سے رک جانا صبر ہے اور قرآن حکیم میں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے وہاں اس سے مراد خود کو اللہ کی نافرمانی سے روکنا ہے سو یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا اے وہ خوش نصیب

لوگو جنہیں اللہ پر ایمان و یقین نصیب ہوا ہے جو دامان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہیں انہیں زیب ہی نہیں دیتا کہ وہ اللہ کی نافرمانی کریں لہذا اپنے آپ کو اللہ کی نافرمانی سے روکو۔

کامیابی ڈٹ کر مقابلہ کرنے والوں کے قدم چومتی ہے:

وَصَابِرُوْا اور پھر میدان عمل میں حق پر قائم رہنے کیلئے حالات کا مقابلہ کرو اور یہ مقابلہ ساری زندگی کا کام ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نماز نہیں پڑھی جاتی روزہ رکھنا مشکل لگتا ہے اور جھوٹ اور ہیرا پھیری سے کام نہ لیں تو کاروبار نہیں چلتا دیانتداری سے ملازمت کریں تو پوری نہیں پڑتی جھوٹ نہ بولیں تو سودا نہیں بکتا یہ سب مقابلے سے گھبرا کر ہتھیار پھینک دینے والی باتیں ہیں اللہ کریم فرماتے ہیں خود کو اللہ کی نافرمانی سے روک کر حالات کا مقابلہ کرو۔ غلط کاری برائی اور جھوٹ کو مت اپناؤ بلکہ ان کا مقابلہ کرو اور برائی اور جھوٹ کے مقابلے سچائی دیانتداری اور محنت سے کام لو جب تم اس مقابلے میں مستعد ہو جاؤ گے تو اللہ کریم کی مدد تمہارے ساتھ ہوگی وَرَابِطُوْا اور جب تک دم میں دم ہے اس پر قائم رہو یہ کبھی نہ سمجھو کہ اسلام پر عمل عام سی بات ہے کوئی دشواری نہیں آئے گی اس کا میدان عمل میں زندگی بھر کا ساتھ ہے بلوغت سے موت تک بالغ ہونے سے آخری سانس تک مسلسل مقابلہ ہے اس میں دنیا کی چمک دمک بھی ہوگی خواہشات نفس بھی رہیں گی، شیطان کے گمراہ کن مشورے بھی ہوں گے اور دوسری طرف اللہ کریم کی مدد بھی ہوگی برکات محمد رسول اللہ ﷺ بھی ہوں گی تمہارا مجاہدہ یہ ہے کہ تم ان تاریکیوں کو چھوڑ کر برکات حاصل کر کے صبر کر کے نافرمانی سے رک کر مضبوط رہو اور مقابلے کے لئے تیار رہو اور یہ کام تسلسل سے کرتے رہو تمہاری فکر اور کردار میں یہ مسلسل کوشش ہی تمہارا نفس اور شیطان کے مقابل جہاد ہے اس سے کیا حاصل ہوگا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اس سے تقوی نصیب ہوگا۔ اللہ سے رشتہ الفت نصیب ہوگا اللہ کی رحمت و برکات نصیب ہوں گی لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝۲۰۰ تا کہ تم کامیاب ہو سکو۔

قرآن حکیم جب بھی لفظ فلاح استعمال کرتا ہے اس میں مکمل کامیابی کا مفہوم ہوتا ہے۔ اس میں دنیا موت مابعد الموت میدان حشر آخرت ساری کامیابیاں شامل ہوتی ہیں فرمایا اگر تم مقابلے میں ڈٹ گئے اللہ پر اعتماد کر لیا تو تم دنیا میں بھی کامیاب ہو جیت اور فتح تمہاری ہے موت بھی تمہیں نہیں ہرا سکتی مابعد الموت بھی تم ہی کامیاب ہو میدان حشر کی کامیابی بھی تمہاری ہے لیکن اس کے لئے نفس اور شیطان کے آگے حالات کے آگے ہتھیار ڈالنے سے کام نہیں چلے گا یہ مقابلے کا راستہ ہے اللہ کی مدد مقابلہ کرنے والوں کے ساتھ ہے ہتھیار پھینک دینے والوں کے ساتھ نہیں فلاح و کامیابی ڈٹ کر مقابلہ کرنے والوں کے قدم چومتی ہے۔

سورۃ النساء رکوع 1 آیات 1 تا 10

أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا
زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ
بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ① وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا
تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۗ اِنَّهٗ
كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ② وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ
لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً
اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۗ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ③ وَاٰتُوا النِّسَآءَ
صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا
مَّرِيْٓـًٔا ④ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا
وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑤ وَابْتَلُوا
الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا
اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۗ وَمَنْ كَانَ
غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ فَاِذَا
دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ⑥
لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا
تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۗ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ⑦ وَاِذَا

حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ
وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝٨ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ
ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝٩ اِنَّ
الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ
وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝١٠

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس میں سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں میں سے بہت سے مرد اور عورتیں (روئے زمین پر) پھیلائیں اور اللہ سے ڈرو جس کے نام سے تم ایک دوسرے سے مطالبہ کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی (ڈرو) یقیناً اللہ تم پر نگہبان ہیں (دیکھ رہے ہیں) ﴿۱﴾ اور یتیموں کو ان کے مال دو اور ناپاک سے پاک کو تبدیل نہ کرو اور ان کے مال اپنے مال میں ملا کر مت کھاؤ یقیناً یہ بڑا گناہ ہے ﴿۲﴾ اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ تم یتیم لڑکیوں سے انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے سوا جو عورتیں تمہیں پسند ہیں دو سے اور تین سے اور چار سے نکاح کر و پھر اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی بی بی پر بس کرو یا وہ لونڈی جس کے تم مالک ہو اس میں بے انصافی نہ ہونے کی امید قریب تر ہے ﴿۳﴾ اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو (ہاں) پھر اگر وہ اپنی مرضی سے تمہیں اس میں سے کچھ معاف کر دیں تو اسے ذوق وشوق سے کھا لو ﴿۴﴾ اور ناسمجھوں کو اپنے وہ مال جسے اللہ نے تمہارے لئے معیشت کا سبب بنایا ہے مت دو اور ان کو اس میں سے کھلاؤ اور ان کو پہناؤ اور ان سے اچھی بات کہتے رہو ﴿۵﴾ اور یتیموں کو آزمالیا کرو جب تک وہ نکاح کی عمر کو پہنچیں پھر اگر تم ان میں عقل کی پختگی دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو اور اس کو فضول خرچی اور جلدی سے مت کھاؤ (اس خیال سے) کہ یہ بڑے ہو جائیں گے اور جو شخص آسودہ حال ہو تو اس کو (اس مال سے) بچنا چاہیے اور جو کوئی حاجت مند ہو تو وہ مناسب مقدار

سے کچھ کھائے پھر جب تم ان کا مال ان کے حوالے کرو تو اس پر گواہ کر لیا کرو اور اللہ حساب لینے والے کافی ہیں ﴿۶﴾ جو (مال) ماں باپ یا قرابت دار چھوڑ مریں اس میں مردوں کا (بھی) حصہ ہے اور جو مال ماں باپ قرابت دار چھوڑ مریں اس میں عورتوں کا بھی حصہ ہے وہ تھوڑا ہو یا بہت یہ حصہ (اللہ کا) مقرر کیا ہوا ہے ﴿۷﴾ اور جب ترکہ تقسیم ہونے کے وقت (دور کے) رشتہ دار اور یتیم اور مساکین آموجود ہوں تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دو اور ان سے اچھی طرح سے بات کرو ﴿۸﴾ اور ان لوگوں کو ڈرنا چاہیئے کہ اگر وہ اپنے بعد چھوٹے بچے چھوڑ جائیں تو ان کی (کتنی) فکر ہو پس ان کو اللہ سے ڈرنا چاہیے اور سیدھی بات کہنی چاہیے ﴿۹﴾ بے شک جو لوگ زیادتی کرتے ہوئے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں صرف آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب جلتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے ﴿۱۰﴾

خلاصہ وتفسیر ومعارف:

سورہ نساء مدنی سورتوں میں سے ہے۔ مدنی سورتوں میں اکثر احکام بیان ہوئے ہیں جبکہ مکی سورتوں میں زیادہ زور عقائد اور ایمان ویقین کی پختگی پر ہے۔ فرمایا، یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ اے لوگو اس اللہ سے معاملہ درست رکھو جو تمہارا خالق ہے، رازق ہے جس نے تمہیں بے پناہ کمالات عطا کئے ہیں کہ وہ تمہارا رب ہے۔ ربوبیت اللہ کی وہ شان ہے جس کی وسعتوں کو سمجھنا اور احاطہ علم میں لانا ممکن نہیں صرف وجود انسانی کا ہی تجزیہ کریں تو دنیا کے علوم مل کر اس کی باریکیوں کو نہیں پا سکتے۔ اللہ نے ذرات خاکی کے اندر ایک جہان آباد کر رکھا ہے اس نے ہر ایٹم میں ایک مثبت اور منفی نظام رکھا ہے اور ذرے کے اس کروڑویں حصے کے ذریعے اتنی نازک پیوندکاری کی ہے کہ انہی کے جوڑ سے علیحدہ علیحدہ اعضائے انسانی کی تخلیق کر کے ایک جیتا جاگتا انسان بنا دیا ہے۔ بدن انسانی کی ساخت اس میں پٹھوں، رگوں اور اعصاب کا وسیع نظام رکھا ہے اور حواس خمسہ عطا فرمائے ہیں جن میں سے ہر ایک کے کام میں اتنی نزاکتیں ہیں، آنکھ کس باریکی سے دیکھنے کا نظام چلاتی ہے سننا اور سونگھنا اتنے نازک اور مربوط نظام کے تحت چلتے ہیں دماغ کو دیکھیں تو اتنا وسیع کمپیوٹر ہے جس میں زندگی بھر کی فائلیں محفوظ رہتی ہیں۔ ایک انسان کی زندگی کے سارے

نشیب وفراز، زیروبم، اتار چڑھاؤ سب محفوظ رہتے ہیں۔ انسانی دماغ کی کارکردگی دیکھ کر ہی سمجھ آجاتی ہے کہ انسانوں کے اعمال نامے کس طرح محفوظ کیے جا رہے ہیں۔ کس آسانی سے ریکارڈ ہو رہے ہیں اور اللہ کی قدرت کاملہ سے کچھ بعید نہیں جب وہ انہیں یوم حشر لوگوں کے ہاتھوں میں تھمائے گا۔

انسانیت ایک وجود:

یہاں اللہ نے اپنی ربوبیت کے کمال کا تذکرہ یوں فرمایا ہے کہ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ اس نے تم سب کو ایک وجود حضرت آدمؑ سے پیدا کیا۔ عالم انسانیت کو ایک فرد واحد سے تخلیق کیا۔ اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے اللہ جس طرح چاہے اپنی مخلوق کو پیدا کرتا ہے۔ وہ چاہتا تو جس طرح درختوں کو علیحدہ علیحدہ اگاتا ہے، درخت زمین سے علیحدہ علیحدہ اگتے ہیں۔ انسانوں کی تخلیق بھی ایسے کرسکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جو چیزیں جدا جدا تخلیق ہوتی ہیں ان کی خصوصیات الگ ہوتی ہیں ان کی خوشبو، ذائقہ، رنگت سب مختلف ہوتے ہیں اور اسی سے وہ پہچانے جاتے ہیں کہ یہ گھاس ہے، یہ غلہ ہے یہ پھلدار درخت ہے یہ پھولدار پودے ہیں، یہ بیلیں ہیں اور جن چیزوں میں آپس میں تعلق ہے وہ ایک جیسے ہیں۔ آم کی گٹھلی سے پیدا ہونے والے تمام درخت آم کے ہی ہوتے ہیں، وہ درخت چھوٹے بڑے ہوسکتے ہیں رنگ اور ذائقہ کم وبیش ہوسکتا ہے، جنس ایک ہی رہتی ہے یعنی ہر درخت پر آم ہی لگتے ہیں۔ اسی طرح انسانیت کو ایک ہی وجود سے اس لئے بنایا کہ یہ آپس میں متعلق ہیں اور ان کا آپس میں متعلق ہونا ہی انسانیت ہے۔ انسانیت کا تنا ایک ہے جڑیں ایک ہیں ان پر ڈالیں مختلف ہیں۔ وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا (الحجرات: 13) تنے پر ڈالیں بنیں ان پر پتے لگے، کلیاں لگیں، غنچے بنے، پھول آئے پھل لگے۔ انسانیت ایک تنا ہے اس سے قبیلے اور شعوب بنے۔ انسانوں میں سے ہی کچھ لوگ انسانیت کا ثمر ہوتے ہیں جیسے انبیاء ثمر ہیں۔ ہوتے وہ بھی انسان ہی ہیں وہ بھی اسی ایک وجود سے بنتے ہیں لیکن انسانیت کے درخت کا پھل ہوتے ہیں۔ کچھ افراد پتوں کا کام کرتے ہیں اور یوں انسانیت کے تنے کو بہار آشنا کئے رکھتے ہیں۔ تو پروردگار نے ساری انسانیت کو ایک وجود سے پیدا کیا اور انہیں یوں یک جان رکھا کہ ان کی اہلیہ محترمہ حضرت حوا کو بھی ان کے وجود سے یعنی حضرت آدمؑ کے وجود سے اپنی قدرت کاملہ کے تحت پیدا فرمایا۔ حالانکہ اللہ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے وہ چاہتا تو جس گارے سے حضرت آدمؑ کو بنایا وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا اسی گارے سے حضرت اماں حوا کو بھی بنا دیتا۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر دونوں میں کچھ تفریق آجاتی اس لئے اس نے حضرت آدمؑ کے وجود سے ان کا جوڑا بنایا۔

انسانیت کی فلاح ایک دوسرے کی بھلائی چاہنے پر ہے:

اس کا مطلب ہے ساری انسانیت ایک چیز ہے اس کی آبادی ایک دوسرے کی بھلائی چاہنے پر ہے۔ ایک

دوسرے کی سلامتی چاہنے پر ہے۔ اگر کسی درخت کی شاخیں ایک دوسرے سے مخالفت کرنے لگیں۔ ایک دوسرے کی غذا چھیننے لگیں یا اس کے پتوں میں لڑائی ہو جائے تو کیا وہ آباد رہ سکتا ہے؟ شاداب رہ سکتا ہے؟ اس پر پھول کھل سکتے ہیں؟ پھل آ سکتے ہیں؟ اسی طرح نسل انسانی ایک دوسرے کی دشمن ہو جائے تو ان میں اوصاف انسانی نہیں رہیں گے۔ ان میں انسانیت کے ثمرات نہیں لگیں گے وہ تباہی کی جانب رواں دواں ہو جائے گی۔ اس لئے اللہ کریم نے انسانیت کو جوڑ کر رکھنے کے لئے انسان کا جوڑا بھی اس کے اپنے وجود سے بنایا لہٰذا تم سب ایک دوسرے سے متعلق ہو۔ اور جس شخص میں انسانیت باقی ہوگی وہ دوسرے انسانوں کی بھلائی چاہے گا اور جو شخص دوسرے انسانوں کے حقوق چھیننے کے درپے ہے ان کا رزق چھینتا ہے انہیں اپنا غلام اور اپنے تابع رکھنے کی کوشش کرتا ہے اس میں سے وصف انسانیت زائل ہو چکا ہے۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ (الاعراف:179) وہ چوپایوں کی طرح ہے، یہ خصوصیت صرف چوپایوں کی ہے کہ وہ صرف اپنا پیٹ بھرنا چاہتا ہے اسے کسی سے کوئی غرض نہیں ہوتی، دوسرا زندہ رہے یا نہیں دوسرے تک اس کا حق پہنچے گا یا نہیں یا دوسرے کی سلامتی کس میں ہے؟ اسے ان باتوں کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ یہ درندوں اور چوپایوں کی خصلت ہے اور اگر یہی بات انسانوں میں بھی آ گئی تو اس کا مطلب ہے کہ انسان ہوتے ہوئے انہوں نے انسانی اوصاف ضائع کر دیئے۔

وصف انسانیت:

اللہ نے تو انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اس کا وجود گارے سے بنایا لیکن اس میں ایک قیمتی نایاب چیز کا پیوند لگایا جسے روح کہتے ہیں جو امر ربی میں سے ہے۔ امر اللہ کی صفت ہے۔ سورہ اعراف میں اللہ کریم فرماتے ہیں۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ آیت 54 خلق بھی اسی کا ہے امر بھی اسی کا ہے خلق میں فنا ہے امر میں فنا نہیں اس لئے کہ یہ صفت باری ہے اور جس طرح اللہ کی ذات قدیم ہے، اللہ کی صفات بھی قدیم ہیں ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ کے لئے رہیں گی تو روح انسانی کو صفت امر سے کیسے پیدا کیا؟ فرمایا، وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (بنی اسرائیل:85) اللہ پاک فرماتا ہے اس کا علم انسان کو نہیں دیا گیا کہ اللہ نے مادے اور روح کا جوڑ کیسے لگایا۔ انسانوں کو اتنا علم نہیں دیا گیا کہ وہ اس راز سے پردہ اٹھا سکیں۔ انسان کے لئے اتنا جاننا کافی ہے کہ اس میں عالم امر کی تجلی موجود ہے لہٰذا پوری کائنات میں صرف انسان وہ مخلوق ہے جس کے لئے فنا نہیں جسے ہر حال میں ہمیشہ رہنا ہے۔ باقی ساری مخلوق میں حیات ہے اسے عرفاً روح کہہ دیا جاتا ہے۔ روح کی دو قسمیں ہیں ایک روح علوی جس کا ذکر کیا گیا ہے دوسرا روح سفلی جب اجزائے بدن ملتے ہیں یعنی آگ، ہوا، پانی، مٹی کے مرکب سے بخارات

پیدا ہوتے ہیں جو زندگی کا، حیات کا سبب بنتے ہیں اسے روح حیوانی کہتے ہیں نفس بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہ روح انسانوں میں بھی ہے اور بدن کی حیات کا سبب ہے۔ میڈیکل سائنس اسی حیات، اسی زندگی پر بحث کرتی ہے۔ یہی روح حیوانی جانوروں، درندوں، پرندوں میں بھی ہے لیکن انسان اس روح حیوانی کی وجہ سے اشرف المخلوقات نہیں بلکہ اللہ کی صفاتی تجلی کے پرتو کی وجہ سے اشرف المخلوقات ہے۔ اسی سبب موت اس کی زندگی کا خاتمہ نہیں کرتی۔

موت کو سمجھا ہے غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

بدن پر جو موت وارد ہوتی ہے اس سے تو زندگی شروع ہوتی ہے یہ زندگی کا خاتمہ نہیں۔ شکم مادر میں جب حیات پیدا ہوتی ہے تو روح علوی، عالم امر کی روح اس میں پھونک دی جاتی ہے اور جب وجود کے اجزاء سے اس کا رشتہ بنتا ہے تو یہ نہ ٹوٹنے والا رشتہ ہے۔ موت جب آتی ہے تو وجود بے حس ہو جاتا ہے حیات دنیوی ختم ہو جاتی ہے، روح الگ ہو جاتی ہے یا علیین میں چلی جاتی ہے یا سجین میں چلی جاتی ہے۔ بدن گل سڑ کر مادے کی کسی نہ کسی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے، خاک میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے۔ درندہ کھا جائے تو اس کے گوشت کا حصہ بن جاتا ہے۔ آگ میں جل جائے تو خاک ہو جاتا ہے۔ مادے کی کسی نہ کسی صورت میں موجود رہتا ہے اور جہاں جہاں وجود کے ذرات ہوں ان کے ساتھ روح کا تعلق قائم رہتا ہے اگر مرنے کے بعد انسان نجات یافتہ ہیں تو جو آسودگی اس کی روح کو نجات کے سبب سے حاصل ہے وہ اس کے بدن کے ہر ذرے تک پہنچتی ہے اور اگر روح عذاب میں گرفتار ہے تو عذاب کی تکلیف کا احساس بھی ہر ذرہ بدن کو ہوتا رہتا ہے خواہ بدن کے ذرات منتشر ہو کر زمین پر دور تک پھیل جائیں۔ سو یہ آیت کریمہ احساس دلا رہی ہے کہ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ اس بے مثال کاریگر سے بنا کر رکھو جس نے سڑے ہوئے گارے سے تمہیں ایک بہترین تخلیق اور شاہکار بنا دیا پھر تم پر اتنا کرم کیا کہ تم میں دوئی پیدا نہیں ہونے دی۔ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا ایک وجود سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ ایک دوسرے کا بھلا سوچیں۔ ایک دوسرے کے حقوق کا تحفظ کریں ایک دوسرے کی بقاء چاہیں۔

پھر اس جوڑے سے بے شمار مخلوق پیدا کر دی اور توالد و تناسل کے ذریعے نسل انسانی کے نظام کو جاری کر دیا تو انسانوں کی اساس ایک ہی ہے لہٰذا جو شخص بھی انسانوں کو تقسیم کرے گا انہیں الگ الگ طبقوں میں بانٹ کر انہیں تکلیف دے گا، اللہ کے عطا کردہ حقوق و فرائض میں رکاوٹ ڈالے گا وہ بہت بڑا مجرم ہوگا۔

انسانیت کا ہر فرد اپنی جگہ اللہ نے اہم بنایا ہے۔ سب انسانیت کے گلشن کے پتے پھل پھول ہیں جس طرح درخت کا تنا ایک ہوتا ہے اس پر ڈالیں، شاخیں، پھول، پتے، پھل بنتے ہیں اسی طرح ہر فرد انسانیت کے باغ کا اہم

حصہ ہے ہر فرد ضروری ہے کوئی شخص فالتو نہیں کوئی شخص اس قابل نہیں کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے ہر شخص اتنا ہی اہم ہے جتنا ہم اپنے آپ کو اہم سمجھتے ہیں۔ یہ فلسفہ سمجھ میں آجائے تو جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے لیکن افسوس اسی بات کا ہے کہ عموماً اس فلسفے کو سمجھا نہیں جاتا یہ فلسفہ سمجھنے کے لئے انسانوں کے خالق سے آشنائی ضروری ہے اسی لئے قرآن حکیم نے پہلے یہ بات سمجھائی کہ اپنے رب سے معاملہ درست رکھو، تقویٰ کا معنی اردو میں ''ڈر'' لکھا جاتا ہے۔ یہ لفظ تقویٰ کا مفہوم ادا نہیں کر سکتا کہ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ اردو کا دامن اتنا وسیع نہیں کہ عربی کے مفہوم کو ایک لفظ میں سمو دے۔ تقویٰ اللہ اور بندے کے درمیان ایک تعلق کو کہتے ہیں۔ تقویٰ، اللہ سے، اپنے خالق سے، اپنے مالک سے، اپنے رب سے، اس رشتے کو کہتے ہیں جس میں بندہ اپنے رب کی پسند کے خلاف کرتے ہوئے لرز جائے۔ سو تقویٰ کے درجے ہیں۔ تقویٰ اللہ کی نافرمانی کرنے سے ڈرنے کا نام ہے۔ تقویٰ عشق ہے جنون ہے اور اللہ کریم سے ایسا تعلق ہے کہ سب کچھ اس کے لئے قربان کرنا آسان ہو اس سے تعلق مجروح ہونا قبول نہ ہو۔

الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۔ جب بھی تم مجبور ہوتے ہو بے بس ہو جاتے ہو، تمہارا بس نہیں چلتا تو پھر کیا کرتے ہو۔ ایک اسی کے نام کا واسطہ دیتے ہو کہ اللہ کا خوف کرو، اللہ کے لئے حسن سلوک کرو۔ ضرورت پڑنے پر اسی کے نام سے ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابت کے واسطے دیتے ہو۔ رشتہ داریاں ڈھونڈتے ہو۔ تعلقات تلاش کرتے ہو تو جان لو کہ رشتہ داری ساری انسانیت میں ہے۔

جب ضرورت پڑے تو اسی ذات کے حوالے سے اپنی بقاء چاہتے ہو تو پھر خود اس سے اپنا تعلق کیوں نہیں بناتے ہو؟ اور جب اللہ نے ساری انسانیت کو ایک وجود سے وابستہ کر کے سب کو آپس میں متعلق کر دیا ہے تو پھر سب کو اللہ کے عطا کئے ہوئے حقوق دیتے رہو تا کہ انسانیت کا گلشن شاداب رہے۔ بحیثیت انسان مومن و کافر دونوں کے انسانی حقوق اللہ نے برابر رکھے ہیں جیسے زندہ رہنے کا حق سب کو ہے۔ اس حق میں بہت سی باتیں شامل ہیں کہ رزق کے وسائل اس پر بند نہ کئے جائیں اس کے علاج معالجے کی سہولتیں نہ روکی جائیں۔ تعلیم کی سہولت سے محروم نہ کیا جائے اور یہ اہتمام ہر ایک کے لئے یکساں ہو۔ اسلامی حکومت کے ذمے واجب ہے کہ وہ معاشرے میں عدل کرے، انصاف کرے، بے گناہ کو احترام دے مجرم کو سزا دے اور جسے اللہ قتل کی سزا دے اسے اللہ کے حکم کے تحت سزا دے تا کہ معاشرے میں ہر حقدار کو اس کا حق پہنچنا یقینی بنایا جا سکے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝١ پھر تمہاری ایک مجبوری ہے کہ تم اس کی نگاہوں سے چھپ نہیں سکتے۔ رقیب کے معنی ہیں نگہداشت کرنیوالا، ایسا پہرے دار جو ہر حرکت و سکون کو دیکھ رہا ہو تو یاد رکھو یقیناً اللہ تمہاری ہر حرکت ہر سوچ ہر فکر سے واقف ہے تم خود اپنے آپ کے اتنا قریب نہیں ہو جتنا وہ تمہارے قریب ہے۔ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ

مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ(ق:16)وہ شہ رگ سے زیادہ تمہارے قریب ہے جو کچھ تم سوچتے ہو اللہ کے سامنے ہے جو دیکھتے ہو، کہتے ہو، کرتے ہو وہ سب اس کے سامنے ہی ہو رہا ہے۔ ذرا اندازہ کرلو اس کے پاس واپس کیا لے کر جاؤ گے؟ اگر ایمان اس درجہ پختہ ہو جائے تو پھر کسی وعظ کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ انسان خود اپنی اصلاح میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنی اصلاح کی فکر اسے دامن گیر رہتی ہے۔ ایک بزرگ نے کسی کو اصلاح کا یہ طریقہ تعلیم فرمایا کہ ایک دن اپنے معمول کے کام جاری رکھتے ہوئے ایک کاپی پر اپنی گفتگو کو لکھتے جاؤ۔ شام کو یہ ڈائری خود پڑھنا۔ اگر اپنی باتوں پر شرمندگی ہو تو وہ کام چھوڑ دو جن کاموں سے جن باتوں سے آج تم خود شرمندہ ہو رہے ہو خجالت محسوس کر رہے ہو تو وہ کام چھوڑ دو جنہیں دیکھ کر آج خود شرمندہ ہو رہے ہو۔ کل ان کاموں کو ان باتوں کو اللہ کی بارگاہ میں کیسے پیش کرو گے۔ اگر آج ہم بھی ایک دن کی اپنی ڈائری بنالیں تو شام کو سمجھ آجائے گی کہ میں کون سا رجسٹر لے کر قیامت کو اللہ کی بارگاہ میں جاؤں گا۔

اللہ پاک فرما رہے ہیں کہ انسانیت کی بنیاد یہی ہے کہ تم سب ایک ہی درخت سے منسلک ہو کوئی تم میں سے بہت بڑی ڈال ہے کوئی شاخ ہے کوئی پتا ہے کوئی اس کا پھول ہے اور کوئی پھل اور تم سب کی بقاء ایک دوسرے کا حق دینے میں ہے چھیننے میں نہیں۔ مخلوق میں کوئی کمتر نہیں کوئی برتر نہیں۔ ہر فرد اپنی جگہ ضروری ہے جیسے کسی مشین کے سارے پرزے اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں۔ کبھی آپ بھیڑیں چرانے والے چرواہے کو دیکھیں اس کے پاس کئی سو بھیڑ بکریاں بھی ہوں تو وہ اپنے تمام جانوروں کو پہچانتا ہے۔ آپ کسی پروفیسر سے کسی بڑے عالم سے بڑے ماہر فن سے کہیں کہ وہ کسی ریوڑ کی بکریاں دوسرے ریوڑ میں مل جائیں تو وہ انہیں علیحدہ کر کے دکھائے لیکن وہ نہیں بتا سکیں گے اور ان پڑھ چرواہا ایک نظر میں پہچان لے گا کہ اس کے ریوڑ کے جانور کون سے ہیں اور دوسرے ریوڑ کے جانور کون سے ہیں۔ تو یہ علم ہے یہ اللہ کی عطا ہے ہر ایک کو اس کی ضرورت کے لئے وہی عطا کرتا ہے لہٰذا مخلوق میں کوئی بھی کم تر نہیں۔ سفر کرنے کے لئے گاڑی بنائی جاتی ہے کوئی کہے کہ اس کے ٹائر تو زمین پر لگتے ہیں کیچڑ میں لتھڑے رہتے ہیں اس لئے انہیں اتار لینا چاہئے تو کیا پھر گاڑی چل سکے گی؟ گاڑی چلانے کے لئے کیچڑ والے ٹائر بھی اتنے ہی اہم ہیں جتنی اس کی آرام دہ نشستیں۔ اسی طرح جتنا ضروری ملک کے لئے ایک حکمران ہے اتنا ہی ضروری ایک مزدور بھی ہے۔ جتنی حفاظت ایک حکمران کی ضروری ہے اتنی حفاظت کا مستحق مزدور بھی ہے۔ جس طرح حکمران کو تمام ضروریات وسہولیات بہم پہنچائی جاتی ہیں اسی طرح زندگی کا ہر حق مزدور کو بھی آسانی سے ملنا چاہئے تب جا کر انسانیت کی گاڑی چلتی ہے اور اگر آپ نے کسی کو گھٹیا کہہ کر الگ کر دیا اس کا حق نہ دیا تو انسانیت ترقی کرنے کی بجائے دہشت گردی کا

شکار ہوجائے گی۔

دہشت گردی ظلم کا ثمر ہے:

ہمارے ملک میں بھی دہشت گردی ہو رہی ہے اور میڈیا پر بڑے بڑے دانشور بہت بڑی بڑی باتیں کہتے ہیں لیکن مجھے دکھ ہوتا ہے کہ کوئی شخص یہ کہنے کی جرات نہیں کرتا کہ دہشت گردی ظلم کا نتیجہ ہے۔ یہ انصاف کے نہ ہونے کا ثمر ہے۔ لوگوں کو ان کے حقوق نہیں مل رہے اس لئے وہ دوسروں سے حقوق چھیننا چاہتے ہیں۔ دہشت گردی اس لئے ہوتی ہے کہ لوگوں کو جائز طریقے سے حق ملنے سے مایوسی ہوجاتی ہے تو وہ ناروا طریقے اختیار کر لیتے ہیں۔ آج جو قتل و ڈاکے ہو رہے ہیں یہ اس دہشت گردی کا جواب ہے جو سب سے بڑا دہشت گرد ان کے حقوق چھین کر انہیں اس کام پر مجبور کر رہا ہے۔

ظلم کا علاج عدل:

اللہ نے ظلم کا علاج عدل بتایا ہے۔ سورہ البقرہ میں اللہ پاک فرماتے ہیں۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ○ (البقرہ: 179) اے لوگو! تمہاری حیات قصاص میں ہے۔ عدل میں ہے انصاف میں ہے۔ عدل نہیں کرو گے تو موت کے جبڑوں میں پھنس جاؤ گے اور عدل کے بغیر زندگی بھی بے سکون رہے گی۔ اللہ ہمیں یہ شعور دے اور اللہ ہمارے حکمرانوں کو زندگی میں توبہ کی توفیق عطا کردے، تباہی سے بچنے کا یہی آسان راستہ ہے۔ حکمران تبدیل کرنے سے عدل نہیں آئے گا۔ یہ افراد انسانیت کے اندر تبدیلی آنے سے ہوگا جب تک افراد کے اندر یہ احساس زندہ نہیں ہوگا کہ ساری انسانیت ایک بیج سے بنی ہے، ایک تنے کی سارے ڈال ہیں، ساری شاخیں ہیں، سارے پتے ہیں ان کی اہمیت اپنی جگہ ہے لیکن سب کی اساس ایک ہے اور سب ضروری ہیں۔ کسی بھی وجود کی حیات آگے دینے میں ہے۔

زندگی کا اصول کچھ دینے پر ہے:

اگر سورج اپنی روشنی اپنے تک روک لے تو حیات ختم ہوجائے گی ہوا رک جائے تو آکسیجن کے بغیر موت واقع ہوجائے گی۔ سو زندگی کا اصول کچھ دینے پر ہے آپ دوسرے کو کیا دے رہے ہیں۔ اگر آپ حیات آگے پہنچا رہے ہیں تو آپ کے مرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اگلی حیات کا انحصار آپ پر ہے اور اگر آپ دوسرے کے حقوق روک رہے ہیں اس کی حیات روک رہے ہیں تو آپ کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر بازو کو باندھ دیا جائے اور

خون کو بازو تک پہنچنے سے روک دیا جائے تو کیا ہوگا؟ بازو میں ناسور بن جائیں گے۔ حکمران جب عوام کے حقوق روکتے ہیں تو بے بسی کی زندگی جیتے ہیں۔ انسان سب ایک ہیں یہ اللہ کی آزمائش ہے کسی کو اقتدار دے دیا کسی کو ماتحت بنا دیا کسی کو دولت دے دی کسی کو مفلس کر دیا لیکن سب سے غنی وہ ہے جو اپنی حقیقت سے آشنا ہے جو اپنے مالک کے ساتھ بنا کر رکھتا ہے جو اپنے مالک کو پہچانتا ہے اس سے اتنا گہرا تعلق رکھتا ہے کہ ہر وقت اس بات سے ڈرتا ہے کہ کوئی ایسا کام اس سے سرزد نہ ہو جائے کہ اس کا تعلق مجروح ہو جائے۔

یتامیٰ کے مال کی حفاظت:

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝ پچھلی آیات میں اللہ سے تعلق کی مضبوطی اس کی ضرورت و اہمیت کو پختہ کرنے کے بعد اب احکام بیان ہو رہے ہیں کہ یتیم کے مال کی حفاظت کرو۔ یتیم ان نابالغ بچوں کو کہا جاتا ہے جن کے والد فوت ہو چکے ہوں چونکہ اس حالت میں وہ کچھ کرنے کے قابل نہیں ہوتے نہ اپنا مال سنبھال سکتے ہیں نہ کاروبار چلا سکتے ہیں بلکہ خود اپنی دیکھ بھال کے بھی محتاج ہوتے ہیں اور عزیز و اقارب کے رحم و کرم پر رہ جاتے ہیں تو ان ورثاء کے ذمے ہے کہ یتیموں کے حقوق کا تحفظ کریں اگر ان کا والد مال و جائیداد چھوڑ کر گیا ہے تو یہ نہ سوچا جائے کہ یہ کمزور ہیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے اس لئے ان کا مال ہضم کر لیا جائے بلکہ فرمایا جو مال تم حلال ذرائع سے کماتے ہو اس پاکیزہ رزق میں یتیم کا مال شامل کر کے اسے ناپاک نہ کرو وہ تمہارے لئے حلال نہیں۔ ناجائز طریقے سے کسی کا مال لینا بھی جائز نہیں لیکن ایسے مجبور و بے بس کا مال لینا جو تمہارے رحم و کرم پر ہو وہ ہرگز مناسب نہیں۔ مال یتیم کی حفاظت کا قاعدہ یہ ہے کہ یتیموں کی اور ان کے مال کی حفاظت کرنے والا اگر صاحب حیثیت ہے تو بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ یتیموں کی دیکھ بھال اپنے مال سے کرے ان کے مال کو بچائے۔ اگر خود اتنا صاحب حیثیت نہیں ہے تو اپنا گزارہ اپنے مال پر کرے اور یتیموں کے اخراجات ان کے مال سے کرے۔ اور اگر وہ خود بھی غریب ہے مجبور ہے وسائل کی کمی ہے تو اس کے لئے جواز ہے کہ وہ بالکل مناسب سے اخراجات کے لئے ان کے مال سے کچھ رقم لے لے لیکن نہ ان کے مال کو ضائع کر سکتا ہے نہ فضول خرچی کر سکتا ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ کسی حیلے بہانے سے بے بس اور یتیم کا مال اپنے مال میں ملا کر مت کھاؤ۔ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝ یہ بہت ہی بڑا جرم ہے۔ کسی کا مال کھانا بذات خود جرم ہے لیکن اپنے سے کمزور کا مال حیلے بہانے کر کے کھا جانا بدترین جرم ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى حق تو یہ ہے کہ یتیم بچیاں بھی معاشرے کا حصہ ہیں تو اہل ثروت کو یہ چاہئے کہ ان کی سرپرستی کریں ان کے لئے اچھے گھر تلاش کریں اور تم یتیم بچیوں کے بارے یہ سمجھتے ہو کہ معاشرے میں ان کی صحیح جگہ نہیں بن سکتی ان سے انصاف نہیں کر سکتے ان کے لئے اچھے رشتے نہیں مل سکتے تو ان سے نکاح کرو۔ ان میں سے جن سے نکاح کرنا جائز ہے، حلال ہے ان سے نکاح کرو اور دو دو شادیاں کر سکتے ہو۔ تین تین چار تک بیک وقت کر سکتے ہو۔ جب معاشرے میں کسی وجہ سے عورتوں کی تعداد زیادہ ہو جائے تو یہ اجازت عورتوں کو تحفظ دینے کی ایک صورت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ معاشرے میں کچھ ایسی خواتین رہ جاتی ہیں جنہیں کسی وجہ سے عموماً لوگ قبول نہیں کرتے تو اس اجازت سے یہ انتظام ہو جاتا ہے کہ وہ کسی مرد کے تحفظ میں چلی جاتی ہیں اور ان کی عمریں ضائع ہونے سے بچ جاتی ہیں۔

ایک سے زائد شادیاں:

ایک سے زائد شادیاں کرنے پر اہل مغرب کو بڑا اعتراض ہے۔ ہندو سماج کو بھی اس پر بڑا اعتراض ہے اور ہندوؤں کے زیر اثر برصغیر کے مسلمانوں میں دوسری یا تیسری شادی کو بہت بڑا عیب سمجھا جاتا ہے۔ دونوں معاشروں کے اپنے حالات کیا ہیں جہاں ایک سے زائد شادی کی تو اجازت نہیں لیکن برائی کرنے کے لئے کوئی قدغن نہیں۔ مغرب میں بدکاری کرنے کی کھلی اجازت ہے اور ہندو سماج میں بدکاری کو ایک درجہ عبادت حاصل ہے اور نکاح کرنا عیب تصور کیا جاتا ہے۔ اسلام نے برائی کا راستہ بند کرنے کے لئے چار شادیوں تک کی اجازت دی ہے تاکہ معاشرے میں ہر عورت کسی کے تحفظ میں رہے اور بدکاری رواج نہ پکڑے اور چار شادیاں بھی صرف خواہش نفس کی تسکین کے لئے نہیں ہیں بلکہ اس میں ایک بہت بڑی قید لگائی ہے کہ اگر ایک سے زائد شادی کرنا ہو تو پھر سب میں عدل کرنا لازم ہے۔ عدل سے مراد یہ ہے کہ اخراجات، ضروریات کی تکمیل اور عزت میں برابری کرنا لازم ہے البتہ قلبی تعلق کسی بھی انسان کے بس میں نہیں اور نہ ہی انسان اس کا مکلف ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ: 286) انسان صرف ان چیزوں کا مکلف ہے جو اس کے بس میں ہے۔ اسی طرح قلبی میلان کسی کی طرف کم ہو یا زیادہ یہ الگ بات ہے لیکن حقوق زوجیت میں، معاملات زندگی کے پورا کرنے میں، عزت و احترام میں سب کے ساتھ برابری کا سلوک کرنا ضروری ہے اور شرط عدل کے ساتھ دو، تین اور چار تک شادیوں کی اجازت ہے۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم عدل نہیں کر سکو گے ان میں برابری نہیں رکھ سکو گے تو پھر ایک ہی پر اکتفا کرو۔ بعض وقت مرد یہ سمجھتا ہے کہ وہ سب کو ایک جیسے اخراجات نہیں دے سکتا۔ ایک جیسی سہولیات

زندگی مہیا نہیں کر سکتا۔ ایک جیسا تحفظ نہیں دے سکتا۔ ایک جیسا احترام کا سلوک نہیں کر سکتا تو پھر اس کے لئے ایک ہی شادی کی اجازت ہے اس حوالے سے احکام و مسائل پر مبنی بہت باتیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ اذافات الشرط فات المشروط اگر شرط غائب ہو جائے تو مشروط کا بھی وجود نہیں رہتا لہٰذا عدل بنیادی شرط ہے اگر کوئی یہ بنیادی شرط پوری کرنے سے قاصر ہے تو اسے ایک سے زائد شادیوں کی اجازت بھی نہیں اور ان آیات کو جواز بنا کر جو رواج ہو چکا ہے کہ شادی کرنے کے کچھ عرصے بعد پہلی کو گھر سے نکال دیا اور ایک اور شادی رچالی تو اس بات کا کوئی شرعی جواز نہیں ہے۔ اگر واقعی بیوی سے گزارہ مشکل ہو تو مناسب طریقے سے رشتہ داروں کے ذریعے اختلافات دور کرنے کی کوشش کرے اور پوری کوشش کے باوجود اختلافات ختم نہیں ہوتے تو پھر طلاق دے سکتا ہے اور دوسری شادی بھی کر سکتا ہے لیکن اگر پہلی بیوی کو بھی رکھنا ہے اور مزید شادی بھی کرنی ہے تو پھر اس کے لئے عدل کرنا ضروری ہے۔ ہر ایک کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بناتے ہوئے وسائل زندگی کو بہم پہنچاتے ہوئے عزت و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے دو کرے یا چار کرے سب درست ہے۔ ورنہ ایک ہی کرے۔

فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ یا وہ خواتین تم پر حلال ہیں جو مال غنیمت میں آئیں اور کنیزیں بن کر تقسیم ہوں۔ کنیز اور بیوی میں بہت فرق ہے کنیز بغیر نکاح کے حلال ہوتی ہے۔

انسان کی خرید و فروخت حرام ہے:

کچھ جگہوں پر لوگ بیٹیاں قیمتاً بیچ دیتے ہیں اور کچھ لوگ انہیں خرید کر ملازمہ کے طور پر رکھ لیتے ہیں اور پھر اسے بیوی کی جگہ استعمال بھی کرنا چاہیں تو یہ جائز نہیں۔ اول تو انسان کو بیچنا خریدنا حرام ہے اور اس کی اجرت لے کر استعمال کرنا حرام ہے۔

پچھلے دنوں لاہور کے ایک مولانا نے یہ فتویٰ دیا کہ جن علاقوں میں لوگ اپنی اولاد بیچ دیتے ہیں ان سے لڑکیاں خریدی جاسکتی ہیں یا جو انہیں خرید کر دوبارہ بیچ دیتے ہیں ان سے بھی خریدی جاسکتی ہیں اور بطور کنیز رکھی جاسکتی ہیں۔ اس فتوے کے ساتھ ایک ساتھی نے مجھ سے بھی یہی سوال کیا۔ میں نے اسے بتایا کہ انسان کی فروخت بنیادی طور پر ناجائز ہے۔ اسلام میں بردہ فروشی حرام ہے کوئی انسان دوسرے انسان کو بیچ نہیں سکتا۔ لیکن میں نے عرض کیا کہ میں مفتی نہیں ہوں آپ کے سوال کو دارالعلوم بھجوا کر فتویٰ منگوا سکتا ہوں میں نے ان کے سوال دارالعلوم کراچی بھجوا دیئے اور جواب کئی شرعی حوالوں کے ساتھ دارالافتاء سے آ گیا کہ انسان کا بیچنا حرام ہے اور خرید کر بغیر نکاح کے رکھنے کا بھی کوئی شرعی جواز نہیں اسے کنیز یا باندی تصور نہیں کیا جائیگا۔

جنگوں میں قید ہونیوالی خواتین کے احکام:

یہ بہت بڑا مسئلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد سے پہلے بھی تھا آج بھی جو شہر فتح ہوتے ہیں فاتح فوج شہریوں کے ساتھ جو سلوک کرتی ہے وہ تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے اور عہد حاضرہ کی بدترین حقیقت۔ بہت قریب کی تاریخ میں برصغیر کو دیکھیں تو جتنے فاتح آئے بشمول انگریز انہوں نے لوگوں کی عزت و ناموس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ شیشان میں کوسوا میں روسی افواج نے عوام کا جو حشر کیا روسی افواج نے افغانستان میں جو حشر کیا وہ تاریک باب ہے۔ تاریخ یہودیوں، عیسائیوں اور بے دینوں سب کے مظالم کی داستانوں سے پُر ہے جس میں عصمت دری ایک عام بات نظر آتی ہے۔

اس بڑے مسئلے کو جس خوبصورتی سے آپ ﷺ نے حل فرمایا۔ اس کی مثال نہیں ملتی۔ اسلام نے اس کا یہ حل دیا کہ جو لوگ جنگ میں حصہ نہیں لیتے انہیں کسی طرح سے پریشان نہ کیا جائے ان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ مفتوحہ علاقوں میں فصلیں نہ اجاڑی جائیں، درخت نہ کاٹے جائیں، پانی کے وسائل کو رزق کے وسائل کو خراب نہ کیا جائے، ضعیف العمر لوگوں سے تعرض نہ کیا جائے۔ عبادت خانوں میں موجود لوگوں کو نہ چھیڑا جائے خواہ وہ کسی بھی مذہب یا فرقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ جو لوگ اہل حق سے جنگ کرتے ہیں باطل کو غالب کرنا چاہتے ہیں، جن کے ساتھ قتال اور جہاد فرض قرار دیا گیا ہے وہ مقابل آ کر لڑنے والے لوگ اگر جہاد میں شکست کھاتے ہیں تو لڑنے والے اگر مارے گئے تو ان کی بیویاں کنیزیں بنائی جائیں گی بچے غلام ہو جائیں گے اور وہ خود اگر گرفتار ہو گئے تو ان کی آزادی سلب ہو جائے گی وہ بھی غلام بن جائیں گے۔ اگر کوئی میاں بیوی گرفتار ہو گئے تو دونوں غلام ہوں گے اور اس کی بیوی اس کے پاس رہے گی جو خواتین قید میں اکیلی اکیلی آئیں یعنی بیوہ یا کنواری تو ہر کوئی ان کی عزت سے نہیں کھیل سکتا وہ صرف ایک مرد پر حلال ہو گی جس کے حصے میں آ جائے اور پھر غلام اور کنیز رکھنے کے بھی آداب سکھائے گئے کہ جو خود کھاؤ وہی اسے کھلاؤ جیسا خود پہنو ویسا انہیں پہناؤ اور انہیں کوئی ایسا کام کرنے کا حکم نہ دو جو وہ نہ کر سکیں۔

اسلام نے انسانی عزت و وقار کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ خوبصورت طریقہ دیا جس پر ان لوگوں کو اعتراض ہے جن کی اپنی افواج جہاں داخل ہوتی ہیں وہاں انسانی آبرو کی دھجیاں بکھیر دیتی ہیں اور یہ معترضین وہ ہیں جو آج کے زمانے میں وہ ظلم کر رہے ہیں جو عہد جاہلیت میں ہوتے تھے، بلکہ ان کے ہاتھوں ہونے والے مظالم ایذا اور تکلیف میں اس دور سے بہت زیادہ ہیں اور اس سے بیشتر کی تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آج کے دور میں

دیکھا جا سکتا ہے کہ کشمیر میں ہندو افواج کیا کر رہی ہیں؟ شیشان، کوسووا، عراق اور وسط ایشیائی ریاستوں میں جہاں جہاں غیر مسلم افواج نے قبضہ کیا ہے اور کر رہی ہیں وہاں کیا حشر ہو رہا ہے۔ اس کے برعکس اسلام نے ایک باعزت، مناسب اور پروقار حل دیا۔ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا یہ وہ فیصلہ ہے جس میں کسی سے زیادتی نہیں ہوتی بلکہ زیادتی کو روکنے کے لئے ہے۔

مہر:

جن لوگوں سے تم نکاح کرتے ہو اور ان کے مہر مقرر کرتے ہو وہ مہر خاتون کی ملکیت ہے۔ حق مہر کی صورت میں اسلام نے نکاح میں آنے والی خاتون کو ایک خوبصورت انداز سے ملکیت عطا کی ہے۔ اس حکم کو تھوڑی سی وضاحت سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بچی جس گھر میں پیدا ہوتی ہے اور جب تک اس گھر میں رہتی ہے اس کی کچھ ملکیت ہوتی ہے۔ گھرانہ خوشحال ہو تو اپنا الگ کمرہ ہوتا ہے زمیندار ہو تو زمین ہوتی ہے پھر جب بچی جوان ہو جاتی ہے تو اس کا نکاح ہو جاتا ہے وہ اپنا نیا گھر بنانے دوسرے خاندان میں چلی جاتی ہے تو وہ وہاں بطور مہمان تو نہیں جاتی اسے وہاں عمر بسر کرنا ہے تو اسلام نے اسے یہ خوبصورت انداز دیا کہ شوہر اسے مہر دے جو اس کی ملکیت ہو اور وہ وہاں مالک بن کر جائے مہمان بن کر نہ جائے۔

مہر بھی شوہر کی حیثیت کے مطابق ہونا چاہئے اور اگر کم بھی دے تو کم از کم اتنا دے جتنا مرد کا ایک ماہ کا خرچ ہے لیکن ہمارے ہاں ایک بہت غلط رواج ہے۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ شرعی حق مہر بتیس دینار تھا اس کو بتیس روپے آٹھ آنے بنا کر رواج دے دیا گیا ہے جو بالکل غلط ہے اگر اس وقت کی کرنسی کی قیمت دینار یا ریال کا مقابلہ آج کی کرنسی سے ہو تو وہ بتیس ریال بہت زیادہ رقم ہوگی اور یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اسلام کے ہر حکم کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔ اس حکم کے ساتھ بھی ایک مقصد تو یہ ہے کہ جو بچی گھر میں آرہی ہے وہ مہمان تو نہیں ہے اس نے نئے گھر میں عمر بسر کرنی ہے اس لئے اس کی بھی گھر میں ملکیت ہو۔ تو فرمایا مہر خوش دلی سے دو اسے جرمانہ سمجھ کر نہ دو اور نہ رسماً دو کہ بس نکاح کی ایک شرط پوری کرنا ہے اسے اس کے مقصد کے ساتھ ادا کرو۔

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝۴ اگر خاتون اپنی مرضی سے معاف کر دے یا تھوڑا لے کر راضی ہو جائے تو پھر مرد کے لئے جائز ہے کہ اس مال کو خرچ کر لے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵ مال ایسی قوت ہے جس پر انسانی زندگی کے قیام کا مدار ہے اسے بے عقلوں کو دینا

ضائع کرنے کے برابر ہے لہٰذا اسلام میں حلال ذرائع سے کمانا اور حفاظت سے رکھنا اور جائز ضروریات پر خرچ کرنا مستحسن ہے۔

یتامیٰ کے بارے احکام:

جو یتیم گھر کے بزرگوں کی نگرانی میں آجاتے ہیں ان کے بارے احکام ہیں کہ اگر یتامیٰ میں وہ شعور نہیں جو حفاظت مال کے لئے ضروری ہے اور یہ یقین ہو کہ وہ مال کو نہیں سنبھال سکتے ضائع کر بیٹھنے کا اندیشہ ہو تو انہیں کھانا اور کپڑا اچھی طرح سے دو لیکن ان کے مال کی حفاظت کرو۔ ہر خاندان کا اپنا ایک معیار زندگی ہے رہائش اور لباس وغذا کا اپنا ایک معیار ہوتا ہے۔ انہیں ان کے خاندانی معیار کے مطابق کھلاؤ پلاؤ یہ نہ ہو کہ مال تو ان کا اپنا ہو لیکن انہیں تنگدستی میں رکھا جائے نہ اچھا لباس مہیا کیا جائے نہ اچھی غذا دی جائے اور یہ بھی نہ ہو کہ ان سے بات بھی حقارت سے کی جائے یا ایسا طرز گفتگو ہو جو ان کی عزت ووقار کے منافی ہو وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۝ بلکہ ان سے مناسب بات کہی جائے مناسب طریقے سے کی جائے ان کی عزت نفس کو ملحوظ رکھ کر کی جائے اور انہیں عزت واحترام اور وقار دیا جائے۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا۝

جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کو پرکھیں ان کی آزمائش کریں اور جب یہ یقین ہو جائے کہ اب وہ اپنا کاروبار، اپنی جائیداد یا اپنا مال خود سنبھال سکتے ہیں تو ان کا مال انہیں لوٹا دیں۔ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ یعنی جب ان میں نفع ونقصان اور برے بھلے کی تمیز آجائے تو ان کے اموال انہیں لوٹا دیں۔ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا اور ان کے مال کو فضول جگہ خرچ نہ کیا جائے ان کی ضرورتوں پر تو خرچ کیا جائے لیکن ضائع ہونے سے بچایا جائے یہ اس شخص کی ذمہ داری ہے جو ان کا وارث ہے اور ان پر نگران بنایا گیا ہے۔ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وہ شخص جو ان یتامیٰ کا نگران وذمہ دار بنایا گیا ہے اُن کا ولی ہے اگر وہ خود صاحب حیثیت ہے تو اس کے لئے مناسب ہے کہ وہ اپنے آپ کو یتیموں کے مال سے بچائے بلکہ بہتر یہ ہے کہ اپنی حیثیت

کے مطابق اپنے مال سے ان کی تربیت کرے اور ان کے مال کو محفوظ رہنے دے۔ وَمَنۡ كَانَ فَقِيۡرًا اور اگر اس کے اپنے اخراجات کے لئے بھی خرچ نہیں ہے وہ خود قلیل وسائل زندگی رکھتا ہے اور خود حاجت مند ہے تو فَلۡيَاۡكُلۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ پھر ان کے مال کو معروف طریقے سے خرچ کرے اس طرح خرچ نہ کرے کہ اس پر اعتراض کیا جاسکے۔ ''معروف'' سے مراد وہ کام ہے جس پر اعتراض نہ کیا جاسکے اور وہ کام معاشرے میں نیک اور مقبول سمجھا جاتا ہو۔ فَاِذَا دَفَعۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ فَاَشۡهِدُوۡا عَلَيۡهِمۡ ؕ اور جب ان کا مال واپس کرو تو بہتر بات یہ ہے کہ اس پر گواہ مقرر کرلو تا کہ بعد میں شکوہ و شکایت پیدا نہ ہو کہ ہمارا تو اس قدر مال تھا لیکن اس میں سے اتنا ملا اور اتنا نہیں ملا۔ سو طریقہ یہ ہے کہ ان کا مال واپس کرو اور واپس کرتے ہوئے اس پر شہید یعنی گواہ مقرر کرلو۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيۡبًا ۞ اور حق تو یہ ہے کہ حساب لینا اللہ کریم کی شان ہے ایک دن ہم سب کو حساب دینا ہوگا۔ جن کے ذمے دوسروں کا مال بنتا ہے یا جن کے ذمے غریب یا یتیم کی ذمہ داری آجاتی ہے تو کل انہیں بھی حساب دینا ہوگا۔ اگر دنیا میں کسی نے کچھ چھپا بھی دیا تو میدان حشر میں کچھ چھپایا نہیں جائے گا۔

احکام وراثت:

لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ اگر والدین کچھ جائیداد چھوڑ جائیں یا قریب کے رشتہ دار چھوڑ جائیں تو اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے۔ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ اور والدین وقریبی رشتہ دار جو ترکہ چھوڑ جائیں اس میں خواتین کا بھی حصہ ہے اور رشتہ داروں کا حصہ ہے جیسا کہ اللہ نے مقرر فرمایا ہے جو حصے اللہ کریم نے مقرر کردیئے ہیں، جائیداد کی جو تقسیم شرعاً کردی گئی ہے قرآن حکیم میں موجود ہے اس میں خلل اندازی نہ کی جائے۔

وراثت کی بنیاد یہ اصول ہے جو قرآن حکیم میں دوسری جگہ بیان ہوا ہے۔ يُوۡرِثُهَا مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ (الاعراف 128) ساری زمین اللہ کی ہے وہ جسے چاہتا ہے وارث بنا دیتا ہے پھر جب وہ دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو دوسرے اس کے وارث بن جاتے ہیں اور پھر وہ لوگ بھی جب دنیا سے جاتے ہیں تو آنے والوں کو وراثت مل جاتی ہے۔ یہ اللہ کا نظام ہے لہذا بہتر ہے کہ اللہ کی تقسیم کو قائم رکھا جائے اس میں خلل نہ ڈالا جائے جو حصہ بیٹوں کا مقرر ہے وہ انہیں ملے اور جو بیٹیوں کا مقرر ہے وہ انہیں ملے اور جو دیگر وارثین کے ہیں ان تک پہنچیں۔

وراثت کی حقدار بیٹیاں بھی ہیں جیسے کہ بیٹے ہیں:

وراثت میں اللہ نے اولاد کا حق رکھا ہے خواہ وہ بیٹا ہے یا بیٹی۔ ہمارے ہاں برصغیر میں ہندوؤں کی رسومات رائج ہو چکی ہیں اور برائے نام مسلمان حکمرانوں نے ان رسومات کو معاشرے میں رائج کرنے کے لئے سرکاری وسائل بھی استعمال کئے ہیں۔ ایسے حکمرانوں میں مغل حکمران اکبر سرفہرست ہے۔ جو غیر اسلامی رسومات ہمارے ہاں در آئیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بچیوں کو جائیداد میں سے حصہ نہ دیا جائے بلکہ جہیز دیا جائے جہیز تو والدین کا تحفہ ہے۔ نئے خاندان میں بچی کی ضرورت کی اشیاء بچی کی سہولت کے لئے والدین تحفتاً دیتے ہیں لہٰذا جہیز کی حیثیت تحفے کی ہی رہنی چاہئے لیکن ہمارے ہاں یہ رسم اتنی ظالمانہ ہے کہ اس سبب سے بچی والدین پر بوجھ بنا دی گئی ہے اور اکثر لوگ اپنی ناموری کے لئے جہیز دیتے ہیں تو لڑکی کو جہیز کا تحفہ دینا والدین کے ترکے میں سے اس کے حصے کو ختم نہیں کرتا بلکہ جو جس کا حق ہے جو اللہ نے مقرر کیا ہے وہ اسے ملنا چاہئے لیکن یہ تب ہی ممکن ہوگا جب بندے کا آخرت پر یقین کامل ہو۔ آخرت پر یقین کی اہمیت کو قرآن حکیم میں بہت زیادہ بار دہرایا گیا ہے اور اس کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے۔ سورہ البقرہ کی ابتدائی آیات سے ہی اس یقین کی ضرورت کا احساس دلایا گیا ہے۔ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ يُنْفِقُوْنَ (3) وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ ھُمْ يُوْقِنُوْنَ (4) جب ایمان بالغیب میں آخرت بھی شامل ہے اور اس پر ایمان کا تذکرہ آ گیا تو پھر اللہ کریم نے علیحدہ سے آخرت کو بیان کیا پھر جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا اس پر ایمان لانا بھی آخرت کے ایمان کو شامل ہے اور جو کتابیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے نازل ہوئیں ان پر ایمان لانا بھی آخرت پر ایمان لانا ہے کہ پہلی کتابوں میں بھی آخرت پر ایمان لانا ضروری تھا۔ آخرت ایسی حقیقت ہے کہ جہاں ہر نبی اور رسول نے توحید و رسالت کی بات کی وہاں آخرت کی بات کی تو ان تمام حقائق پر ایمان لانا دراصل آخرت پر ایمان لانا ہے لیکن اتنی تاکید کے باوجود اللہ کریم نے آخرت کو دوبارہ الگ سے ارشاد فرمایا۔ وَبِالْاٰخِرَةِ ھُمْ يُوْقِنُوْنَ کہ اہل ایمان اور فلاح کے راستے پر چلنے والے آخرت پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔ یہ اہمیت ہے آخرت کی اس لئے کہ آخرت کی جوابدہی ہی انسان کو سیدھے راستے پر لا کھڑا کرتی ہے اور دار دنیا میں رہتے بستے ہوئے بندہ دنیاوی لذات کا ایسا اسیر ہو جاتا ہے کہ وہ آخرت کو ضمنی طور پر لیتا ہے کہ زبان سے مانتا رہتا ہے اس کا عمل اس کے کہنے کی تصدیق نہیں کرتا حالانکہ اگر اسے یقین آخرت ہے تو اس کا ماننا اس کے کردار سے ظاہر ہونا چاہئے کہ دنیا کی کسی نعمت کا ایسا لالچ نہ کرے جو آخرت میں اس کے لئے رسوائی کا سبب بنے اور اگر کوئی اس بات کی

پرواہ نہیں کرتا آخرت کی پرواہ کئے بغیر دنیا کا مال جمع کرتا رہتا ہے اور زبانی یقین آخرت کا دعویٰ رکھتا ہے تو دنیا میں اسے مسلمان مانا جائے گا لیکن روز حشر جب اعمال و کردار نیت و ارادہ سب جمع ہوں گے تو وہاں کچھ چھپایا نہ جا سکے گا وہاں حساب اللہ کریم کی ذات نے لینا ہے وہ ضرور لے گا۔ لہٰذا والدین کے ترکے میں جہاں بیٹوں کا حق ہے وہاں بیٹیوں کا بھی حق ہے اور دیگر ورثاء کا بھی حق ہے تو جو شرعی تقسیم مقرر ہے اس میں خلل اندازی نہیں کی جانی چاہئے اسی کے مطابق اسے خوشی خوشی تقسیم کر دینا چاہئے۔ مِمَّا قَلَّ مِنۡهُ اَوۡ كَثُرَ کسی کا حصہ کم ہے یا زیادہ یہ اللہ کی تقسیم ہے اس کی اپنی حکمت ہے اس نے بیٹوں کو دو گنا دیا اور بیٹیوں کو ایک گنا دیا اسی طرح دیگر ورثاء کا حصہ مقرر ہے لیکن یہ اس کی اپنی ملکیت ہے اور اپنی تقسیم اس کے نظام میں ہزاروں حکمتیں ہیں لہٰذا ان پر اعتراض کرنے کے بجائے ان احکامات پر پورا پورا عمل کیا جائے۔ نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا۞

احکام شریعت کی خلاف ورزی کرنے سے آخرت کے ساتھ دنیا کا بھی نقصان ہوتا ہے:

اللہ نے وراثت میں جو حصے مقرر کر دیئے ہیں وہ حتمی ہیں ان کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے ان میں حیلے بہانے کرنا کسی کا حصہ کسی اور کو دے دینا کسی کو اس کے حصے سے محروم کر دینا یہ قانون الٰہی کی مخالفت ہے اس سے کبھی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ جہاں بھی آدمی احکام شریعت کی خلاف ورزی کرتا ہے وہاں اسے دونوں عالم کا نقصان ہوتا ہے آخرت کا نقصان تو یقینی ہے ہر بندہ سمجھتا ہے کہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرنے سے آخرت کا نقصان ہوتا ہے لیکن حق یہ ہے کہ غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ دنیا کا نقصان بھی لازمی ہوتا ہے۔ جس کسی کا حصہ مارا جاتا ہے وہ ساری عمر دکھ میں مبتلا رہتا ہے، مخالفتیں جنم لیتی ہیں دشمنیاں بڑھ کر بات قتل تک پہنچ جاتی ہے۔ اس طرح دنیوی فائدہ بھی نہیں ہوتا بلکہ سراسر نقصان ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے حکم کے برخلاف کسی کو اس کے حصے سے زیادہ دلا دیا جائے تو دینے والے کو کیا ضمانت ہے کہ وہ اسے نصیب ہوگا یا نہیں۔ اس کے پاس رہے گا یا کسی اور کے پاس چلا جائے گا لہٰذا بہتر ہے کہ احکام الٰہی کے مطابق ہی عمل کیا جائے۔

وَاِذَا حَضَرَ الۡقِسۡمَةَ اُولُوا الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنُ فَارۡزُقُوۡهُمۡ مِّنۡهُ وَقُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا۞ جب جائیداد کی تقسیم ہو رہی ہو تو جن رشتہ داروں کا حصہ ترکے میں نہیں بنتا انہیں بھی اگر دے دیا جائے تو یہ اچھی بات ہے اسی طرح یتیموں، مساکین کو بھی کچھ نہ کچھ دے دیا جائے اور اچھے طریقے سے دیا جائے تو یہ مستحسن ہے۔ اچھے طریقے سے دینا یہ ہے کہ کسی کو محتاج سمجھ کر اس کی عزت نفس مجروح نہ کی جائے اس پر احسان نہ

رکھا جائے اسے یہ احساس نہ دلایا جائے کہ اس کے پاس تو کچھ نہیں تھا اور اسے دیا جا رہا ہے۔حق یہ ہے کہ سب کو سب کچھ اللہ ہی دیتا ہے دنیا عالم اسباب ہے سبب کوئی نہ کوئی بنتا ہے لیکن مسبب الاسباب صرف اللہ ہے جو لوگ غرباء ومساکین کو اپنے حصوں میں سے اپنی رغبت اور خوشی سے دیتے ہیں تو اللہ کریم کے نزدیک اس کا بہت بڑا درجہ پاتے ہیں اللہ خطائیں معاف فرماتا ہے اور اس پر اجر وثواب عطا فرماتا ہے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا۹ ترکے کی تقسیم کرنے والے ترکہ وصول کرنے والے اور یتیموں کے والی اور نگران بنائے جانے والے سب کو بتایا جا رہا ہے کہ انہیں یہ یاد رہنا چاہئے کہ موت ان پر بھی آسکتی ہے جیسے آج کسی اور پر آئی ہے اور اسی طرح ان کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی یتیم رہ جائیں گے تو ان سے کیا سلوک ہونا چاہئے۔جس طرح کے سلوک کی توقع اپنے بچوں کے لئے کرتے ہیں اس طرح کا سلوک ان بچوں سے کریں جن کا والد اٹھ گیا ہے اور بچے یتیم رہ گئے ہیں تو اللہ سے ڈریں اور اللہ کے احکام کی پابندی کریں۔ جہاں بھی اللہ کریم سے ڈرنا لکھا ہے وہاں اس سے مراد اللہ کی ناراضگی سے ڈرنا ہے یعنی ایسا کام نہ کیا جائے جس پر اللہ کا غضب ہو۔ ہمیشہ اللہ کریم کی رحمت کے طلب گار اور اس کی بخشش چاہنے والے بنے رہیں۔وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا۹ اور بات موقع کے مطابق کیا کریں۔ بے تکی بات کہنا، دل آزاری کی بات کہنا غضب الٰہی کو دعوت دینے کے برابر ہے۔بات ہمیشہ مناسب ہو صحیح ہو۔موقع کے مطابق ہو نہ اس میں کسی کی دل آزاری ہو نہ کسی پر طنز ہو نہ کسی کی توہین کا کوئی پہلو نکلتا ہو تو وہ قول سدید کہلائے گی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا۱۰ یتیم بچے جو مجبور و بے بس ہیں جو اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتے ان کا مال جو شخص بھی کھاتا ہے ظلم کرتا ہے اس لئے کہ وہ بچے تو اسے نہیں روک سکتے لیکن اللہ کا نظام اور اس کا قانون موجود ہے۔اللہ کا یہ حتمی فیصلہ ہے کہ جو یتیم کا مال ظلماً کھاتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ جھونک رہا ہے اور نہ صرف یہ کہ اپنا پیٹ دوزخ کی آگ سے بھر رہا ہے بلکہ جب برزخ میں داخل ہوگا یا حشر میں جائے گا تو اسے خود جہنم میں داخل ہونا پڑے گا اس نے اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھی بھری ہوگی اور اس کا وجود بھی جہنم میں جل رہا ہوگا۔اللہ کریم اپنے عذاب سے پناہ دے۔

سورۃ النساء رکوع 2 آیات 11 تا 14

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيمِ

يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِيۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ‌ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ‌ فَاِنۡ كُنَّ
نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَيۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ‌ وَاِنۡ كَانَتۡ وَاحِدَةً فَلَهَا
النِّصۡفُ‌ وَلِاَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنۡ كَانَ لَهٗ
وَلَدٌ‌ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ‌ فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ
اِخۡوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ‌ اٰبَآؤُكُمۡ
وَاَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُوۡنَ اَيُّهُمۡ اَقۡرَبُ لَـكُمۡ نَفۡعًا‌ فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ‌ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۱۱﴾ وَلَـكُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَكَ اَزۡوَاجُكُمۡ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهُنَّ
وَلَدٌ‌ فَاِنۡ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَـكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِيۡنَ
بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ‌ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّـكُمۡ وَلَدٌ‌ فَاِنۡ كَانَ
لَـكُمۡ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ‌ مِّنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ تُوۡصُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ‌
وَاِنۡ كَانَ رَجُلٌ يُّوۡرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امۡرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوۡ اُخۡتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ
مِّنۡهُمَا السُّدُسُ‌ فَاِنۡ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَهُمۡ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنۡۢ
بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصٰى بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ۙ غَيۡرَ مُضَآرٍّ‌ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ‌ وَاللّٰهُ
عَلِيۡمٌ حَلِيۡمٌ ﴿۱۲﴾ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ‌ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ يُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ
تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا‌ وَذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنۡ
يَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ يُدۡخِلۡهُ نَارًا خَالِدًا فِيۡهَا وَلَهٗ عَذَابٌ

مُّهِيْنٌ ﴿١٤﴾

اللہ تم کو تمہاری اولاد کے بارے حکم دیتے ہیں کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے
حصے کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں دو سے زیادہ بھی ہوں تو مرنے
والے کے ترکے سے ان کو دو تہائی ملے گا اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو نصف ملے گا
اور اس کے ماں باپ دونوں میں سے ہر ایک کے لئے مرنے والے کے ترکہ سے
چھٹا حصہ ہے اگر اس (مرنے والی) کی کچھ اولاد ہو پس اگر اس کے کوئی اُولاد نہ ہو
اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا حصہ ایک تہائی ہے پھر
اگر اس کے ایک سے زیادہ بہن بھائی ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا (اور باقی
باپ کو ملے گا) وصیت جو اس نے کی ہو پوری کرنے یا قرض ادا کرنے کے بعد
تمہارے آباء اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ فائدے کے لحاظ سے تمہارے
لئے ان میں سے کون بہتر ہے یہ (حصے) اللہ کے مقرر کئے ہوئے ہیں یقیناً اللہ
جاننے والے حکمت والے ہیں ﴿۱۱﴾ اور تمہارے لئے نصف ہے (اس ترکہ میں
سے) جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اگر ان کے اولاد نہ ہو پس اگر ان کے اولاد ہو
تو تمہیں ان کے ترکے سے ایک چوتھائی ملے گا ان کی وصیت جو انھوں نے کی ہو
پوری کرنے یا قرض ادا کرنے کے بعد اور جو تم چھوڑ جاؤ اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو ان
(بیبیوں کو) اس میں سے ایک چوتھائی ملے گا پس اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہارے
ترکے میں سے تمہاری کی ہوئی وصیت پوری کرنے یا قرض ادا کرنے کے بعد ان کو
آٹھواں حصہ ملے گا اور اگر کسی ایسے مرد کی یا عورت کی میراث ہو جس کے نہ باپ ہو
نہ بیٹا اور اس کے ایک بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہو گا پس اگر
یہ لوگ اس سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے (اس حال
میں) کہ جو وصیت کی گئی پوری کی جانے یا قرض کو ادا کیے جانے کے بعد بشرطیکہ
(مرنے والا) کسی کو نقصان نہ پہنچائے یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ جاننے والے حلم
والے ہیں ﴿۱۲﴾ یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرے

گا وہ (اللہ) اس کو بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے تابع نہریں جاری ہیں وہ
اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے ﴿۱۳﴾ اور جو شخص اللہ اور اس کے
پیغمبر کی نافرمانی کرے گا اور اس (اللہ) کی حدود سے نکل جائے گا وہ اس کو دوزخ
میں ڈالیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہو
گا ﴿۱۴﴾

خلاصہ تفسیر و معارف

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۚ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّھُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾

اللہ کریم نے میراث کی تقسیم میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ میت کے کفن دفن اور جائز وصیت کو پورا کرنے کے بعد قرض کی ادائیگی کے بعد جو مال بچ جائے اس میں بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اگرچہ مغربی ذہن رکھنے والے خود کو روشن خیال کہنے والے اس پر بہت اعتراض کرتے ہیں کہ دونوں کو حصہ برابر کیوں نہیں دیا گیا۔

حصول معاش مرد کی ذمہ داری ہے:

اسلامی معاشرت میں اصولی طور پر روزی کمانا اور خاندان کو پالنا مرد کی ذمہ داری ہے اور خاتون خانہ کی ذمہ داری روزی کمانا نہیں۔

مال کی حفاظت اور احسن طریقے سے خرچ کرنا عورت کی ذمہ داری ہے:

خاتون خانہ کی ذمہ داری ہے کہ مرد جو مال کما کر لاتا ہے اس کی حفاظت کرے اور اسے ضرورت کے مطابق خرچ کرے اور اسے ضائع ہونے سے بچائے۔

چونکہ مرد کی ذمہ داری زیادہ ہے اس لئے اللہ کریم نے بیٹی کی نسبت بیٹے کا حصہ دوگنا رکھا ہے۔ اللہ کے احکام میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں وہ اللہ کریم ہی جانتے ہیں اور اللہ کے ہر حکم میں انسانوں کے لئے بے شمار فائدے اور بڑی حکمتیں ہیں۔

جب اولاد میں صرف لڑکیاں ہوں:

جس کی اولاد میں لڑکے نہ ہوں بلکہ صرف لڑکیاں ہی ہوں اور وہ دو سے زائد ہوں تو ترکے میں سے تیسرا حصہ بچیوں کا ہے۔ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ اور اگر صرف ایک بیٹی ہے تو جائیداد کا آدھا حصہ بیٹی کا ہو گا اور باقی نصف دیگر وارثان کا۔ دیگر وارثان میں مرنے والے کے والدین اور بہن بھائی شامل ہیں جو زندہ ہوں۔ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اگر ماں باپ دونوں زندہ ہوں تو کل ترکے کا چھٹا حصہ ماں اور چھٹا حصہ باپ کو ملے گا۔ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ اگر اس کی اولاد ہے فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ اور اگر اس کی اولاد ہے ہی نہیں والدین ہی رہ گئے ہیں تو پھر اس کی ماں کو تیسرا حصہ ملے گا۔ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ اگر مرنے والے کے ایک سے زیادہ بہن بھائی ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ میت کے ذمے جو قرض ہے اس کی ادائیگی کے بعد اور جو وصیت ہے اسے پورا کرنے کے بعد وراثت کی تقسیم ہوگی۔ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ تمہارے والدین یا تمہاری اولاد یہ تم نہیں جانتے کہ کس سے تمہیں فائدہ ہوگا۔ یہ صرف اللہ جانتا ہے کہ والدین کا کردار کیا ہوگا یا اولاد کا کردار کیا ہوگا۔

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⑪ لہذا اللہ کریم نے جس طرح تقسیم فرمائی ہے اسے فریضہ سمجھ کر اللہ کا حکم سمجھ کر پورا کیا جانا چاہئے اور کسی امید پر اللہ کے احکام تبدیل نہیں کرنے چاہیں۔ یہ امید نہ رکھی جائے کہ اگر میں اپنی ساری جائیداد ماں کے نام کر دوں تو یہ بہت فائدہ مند ہوگا یا والد کے نام کر دوں تو مجھے زیادہ فائدہ ہوگا یا بیٹوں کو دے دوں یا بیٹیوں کو دے دوں تو زیادہ مفید ہوگا۔ فرمایا یہ کوئی نہیں جانتا کہ کون سا رشتہ اس کے لئے پس مرگ مفید ہوگا؟ کس کا کیا کردار ہوگا۔ آج کیسا ہے کل کیسا ہوگا۔ زندگی میں پتہ نہیں ہوتا کون کیسا ہے آج کیا ہے کل کیا ہو جائے گا۔ آدمی بدل جاتے ہیں رشتے بدل جاتے ہیں امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ مرنے والے کو کیا خبر اس کے لئے کون بہتر ثابت ہوگا۔ کون اس کے لئے ایصال ثواب کرے گا کون اس کے گناہوں کی مغفرت کی دعا کرے گا، کون اس کے ترکے میں سے ملی رقم سے خرچ کر کے ایصال ثواب کرے گا کون اس جائیداد کو نیک اور جائز ضروریات پر لگائے گا اور کون اسے عیاشی میں اڑا دے گا۔ یہ سب کچھ کوئی انسان نہیں جانتا لہذا بڑا سیدھا سا معاملہ ہے۔ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ جو تقسیم اللہ کریم نے کی ہے وہ فرض ہے اسے ویسا ہی قبول کر کے اس پر عملدرآمد کیا جائے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⑪ اللہ کریم ہر بات کو جانتا ہے اور اس کے ہر حکم میں بے پناہ حکمتیں ہیں۔ مرنے والا تو بری الذمہ ہے وہ تو دنیا سے رخصت ہو چکا۔ جائیداد و مال کی تقسیم کرنے والے اگر نیکی کریں گے تو مرنے

والے کو بھی نیکی کا اجر ملے گا لیکن اگر وہ غلط کام کریں گے اس دولت کا غلط استعمال کریں گے تو اسے اس کا عذاب نہیں ہوگا۔ سو حقیقی زندگی کی طرف متوجہ رہنا چاہئے جو آخرت کی ہے اور کبھی نہ ختم ہونے والی ہے وقتی طور پر رشتوں کا ایسا لحاظ نہ کیا جائے کہ اللہ کی تقسیم کو بدل دیا جائے جو ایسا کرے گا وہ دنیاوی طور پر بھی خسارے میں رہے گا اور آخرت برباد کرے گا لہٰذا سب سے بہتر کام اللہ کی اطاعت ہے جو دنیا و آخرت کے فوائد کو جانتا ہے جس کے بنائے قوانین پر عمل ہی دنیا و آخرت کے فوائد کے حصول کو یقینی بناتا ہے۔

بیوی کی وراثت:

اس سے پہلے ان لوگوں میں وراثت کی تقسیم کا ذکر تھا جن کا تعلق نسب سے ہے اب مرنے والے کے ازدواجی رشتے کے بارے احکام آرہے ہیں کہ اگر کسی کی بیوی فوت ہو جائے اور وہ صاحب جائیداد بھی ہو اور اس کی اولاد نہ ہو تو اس کی جائیداد کا نصف خاوند کو ملے گا اور اگر اس کی اولاد ہے تو مرد کو اس کے ترکہ سے ایک چوتھائی ملے گا اس کے قرض وغیرہ اتار کر اور وصیت پوری کرنے کے بعد اور باقی اس کی اولاد اور دوسرے وارثان میں تقسیم ہوگا۔

خاوند کی وراثت:

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ اگر مرد فوت ہو جاتا ہے اور اس کی اولاد نہیں ہے تو ترکے کا چوتھائی حصہ بیوی کو ملے گا بعد وصیت اور قرض کی ادائیگی کے اور فَإِنْ كَانَ لَهٗ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۗ اگر اس کی اولاد ہے تو اس کی بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا بعد وصیت و قرض کی ادائیگی کے۔

بے اولاد مرد کی وراثت:

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَّلَهٗٓ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ کوئی ایسا مرد فوت ہو جاتا ہے جس کی اولاد بھی نہ ہو اور والدین بھی نہ ہوں اس کے صرف ایک بھائی ایک بہن ہوں تو اس کی بہن کو بھی چھٹا حصہ ملے گا اور بھائی کو بھی چھٹا حصہ ملے گا۔ فَإِنْ كَانُوْٓا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۙ اور اگر ایک بھائی اور ایک بہن سے زائد ہوں تو سب کل مال کے تیسرے میں برابر کے حصے دار ہوں گے۔ اور یہ تقسیم اس وصیت کی تکمیل کے بعد ہے جو اس نے کی بشرطیکہ اس میں کسی کا نقصان نہ ہو اور قرض ادا کرنے کے بعد اگر اس پر قرض ہو۔ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ جس کا جو شرعی حصہ بنتا ہے وہ اسے دیا جائے اور کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ یہ اللہ کریم کا فیصلہ ہے اور اللہ کریم بہتر جاننے والے بھی ہیں اور ان کے احکام حکمت و دانائی سے پر ہوتے ہیں اور اللہ بہت حلم والے ہیں۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں ان کی حفاظت کی جائے کہ اس میں انسانیت کے لئے بے پناہ فوائد ہیں۔ ہمیں تو وقت نزع بھی دنیا کا لالچ نہیں چھوڑتا۔ مرنے سے پہلے بھی یہی فکر ہوتی ہے کہ فلاں کو جائیداد دے دوں اور فلاں کو محروم کر دوں فرمایا ایسا نہ کیا جائے یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں ان حدود کو توڑا نہ جائے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ کامیابی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں ہے۔ انسان بھی کتنا عجیب ہے کہ موت قریب ہوتی ہے اور اسے پتہ ہوتا ہے کہ وہ اب دنیا سے جا رہا ہے اور اس کی موت یقینی ہے جائیداد تو اس کے پاس نہیں رہنی وہ تو ہاتھ سے نکل رہی ہے۔ پھر بھی وہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے؟ اسے تو حقیقت پسند ہونا چاہئے کہ وہ تو دنیا سے جا ہی رہا ہے بہر حال مال و دولت اس کے ہاتھ سے جاتی ہے تو اس وقت وہ اللہ کی اطاعت کر کے اللہ کی حدود کی پاسداری کرے۔ انہیں اس کے مطابق رہنے دے جس کا جو حصہ بنتا ہے وہ اسے از خود مل جائے گا اور اس کے بدلے اسے اللہ اور اللہ کے حبیب ﷺ کی اطاعت نصیب ہو گی اور جو اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتا ہے وہ جنت میں داخل ہوتا ہے جو ہمیشگی کا گھر ہے جس میں ہمیشہ رونق رہے گی اور ہر سہولت ہمیشہ میسر رہے گی اور انہیں بھی اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا نصیب ہوگا۔ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے بلکہ حقیقی کامیابی ہی یہی ہے۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ اور جو اللہ کی قائم کردہ حدود کی پرواہ نہیں کرتے، حدود الٰہی کو توڑتے ہیں اور اپنی خواہشات کو اللہ کی حدود کے مقابلے میں زیادہ عزیز رکھتے ہیں انہیں دوزخ میں داخل ہونا پڑے گا اور انہیں دوزخ میں ہمیشہ رہنا پڑے گا۔ یعنی کسی کا حدود اللہ پر ایمان ہی نہ رہے تو وہ کافر ہو گیا اور کافر تو دوزخ میں ہمیشہ رہے گا اور اگر کسی کا حدود اللہ پر ایمان تو ہے لیکن خلاف ورزی کرتا ہو تو یہ فسق ہوگا۔ اس پر اللہ معاف کرنا چاہے تو وہ قادر ہے ورنہ سزا پائے گا۔ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ایسے لوگوں کے لئے جو دنیا میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے انہیں نہ صرف عذاب ہو گا بلکہ ان کے لئے ذلت کا عذاب ہوگا۔

عذاب الٰہی سے اللہ پناہ دے عذاب تو خود عذاب ہے اس کے ساتھ ذلت اور رسوائی بھی منسلک کر دی جائے گی اور انہیں ذلت کا عذاب ہوگا۔ اللہ کریم اپنے عذابوں سے محفوظ رکھے۔ اس سارے رکوع کا حاصل یہ ہے کہ معاملے میں عظمت الٰہی کو سامنے رکھا جائے خواہ معاملہ جائیداد و مال کا ہو، یتیموں اور مظلوموں کا ہو، بے بسوں کم عقلوں کا ہو خواہ وہ خود اپنے لئے بولنے کے قابل نہ ہوں لیکن جس کا جو حق بنتا ہے وہ اسے بہم پہنچایا جائے اور یاد رکھا جائے کہ اللہ کریم کا انصاف موجود ہے۔ اللہ کریم موجود ہے اس کے روبرو تو حساب دینا ہوگا۔ اللہ ہم سب کو ایمان پر قائم رکھے۔

سورۃ النساء رکوع 3 آیات 15 تا 22

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً
مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ
اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝١٥ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا
وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝١٦ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَی
اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓىِٕكَ
یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۝١٧ وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ
یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ
وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓىِٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝١٨ یٰۤاَیُّهَا
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ
لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ
وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــًٔا
وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ۝١٩ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ
زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْــًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ
بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ۝٢٠ وَكَیْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰی بَعْضُكُمْ اِلٰی بَعْضٍ
وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ۝٢١ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ
النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا ۝٢٢

(مسلمانو!) اور تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کر بیٹھیں سو ان پر اپنے لوگوں میں سے چار گواہ طلب کرو پس اگر وہ گواہی دیں تو تم ان کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ ان کو موت اٹھالے یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راہ پیدا فرمادیں ﴿۱۵﴾ اور جو دو مرد تم میں سے بدکاری کریں پس ان کو ایذا دو پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں تو ان دونوں سے کچھ تعرض نہ کرو یقیناً اللہ توبہ قبول کرنے والے رحمت کرنے والے ہیں ﴿۱۶﴾ یقیناً اللہ ان ہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں جو نادانی سے برائی کرتے ہیں پھر جلدی توبہ کرتے ہیں پس ایسے ہی لوگوں پہ اللہ مہربانی فرماتے ہیں اور اللہ جاننے والے حکمت والے ہیں ﴿۱۷﴾ اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو ساری عمر برے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے تو کہنے لگے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو کفر پہ مرجاتے ہیں ہم نے ایسے ہی لوگوں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے ﴿۱۸﴾ اے ایمان والو تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور اس نیت سے جو کچھ تم نے ان کو دیا اس میں سے کچھ لے لو اور ان کو (گھروں میں) مت روک رکھو سوائے اس کے کہ واضح طور پر بدکاری کی مرتکب ہوں اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو پھر اگر تم انھیں ناپسند کرتے ہو تو ہوسکتا ہے کہ اگر تم ایک شئے کو ناپسند کرو اور اللہ نے اس میں بہت سی بھلائی رکھ دی ہو ﴿۱۹﴾ اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت کرنا چاہو اور تم ان میں سے ایک (پہلی) عورت کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اس سے کچھ مت لو بھلا کیا تم ناجائز طور پر اور صریح گناہ کر کے اس (مال) کو واپس لو گے؟ ﴿۲۰﴾ اور تم اس کو کیسے واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے سے بے حجابانہ مل چکے ہو اور وہ تم سے پکا وعدہ بھی لے چکی ہیں ﴿۲۱﴾ اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو ان سے تم نکاح نہ کرو مگر جو ہو چکا (سو ہو چکا) یقیناً یہ بے حیائی ہے اور (اللہ کی) ناراضگی ہے اور برا دستور ہے ﴿۲۲﴾

خلاصہ و تفسیر و معارف:

بے حیائی کی سزا:

وَالّٰتِیۡ یَاۡتِیۡنَ الۡفَاحِشَۃَ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ فَاسۡتَشۡہِدُوۡا عَلَیۡہِنَّ اَرۡبَعَۃً مِّنۡکُمۡ ۚ فَاِنۡ شَہِدُوۡا فَاَمۡسِکُوۡہُنَّ فِی الۡبُیُوۡتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰہُنَّ الۡمَوۡتُ اَوۡ یَجۡعَلَ اللّٰہُ لَہُنَّ سَبِیۡلًا ﴿۱۵﴾ معاشرے میں لوگوں سے نامناسب امور سرزد ہو جاتے ہیں غلطی سے ہو جاتے ہیں یا جہالت سے اور لوگ بے راہ روی کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔ اس بارے میں ارشاد فرمایا کہ ایسی خواتین جن سے نامناسب افعال سرزد ہوں، بے حیائی کا کام ہو جائے تو فَاسۡتَشۡہِدُوۡا عَلَیۡہِنَّ اَرۡبَعَۃً مِّنۡکُمۡ خاتون پر یہ الزام آجائے کہ اس نے بے حیائی کا کام کیا ہے یا اپنی آبرو میں خیانت کی ہے تو اس پر چار مسلمان گواہ ہونا لازم ہیں اگر چار مسلمان یہ شہادت دے دیں فَاَمۡسِکُوۡہُنَّ فِی الۡبُیُوۡتِ تو انہیں گھروں میں پابند کر کے رکھا جائے حَتّٰی یَتَوَفّٰہُنَّ الۡمَوۡتُ یہاں تک کہ انہیں موت آجائے۔ اَوۡ یَجۡعَلَ اللّٰہُ لَہُنَّ سَبِیۡلًا ﴿۱۵﴾ اللہ کریم ان کے لیے کوئی دوسرا راستہ پیدا فرما دیں۔

ناسخ اور منسوخ آیات:

اللہ کریم نے قرآن حکیم میں وقت کے مطابق نزول وحی کے زمانے میں ہی کچھ احکام میں رد و بدل فرمایا ہے جیسے یہ آیت نازل ہوئی پھر اس کے بعد سنگساری کا حکم آ گیا تو صورتحال بدل گئی۔ اسی طرح وراثت کے تفصیلی احکام سے پہلے وصیت کے ذریعے تقسیم وراثت کا حکم تھا بعد میں وراثت کے باقاعدہ احکام نازل فرما دیئے گئے اور ہر ایک قریب اور دور کے رشتہ دار کے حصے مقرر کر دیئے گئے تو پہلی آیت کا حکم ساقط ہو گیا۔ اسے نسخ کہتے ہیں۔ نسخ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ آیات تو قرآن حکیم میں موجود رہتی ہیں لیکن ان پر عمل نہیں ہوتا بلکہ عمل بعد میں آنے والے حکم پر ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آیات نازل ہوئیں ان کے احکام پر عملدرآمد ہوا اور ہمیشہ کے لئے حکم جاری کر دیا گیا لیکن آیت اٹھالی گئی، حکم باقی رہا جیسے رجم کا حکم موجود ہے۔ رجم کی آیت قرآن کریم میں موجود نہیں ہے لیکن اس آیت رجم کا نازل ہونا احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور اس کا اٹھایا جانا بھی ثابت ہے اور اس کے حکم کا ہمیشہ رہنا بھی ثابت ہے۔ عہد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اس حکم پر عملدرآمد ہوا اور خلافت راشدہ میں بھی اس پر عمل ہوا اور یہ حکم اجماع امت سے ثابت ہے۔

نسخ میں اللہ کریم کی اپنی حکمت ہے کہ وہ خود ہی اپنی حکمت سے انسانوں کو بہترین فوائد پہنچاتا ہے۔ اللہ

نے بعض آیات کی تلاوت کو باقی رکھا اور حکم منسوخ کر دیا تو ان میں ایک یہ حکمت ہے کہ کلام الٰہی کی تلاوت سے جو برکات نصیب ہوتی ہیں وہ تلاوت کرنے والوں کو حاصل رہیں چونکہ کلام متکلم کی ذات کا آئینہ دار ہوتا ہے اور پرتو جمال کی برکات پڑھنے اور سننے والوں کو عطا ہوتی ہیں۔

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ اگر دو مرد بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو انہیں سزا دی جائے۔ فَاٰذُوْهُمَا انہیں تکلیف پہنچائی جائے فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا اور اگر وہ توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے صرف نظر کرو۔

یہ آیت بھی انہی آیات میں سے ہے جن کی تلاوت باقی ہے اور حکم منسوخ ہو چکا ہے اور اس پر نیا حکم نازل ہو چکا ہے۔

توبہ رحمت الٰہی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾ یقیناً اللہ توبہ قبول کرنے والے اور بڑے رحم کرنے والے ہیں۔ اگر کسی سے جرم سرزد ہوتا ہے اور وہ پکڑا نہیں جاتا لیکن خود اسے اپنے جرم کا احساس ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ کریم سے معافی مانگتا ہے، آئندہ کے لئے اصلاح کر لیتا ہے اگر ممکن ہو تو اس کی تلافی کرتا ہے۔ تلافی ممکن نہ ہو تو اللہ کریم سے معذرت چاہتا ہے تو یہ معاملہ اللہ اور بندے کے درمیان ہے۔ لیکن اگر کسی سے جرم سرزد ہوتا ہے اور وہ ان اداروں کی زد میں آ جاتا ہے جن کا کام انصاف کرنا ہے تو پھر اگر وہ توبہ کرلے تو اللہ اس کے گناہ بخش دے گا لیکن توبہ سے اب اسکی سزا ساقط نہیں ہوگی ان اداروں کو شرعی سزا پر عملدرآمد کرنا ہوگا۔

اللہ کریم نے توبہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا رکھا ہے یہ اللہ کریم کا بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے امت مرحومہ پر صرف ایک قید لگائی ہے۔ تَابَا وَاَصْلَحَا کہ توبہ ایسی کرے کہ آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کرلے اور اسی گناہ میں پھر مبتلا نہ ہو۔ ورنہ صرف ظاہری اور زبانی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں کہ عملاً تو آدمی گناہ پر ڈٹا رہے اور زبانی توبہ توبہ کہتا رہے۔ اس کا یہ عمل بارگاہ الوہیت میں گستاخی ہے ہاں زبانی اقرار اور عملی اصلاح دونوں اعمال اللہ کے روبرو کرے تو اللہ توبہ قبول کرنے والے رحم فرمانے والے ہیں۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ کے ذمے ہے وہ تو ان ہی کی ہے جو حماقت سے جہالت سے نادانی سے کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں۔

ہر گناہ جہالت کا ثمر ہے:

مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ گناہ کا صدور اگر کسی عالم سے بھی ہو تو وہ جہالت کے باعث ہی ہوگا اس لئے کہ جب کوئی بڑا عالم اور محقق بھی گناہ کرتا ہے تو اس وقت اس کا علم اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اس کا علم اس پر غالب نہیں رہتا اگر غالب ہو تو پھر وہ گناہ نہ کرے۔ جس لمحے علم اوٹ میں چلا جاتا ہے تو وہ عالم بھی جاہل ہو جاتا ہے اسی لئے وہ گناہ کر بیٹھتا ہے تو گناہ بجائے خود جہالت کا ثمر ہے اور اسلام درحقیقت جہالت کے خلاف ہے۔ اسلام نور ہے، روشنی ہے اور علم ہے۔ کفر اور گناہ جہالت کے نتائج میں اسلام گناہ اور کفر کے خلاف نہیں درحقیقت جہالت کے خلاف ہے۔ گناہ اور کفر جہالت کے درخت کے پھل ہیں۔ گناہ دراصل آہستہ آہستہ بندے کو رحمت الٰہی سے دور لے جاتے ہیں اگر انسان توبہ نہ کرے اصلاح احوال نہ کرے تو نوبت کفر تک جا پہنچتی ہے تو کفر اور گناہ جہالت کے ثمرات ہیں۔ اسلام ہر خرابی کو اس کی بنیاد سے ختم کرتا ہے اور ہر بندے کو اسلام کی صورت میں نور علم کی دعوت دیتا ہے۔

نور علم:

اسلام نور علم عطا کرتا ہے۔ اللہ کی عطا کردہ تعلیمات کی اپنی قوت ہے اور پھر پہنچانے والے محمد الرسول اللہ ﷺ ہیں ان کی ذات میں وہ برکات ہیں اور ان کی وہ قوت ہے کہ قیامت تک کے انسانوں کے لئے آپ ﷺ کی رسالت کافی ہے۔ دور دراز علاقوں میں بسنے والے عام انسان چرواہے گڈریئے کو جسے الف بے لکھنا پڑھنا نہیں آتی اسے بھی پتہ ہے کہ اللہ واحد اور لاشریک ہے اور انسانوں کی زندگی عارضی ہے۔ اس کے بعد موت ہے پھر حیات ہے اسے معلوم ہے کہ قیامت ہے، اسے اللہ کے روبرو پیش ہونا ہے اس کے اعمال کا محاسبہ ہونا ہے۔ یہ نور علم ہے جو دین اسلام قبول کرنے سے نصیب ہوتا ہے۔ یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوت کہ جنہیں لکھنا پڑھنا نہیں آتا انہیں بھی جب دین اسلام نصیب ہوتا ہے تو انہیں اتنی روشنی علم کی عطا کر دیتا ہے کہ وہ آفرینش سے لے کر آخرت، یوم حشر، جنت دوزخ تک کے بارے معلومات حاصل کر لیتا ہے۔ محض لکھنا پڑھنا علم نہیں ہے پڑھ لینا لکھ لینا یہ علم کو مُنضبط کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کا ایک طریقہ ہے۔ صحابہ کرامؓ کی اکثریت لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی لیکن جہاں کسی فیصلے میں کسی صحابیؓ کا حوالہ آجاتا ہے کہ فلاں صحابیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر یہ بات کہی، وہاں تمام علماء کا سر تسلیم خم ہو جاتا ہے کہ علم جاننے کا نام ہے۔ صحابیؓ نے مصدر علم آقائے نامدار ﷺ سے سن کر جان لیا تو وہ سب سے بڑے عالم ہیں خواہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے یا نہیں۔ آج بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صدق دل سے ایمان لانے والے کئی ایسے ہیں جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے لیکن نور علم کی بدولت توحید باری، ذات

باری، صفات باری پر یقین رکھتے ہیں، جنت و دوزخ کو جانتے ہیں اور ایسے بھی ہیں کہ سب کچھ جاننے کے بعد گناہ کرتے ہیں۔ ایسے عالم میں جب گناہ کرتے ہیں تو اس لمحے ان کا علم ان سے اوجھل ہو جاتا ہے تو فرمایا کہ گناہ اور برائی کا صدور جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

احساس زیاں اللہ کا انعام ہے:

ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ پھر وہ فوراً توبہ کر لیتا ہے۔ صدورِ ذنب کے بعد اسے احساس ہو جاتا ہے کہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا، پھر وہ توبہ کرتا ہے۔ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ جس کا یہ احساس زندہ ہو جاتا ہے اس پر اللہ کا بہت بڑا انعام ہوتا ہے۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ غلطی اور کوتاہی کے بعد احساس ندامت ہو جائے۔ موت کے آنے سے پہلے پہلے یہ احساس ہو جائے کہ اس نے غلطی کی اور اسے نہیں کرنی چاہئے تھی پھر وہ اپنے اللہ کی بارگاہ میں تائب ہو عہد کرے کہ وہ آئندہ یہ جرم نہیں دہرائے گا اور زندگی اطاعت الٰہی میں بسر کرے گا تو اللہ کریم اس کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾ اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ اس سے کوئی شے مخفی ہو وہ ہر بات کو جاننے والے ہیں اور حکمت والے ہیں ان کی حکمت کا تقاضا ہے کہ صدورِ ذنب کے بعد موقع دیتے ہیں کہ انسان اصلاح کر لے۔

برزخ منکشف ہو جانے پر کافر کی توبہ قبول نہیں ہوتی اور مومن کی توبہ قبول ہو جاتی ہے:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾ ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو اپنی پوری زندگی برائی میں صرف کر دیتے ہیں انہیں عظمت الٰہی کا احساس نہیں ہوتا کبھی انہیں آخرت کی جوابدہی کی فکر نہیں ہوتی۔ انہیں یہ شعور نصیب نہیں ہوتا کہ وہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کریں بلکہ ہمیشہ اللہ کے دین کی مخالفت میں زندگی بسر کر جاتے ہیں۔ جب ان پر موت وارد ہوتی ہے برزخ منکشف ہوتا ہے، فرشتے نظر آنے لگ جاتے ہیں۔ فرشتے بات کرتے ہیں تو وہ اس وقت توبہ کرنا چاہتا ہے لیکن چونکہ اس کا ایمان بالغیب نہیں ہوتا اس لئے کافر کی توبہ عند الموت قبول نہیں ہوتی۔ فرعون نے بھی غرق ہوتے وقت توبہ کی تو اسے جواب دیا گیا تھا کہ جب وقت تھا تو تو کفر پر جما رہا اب جب برزخ کھل گیا تو اب مانتا ہے ماننا تو ایمان بالغیب ہے اپنے نبیؐ

پر اعتماد کر کے غیب پر ایمان لانا ایمان ہے ورنہ تو میدان حشر میں ہر کوئی مانے گا جب دربار الٰہی سجا ہوگا مخلوق حساب کتاب کے لئے حاضر ہوگی۔ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ○ (الشعراء: 91) دوزخ سامنے کر دی جائے گی۔ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ○ (الشعراء: 90) اور جنت بھی قریب ہی سجی سجائی نظر آئے گی تب تو ہر کافر مشرک مانے گا اور کہے گا کہ پروردگار ایک بار دنیا میں بھیج دے پھر دیکھنا ہم کیسی تیری اطاعت کرتے ہیں تو ارشاد ہوگا کہ وہ وقت بیت چکا تمہیں میرے نبی پر یقین کرنا چاہئے تھا مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یقین کرنا چاہئے تھا۔

ہمارے معاشرے میں ایسی جاہلانہ باتیں رواج پا گئی ہیں جو اس مرض کی نشاندہی کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر اعتماد میں شدید کمی ہے۔ اکثر یہ جملہ سننے کو ملتا ہے کہ دنیا تو سامنے ہے آخرت کس نے دیکھی اور حق تو یہ ہے کہ آخرت ہمیں دکھا بھی دی جائے تو ہمیں پھر بھی غلطی لگ سکتی ہے لیکن جو خبر آقائے نامدار ﷺ نے دی اس میں کسی غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے اس لئے کہ انسانی حواس کی، انسانی قویٰ کی ایک حد ہے۔ انسانی نظر ایک حد تک دیکھ سکتی ہے دور سے کوئی دکھائی دے تو خیال ہوتا ہے کہ یہ فلاں شخص ہے جب وہ قریب آتا ہے تو وہ کوئی اور ہوتا ہے۔ دنیا میں ہم سوچ سمجھ کر سودے کرتے ہیں لیکن غلطی لگ جاتی ہے نفع کے بجائے نقصان ہو جاتا ہے۔ کوئی شے کھاتے ہیں اور یہ سمجھ کر کھاتے ہیں کہ اس سے صحت بنے گی لیکن وہ بیماری کا سبب بن جاتی ہے۔ دنیا میں ہم اپنے سامنے کی چیزوں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں ہمیں غلطی لگ سکتی ہے تو اگر ہم پر آخرت بھی منکشف ہو جائے تو ہمیں اس میں بھی دھوکہ لگ سکتا ہے لیکن جو خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی ہے جو اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہنچائی ہے اس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں اور یہی ایمان ہے قرآن حکیم ہم سے اسی ایمان کا تقاضا کرتا ہے۔ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ (البقرہ: 3) کہ جو چیزیں ہم سے غائب ہیں ہم ان پر اس لئے یقین کریں کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ نے بتائی ہیں ہمارا تو قرآن پر بھی ایمان یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ کا کلام ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی نے وحی کو نہیں سنا۔ نزول وحی کی کیفیت صحابہ کرامؓ نے دیکھی وحی کا نزول نہیں دیکھا۔ اللہ کریم نے صرف ایک ہستی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث فرمائی جو ساری کائنات میں علم کے خزانے بانٹنے پر تا قیامت مامور ہے اور اللہ نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ کسی دوسرے کو بھی وحی سنائے اور کوئی یہ کہے کہ اس کے سامنے فرشتے نے کلام الٰہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا بلکہ اللہ پاک نے قرآن حکیم میں اس بات کو یوں ارشاد فرمایا ہے۔ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ○ (الفتح: 28) کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کا گواہ میں خود کافی ہوں کسی اور کی ضرورت ہی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کسی انسانی گواہی کی محتاج

نہیں کسی مخلوق کی گواہی کی محتاج نہیں سو ایمان اس بات کا نام ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر مانے۔ آپ ﷺ کی بات مانے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات نہیں مانتے اور برائی میں زندگی بسر کر جاتے ہیں ایسے کافروں بدکاروں کی روح قبض ہونے کی کیفیت قرآن حکیم میں یوں بیان ہوئی ہے کہ فرشتے اس سے پوچھتے ہیں۔ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۚ (النساء: 97) تم نے عمر کہاں ضائع کر دی؟ تم کیا کرتے رہے؟ اللہ نے تو تمہیں اپنا پیغام پہنچایا اپنا نبیؐ بھیجا زندگی کی مہلت دی تو تم کیا کرتے رہے؟ وہ جواب دیتا ہے قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ میں تو ایک کمزور اور عام بندہ تھا معاشرے کے امراء اور لیڈروں کے پیچھے چلتا رہا۔ میری ذاتی حیثیت تو کچھ تھی نہیں کسی نہ کسی گروہ میں شامل ہو کر وہی کرتا رہا جو دوسرے کرتے تھے۔ فرشتے کہتے ہیں اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۚ ہجرت کر جاتے وہ جگہ چھوڑ دیتے جہاں تمہیں حق پر رہنا ناممکن نظر آتا تھا اور ایسی جگہ چلے جاتے جہاں تمہیں کوئی برائی پر مجبور نہ کرتا خواہ ویرانوں میں ہی نکل جاتے۔ آج بھی تو ساری دنیا چھوڑ کر جا رہے ہو تب تم صرف ایک علاقہ ایک ملک ایک بدکار معاشرہ ہی چھوڑ جاتے۔ دنیا میں تمہیں ہمیشہ تو نہیں رہنا تھا آج بھی تو چھوڑ کر جا رہے ہو اس سے تو بہتر ہوتا کہ نیکی کے لئے وطن چھوڑ دیتے وہاں چلے جاتے جہاں نیک لوگوں کی صحبت میسر آتی، تمہیں نیکی کی توفیق ملتی لیکن چونکہ ایسے لوگوں کے پاس ایمان بالغیب نہیں ہوتا تو اس وقت ان کی توبہ کا انہیں فائدہ نہیں ہوتا۔ مفسرین کرام اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت کافر کا حال بیان کر رہی ہے ورنہ مومن اگر گناہگار بھی ہو تو فرشتے نظر آنے پر بھی اگر وہ توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے کیونکہ اس کے پاس ایمان تو ہے اس کا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر یقین تو ہے آخرت پر اس کا ایمان بالغیب پہلے سے موجود ہے۔ مومن کی توبہ چونکہ گناہ سے ہوتی ہے لہٰذا عندالموت بھی نزع کی حالت میں بھی توفیق مل جائے تو توبہ قبول ہو جاتی ہے اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور توبہ کے بھی درجات ہیں کوئی اس خلوص سے توبہ کرتا ہے۔ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۚ (الفرقان: 70) کہ اللہ اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے لیکن جو اللہ کے اس احسان کو نہیں مانتے پھر ان کے کردار عندالموت بھی ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

سود ایک لعنت:

سود خوروں کا انجام بہت بھیانک ہوتا ہے۔ اسی علاقے میں ایک ایسا ہی شخص تھا مالدار تھا اور اس نے اپنی رقم ڈاک خانے میں سود پر رکھی ہوئی تھی ڈاک خانے میں بینکوں کی نسبت سود کی شرح غالباً زیادہ تھی اسے سمجھایا کہ آپ سود نہ لیں تو آپ کو کوئی کمی نہ ہوگی آپ بزرگ ہیں دولت کو قبر میں تو لے کر نہیں جانا کسی جائز ذریعہ کو اختیار کر لیں تو

کہنے لگے کہ وہ سود تو ضرور لیتے ہیں لیکن سود کو غریبوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ میں نے کہا یہ کیسی خیرات ہے کہ آپ اپنے گھر کو بکرے کا حلال گوشت لے کر جائیں اور غریبوں کو کتے کا گوشت کھلائیں کیا غریبوں کو دینے سے حرام حلال بن جائے گا۔ یہ تو الٹا جرم ہے کہ مسلمان غرباء کو انجانے میں حرام کھلایا جائے لیکن انہوں نے میری بات نہیں سنی۔ جب مرض موت نے آگھیرا تو حکیم صاحب کو بلایا گیا حکیم صاحب نے بتایا کہ اس مریض کو شدید درد تھا اور درد کی شدت سے ہائے ہائے کر رہے تھے۔ حکیم صاحب نے فرمایا اس وقت تم ہائے ہائے کرنے کے بجائے اللہ کو پکارو توبہ کرو تو اس شخص نے بڑی حسرت سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ توبہ کروں لیکن میرے منہ سے یہ لفظ نہیں نکلتا۔ یہ ہے اس عمل کا اثر جس عمل پر بندہ ساری عمر کاربند رہتا ہے۔ زندگی بھر کا کردار اس وقت اپنا اثر دکھاتا ہے اگر زندگی میں ندامت کا احساس زندہ رہے اور بندہ محسوس کرتا رہے کہ اس سے غلطی ہوئی ہے۔ اللہ کریم سے معافی چاہتا رہے تو اللہ بے حد کریم ذات ہے اور اگر کوئی اس احساس کو غالب نہ رکھے تو وہ بھی ایسا بے نیاز ہے کہ توبہ کی توفیق ہی نہیں دیتا۔

احساس ندامت کامل جانا اللہ کا بہت بڑا احسان ہے خطا کے بعد احساس کا زندہ ہو جانا اور توبہ کا خیال آ جانا خواہ وہ عندالموت ہی ہو تب بھی مومن کی توبہ عندالموت بھی قبول ہو جاتی ہے لیکن کافر کی توبہ برزخ منکشف ہونے کے بعد قبول نہیں ہوتی کہ مومن کے پاس ایمان بالغیب ہوتا ہے اور کافر کے پاس ایمان بالغیب نہیں ہوتا۔ اور ایمان بالغیب ہی مقصود ہے ایمان کا تقاضا ہے اور جن لوگوں کا ایمان پر خاتمہ نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ عذاب تو بہت تکلیف دہ چیز ہے اور جب اسے اللہ کریم دردناک کہہ دیں عذاب کو بڑھا دیں تو کس میں اس کو أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾ برداشت کرنے کی سکت ہے۔ اللہ اس سے پناہ میں رکھے۔

خواتین کے حقوق:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾

فرمایا یہ بات حلال نہیں کہ تم زبردستی ان کے مالک بن جاؤ ان کے اختیار و اقتدار یا ان کی جان کے زبردستی مالک بنا جائز نہیں۔ اے ایمان والو، یہ تم پر حلال نہیں ہے کہ عورتوں کے جان و مال کے زبردستی مالک بن جاؤ۔ اللہ کریم نے معاشرے میں مرد اور عورت کو برابر کا انسان بنا کر کھڑا کیا ہے۔ انتظامی امور میں دونوں کے فرائض جداگانہ ہیں اور مردوں کو عورتوں پر قوام بنایا ہے اور عورتوں کو مردوں کی حفاظت میں رکھا ہے اس طرح مرد کے مقابل عورت کی

حیثیت ثانوی ہے۔ مرد اس کی اس ثانوی حیثیت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس رویئے کو ناجائز کہا گیا ہے کہ کسی مرد کے لئے یہ حلال نہیں کہ وہ عورت کو کمزور سمجھ کر اس کی ملکیت کو جبراً ہتھیا لے۔ مردوں کو آخرت کی جوابدہی کا احساس دلا کر فرمایا کہ کسی مرد پر یہ حلال نہیں کہ وہ عورت کی اس ثانوی حیثیت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اُن پر جبر کرے۔ ہمارے ہاں اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جبری شادیاں کی جاتی ہیں، مال ودولت چھین لیا جاتا ہے، بیٹیوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا جو خواتین کاروبار کرتی ہیں، ان کے بھائی یا خاوند زبردستی ان سے مال لے لیتے ہیں۔ فرمایا، لَا یَحِلُّ یہ قطعاً حلال نہیں اس کا کوئی جواز نہیں ان کی ملکیت ان کی اپنی ہے جو حق اللہ نے انہیں دیا ہے یہ حق ان کا اپنا ہے۔ معاشرے میں یہ تمام جبر جو خواتین پر روا ہے اس میں والدین کا بھی ہاتھ ہے۔ وہ بڑے ناز و نعم سے پالتے ہیں لیکن شادی کے وقت ان کا حق بھول جاتے ہیں۔ شرعی فائدہ یہ ہے کہ بیٹی کے اس حق کی پاسداری کی جائے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ کیا وہ اس نکاح پر اپنی مرضی سے راضی ہے جو اس کے لئے والدین نے تجویز کیا ہے۔ والدین کا فرض ہے کہ اچھا رشتہ تلاش کریں لیکن جس نے زندگی گزارنی ہے اس کی رائے ضرور لی جائے۔

یہ مفروضہ غلط ہے کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں:

شادی کارڈ پر یہ لکھا جاتا ہے کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں اور زمین پر ان کی خوشی منائی جاتی ہے۔ بنیادی طور پر یہ بات غلط ہے۔ اسلام میں جن امور کے لئے شریعت کی واضح ہدایات ہیں وہ امور انسانوں کے کرنے سے منعقد ہوتے ہیں۔ اگر جوڑا آسمان پر بنا تو پھر دنیا میں رشتے میں ہم آہنگی تلاش کرنا، لڑکے لڑکی کا ایجاب وقبول کرنا کیا معنی۔ اگر لڑکی اجازت نہ دے تو نکاح نہیں ہوسکتا اگر مرد قبول نہ کرے تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ دونوں کی رضامندی لازمی ہے تو پھر جوڑے آسمانوں پر بننے کا کیا مطلب، یہ عیسائیوں کا چھوڑا ہوا شوشہ ہے ہمارے ذہن میں غلامی بسی ہوئی ہے ہم عیسائیوں کی باتوں کو پسند کرنے میں دیر نہیں لگاتے۔

اللہ کریم نے ہر متنفس کو حقوق بھی دیئے ہیں اور اس کے ذمے کچھ فرائض بھی لگا دیئے ہیں۔ معاشرے میں توازن تب ہی قائم رہتا ہے جب ہر فرد اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی پوری کوشش کرے۔ اگر خواتین پر ذمہ داریاں ڈال دی جائیں اور ان کے حقوق انہیں نہ دیئے جائیں تو معاشرہ تباہ ہوجاتا ہے۔ خواتین کے معاملے میں تو معاشرے میں اتنی بے اعتدالی ہے کہ مردوں نے طے کرلیا ہے کہ جو فیصلہ وہ چاہیں ان پر مسلط کر دیں۔ اللہ کریم فرمارہے ہیں اے ایمان والو، یہ تم پر حلال نہیں کہ عورتوں کے جان ومال کے زبردستی مالک بن جاؤ۔ ہرگز ایسا نہ کرنا، ان کی جان اور ان کی ملکیت ان کی اپنی ہے۔ والدین کی وراثت ان کی اپنی ہے۔ تم ان سے جبراً نہیں لے سکتے۔ ہم نے تو بچیوں کو

یوں بے بس کر دیا ہے کہ وہ اپنے حصے کا مطالبہ بھی نہیں کرتیں انہیں پتہ ہے کہ کسی نے ان کا حصہ نہیں دینا تو مطالبہ کر کے تعلقات کو کیوں خراب کریں لیکن یہ بات جائز نہیں۔

عورتوں کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ جو کچھ تم نے انہیں دیا ہے اس میں سے کوئی حصہ وصول کرلو۔ وَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ لِتَذۡهَبُوۡا بِبَعۡضِ مَاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ سوائے اس کے عورتیں کوئی صریح ناشائستہ حرکت کریں۔ اگر مرد و عورت میں ناچاقی ہو جائے اور بات یہاں تک پہنچ جائے کہ گزارہ نہ ہو سکتا ہو تو بھی تم جو کچھ ان کو نکاح کے وقت دے چکے ہو مال و دولت یا جائیداد دے چکے ہو وہ واپس مت لو اس لئے کہ وہ خاتون کی ملکیت بن چکی ہے۔ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ ہاں ایسی صورت ہو کہ وہ بے حیائی کے کاموں میں ملوث ہو جائے یا بے حیائی پر خرچ کرے اور مال کو غلط طور پر ضائع کر رہی ہو تو پھر اس پر قانون لاگو ہو گا اور اس سے قانوناً سب کچھ واپس لے لیا جائے گا تاکہ معاشرے کو فساد سے روکا جائے اور بے حیائی سے روکا جائے۔

عورتوں کیساتھ گزر بسر کے اصول:

وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ عورتوں کے ساتھ خوبصورتی کے ساتھ گزارہ کرو، انہیں رعیت نہ بنالو ان پر حکومت نہ کرو برابر کی انسان ہیں جو حقوق اللہ نے انہیں دیئے ہیں ان کا لحاظ کرو اور احساس رکھو کہ یہ بھی ایک جیتا جاگتا انسان ہے، جس کی کچھ خواہشات اور کچھ تمنائیں ہیں۔

ہمارے تمام خانگی فسادات کی بنیاد یہ بات ہے کہ ہم یہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے کہ بیوی، بیٹی، بہن اور والدہ بھی ایک انسان ہیں۔ انسانی جذبات و احساسات کی حامل ہیں۔ ان کو بھی اللہ نے کچھ حقوق دیئے ہیں اگر انہیں وہ جائز حقوق دے دیئے جائیں ان کی عزت نفس کا پاس رکھا جائے اسے مجروح نہ ہونے دیا جائے تو خانگی فسادات ختم ہو سکتے ہیں۔ فرمایا، وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ عورتوں کے ساتھ خوبصورتی سے نبھاؤ اچھے طریقے سے نبھا کرو ان کی عزت نفس کو پامال ہونے سے بچاؤ ان کے وسائل اور ان کا مال نہ چھینو ان کی جان کو کسی مصیبت میں نہ ڈالو۔ اگر تمہیں وہ ناپسند ہوں ان میں کوئی ایسی بات ہے جو تمہیں ناپسند ہے تو ہو سکتا ہے کہ فَاِنۡ كَرِهۡتُمُوۡهُنَّ فَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـًٔـا وَّيَجۡعَلَ اللّٰهُ فِيۡهِ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ﴿۱۹﴾ جو چیز تمہیں پسند نہیں اس میں اللہ نے تمہارے لئے خیر کثیر رکھی ہو۔ یہ ضروری تو نہیں ہے کہ جسے تم بھلا سمجھتے ہو وہی بھلا ہو۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ یہ بیوی تمہیں پسند نہیں ہے تو تمہاری پسند اپنی جگہ لیکن تم اگر برداشت کرلو حسن اخلاق سے اس کے ساتھ گزارا کرلو تو ہو سکتا ہے اللہ نے اس فرد میں اسی خاتون میں تمہارے لئے خیر کثیر رکھی ہو بہت سی بہتری رکھی ہو۔

مرزا جان جاناںؒ دہلی میں رہتے تھے وہیں شہید ہوئے۔ بے حد نازک اور نفیس مزاج کے حامل تھے۔ ان کا ایک مرید باقی لوگوں کی نسبت زیادہ اور بھر بھر کر کھاتا تھا۔ اس کی اس عادت کے بارے جان کر انہیں اتنی کوفت ہوتی کہ ان کا پیٹ خراب ہو جاتا اور ہفتوں خراب رہتا۔ بہادر شاہ ظفر انہیں ملنے گیا۔ ان کی محفل میں پہنچا۔ وہاں سب ہی خاموشی سے بیٹھے ہوئے تھے۔ بادشاہ کو پیاس لگی اس نے گھڑے سے پانی پیا اور پیالہ واپس گھڑے پر رکھ دیا۔ مرزا جان جاناںؒ نے دیکھا تو انہیں بڑی کوفت ہوئی۔ بادشاہ نے پیالہ تھوڑا سا ٹیڑھا رکھ دیا۔ فرمانے لگے تم سے گھڑے پر پیالہ تو سیدھا رکھا نہیں جاتا حکومت کیا خاک کرو گے اٹھا کر اسے سیدھا کرو جیسا تھا ویسے رکھو۔

اتنے نازک مزاج ہونے کے باوجود اہلیہ محترمہ سے گزارہ کر رہے تھے۔ اہلیہ محترمہ بڑی سخت مزاج تھیں۔ پوری زندگی ان کی حضرت سے بنی نہیں۔ غصے میں حد سے گزر جاتیں۔ تندو تیز زبان و لہجہ اختیار کرتیں اور بعض اوقات پردے سے باہر آکر کوسنے دیتیں۔ ایک مرتبہ ایک کابلی مرید حاضر تھا حضرت نے اسے گھر کچھ لینے کے لئے بھیجا وہ جب گھر پہنچا تو بی بی جی کا پارہ چڑھ گیا۔ انہوں نے پٹھان کو سخت الفاظ کہے اور حضرت کی شان میں گستاخانہ جملے کہے تو پٹھان بھی آپے سے باہر ہو گیا اس نے خنجر نکال لیا کہ پیر صاحب کی گستاخی برداشت نہیں کرے گا۔ حضرت کو پتہ چلا تو اسے فرمایا، تم خاموش رہو یہ میرا اور اہلیہ کا معاملہ ہے۔ کسی نے عرض کی کہ آپ اتنے حساس ہیں، معمولی باتوں کا اتنا اثر لیتے ہیں اور کوفت میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو آپ ایسی خاتون سے کیسے گزارہ کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اس کی سخت مزاجی سے مجھے جو کوفت ہوتی ہے تجھے کیا خبر کہ اس کوفت کے بدلے اللہ مجھے کتنی روحانی ترقی دے گا، اسے چھوڑ دوں تو ترقی درجات کا قرب الٰہی میں زیادتی پانے کا یہ ذریعہ نہیں رہے گا۔ یہ خاتون مجھ پر اللہ کی عطا کا ایک سبب ہے۔ صبر کرتا ہوں اسے برداشت کرتا ہوں تو اللہ مجھ پر قرب کی کیفیات کی بارش برسا دیتا ہے۔ یہ اہلیہ مجھے اس سبب سے عزیز ہے اس کے اپنے نصیب ہیں اسے اپنا کام کرنے دو لیکن میرا تو فائدہ ہی کرتی ہے۔

فرمایا بعض اوقات کسی میاں کو اپنی بیوی پسند نہیں ہوتی اس کے باوجود اسے طلاق نہ دے اور دونوں خاندانوں کو تباہی سے بچالے، برداشت کرلے کہ ہو سکتا ہے جو اسے پسند نہیں اس میں اللہ نے بہتری رکھ دی ہو۔ اس معاملے کو اللہ کے ساتھ نیک امید کے ساتھ رکھنا چاہیئے اللہ سے خیر کی اور بہتری کی امید رکھنی چاہیئے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ اگر بات حد برداشت سے بڑھ جائے اگر تم گزارہ نہیں کر سکتے تم چاہتے ہو کہ اس خاتون کو طلاق دے کر کسی اور خاتون سے شادی کر لو اور طلاق بھی دینا چاہتے ہو تو پھر حساب کتاب پر نہ آجاؤ کہ اتنا زیور دیا تھا وہ واپس کردو، کپڑے سامان دیا تھا **وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْــًٔا** وہ واپس کرو یا مکان بنا کر دیا تھا وہ واپس کرو۔ اول تو طلاق ہی دونوں خاندانوں میں رنجش کا

سبب بنے گی کہ طلاق ناپسندیدہ فعل ہے پھر اگر مال بھی چھینو گے تو تلخی اور بڑھے گی جو دے چکے ہو خاتون کی ملکیت ہے۔ اب خواہ مخواہ خاتون پر الزام لگا کر مال چھیننے کے بہانے نہ کرو۔ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ⑳ جو دے چکے ہو اسے چھوڑ دو۔ حسن معاشرت بہت اچھا ہے، بہت بڑی بات ہے اور عند اللہ بہت مقبول امر ہے کہ تم اس طرح جیو کہ معاشرے میں امن وسکون رہے۔ بیبیوں سے اچھی طرح گزارہ کرو۔ اقرباء سے رشتہ داروں سے، محلے داروں سے بہتر طریقے سے گزارہ کرو۔ برداشت کرو اور بات جب حد برداشت سے بڑھ جائے اور الگ ہونا ضروری ہو جائے تو بھی بگاڑ پیدا کر کے فساد بڑھا کر الگ نہ ہو یعنی معاشرے میں، قبیلے میں اور خاندان میں فساد پیدا کرنا ناپسندیدہ بات ہے۔ بہتان لگا کر عورت سے اس کی ملکیت میں دیا گیا مال واپس لینا درست نہیں جس اللہ نے پہلے دیا تھا اسی سے امید رکھو آئندہ بھی دے دے گا وہ رحیم وکریم ہے بہتر ساتھ بھی دے دے گا اور تمہاری خطائیں بھی معاف کر دے گا۔

وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ㉑

میاں بیوی کا رشتہ اتنا قریبی ہے کہ ان دو افراد میں آپس میں کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ جب آپس میں اتنا قریبی رشتہ ہو جائے پھر اسے توڑتے ہوئے کچھ لحاظ اس بات کا رہنا چاہئے کہ اتنا بگاڑ نہ پیدا ہو جائے کہ بات قتل وغارت پر آجائے اور یہ نہ بھولو کہ کبھی آپس میں اتنی قربت ہوئی تھی اور آپس میں کتنے وعدے کئے تھے اور سب سے بڑا وعدہ نکاح ہے جو تم نے اللہ کے نام پر کیا تھا اس نام کی بدولت وہ خاتون تم پر حلال کی گئی تھی اور تم اس پر حلال کئے گئے تو عظمت الٰہی کا اپنے قول وقرار کا کچھ پاس رکھو اگر جدا ہی ہونا ہے تو بہتر طریقے سے شریفانہ طریقے سے جدا ہو جاؤ۔

نسب کا تحفظ:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ㉒ معاشرے میں خرابیوں کی جہاں بہت سی وجوہات ہیں وہاں مرد وخاتون کے تعلقات میں حدود وقیود کا لحاظ نہ رکھنا اور رشتوں کے تقدس کی حفاظت نہ کرنا ایک بہت بڑا سبب ہے۔ انسانوں کی پہچان ہی نسب سے ہوتی ہے۔ وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا (الحجرات: 13) خاندان اور قبیلے حسب نسب سے پہچانے جاتے ہیں اگر نسب ہی نہ رہے تو خاندان نہیں رہتے قبائل نہیں رہتے اور جب یہ رشتے ٹوٹتے ہیں تو ہر فرد اکیلا اکیلا ہو جاتا ہے۔ مغرب نے جب رشتوں کے تقدس کو پامال کیا تو انسانی فطرت کو قائم نہ رکھ سکا۔ اخلاقیات کا جنازہ نکل گیا۔ عفت، عزت، آبرو، شرم وحیا، پاکیزگی حسب نسب یہ سب ان کی معاشرتی زندگی سے غائب ہو گئے صرف جنس کا رشتہ

رہ گیا یا مال کا رشتہ رہ گیا نتیجتاً ہر شخص، ہر فرد اکیلا اکیلا جی رہا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے امریکہ میں ایک کتاب بے حد مقبول ہوئی بلکہ اس سال کی سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب تھی اس کا نام تھا۔ THE LONELY CROWD یعنی اکیلے اکیلے افراد کا انبوہ۔ گویا آبادی تو بہت ہے لیکن کسی کا کسی سے کوئی رشتہ نہیں کوئی تعلق کوئی احترام نہیں۔

رشتوں میں احترام انسانیت کی بنیاد ہے:

انسان چونکہ تخلیقی طور پر مدنی الطبع ہے، مل جل کر رہنے پر پابند ہے اس کا مزاج بھی ایسا ہے اور اس کی ضروریات بھی ایسی ہیں کہ ایک دوسرے پر انحصار کرتی ہیں۔ ان میں اگر احترام وتقدس نہ رہے تو پھر رشتے نہیں رہتے صرف تعلق رہ جاتا ہے۔ دولت کی بنیاد پر رشتے ہوں تو کاروباری تعلقات ہوتے ہیں۔ رشتے جب جذبات کی بنیاد پر بنتے ہیں تو ان میں صلہ رحمی، محبت، مروت احترام باقی رہتا ہے۔ دوستی، لڑائی اور پھر صلح ہوتی ہے۔ اگر مفادات کی بنیاد پر تعلقات ہوں تو وسائل پر چھینا جھپٹی ہوتی ہے جو معاشرے کی تباہی کا سبب بنتی ہے۔ رشتوں میں سے جب تقدس اٹھ جائے باپ اور بیٹوں میں تقدس نہ رہے، بھائیوں میں تقدس نہ رہے۔ ماں اور اولاد میں رشتے کا تقدس نہ رہے، لوگوں میں جذباتی وابستگی نہ رہے صرف سرمائے سے ہر چیز خریدی جائے تو پھر انسانی معاشرہ پنپ نہیں سکتا۔ وہ معاشرہ انسانی نہیں ہوتا بلکہ حیوانوں جیسے تعلقات ہوتے ہیں۔ ہر کوئی اپنی غرض پوری کرنے کے لئے دوسروں کے حقوق تباہ کرتا ہے۔

انسانی معاشرے کو اس صورتحال کا سامنا تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اس وقت حالات بہت ابتر تھے۔ عرب بہت زیادہ شادیاں کرتے اور جب وہ مرتے تو ان کے مال اور جائیداد کے ساتھ ان کی بیویاں بھی اولاد میں تقسیم ہو جاتیں۔ یوں بیٹوں کی بیویاں بن کر زندگی گزارنی پڑتی۔ معاشرے کی گراوٹ اور ذلت کا یہ معیار تھا اور رشتوں کا تقدس ختم ہو چکا تھا۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کر کے اور قرآن حکیم کو نازل کر کے اللہ کریم نے عالم انسانیت کو اوج ثریا پر پہنچا دیا۔ وہ اصول وہ قوانین وضابطے عطا کئے جو تمام زمانوں کے لئے قابل عمل ہی نہیں بلکہ بہترین اور آسان ترین ہیں۔ فطرت کے تمام تقاضوں کو یہ احسن طریقے سے پورا کرتے ہیں اور انہیں اختیار کرنا ضروری ٹھہرا دیا تا کہ معاشرے کے اقدار زندہ رہیں۔

اقدار کو زندہ رکھنے کیلئے عقیدہ آخرت پر یقین:

فرد کو ذمہ دار بنانے کے لئے اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ آخرت کا ہے کہ صرف یہ زندگی نہیں ہے کہ یہ ہمیں

مل گئی ہے کسی نہ کسی طریقے سے جائز ناجائز وسائل اکٹھے کر کے بہترین رہائش اختیار کر لیں، خواہشات نفس کو بڑھا چڑھا کر ان کی تکمیل کے جائز و ناجائز اسباب اکٹھے کر لیں اور زندگی مزے سے بسر ہو جائے۔ یہ زندگی صرف بسر نہیں ہوگی بلکہ اس کا اختتام ایک نئی زندگی کی ابتدا ہوگی۔ جب یہ زندگی ختم ہوگی تو ایک نہ ختم ہونے والی زندگی شروع ہو جائے گی جس کا مدار ہماری دنیا کی زندگی پر ہوگا، ہمارے اس کردار پر ہوگا کہ اس عارضی اور وقتی زندگی میں ہم نے کیا کیا کس طریقے اور کس ضابطے کے تحت کیا۔ اسلام یہ احساس و یقین عطا کرتا ہے کہ آخرت کا مدار دنیا کی زندگی پر ہے، ایمان اسی زندگی میں قبول کیا جا سکتا ہے۔ وہ اعمال اسی زندگی میں بجا لانے ہیں جن پر آخرت کا مدار ہے۔ اس زندگی میں جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کر کے معاشرے کی تباہی کا سبب بنے گا۔ اس کی اُخروی زندگی بھی درست نہیں ہوگی اور اس کا یہ عمل دنیا میں بھی فساد کا باعث بن کر بہت بڑا جرم قرار پائے گا۔ جیسا کہ اللہ کریم نے دوسری جگہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا۔ وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ (الاعراف:56) اور وَالۡفِتۡنَةُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ ۚ (البقرہ:191) اللہ کریم نے اس کائنات کو انسان کے لئے مسخر کر دیا ہے۔ دنیا کو اس کی رہائش گاہ بتایا ہے۔ دنیا کی تمام اشیاء اور زمین و آسمان کی تمام تخلیقات اس کی خدمت پر مامور کر دی ہیں۔ تمام نعمتوں کو اسی کے استعمال کے لئے پیدا کیا ہے۔ انسان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اللہ سے اتنا بلند مقام پا کر لوگوں کے حقوق دبائے اور دنیا میں فساد برپا کرے۔

دنیا میں فساد کا سبب انسانی کردار ہے:

قرآن حکیم میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ بِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِى النَّاسِ (الروم:41) کہ زمینوں اور سمندروں میں خشکی اور تری میں فساد پیدا ہونے کا سبب انسانی اعمال ہیں۔ سمندر آبادیوں پر چڑھ دوڑتے ہیں، سیلاب آ جاتے ہیں، پانی اتنا برستا ہے کہ دریا کناروں سے باہر آ جاتے ہیں، سینکڑوں ہزاروں لوگ غرق ہو جاتے ہیں اور کہیں زمین پر آگ برستی ہے، پہاڑ آگ اگلتے ہیں، لاوے بہنے لگتے ہیں۔ انسان آپس میں لڑتے ہیں ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں ان تمام تباہی کا بنیادی سبب انسانی کردار ہے اور لوگوں کے اعمال بد ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ اگر انسانی کردار آفات سماوی کا سبب بن سکتا ہے تو پھر انسانی معاشرے میں اس کا یہ کردار کس قدر تباہی کا سبب بنتا ہوگا۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ جب فساد کا علاج دینی قوانین اور دینی اصولوں کی پاسداری کرنا بنایا جاتا ہے تو ملک کا وہ طبقہ جو خود کو روشن خیال دانشور سمجھتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ یہ تو قدامت پسند ہیں، انسانیت کی ترقی کے خلاف ہیں اور ملک کو ترقی کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے۔

انسانی معاشرے کی ترقی کا سبب قرآن حکیم کے آفاقی اصول:

انسانی معاشرے کی ترقی کسے کہا جائے گا؟ دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ معاشرے میں دولت کافی ہو ہر بندہ آسودہ حال ہو لیکن اس کی کوئی اقدار نہ ہوں کوئی کسی کا نہ بھائی ہو نہ بیٹا نہ کوئی کسی کا احسان مند ہو، نہ کسی کی طرف داری کرے نہ کسی کے سکھ میں خوش ہو، نہ کسی کے دکھ کو محسوس کرے۔ کیا یہ انسانی معاشرے کی ترقی ہوگی کہ انسانی اقدار ضائع ہو جائیں اور ہر بندے کے پاس دولت وافر ہو۔ کیا اسے انسانی معاشرے کی ترقی کہیں گے کہ انسان حیوان بن جائے، پیٹ بھر کر کھائے، آرام سے رہنے کو جگہ تلاش کر کے اسی تگ ودو میں زندگی ختم کر جائے۔

انسانی معاشرے کی ترقی یہ ہے کہ بنی آدم میں جو انسانیت ہے وہ عروج پائے۔ انسان ایک دوسرے کا دکھ درد بانٹنے والے ہوں، حقوق وفرائض کے پابند ہوں۔ اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھتے ہوں اپنے فرائض ادا کریں اور اپنے حقوق تک محدود رہیں۔ دوسرے کے حقوق تلف نہ کریں نہ اس کے حدود میں مداخلت کریں یہی انسانی معاشرے کی خوشحالی کا سبب بن سکتا ہے۔

اگر صرف سرمائے کی کثرت کو ترقی کا سبب سمجھا جائے تو یاد رکھیں سرمایہ کبھی مساوی تقسیم نہیں ہوتا۔ سرمایہ دارانہ نظام کے نتائج سے تاریخ کے صفحات پُر ہیں جس میں چند لوگ امیر ترین ہوتے ہیں اور اکثریت ان کے رحم وکرم پر ہوتی ہے۔ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہوتی ہے اور عوام الناس ضروریات زندگی سے محروم ہوتے ہیں۔

اسلام کے قوانین اور ضابطے ہی ترقی کے ضامن ہیں۔ اس زمانے میں جب ترقی اور انسانی حقوق وفرائض کا تصور بھی نہیں تھا۔ اس زمانے میں اسلام نے ایسے لافانی ضابطے دیئے جو قیامت تک کے لئے مسلمہ ہیں اور ان میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ یہ آسان کام نہیں تھا کہ صحرائے عرب میں بیٹھ کر روئے زمین کے لئے اصول مرتب کئے جائیں جبکہ انسانوں کی زبانیں مختلف مزاج مختلف غذائیں، مختلف خطے، علاقے اور موسم مختلف ہیں لیکن چونکہ سب ہی انسان آدمؑ کی اولاد ہیں تو انسان ہونے میں سب کی ضروریات مشترک ہیں اور تکمیل کے ذرائع بھی مشترک ہیں۔ قرآن حکیم نے ایسے لافانی اور ابدی اصول دیئے جو اپنے نزول سے لے کر قیامت تک کے لئے ساری انسانیت کے لئے رہنما ہیں اور معاشرے کی تعمیر وترقی کی بنیاد ہیں۔

اس وقت دنیا کے حالات دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ مسلمان اسلام اسلام کی رٹ تو لگاتے ہیں اور اس بات پر اتراتے بھی ہیں کہ ان کے پاس معاشی، معاشرتی اور اخلاقی اقدار ایسی ہیں جو قیامت تک کی انسانیت کے لئے مشعل راہ ہیں لیکن آج کے مسلمان عملی دنیا میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں اور وہ قومیں جو ایمان نہیں لائیں وہ دنیا میں بہت آگے

نکل گئی ہیں۔ قوت، طاقت، ٹیکنالوجی، حکومت وسیاست میں اقوام عالم پر چھا گئی ہیں۔ روئے زمین پر پھیلے مسلمانوں کو یہ غیر مسلم اقوام کھلونا بنائے ہوئے ہیں اور مسلمان مظالم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ اس کی وجہ تلاش کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ہم اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بہت دور ہو چکے ہیں اور اقوام عالم نے حضور ﷺ کے دیئے ہوئے ضابطوں کو اپنی دنیاوی بہتری کے لئے استعمال کیا ہے ورنہ اقوام مغرب کو مورخ وحشی اور اجڈ لکھتا ہے۔

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو چھٹی ساتویں صدی کا سنگم تھا۔ یورپ میں تہذیب یا معاشرہ نام کی کوئی چیز نہیں تھی لوگ مکان بنانا نہیں جانتے تھے۔ اخلاقیات یا انسانیت کی ان میں کوئی رمق باقی نہیں تھی آج جو اقوام مسلمانوں کو غیر مہذب کہتی ہیں ان کو انہی کا مورخ The wild wild west اور The cave man لکھتا ہے۔

چھٹی ساتویں صدی میں اسلام نے ایسے اصول وتمدن دیئے جو مزاج انسانی کے عین مطابق تھے معاشرے کی ضرورت تھی۔ اس وقت انسانیت ظلم وجور تعدی اور بے راہ روی کے زخموں سے کراہ رہی تھی جب اسلام کا مرہم نصیب ہوا تو لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے اور نصف صدی میں معلوم دنیا کے تین تہائی حصے پر اسلامی قوانین، اسلامی ضابطے، اسلامی تہذیب وتمدن اور اسلامی حکومت قائم ہو گئی۔ لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے تو انصاف، امن، رواداری، محبت واخوت کا رواج ہوا۔ ان اقوام نے جو ایمان نہیں لائی تھیں جن میں سرفہرست یہود ونصاریٰ تھے۔ انہوں نے غور کیا کہ اسلام نے ایسے کون سے قوانین اور ضابطے دیئے ہیں جن کی بدولت انسانیت چین اور سکون ترقی اور بہتری کے راستے پر گامزن ہوئی۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو تو تسلیم نہیں کیا۔ قرآن پر ایمان نہ لائے۔ آخرت سے تو بیگانہ رہے، نور نبوت سے آشنا نہ ہو سکے، نور ایمان نصیب نہ ہوا لیکن انہوں نے اسلام کی ظاہری تعلیمات، معاشرتی کاروباری، سیاسی، معاشی واخلاقی نظام کا مطالعہ ضرور کیا اور اس پر اپنے حالات استوار کئے اور اسلامی اصولوں کو اپنا کر اپنی زندگیاں سنوار لیں اور مادی ترقی کے شہسوار بن گئے۔ یہ اللہ کا قانون ہے کہ جو بھی اچھی صحت مند غذا کھائے گا، اس کی صحت اچھی ہو گی خواہ وہ غذا مومن کھائے یا کافر دنیوی فائدہ دونوں کو ہو گا۔ مومن کو اُخروی فائدہ اس کے ایمان کے سبب ہو گا وہ اللہ کی عطا سمجھ کر کھائے گا، اس نعمت کے لئے اللہ کا شکر گزار ہو گا اس سے حاصل شدہ طاقت کو نیک کاموں پر خرچ کرے گا۔ کافر کا چونکہ آخرت پر ایمان نہیں لہٰذا اُخروی اجر سے محروم رہے گا لیکن دنیوی فوائد اسے ضرور حاصل ہوں گے۔ اہل مغرب نے اسلام کے ضابطے تجارت، کاروبار اور تمدنی سماجی ذمہ داریوں میں استعمال کئے اور لین دین سے لے کر معاشرتی تعلقات تک ان اصولوں کی روشنی میں

اور تمدنی سماجی ذمہ داریوں میں استعمال کئے اور لین دین سے لے کر معاشرتی تعلقات تک ان اصولوں کی روشنی میں قائم کئے اور اس کے دنیوی فوائد سے آج وہ پوری طرح مستفید ہو رہے ہیں اور ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ صدیوں کے فاصلے ہمیں بارگاہ نبوت کی روشنی سے دور لے گئے اور ہم دنیا کے اندھیروں میں بھٹک کر ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے اہل مغرب کی پیروی کرنے پر آنکلے اور پیروی بھی کی تو ان کے اخلاق واطوار کی کی۔ ان شعبوں میں پھر بھی پیروی نہیں کی جس میں مغرب نے اہل اسلام کی نقل کر کے کامیابی اور عروج پایا۔

مغرب میں بھی جہاں ترقی ہوئی انہی شعبوں میں ہوئی جہاں انہوں نے اسلامی قوانین وضابطے اپنائے اور جن شعبوں میں انہوں نے اسلام کے اصول نہیں اپنائے وہاں وہ آج بھی پس ماندگی کا شکار ہیں۔ نکاح وطلاق کے اسلامی قوانین انہوں نے اپنے ہاں رائج نہیں کئے مرد وعورت کے رشتے کو وہ تقدس اور پاکیزگی انہوں نے نہیں دی جو اسلام نے دی ہے تو ان کی سوسائٹی کیا ہو چکی ہے۔ آج ان کے اپنے دانشور یہ کہتے ہیں کہ وہ آج چاہیں بھی تو عورت کو واپس سدھار کی طرف نہیں لا سکتے ان کے ہاتھ سے یہ بات اب نکل چکی ہے۔ اسی طرح اہل مغرب نے معیشت میں سود کو رواج دیا جسے اسلام اتنے سو سال پہلے معیشت سے خارج کر چکا تھا اور اسلامی معیشت مضبوط بنیادوں پر پھل پھول رہی تھی۔ تو آج یورپ اور امریکہ میں سود کے نتائج بھی ہر کسی کے سامنے ہیں کس طرح ان کی معیشت بیٹھ رہی ہے اور بے روزگاری کا کیا عالم ہے۔ سینکڑوں ایسے ہیں جن کے پاس محل ہیں اور ہزاروں ایسے بھی ہیں جو راتیں سڑک کے کناروں پر بسر کرتے ہیں۔ امریکہ جیسے ملک میں کسی کا اپنا گھر ہونا بڑی غنیمت ہے، زندگی بھر لوگ وہاں گھر کے بغیر گزارہ کر جاتے ہیں اور گاڑی، فرنیچر اور گھریلو استعمال کی اشیاء سے لے کر مکان تک سود کی قسطوں پر لیتے ہیں۔ بہت کم خوش نصیب ہیں جنہیں گھر بھی نصیب ہے ہزاروں لوگ آج بھی نیویارک اور لندن کے فٹ پاتھوں اور پلوں کے نیچے رات بسر کرتے نظر آتے ہیں۔ تو جہاں جہاں اہل مغرب نے اسلامی ضابطہ کو نہیں اپنایا وہاں وہاں وہ بھی بہت رسوا ہیں۔

یوں اللہ کریم نے زندگی کے ہر شعبے میں وہ اصول دیئے ہیں جو انسانیت کے تمام تقاضے بہ احسن پورے کرتے ہیں اور تمام انسانیت کے لئے کامیابی کی ضمانت ہیں۔ اس آیت میں عورت اور مرد کے تعلق پاکیزگی نسب کی اہمیت بتائی گئی ہے۔ بقاء نسل انسانی کے لئے جائز اور حلال طریقے سے نکاح کرنا اور نکاح کی شرائط بیان ہوئیں اور اس قبیح رسم کا یوں قلع قمع ہوا فرمایا، وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ظہور اسلام سے پہلے جو گزر چکا سو گزر چکا لیکن قبول اسلام کے بعد جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہے۔ ان

فقہا فرماتے ہیں کہ والد کا صرف نکاح کر لینا کافی ہے اگر کسی خاتون سے والد نے نکاح کر لیا اور خلوت صحیحہ نہیں ہوئی اور علیحدگی ہو گئی تب بھی وہ خاتون بیٹے پر حلال نہیں بلکہ اس کی تفصیل میں یہاں تک لکھا ہے کہ کوئی شخص کسی خاتون سے ناجائز تعلق رکھتا ہے تو بھی وہ خاتون اس کے بیٹوں پر حرام ہو جاتی ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ بہت بے حیائی کی بات ہے اور بڑی نفرت انگیز حرکت ہے اور بہت غلط راستہ ہے جس سے انسانی نسب تباہ ہو جاتا ہے۔ انسان کی پہچان کھو جاتی ہے کہ کون کون ہے اور کسی شخص کی نسبی شناخت متعین کرنا ممکن نہیں رہتا لہٰذا یہ بہت بے حیائی کی بات ہے اور بہت ہی برا طریقہ ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾ تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے (یعنی انا) اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے ہیں اور تمہاری بیبیوں کی مائیں اور تمہاری بیبیوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری پرورش میں رہتی ہیں ان بیبیوں سے کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو اور اگر تم نے ان بیبیوں سے صحبت نہ کی ہو تو تم کو کوئی گناہ نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیبیاں جو کہ تمہاری نسل سے ہوں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو (رضاعی ہوں یا نسبی) ایک ساتھ رکھا لیکن جو پہلے ہو چکا بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے رحمت والے ہیں۔

محرمات کا بیان:

حرمت تین طرح کی ہے۔ ایک نسبی حرمت ہے۔ دوسری حرمت مصاہرت ہے تیسری حرمت رضاعت ہے۔ حرمت نسبی کی مثال یہ ہے جیسے والد کا نکاح جس خاتون سے ہو اس سے بیٹے کا نکاح حلال نہیں اور حرمت مصاہرت یہ ہے کہ جس خاتون سے نکاح کیا اس کی والدہ، نانی، خالہ، دادی، پھوپھی مصاہرت کی وجہ سے نکاح میں نہیں آسکتیں اور رضاعت کی حرمت یہ ہے کہ جس عمر میں بچے کی پرورش ماں کے دودھ پر ہوتی ہے اس عمر میں کوئی خاتون اس بچے کو دودھ پلا دے تو وہ خاتون اس بچے کی ماں کے حکم میں داخل ہو جاتی ہے۔ فقہاء نے رضاعت کا عرصہ کہیں دو سال بتایا ہے اور بعض فقہاء نے ڈھائی سال لکھا ہے۔ ڈھائی سال کے بعد رضاعت قائم نہیں ہوتی۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ تم پر تمہاری مائیں حرام ہیں اسی میں دادی نانی سب رشتے شامل ہیں۔ وَبَنٰتُكُمْ اور بیٹیاں اور بیٹوں ہی میں شامل ہیں۔ بہوئیں، نواسیاں، پوتیاں وَأَخَوٰتُكُمْ اور تمہاری بہنیں ان کی بھی نسبی حرمت ہے وَعَمّٰتُكُمْ اور تمہارے والد کی بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں وَخٰلٰتُكُمْ اور تمہاری والدہ کی بہنیں یعنی تمہاری خالائیں وَبَنٰتُ الْأَخِ تمہارے بھائیوں کی بیٹیاں یعنی تمہاری بھتیجیاں وَبَنٰتُ الْأُخْتِ اور بہن کی بیٹیاں یعنی بھانجیاں۔ یہ تمام رشتے حرمت نسبی میں آتے ہیں اور نسب کے اعتبار سے حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ أَرْضَعْنَكُمْ یہ رضاعت کی حرمت ہے۔

یعنی وہ رضاعی مائیں جنہوں نے تمہیں بچپن میں دودھ پلایا جس بچے نے دودھ پیا وہ اس خاتون کا بیٹا شمار ہوگا اور اس کی اولاد کے ساتھ اس کا نکاح نہیں ہو سکے گا لیکن صرف اسی ایک بچے کا جس نے اس کا دودھ پیا۔ اس کے دوسرے بہن بھائی جنہوں نے اس خاتون کا دودھ نہیں پیا ان کا نکاح اس کی اولاد کے ساتھ درست ہوگا لیکن جس بچے نے دودھ پیا ہے وہ اس کے رضاعی بہن بھائی ہو جائیں گے اور ان کے ساتھ نکاح درست نہیں ہوگا اس میں یہ شرط بھی نہیں ہے کہ ایک مرتبہ ہی دودھ پیا یا کئی مرتبہ رضاعی رشتہ صرف ایک بار دودھ پینے سے قائم ہو جاتا ہے۔ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ اور تمہاری دودھ شریک بہنیں جو رضاعت کی عمر میں دودھ شریک ہوں۔ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ اور تمہاری بیویوں کی مائیں جس خاتون سے نکاح ہوا اس کی والدہ، نانی اسی طرح کے رشتے تم پر حرام ہیں۔ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اور جن عورتوں سے تم نے نکاح کیا اور خلوت صحیحہ ہوگئی ان کی بیٹیاں خواہ ان کے پہلے خاوند سے ہوں وہ بھی تم پر حرام ہیں لیکن اگر نکاح ہوا مگر خلوت صحیحہ نہیں ہوئی اور طلاق ہوگئی تو پھر یہ حکم لاگو نہیں ہوگا۔ فقہا کے نزدیک خلوت صحیحہ یہ ہے کہ نکاح کے بعد علیحدگی میں بیٹھے، ملے، ہاتھ لگا یا شہوت سے محض چھولیا تو بھی خلوت صحیحہ قائم ہوگئی اور ان کی بیٹیاں حرام ہوگئیں۔ وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ اسی طرح تمہاری بہوئیں تم پر حرام ہیں جس خاتون سے بیٹے کا نکاح ہوا خواہ بعد میں اسے طلاق دے دی یا بیٹا فوت ہوگیا تو پھر بھی وہ بیٹے کے والد پر حلال نہیں۔ اس کے لئے وہ بیٹی کا درجہ رکھتی ہے۔ وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ ایک وقت میں دو بہنوں سے نکاح جائز نہیں ہاں ایک بہن کو طلاق دے دی ہو یا وہ فوت ہو چکی ہو تو دوسری بہن سے نکاح کر سکتا ہے لیکن اگر ایک بہن نکاح میں ہے تو اس کی موجودگی میں دوسری بہن سے نکاح حرام ہے۔

اسی طرح پھوپھی اور بھتیجے کا خالہ اور بھانجے کا نکاح نہیں ہوسکتا ہاں ظہور اسلام سے پہلے جو ہو چکا وہ ہو چکا۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾ اللہ کریم بہت بڑا بخشنے والا اور اپنی مخلوق پر بہت زیادہ رحم کرنیوالا ہے۔

اسلام کے قوانین انسانوں کیلئے رحمت ہیں:

اللہ کے عطا کردہ قوانین واحکام بندوں کی بھلائی کے لئے ہیں۔ ان کی ضرورت ازخود انسان کو ہے۔ انسانی معاشرے کو ہے، انسانی تہذیب کو ہے۔ یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے اتنے بہترین اصول وضوابط دیئے اور یہ اس کی رحمت ہے کہ نزول اسلام سے قبل اور قبول اسلام سے پہلے کے تمام جرائم کو اللہ کریم معاف فرما دیتے ہیں یہ اللہ کی بخشش ہے جس کی کوئی حد نہیں اور آج کا مسلمان یہی سمجھنے سے قاصر ہے کہ اسلام کے اصول، قوانین وضوابط اللہ کی رحمت ہیں اور مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ یہ پابندیاں بوجھ ہیں۔ معیشت میں سود سے روک دیا گیا ہے سیاست میں بددیانتی سے روک دیا ہے۔ معاشرت میں بھی ضابطے بنا دیئے گئے ہیں کہیں بھی کھلی چھٹی نہیں۔ حالانکہ انہی ضابطوں میں انسانوں کے لئے سکون ورحمت ہے۔ یہی ضابطے رحمت الٰہی کا مظہر ہیں جہاں بھی اُن کے خلاف ہوگا وہاں معاشرے میں تباہی آئے گی۔ معاشرتی اقدار تباہ ہوں گی۔ چھینا جھپٹی اور لوٹ مار ہوگی۔ انسان ایک دوسرے کو قتل کریں گے تباہ کریں اور باہمی دشمنی کا دور دورہ ہوگا۔

ہر طرح کی بدحالی کا علاج:

جس کا جتنا تعلق آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استوار ہوگا جتنا مضبوط ہوگا جتنا کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کو اپنے لئے نعمت سمجھے گا جتنا اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فخر کرے گا اتنی ہی برکات دنیا و آخرت میں سمیٹے گا لیکن اگر محض زبانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرتا رہے اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کے احکامات کی پرواہ نہ کرے اور اپنی مرضی کو ہی نافذ کرے تو پھر نتائج کردار پر مرتب ہوں گے زبانی دعوے پر نہیں۔

نتائج کردار پر مرتب ہونگے زبانی دعوے پر نہیں:

ہمارا رویہ آج یہ ہے کہ ہم شان رسالت پر جلوس نکالنے میں پیش پیش ہیں میلاد النبی ﷺ کے جشن مناتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں دیگوں کے نذرانے پیش کرتے ہیں محافل سجاتے ہیں لیکن عین جشن مناتے ہوئے ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی کھلے عام خلاف ورزی کرتے ہیں۔

عملی زندگی میں مخالفت کی جائے تو زبانی دعوے کی کوئی حیثیت نہیں رہتی کوئی شخص عملاً زہر کھائے اور

درازی عمر اور اچھی صحت کی دعا کرے تو نتیجہ اس کے عمل پر مرتب ہوگا۔ زبانی دعا پر نہیں مرتب ہوگا۔ ایسی دعا کی کوئی حیثیت نہیں، زہر اپنا اثر دکھائے گا اس لئے کہ جو کچھ وہ زبان سے کہہ رہا ہے اس کا اپنا عمل اس کے خلاف ہے وہ جو کچھ اللہ کریم سے مانگ رہا ہے خود اس کا اپنا عمل اس کی تردید کر رہا ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ ہمیں ذوق شہادت بھی ہے ہر مرنے والے کو شہید بھی قرار دیتے ہیں لیکن عملی زندگی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطا کردہ نظریات وعقائد کردار وعمل سے دور ہوتی ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کے ادا کردہ الفاظ فضا میں گھومتے رہ جاتے ہیں جب سیاستدانوں نے کہا کہ اسلام کی سزائیں تو وحشیانہ ہیں تو یہ جملے ان کا قیامت تک پیچھا کریں گے انہی پر نتائج برآمد ہونگے۔

اب ربیع الاول میں بے شمار جلوس ہوں گے بے شمار جشن ہوں گے جگہ جگہ معجزات بیان ہو رہے ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات برحق ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو معجزات عطا ہوئے انسان انہیں کما حقہ سمجھ ہی نہیں سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو ہر ہر ادا ایک معجزہ ہے لیکن کیا صرف معجزات بیان کرنے سے بات بنے گی یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام جاننا بھی ضروری ہے۔

یہ ہماری بنیادی ضرورت ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطا کردہ ضابطہ زندگی قوانین واصول کو سمجھیں انہیں جانیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی گزارنے کا کون سا اسلوب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے کن امور سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ کاروبار، تجارت، لین دین، سیاست وحکومت، اخلاق ومعاشرت حاکم ورعایا کے لئے کیا حقوق وفرائض بتائے ہیں کیا ذمہ داریاں ہیں پھر خود کو تلاش کریں کہ ہم کہاں ہیں میرے حقوق کیا ہیں مجھ پر فرائض کیا ہیں پھر اسے خلوص دل سے پورا کریں۔

یہ رویہ، یہ طرز فکر، یہ طرز عمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق اور محبت کی دلیل ہے لیکن صرف معجزات بیان کر کے اپنا کردار اپنی مرضی سے اپنانا زندگی اپنی مرضی سے گزارنا جہاں چاہیں جھوٹ بولنا جس کا چاہے مال ہڑپ کر لینا جس کو چاہے دغا دے دینا یہ رویہ نرا دعویٰ ہے اور دعوے کی کوئی حیثیت نہیں نتائج عمل پر مرتب ہونگے۔ آج ہماری تباہی کی ذمہ داری ہمارے اسی رویئے پر ہے۔ اس سے زیادہ بدامنی کیا ہوگی کہ اللہ کا گھر مسجد بھی محفوظ نہیں گھروں میں بیٹھے لوگ محفوظ نہیں صبح گھر سے نکلنے والا محفوظ نہیں وہ بم دھماکے میں مر جاتا ہے اور اسے نہیں پتہ کہ اسے کس نے مارا کیوں مارا اور مارنے والا بھی نہیں جانتا کہ جن کو اس نے مارا ہے وہ کون ہیں وہ انہیں کیوں مار رہا ہے یہ

روشن خیالی کے نتائج ہیں اور اسلامی احکام کو بوجھ سمجھ کر ان سے کنارہ کشی کرنے کا نتیجہ ہے۔

اب بھی باز آجائیں نئے آنیوالے حکمران میری اس گزارش کو مان لیں کہ عقیدۃً نہ سہی۔ اہل مغرب کی طرح تجربۃً ہی سہی اسلامی احکام پر عمل کر کے دیکھ لیجئے۔ اس ملک پر ساٹھ برسوں میں کتنے تجربے ہوئے ہیں۔ صدارتی نظام آیا پارلیمانی نظام آیا کبھی کچھ اور کبھی کچھ سب ہی کچھ آزمایا گیا کیا اسلام اس قابل بھی نہیں کہ کم از کم تجربے کے طور پر ایک مرتبہ اسلامی شرعی نظام تعلیم، نظام معیشت، نظام معاشرت، نظام حکومت کو نافذ کر دیا جائے۔ اور دیکھ لیا جائے کہ ان کے کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ اگر ان سے امن قائم ہو جائے ان سے قوم کا وقار بڑھے ملک خوش حال ہو لوگوں کے مسائل حل ہوتے ہوں تو پھر دیکھئے ان نتائج کو۔ کیا ہر سیاستدان کا یہی دعویٰ نہیں کہ وہ لوگوں کے مسائل حل کرنا چاہتے ہیں وہ ملک کو خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں؟

اسلام کے خلاف چل کر کبھی امن قائم نہیں ہوسکتا:

میں مسجد میں ہوں منبر پر بیٹھا ہوں پورے دعوے سے کہتا ہوں کہ اسلام کے خلاف چل کر کبھی امن قائم نہیں ہوسکتا۔

این خیال است ومحال است وجنوں

کہ ہمارا کردار غیر اسلامی ہو۔ ہماری معیشت غیر اسلامی ہو۔ ہماری سیاست غیر اسلامی ہو۔ ہمارا ضابطہ اخلاق غیر اسلامی ہو۔ ہمارا لین دین غیر اسلامی ہو اور پھر ہم امن سے زندگی گزاریں اور ملک میں امن قائم ہو جائے یہ سوچنا بھی حماقت ہے۔

اللہ کریم ہمیں صحیح سوچ دے اور ہمارے ارباب اختیار کو بھی ہدایت دے۔ آمین

بے شمار لوگوں کی اصلاح کا سبب بننے والی قرآن تفسیر

حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کی

اردو تفسیر آڈیو، وڈیو اور لکھی ہوئی تینوں طرح کی دیکھیں، سنیں یا ڈاؤن لوڈ کریں۔

پنجابی تفسیر وڈیوز دیکھیں ڈاؤن لوڈ کریں۔ قرآن کا اردو ترجمہ اور کتابیں ڈاؤن لوڈ کریں۔

قرآنِ کریم کی تلاوت اور حضرت صاحب کا اردو ترجمہ آڈیو۔ کمپیوٹر اور موبائل پر سننے کے لیے ڈاؤن لوڈ کریں۔ حضرت جی کا کلام حمد اور نعتیں آڈیو وڈیو سنیں اور ڈاؤن لوڈ کریں۔

دلچسپ سوال جواب پر مشتمل ٹی وی پروگرام اَلمرشد کی تمام 125 اقساط کی وڈیوز دیکھیں

www.QuranTafseer.net

حضور نبی پاکؐ کے حضور آج بھی روحانی طور پر حاضری ممکن ہے اور ہزاروں مرد و خواتین یہ سعادت رکھتے ہیں۔ لیکن کیسے؟

تصوف تزکیہ روحانیت ، ذکر، روحانی سلسلہ ،روح، کشف، بیعت ان تمام موضوعات کو سمجھنے کے لیے حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی کے وڈیو بیانات اور کتابیں موجود۔

طریقۂ ذکر جس سے دل سے لے کر جسم کا ہر باڈی سیل اللہ اللہ ذکر کرنے لگ جائے۔

حضور نبی پاک ﷺ کے حضور روحانی طور پر حاضری کی سعادت۔

یہ سب کچھ سمجھنے کے لیے اور مکمل رہنمائی کے لیے ویب سائیٹ وزٹ کریں۔

اس پوسٹ کو زیادہ سے زیادہ شیئر کر کے آپ بھی اس نیک کام کا حصہ بنیں۔